حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ
کی
سیاسی ڈائری
اخبار وافکار کی روشنی میں
(جلد ششم)
(سلسلہ مقالات)
مقالاتِ سیاسیہ
حصہ اوّل
بہ قلم
حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ
تالیف و تدوین
ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہان پوری

شیخ العرب والعجم شیخ الاسلام حضرت مولانا

سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی

# سیاسی ڈائری

## اخبار وافکار کی روشنی میں

**جلد ششم**

## مقالاتِ سیاسیہ (حصہ اوّل)

عطا فرمودہ

جانشین شیخ الاسلام حضرت مولانا سید ارشد مدنی مدظلہ العالی

(استاذ الحدیث دار العلوم دیوبند و صدر جمعیت علماء ہند)

تالیف وتدوین

ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری

باہتمام: محمد ناصر خان

فرید بکڈپو (پرائیویٹ) لمیٹڈ

FARID BOOK DEPOT (Pvt.) Ltd.

New Delhi - 110002

حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کی

# سیاسی ڈائری

(جلد ششم)

مقالاتِ سیاسیہ (حصہ اوّل)

تالیف وتدوین ............ ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہان پوری

باہتمام ........... محمد ناصر خان
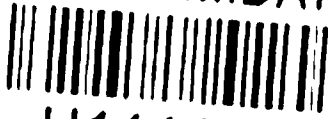
صفحات ........... 610

اشاعت ... ...... 2018ء



Maulana Sayyad Hussain Ahmad Madani (R.A.) Ki

Siyasi Diary

Akhbâr wa Afkâr Ki Roshni Mein

(Vol. 6)

Maqâlât-e-Siyasiyyah (Part-1)

Compiled by : Dr. Abu Salman Shahjahanpuri

Edition : 2018

Pages :
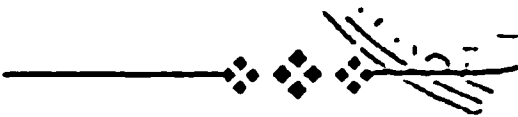
ناشر

فرید بک ڈپو (پرائیویٹ) لمیٹڈ

FBD FARID BOOK DEPOT(Pvt.)Ltd.

2158, M.P. Street, Pataudi House, Darya Ganj, New Delhi-2

Ph.: 011-23289786, 23289159 Fax: 011-23279998

E-mail: faridexport@gmail.com | Website: faridexport.com

Printed at : Farid Enterprises, Delhi-2

# عرض ناشر

بحمد اللہ، ادارہ فرید بک ڈپو (پرائیویٹ لمیٹڈ) قرآن حکیم، احادیثِ مقدسہ، اسلامی تاریخ، فقہ، تبلیغی، اصلاحی، ادبی اور دیگر علوم وفنون پر اہم کتابوں کی طباعت واشاعت کے لیے پورے عالم اسلام میں مشہور ومقبول ہے۔ ادارہ کی اس نمایاں کامیابی میں اللہ ربّ العزت کی بے پایاں رحمت ونصرت اور بانی ادارہ خادم قرآن الحاج محمد فرید خاں مرحوم کا دینی وملی خلوص اور دعائیں شامل ہیں جنھوں نے قرآن مجید اور دینی لٹریچر کی اشاعت کو غیر منفعتی تبلیغی مشن کے طور پر جاری کیا تھا۔ خدا کا شکر ہے کہ بانی ادارہ کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے ہم مسلسل آگے بڑھ رہے ہیں۔

ہندوستان کی تاریخ آزادی علمائے دیوبند کے بے مثال جذبۂ حریت اور جہدِ مسلسل سے روشن ہے۔ حضرت مولانا امداد اللہ مہاجر مکی، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی اور شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن رحمہم اللہ کے جانشین عظیم مجاہدِ آزادی شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی کی ذاتِ گرامی اسلامی ہند کی تاریخ کا درخشاں باب ہے۔ زیرِ نظر کتاب **''حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی سیاسی ڈائری: اخبار وافکار کی روشنی میں''** شیخ الاسلامؒ کی حیات، علمی، دینی وملی خدمات اور وطن کی آزادی میں عدیم المثال قیادت کی مستند ومعتبر دستاویز ہے جسے نامور اسلامی دانشور حضرت مولانا ابوسلمان شاہجہانپوریؒ نے تالیف ومدون کیا ہے۔ **'سلسلۂ مقالاتِ سیاسیہ'** اسی سلسلے کے نہایت اہم مرقعے ہیں جو شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے تحریر کردہ نادر سیاسی مقالات کے مجموعے ہیں۔

ادارہ فرید بک ڈپو کو بجا طور پر فخر ہے کہ جمعیۃ علماء ہند کی سوسالہ تقریبات کے سلسلے میں اکابرینِ جمعیۃ علماء ہند کی یاد میں ان شاہکار کتابوں کو شائع کرنے کی سعادت ہمیں حاصل ہوئی ہے۔

اللہ جل شانہٗ کی بارگاہ میں دست بدعا ہوں کہ 'چراغِ مدنی' اسی آب وتاب سے روشن رہے اور دارالعلوم دیوبند وجمعیۃ علماء ہند ملتِ اسلامیہ کی خدمت، حفاظت اور قیادت کی شاہراہ پر پیش رفت کرتے رہیں۔ آمین۔

خادم قرآن

(الحاج) **محمد ناصر خان**

اللّٰهم
صلّ علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد
کما صلیت علیٰ ابراہیم وعلیٰ آل ابراہیم
انک حمید مجید

اللّٰهم
بارک علیٰ محمد وعلیٰ آل محمد
کما بارکت علیٰ ابراہیم وعلیٰ آل ابراہیم
انک حمید مجید

# سلسلۂ مقالات سیاسیہ نمبر (۱)

## متعلق حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنیؒ کی سیاسی ڈائری

پیش لفظ:

# مقالاتِ سیاسیہ حضرت شیخ الاسلامؒ

شیخ الاسلام کی سیاسی ڈایری کی تالیف و تدوین کے کام کا آغاز ہوا تو حضرت کے متعدد مقالات جو سامنے آئے وہ اس سے قبل کتابچوں کی شکل میں چھپ چکے تھے۔ اس وقت اندازہ ہوا کہ ڈایری میں ان کی شمولیت اس کی روانی میں مانع ہو رہی ہے۔ ڈایری میں واقعات و حوادث اور ان پر ردعمل یا ان کے نتایج کا ظہور تواریخ کی ترتیب سے یکے بعد دیگرے تواتر اور تسلسل کے ساتھ ہوتا ہے۔ مقالہ کسی واقعے کی ضروری تفصیل، کسی مسئلے کی توضیح، کسی فکر کی تصویب یا تردید، کسی فیصلے یا پالیسی کے دفاع، کسی الزام کی تردید، کسی مسئلے یا معاملے کی تحقیق میں ہوتا ہے۔ کسی موضوع پر کتابچے یا کسی مقالے کی تالیف و تدوین کا انداز ڈایری کے مزاج اور اس کی تکوین سے مختلف ہوتا ہے۔ اس لیے مناسب یہ سمجھا گیا کہ تمام مقالات و مضامین کو ڈایری سے الگ کر کے ایک یا دو مجلدات میں مدون کر دیا جائے تاکہ اگر کوئی محترم قاری کسی مسئلے میں تفصیلی مطالعے کے شایق ہو یا اس کا فکری، سماجی، سیاسی پس منظر معلوم کرنا چاہے، سیاسی حالات کے نشیب و فراز میں کسی دعوت یا تحریک کی صورت اور اس کی اہمیت کا تحقیقی مطالعہ کرنا چاہے اور اس کے جواز یا عدم جواز کے تلاش ہو تو وہ اس مضمون یا کتابچے کے مطالعے سے اپنے ذوق کی تسکین کا سامان فراہم کر سکتا ہے۔ اس سے ڈایری کی روانی میں بھی رکاوٹ پیدا نہ ہوگی۔ چناں چہ وقت کے سیاسی مسایل، تحریکات اور دیگر سیاسی و معاشرتی مسایل پر مختلف اہل قلم کے جو مقالات، مضامین یا کتابچے یادگار تھے، انھیں ڈایری سے الگ کر کے مرتب کر دیا گیا ہے۔

مضامین اور کتابچوں کے یہ تین مجلدات ہیں:

✿ پہلا مجلدہ شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی رحمہ اللہ کے ”مقالات

سیاسیہ'' پر مشتمل ہے۔

❁ دوسرا مجلدہ مؤرخ ملت حضرت مولانا سید محمد میاںؒ کے ''مقالاتِ سیاسیہ'' کا ہے۔

❁ جن اہلِ علم اور اصحابِ قلم کے مقالات ایک ایک، دو دو کی تعداد میں تھے اور ایک خاص ضخامت کی حد کو نہ پہنچتے تھے، اِلاّ یہ کہ ان سب کو یکجا کر دیا جائے اور ان کا ایک الگ مجلدہ بنا دیا جائے چناں چہ ایسا ہی کیا گیا۔ یہ مقالات کا تیسرا مجلدہ ہے۔

زیرِ نظر مجموعہ جو ڈائری سے ملحق پہلا مجلدہ ہے، چھوٹے بڑے (۱۲) مقالات و مضامین پر مشتمل ہے اور اس کی ضخامت صفحات کو محیط ہے۔ اس میں حضرت شیخ الاسلامؒ کی کئی نوع کی تحریرات ہیں۔ علم وفن کے لحاظ سے تو یہ تمام تحریرات سیاست اور اس سے متعلقہ مباحث کے ذیل میں آتی ہیں، لیکن صنف ادب کے لحاظ سے یہ مضامین اور خطوط ہیں، جو وقت کے بعض مسایل سیاسیہ کی وضاحت، جمعیت علمائے ہند کے نظریہ ومسلک کے تعارف میں، اس کے مسلک سیاسی کے دفاع میں یا حضرت شیخ الاسلامؒ کی ذات گرامی پر اعتراضات کے رد میں یا کسی مسئلے میں بہ ضمن تعلیماتِ اسلامی، دفع اشکال و رفع شکوک کے لیے تحریر فرمائے گئے تھے۔

عام طور پر یہ تحریرات، خواہ وہ بہ شکل مضمون ہوں یا بہ صورت خط ہوں کسی وقتی یا ہنگامی ضرورت کے تحت کسی معترض یا کسی مستفسر کے جواب میں فی البدیہہ تحریر ہوئی تھیں اور بعض طویل سے طویل تحریر بھی روز و شب کے معمولات کے ساتھ زیادہ سے زیادہ دو نشستوں میں مکمل کر دی گئی تھی اور فوراً ہی کاتب کے حوالے کر دی گئی تھی۔ صاحب تحریر کو اس پر نظر ثانی کا موقع بھی نہ مل سکا تھا۔ میرے علم میں حضرت کا کوئی کتابچہ یا طویل و مختصر مضمون عام مصنفین کے طریقہ کار کے مطابق منصوبہ بنا کر اور اس کے مباحث و اطراف کو ابواب و فصول کے متعین خاکے کے مطابق تالیف نہیں کیا گیا۔ حضرت کے لکھنے کے لیے قیام و حضر اور نظام الاوقات کی پابندی نہ تھی۔ بعض رسایل سفر کی حالت میں جب کہ فراغت و اطمینان کا کوئی لمحہ میسر نہ تھا، لکھے گئے۔ بعض رسایل انتہائی مصروفیات کے عالم میں اور کاروافراد کے ہجوم میں لکھے گئے۔ کوئی

ایسا رسالہ میرے علم میں نہیں، جس کے لیے پہلے حضرت نے خاکہ بنایا ہوا اور پھر خاکہ سامنے رکھ کر تحریر کا آغاز کیا ہو اور پایۂ تکمیل کو پہنچایا ہو۔ نہ کبھی ایسا ہوا کہ پہلے حضرت نے متوقع حوالہ جات فراہم کر لیے ہوں۔ جو بات سماعت میں یا مطالعے سے آ چکی تھی رسالہ لکھنے کے وقت حضرت والا قلم اٹھاتے اور لکھنا شروع کر دیتے، رسالہ یا مضمون مکمل ہو جاتا اور کاتب کے حوالے کر دیتے۔ ہر بحث کے اہم مطالب اور اس کی ذیلی گوشے ایک خاص ترتیب سے ابواب و فصول بنتے اور مرتب ہوتے چلے جاتے۔ خواہ ظاہر الفاظ میں ابواب و فصول کے عنوانات نظر نہ آئیں، لیکن تحریر میں ابواب اور ان کے ذیلی مضامین میں ترتیب قایم ہوتی تھی۔

جیسا کہ شروع میں عرض کیا ہے کہ اس مجلدہ میں (۱۲) تحریریں ہیں۔ جنھیں مضمون یا مقالہ کہا جا سکتا ہے لیکن ان کے مضامین کی نفاست سے انھیں (۵) مجموعوں میں مرتب کر دیا ہے۔ ان مجموعوں میں ایک اندرونی ترتیب بھی ہے جسے قارئین کرام بہ یک نظر محسوس فرمالیں گے۔ اس مجلدہ کے ہر مجموعے میں جو تحریرات شامل ہیں، ان میں سے بعض کے ساتھ ضمیمے بھی شامل ہیں۔ مثلاً ''مسلم لیگ کیا ہے؟'' ایک مجموعے کا بنیادی مقالہ ہے۔ اس کے ساتھ بہ طور ضمیمہ ذوقی شاہ — ایک صحافی کا خط ہے، جس سے مسلم لیگ کے قیام کے لیے سرکاری حکام کی سرگرمیوں اور بعض خطاب یافتگان کی انتہائی دل چسپیوں پر روشنی پڑتی ہے۔ اسی طرح ''مسلم لیگ کی آٹھ مسلم کش سیاسی غلطیاں'' جو مضمون ہے، اس کے ساتھ اسی مضمون کا ایک خط حضرت رائے پوریؒ کے نام اور حضرت مدنیؒ کی ایک تقریر بہ طور ضمیمہ شامل ہے۔ حضرت شیخ الاسلامؒ کے نام مقالات میں اور مجلدہ کے تمام مجموعوں میں یہ اہتمام کیا گیا ہے۔ ضمایم کی شمولیت میں حضرت مدنیؒ کی تحریر ہونے کی شرط کو اٹھا دیا ہے۔ موضوع کی اہمیت اور افادیت کو دیکھتے ہوئے دوسرے اہل علم و نظر اور اصحابِ قلم کی تحریرات جن سے حضرت شیخ الاسلامؒ کی تحریرات کو مزید تدلل و تضمن حاصل ہو، فایدہ اٹھایا ہے!

اس مجلدہ میں قاضی بل کے سلسلے میں ایک تحریر ایسی بھی ہے جو حضرت شیخ الاسلامؒ کی نہیں ہے یہ ایک رپورٹ ہے جو نقیب پھلواری شریف (پٹنہ) میں چھپی تھی

اور حضرت نے اسے کاپی میں اپنے قلم سے نقل کرلیا تھا۔ قانون سازی کے ذریعے اسلامی زندگی کے لیے تحفظات اور اس کی ضمانت کے مسئلے سے چوں کہ حضرت مرحوم کو خاص دل چسپی تھی اور یہ ہمیشہ آپ کے مساعی کا خاص میدان رہا تھا۔ اس رپورٹ کے نقل کرنے سے بھی حضرت کے ذوق اور اس طرف آپ کے خاص رجحان کا پتا چلتا ہے۔ اس لیے نقیب سے حضرت کے اس منقولہ مضمون کو بھی ابواب وفصول میں مرتب کر کے بہ طور تبرک اس مجلدے میں شامل کرلیا ہے۔

حضرت شیخ الاسلامؒ کے جو یادگار مضامین — صرف سیاسی مباحث کے دایرے میں کبھی اور کہیں سے الگ الگ شایع ہوئے تھے، اس مجلدے میں نہ صرف یک جا ہوگئے ہیں بلکہ ان کے موضوعات کی مناسبت سے حضرت کی دیگر تحریرات بھی ان کے ساتھ مدون ہوگئی ہیں اور ان کی تالیف وتدوین کے خاص اہتمام نے اسے ایک یادگار مجلدہ بنادیا ہے۔

یہ مجلدہ چوں کہ حضرت شیخ الاسلامؒ کی سیاسی ڈایری سے ملحق ہے اور سیاسی ڈایری حضرت کے حالات اور آثار وافکار اور خدمات کا تذکرہ ہے، اس لیے اس مجلدے میں حضرت کے احوال وآثار کی تکرار مناسب خیال نہیں کی گئی۔

ابوسلمان

ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہان پوری

(۱۵/جون ۲۰۰۴ء)

ایک تفصیلی مطالعہ

از

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

مرتبہ

ڈاکٹر ابو سلمان شاہ جہان پوری

ناشر

مجلسِ یادگارِ شیخ الاسلامؒ ۔ پاکستان
کراچی

# کانگریس، مسلم لیگ اور جمعیت علماے ہند

## کی سیاسی پوزیشن

# حرفِ چند

انجمن چشتیہ گوجر خاں ضلع راول پنڈی کے ناظم مولوی محمد اسماعیل نے مسلم لیگ، کانگریس اور ان کے نفع ونقصان اور حضرت شیخ الاسلامؒ کی جانب سے کسی کی مخالفت، کسی کی حمایت وغیرہ کے بارے میں چند سوالات پوچھے تھے اور حضرت نے ان کا نہایت مفصل اور مدلل جواب تحریر فرمایا۔ یہ حضرت کا ایک طویل مکتوب ہے اور ۱۸ر ستمبر ۱۹۴۵ء اس پر تاریخ تحریر درج ہے۔ اسے اسی زمانے میں کتابی شکل میں چھاپ کر شائع بھی کردیا گیا تھا۔ میرے سامنے اس کی دو اشاعتیں ہیں۔

(۱) اس کی پہلی اشاعت لکھنؤ سے منصۂ شہود پر آئی تھی۔ یوسفی پریس، فرنگی محلی، لکھنؤ میں یہ رسالہ چھپا تھا۔ مولانا عبدالمومن الفاروقی (سابق ایڈیٹر النجم و آفتاب، لکھنؤ) کے قلم سے بہ عنوان ''عرض خدمت'' ایک صفحہ میں اس رسالے کی اہمیت اور اس کی اشاعت کی ضرورت کا بیان ہے، صاحب تحریر کے نام کے ساتھ ''۴ر اکتوبر ۱۹۴۵ء'' تاریخ درج ہے۔ فاروقی صاحب نے مکتوب میں چند ذیلی عنوانات کا اضافہ بھی کردیا ہے۔ کتابچے کا نام ''کانگریس۔ مسلم لیگ اور جمعیۃ العلماء کی سیاسی پوزیشن'' رکھا ہے۔

(۲) دوسری اشاعت دہلی کی ہے۔ یہ حضرت مولانا سید محمد میاں ناظم جمعیت علماے ہند کے حسب فرمائش دلی پرنٹنگ ورکس، دہلی سے چھاپ کر شائع کیا گیا تھا۔ امتیاز رقم دیوبندی نے اس کی کتابت کی تھی اور نام کے ساتھ ۸ر اکتوبر ۱۹۴۸ء تاریخ کتابت درج کردی ہے۔ اس رسالے یا کتابچے کا نام ''مسلم لیگ کیا ہے؟'' رکھا گیا ہے۔

حضرت کا یہ مکتوب گرامی تاریخی حقایق کا آئینہ، فکر انگیز افکار کا گنجینہ اور تسلی بخش جوابات کا مجموعہ ہے۔ اس کے ساتھ سندھ کے ایک جرنلسٹ سید ذوقی شاہ کا ایک خط بھی بہ طور ضمیمہ شامل کردیا ہے۔ جو انھوں نے مئی ۱۹۴۳ء میں مسٹر محمد علی جناح کو تحریر کیا تھا اور بتایا تھا کہ ۱۹۰۵ء میں پرنس آف ویلز کی ہندوستان آمد کے موقعے پر مسلم لیگ کے قیام کے لیے کس طرح زمین ہموار کی گئی تھی۔ سید محمد ذوقی صحافیوں کے اس جماعت کے ایک رکن تھے جو سرکاری طور پر شاہزادے

کے ساتھ ہندوستان کی سیاحت کے دوران رہی تھی۔ بیشتر مقامات پر اس سلسلے میں جو سازش کا
جال بُنا گیا تھا تو انھیں اعتماد میں لیا گیا تھا۔ یہ خط جناح صاحب کے کاغذات سے لے کر شریف
الدین پیرزادہ صاحب نے اپنی دستاویزی تالیف ''فاؤنڈیشن آف پاکستان'' میں چھاپ دیا
ہے۔ اس خط سے مسلم لیگ کے قیام کے پس منظر اور شملہ وفد پر تاریخ کی بہت اہم روشنی پڑتی
ہے۔

ابوسلمان شاہ جہان پوری
(۵؍اگست ۲۰۰۰ء)

# عرضِ خدمت

آئندہ صفحات میں سیاسی حقائق و معلومات کا جس قدر عظیم ترین ذخیرہ پیش کیا جارہا ہے اسے انتہائی مصروفیت و مشغولیت کے باوجود شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مہاجر مدنی مدظلہ العالی نے اپنے دیرینہ مخلص عقیدتمند مولوی محمد سمٰعیل صاحب سکریٹری انجمن چشتیہ گوجرخان ضلع راولپنڈی کے ایک دردمندانہ سوالنامہ کے جواب میں سپردِ قلم فرمایا ہے،

درحقیقت ایسے سوالات کے جوابات کو اس وقت ملک کے ہر گوشہ میں پھیلانے کی سخت ضرورت تھی، بالکل یہ دیکھکر کہ آجکل مسلم لیگی حضرات اسی قسم کی خرافات کو بقول اخبار مدینہ سڑی ہوئی لاشوں کی طرح اپنی زبانوں پر اُٹھائے ہندوستان کے سادہ لوح مسلمانوں کو ایک عام گمراہی اور غلط پروپگنڈہ کا شکار بناتے ہوئے ہیں، اسی بناء پر راقم الحروف نے اس کو علیحدہ کتابی صورت میں چھپوادیا ہے، تاکہ زیادہ سے زیادہ اور دیر تک بطور حجت و سند کے کام لیا جاتا رہے،

قوی امید ہے کہ حضرت شیخ کے تمام متوسلین اور سیاسی خدام درفقاء افادۂ عام کے پیشِ نظر اس کی نشر و اشاعت میں زیادہ سے زیادہ حصہ لیکر وقت کے ایک اہم فریضہ کو پورا فرمائیں گے،

واللّٰہ المستعان وعلیہ التکلان،

کمترین

عبدالمومن فاروقی غفرلہٗ

۴ راکتوبر سنہ ۱۹۴۵ء

# مکتوب بنام حضرت شیخ الاسلام

مسلماً حامداً و مصلیاً

بخدمت جناب حضرت مولانا صاحب! دامت اظلالکم

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ'

عرض آنکہ ہم گنہگار بفضلِ خدا علمائے دین بالخصوص حضرات دیوبند و فقرائے کرام مقتدر کے خادم ہیں، حضور والا کی مقتدر ہستی ہمارے دلوں میں بہت ہی معزز و قابلِ احترام ہے، سخت مجبوری سے جناب کی خدمت میں یہ عریضہ پیش کیا جاتا ہے کہ فی زمانہ خلقِ خدا میں ایک شور و غوغا بپا ہو گیا ہے کہ حضور والا (معاذ اللہ) اہلِ ہنود سے مل گئے، استغفر اللہ، معاذ اللہ، نقلِ کفر کفر نباشد، ہم گنہگار حیران ہیں، اس لیے چند معروضات پیش خدمت ہیں' للہ ہم گنہگاروں کی دستگیری کیجیے اور اپنے مافی الضمیر سے مطلع کیجیے، ممکن ہے کہ جناب کا مافی الضمیر ہمیں نہ پہنچا ہو، (صحیح یہی معلوم ہوتا ہے) یا کسی نے نہ پہنچایا ہو، یا پہنچا مگر ہم نے نہیں سمجھا، سو معروضات ذیل ہیں:

(۱) مسلم لیگ کی تعریف حضور سمجھائیں،

(۲) مسلم لیگ میں کیا فائدہ ہے کہ عوام دھڑا دھڑ اس کو اچھا سمجھتے ہیں،

(۳) مسلم لیگ میں کیا نقصان ہے کہ حضور والا کی مقتدر ہستی اس کو اچھا

نہیں سمجھتی اور مورد طعن عند المخلوق مشہور ہو رہی ہے،

(۴) کانگریس کا کیا مطلب ہے، یعنی کانگریس کسے کہتے ہیں؟

(۵) کانگریس میں کیا فائدہ ہے، کہ حضور والا اس کو اچھا سمجھ رہے ہیں؟

ہم کو جناب کا مافی الضمیر نہیں پہنچا، اگر پہنچا تو یہ کہ معاذ اللہ حضور اہل ہنود سے مل گئے، قسمیہ بات ہے کہ یہ بات لکھتے ہوئے قلب شرمسار ہے، کہ کیا بکواس لکھ رہا ہوں، فقط سمجھنا مطلوب ہے، جناب کی مقتدر اور رحم کنندہ ہستی ہے ہم امیدوار ہیں کہ حضور ہم بچوں کے سر پر دست شفقت رکھ کر میٹھے پیار سے سمجھائیں گے، ہم بہت حیران ہیں کہ یہ کیا اندھیر مچ گیا؟

(۶) کانگریس میں کیا نقصان ہے کہ خلق خدا اس کو اچھا نہیں سمجھتی؟

یہ معروضات ہم نے اپنی عقل کے مطابق لکھے ہیں، اگر حضور والا کے نزدیک کوئی اور مضمون دریں باب ضروری ہو تو اس کی بھی رہنمائی فرمائیں، بشرطیکہ حضور کو تکلیف نہ ہو،

**نوٹ**: ہم اپنی موٹی عقل کے مطابق یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ مسلم لیگ کی جماعت اور کانگریس کی جماعت یہ دو طاقتیں ہیں جو انگریزوں سے ملک ہندوستان کی آزادی چاہتے ہیں، جس سے اپنے ملک کو دنیوی فائدہ پہنچائیں اور اپنی رائے کے موافق قانون بنائیں، مگر حضور کی رائے مبارک اس کے خلاف ہے، بلکہ حضور کی یہ رائے ہے کہ مسلم لیگ کے مقابلہ میں علمائے اسلام کی قوت ہو اور جماعت مسلم لیگ نہ ہو، اور اس کے بدلہ جماعت علمائے اسلام اور کانگریس کی قوت سے آزادی ملے، کیونکہ علمائے اسلام قوانین شریعت سے واقف ہیں، جو قانون علمائے اسلام کے دماغ اور ہاتھوں سے بنے گا وہ شرعی ہوگا، سو اس میں فائدۂ اسلام ہے، اور مسلم لیگ کے رہنما شریعت سے بے خبر ہیں،

سو اُن کی قوانین ساختگی اسلامی نہیں ہوگی، لہٰذا مسلم لیگ کی جماعت شریعت کو مضر ہے، اور جناب کی رائے مبارک میں اسلامی فائدہ ہے،

یہ مضمون میرا اپنا خیال ہے، خدا جانے صحیح ہے، یا جناب کا کوئی دوسرا مضمون مراد ہو جو میرے مضمون سے ہزار درجہ اعلیٰ ہو،

حضور کے پاس ہزاروں خط آتے ہوں گے، اکثر بندہ تنگ ہو جاتا ہے اگر اس خط کا جواب حضور ضرور ارشاد فرمائیں، کیونکہ ہمیں سخت ضرورت ہے، خلقت میں جناب کے حق میں بہت ہی بدظنی پھیلائی جا رہی ہے، جو سُن سن کر طبیعت تنگ ہو رہی ہے، اگر حضور سے جواب نہ آیا تو پھر ہم عاجز سائل کس سے پوچھیں گے؟ للّٰہ! دستگیری کی ضرورت ہے، فقط والتسلیم،

محمد اسمٰعیل

ناظم انجمن چشتیہ گوجر خان

ضلع راولپنڈی

# شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند وصدر مسلم پارلیمنٹری بورڈ

## کا

# جواب

محترم المقام زید مجدکم

مزاج شریف! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ،

والا نامہ باعث سرافرازی ہوا، مضامین مندرجہ سے تعجب نہیں ہوا، کیونکہ آج مسلمان غلط پروپیگنڈہ کے یا تو خود شکار ہیں یا دوسروں کو شکار کرنے کے لیے دامِ تزویر پھیلانے میں دن رات لگے ہوئے ہیں، آپ فرماتے ہیں:

"فی زمانہ خلقِ خدا میں ایک شور وغوغا بپا ہوگیا ہے کہ حضور والا (معاذ اللہ) اہلِ ہنود سے مل گئے ہیں، استغفر اللہ، نقل کفر کفر نباشد ہم گنہگار حیران ہیں"

محترما! آپ اس شور وغوغا سے اس قدر متاثر کیوں ہوتے ہیں؟ مسلمان تو ہندوؤں سے اس وقت سے ملے ہوئے ہیں جب سے کہ ہندوستان میں آکر آباد ہوئے، اور میں تو اس وقت سے ملا ہوا ہوں جب سے کہ میں پیدا ہوا، کیونکہ میری ولادت ہندوستان ہی میں ہوئی، اور یہیں پرورش پائی، جب ایک ملک اور ایک شہر یا آبادی میں رہیں گے تو ضرور ایک دوسرے کو دیکھے گا، ساتھ رہے گا، ساتھ چلے گا، معاملات لین دین اور ہر قسم کی خرید وفروخت، اجارہ، وکالت، عاریت، تعلیم وتعلّم وغیرہ وغیرہ ہوں گے، ایک دوسرے سے باتیں کرے گا، ہاتھ ملائے گا، وغیرہ وغیرہ، کیا کیا نہیں ہوگا؟ لہٰذا میں اور تمام

مسلمان جب تک ہندوستان میں ہیں ہندوؤں سے ملے ہوئے ہیں، سڑکوں پر ملے ہوئے ہیں، بازاروں میں ملے ہوئے ہیں، مکانوں میں ملے ہوئے ہیں، ریلوں میں، ٹراموے میں، بسوں اور لاریوں میں، اسٹیمروں میں، اسٹیشنوں میں، کالجوں میں، ڈاک خانوں میں، تھانوں اور پولیس کے اداروں میں، کچہریوں میں، کونسلوں میں، اسمبلیوں میں، ہوٹلوں میں وغیرہ وغیرہ، آپ ہی بتلائیے، ملنا کہاں اور کب نہیں ہے؟ آپ زمیندار ہیں آپ کے کاشتکار کیا ہندو نہیں ہیں، آپ تاجر ہیں تو کیا آپ کے خریدار اور معاملہ والے جن سے آپ کو خریدنا ہوتا ہے ہندو نہیں ہوتے؟ آپ وکیل ہیں تو کیا آپ کے مؤکل یا آپ کے وہ حکام جن سے مقدمہ کے معاملات کا تعلق ہے ہندو نہیں ہوتے؟ کیا ان سے ملنا نہیں پڑتا؟ آپ میونسپل بورڈ، ڈسٹرکٹ بورڈ، لوکل بورڈ، کونسل، اسمبلی وغیرہ کے ممبر ہیں تو کیا ہندو ممبر اور سکریٹری اور پریسیڈنٹ سے ملنا، بحث کرنا انسانی تہذیب اور آداب کو بجالانا نہیں پڑتا ہے؟ پھر بتلائیے اور غور کیجیے کہ کون اس سے بچا ہوا ہے؟ ہندوستان کے دس کروڑ مسلمانوں میں سب کو گردن زدنی ہی قرار دیدیجیے،

## ذاتی پوزیشن

میں ابتدائی عمر میں اردو مڈل اسکول میں پڑھتا تھا، تو ہندو طلبہ بھی ساتھ ساتھ پڑھتے تھے، چنانچہ کئی سال تک متعدد کلاسوں میں ساتھ رہا، اور بعض کلاسوں کے مدرس بھی ہندو تھے، ان سے پڑھنا ہوا، اور اگر آپ یہ کہیں کہ ملنے سے مراد افسری اور ماتحتی کا تعلق ہے تو حضور جب آپ کسی محکمہ میں ہوں اور آپ کا افسر ہندو ہو تو اس کی تابعداری روزانہ بلکہ ہر گھنٹہ میں کیا

آپ کو نہیں کرنی پڑتی ہے؟ جس صیغہ میں بھی غیر مسلم کی گنجائش ہوگی اس میں بسا اوقات ہندو افسر ہوگا، اور اس کے ماتحت مسلمان ہوں گے، اس سے نجات کب ہو سکتی ہے؟ (اگرچہ میں تو کسی ایسے شعبہ کا ملازم بھی نہیں ہوں)

اور اگر آپ یہ فرمائیں کہ اس سے یہ مراد ہے کہ ہندو اور مسلمان کی جنگ ہو رہی تھی تو اس جنگ میں مسلمانوں کو شکست دینے کے لیے ہندوؤں سے مل گیا ہے، کیونکہ یہ لفظ عرف میں ایسے ہی مقام پر بولا جاتا ہے، تو حضور یہاں کب سے اور کونسی جنگ ہو رہی ہے، اور میں کب مسلمانوں کو شکست دینے اور ان کو دشمنوں سے پامال کرانے کے لیے میدان میں اُتر گیا ہوں؟ یہ محض خیالی اور وہمی امور ہیں، والعیاذ باللہ، ایسے جھوٹ اور افتراء کو آپ بلا سوچے اور سمجھے کس طرح قبول فرما رہے ہیں؟

اور اگر یہ مراد ہے کہ میں کانگریس کا ممبر ہو گیا ہوں، تو حضور! میں کانگریس کا اس وقت سے ممبر ہوں جب سے میں مالٹا سے ہندوستان آیا، اس سے پہلے میں انقلابی تشدد آمیز خیالات کے ساتھ برطانوی موجودہ اقتدار اور شہنشاہیت کا مخالف تھا، اور اسی بنا پر مالٹا کی چار برس کی قید ہوئی تھی، اور واپسی مالٹا کے بعد عدم تشدد کی پالیسی کے ساتھ برطانوی اقتدار اور شہنشاہیت کا مخالف اور ہندوستان کی آزادی کا حامی ہو گیا ہوں، سنہ ۱۹۲۰ء سے برابر سالانہ فیس ممبری اس میں اور جمعیۃ العلماء میں ادا کرتا ہوں، خلافت کا بھی اسی وقت سے ممبر ہوں، مگر خلافت فنا ہو گئی، اس لیے اب اس میں کوئی حصہ نہیں رکھتا، اور میں ہر اُس انقلابی جماعت میں شریک ہونے کے لیے تیار ہوں جو برطانوی اقتدار اور شہنشاہیت کو ہندوستان سے ختم کرنے یا کم کرنے کی سچائی سے کوشش کرتی ہو اور اپنی پالیسی عدم تشدد کی رکھتی ہو،

غرضکہ میں ۲۵ برس سے کانگریس کا ممبر ہوں، جلسوں میں شریک ہوتا ہوں، تقریریں کرتا ہوں، فیس ممبری ادا کرتا ہوں، عہدوں کو قبول کرتا ہوں، جیل میں جاتا ہوں، اور اسی طرح سے اسی وقت سے جمعیۃ العلماء کا بھی ممبر ہوں، ہاں کسی مذہبی یا فرقہ وار غیر مسلم (ہندو، سکھ، عیسائی، یہودی) جماعت کا نہ ممبر ہوں اور نہ ان کے جلسہ وغیرہ میں شریک ہوتا ہوں، یہ واقعی حیثیت ہے'

وَاللّٰہُ مَا نَقُوْلُ وَکِیْلٌ ہ

# مسلم لیگ کی تاریخی حقیقت

آپ فرماتے ہیں:

"(۱) مسلم لیگ کی تعریف حضور سمجھائیں؟"

**الجواب:**۔ اس مقام پر اسی شخص کا مقالہ مختصراً پیش کر دینا کافی سمجھتا ہوں جو کہ نہ صرف لیگ میں شریک تھا بلکہ بمنزلہ روحِ رواں لیڈری کرتا تھا، اور آجکل کی کشمکش سے وہ بالکل علیحدہ تھا، یعنی مولانا شبلی مرحوم جن کی زمانہ جنگِ عظیم اول میں وفات ہوگئی ہے، وہ لکھتے ہیں:

"ہم کو خود اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا چاہیے، ہم کو اپنا راستہ آپ متعین کرنا چاہیے، ہماری ضروریات ہندوستان کے ساتھ مشترک بھی ہیں اور جداگانہ بھی، اس لیے ہم کو ایک جدا پولیٹکل اسٹیج کی ضرورت ہے، اس موقع پر پہنچ کر ہمارے سامنے ایک چیز نمودار ہوتی ہے "مسلم لیگ" یہ عجیب الخلقت کیا چیز ہے؟ کیا یہ پالیٹکس ہے؟ خدانخواستہ نہیں، انٹی کانگریس ہے؟ نہیں، کیا ہاؤس آف لارڈز ہے؟ ہاں سوانگ تو اسی قسم کا ہے۔"

(حیاتِ شبلی ص ۶۱۷)

دوسری جگہ مولانا مرحوم فرماتے ہیں:

مسلم لیگ کا سنگِ اوّلین شملہ کا ڈیپوٹیشن تھا، اور اب یا آئندہ جو کچھ اس کا ترکیبی نظام قرار پائے ڈیپوٹیشن کی روح اس میں موجود رہے گی، ڈیپوٹیشن کا مقصد سراپا یہ تھا اور یہی ظاہر بھی کیا گیا تھا کہ جو ملکی حقوق ہندوؤں نے اپنی سی سالہ جد و جہد سے حاصل کیے ہیں اس میں مسلمانوں کا حصہ متعین کر دیا جائے۔"

(حیاتِ شبلی، ص ۶۱۸)

ایک دوسری جگہ مولانا مرحوم لکھتے ہیں:

"سب سے آخری بحث یہ ہے کہ مسلم لیگ کا نظامِ ترکیبی کیا ہے؟ اور کیا وہ قیامت تک درست ہو سکتا ہے؟ پہلا سوال یہ ہے کہ کیا مسلم لیگ اس خصوصیت کو چھوڑ دے گی کہ اس کو سب سے پہلے دولت اور جاہ کی تلاش ہے، اور اس کو اپنے صدرِ انجمن کے لیے، نیابت صدر کے لیے وہ مُہرے مطلوب ہیں جن پر طلائی رنگ ہو، لیکن پولیٹیکل بساط میں اُن مہروں کی کیا قدر ہے؟ کیا ایک معزز رئیس، ایک بڑا زمیندار، ایک حکام رس، دولتمند اپنی فرضی آبرو کو نقصان پہنچانا گوارا کر سکتا ہے؟ ہندوؤں کے پاس زمینداری، دولت، خطاب کی کمی نہیں، لیکن کیا انھوں نے تیس برس کی وسیع مدت میں کسی بڑے زمیندار یا تعلقہ دار کو پریسیڈنسی کا کرسی نشین کیا؟ کیا اس کے پریسیڈنٹوں میں کسی کا سر خطاب کے تاج سے آراستہ ہے؟"

(حیاتِ شبلی، ص ۶۱۹)

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

"اسی بنا پر پالیٹکس کی بحث میں سب سے بڑا اور مقدم کام یہ ہے کہ

یہ سمجھا دیا جائے کہ مسلم لیگ نہ آج بلکہ ہزاروں برس کے بعد بھی پالیٹکس نہیں بن سکتی، مسلم لیگ کیونکر قائم ہوئی، کب قائم ہوئی، کس نے قائم کی، اور سب سے بڑھکر یہ کہ یہ وحی (بقول سرسید مرحوم) خود دل سے اُٹھی تھی یا کوئی فرشتہ اوپر سے لایا تھا، الخ"

(حیاتِ شبلی ص ۶۱۸)

ان مختلف اقتباسات سے جو کہ مولانا شبلی مرحوم کے ان مضامین سے جنھیں خود انھوں نے اخبار مسلم گزٹ سنہ ۱۹۱۰ء میں شائع فرمائے تھے، اور ان مضامین کے چیدہ کلمات (حیاتِ شبلی میں مندرج ہیں) سے پوری حقیقت اجمالی طور پر سمجھ میں آگئی ہوگی، اور اگر آپ کو اس سے زیادہ واضح تفصیل کی ضرورت ہے... تو "روشن مستقبل" ص ۳۱۴ سے سلسلۂ مضامین کا مطالعہ فرمائیے،

## نواب وقار الملک مرحوم کا اقرار

نواب وقار الملک مرحوم اولین سکریٹری مسلم لیگ کے خطبہ مارچ سنہ ۱۹۰۷ء سے معلوم کیجیے! نواب صاحب فرماتے ہیں:

"ہماری تعداد بمقابلۂ دوسری قوموں کے ہندوستان میں ایک خمس ہے، اب اگر کسی وقت ہندوستان میں خدانخواستہ انگریزی حکومت نہ رہے تو ہمیں ہندوؤں کا محکوم ہو کر رہنا پڑے گا، اور ہماری جان، ہمارا مال، ہماری آبرو، ہمارا مذہب سب خطرہ میں ہوگا، اور اگر کوئی تدبیر ان خطروں سے محفوظ رہنے کی ہندوستان کے مسلمانوں کے ہاتھ میں ہے تو وہ یہی ہے کہ انگریزی حکومت ہندوستان میں قائم رہے ہمارے حقوق کی حفاظت تب ہی ہو سکتی ہے جب کہ ہم گورنمنٹ کی

کی حفاظت پر کمر بستہ رہیں، ہمارا وجود اور گورنمنٹ کا وجود لازم وملزوم ہیں......... انگریزوں کے بغیر ہم اس عزت وآسودگی کے ساتھ نہیں رہ سکتے......... اگر مسلمان دل سے انگریزوں کے ساتھ ہیں تو ہندوستان سے ان کو کوئی نکال نہیں سکتا......... ان کو اس عمدہ خیال کی تلقین کی جائے گی، کہ وہ اپنے تئیں مثل ایک انگریزی فوج تصور کریں، اور تاج برطانیہ کی حمایت میں اپنی جانیں قربان کرنے اور اپنا خون بہانے کے لیے تیار رہیں، اور گورنمنٹ سے اپنے حقوق نہایت ادب اور متانت کے ساتھ طلب کریں، نہ کہ اس طریقہ پر جس پر ہمارے دیگر ابنائے وطن کا عمل ہے، اور اس سے میری مراد ایجی ٹیشن کے طریقہ سے ہے، پس تمہارے دل میں ہر وقت یہی خیال موجزن رہنا چاہیے کہ اس سلطنت کی حمایت کرنا تمہارا قومی فرض ہے........ تم اپنے تئیں انگریزی فوج کے سولجر خیال کرو، تم تصور کرو کہ انگریزی پرچم تمہارے سر پر لہرا رہا ہے، تم یقین کرو کہ تمہاری یہ دوڑ دھوپ اسی لیے ہے کہ تم ایک دن تاجِ برطانیہ پر (اگر اس کی ضرورت ہو) اپنی جانیں نثار کرو، اور انگریزی سپاہیوں کے ساتھ مل کر اس سلطنت کے مخالفوں اور دشمنوں کے ساتھ کلہ بکلہ لڑو، اگر یہ خیال تم نے ذہن نشین رکھا تو مجھ کو امید ہے کہ تم اپنی قوم کے لیے باعثِ فخر ہو گے، اور آئندہ نسلیں تمہاری شکر گذار ہوں گی اور تمہارا نام ہندوستان کی انگریزی حکومت کی تاریخ میں سنہرے حروف میں لکھا جائے گا ——— " (روشن مستقبل ص ۳۲۰ ماخوذ از نواب وقار الملک کی اسپیچ مسلمانِ ہند کے پالیٹکس پر جو ۲۳ مارچ ۱۹۰۶ء کو مدرسۃ العلوم علیگڈھ میں طالبعلموں کے روبرو کی گئی)

محترم المقام! مذکورہ بالا اقتباساتِ صحیحہ سے مسلم لیگ کے اصلی معنی آپ کی سمجھ میں آگئے ہوں گے، بقول مولانا شبلی مرحوم وہی روح لیگ میں آج بھی کام کررہی ہے، جو ابتدا میں تھی، یعنی برطانیہ کی مدد کرنا، ان کو اپنے لیے مدارِ زندگی سمجھنا اور اپنے جان ومال وعزت کو انگریزی راج کی ہندوستان میں بقاء کے لیے قربان کرنا، اور اسی کی تلقین مسلمانوں میں کرنا، اور انسانوں کو عظیم الشان دشمن اور ان کی حکومت کو انتہائی مضر اور مہلک خطرہ سمجھنا اور اُن سے ہر وقت ڈرانا:...... اور کانگریس سے جو کہ ملکی اور سیاسی جماعت ہے ہر طرح باز رکھنا، وغیرہ، آپ آج بھی قائدِ اعظم کے خطبات اور لیگ کے کارکنوں کے خطبات، لیگی پریس کے مضامین، ڈان اور منشور کے روزانہ کے آرٹیکلوں کو ملاحظہ کریں، اور اسی روح اور حقیقت کا مشاہدہ کریں،

## چند تازہ شہادتیں

زمیندار مجریہ ۲۵ مارچ ۱۹۴۱ء صفحہ ۸ کالم ۱ کو دیکھیے، فرماتے ہیں:

"ہم اعلان کرتے ہیں کہ مسلمانانِ ہند اسلامی قومیت کا ہی حصہ ہیں، ہم ببانگِ دہل کہتے ہیں کہ ہم اسی ملتِ عظیم کا ایک جزء ہیں، جو بحرِ اوقیانوس سے بحرالکاہل تک پھیلی ہوئی ہے، ترکی بھی اسی ملّت کا حصہ ہے، اور افغانستان اور عراق بھی، مجھے خوشی ہے کہ اس جنگ میں یہ طاقتیں برطانیہ کے ساتھ ہیں، اور ہم ہند کے مسلمان بھی (خواہ ماضی میں ہمیں کتنا ہی اختلاف کیوں نہ رہا ہو) انگریزوں کے ساتھ ہیں، اور اس وقت بھی ہم تمھاری امداد کرنا چاہتے ہیں ........"

اس سے پہلے صفحہ ۷ کالم ۸ میں فرما چکے ہیں:

"مسلم لیگ ایسے وقت میں برطانیہ کو پریشان نہیں کرنا چاہتی جبکہ وہ زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہے، اور نہ فوجی بھرتی میں رکاوٹ بننا چاہتی ہے، اور نہ اس نے سول نافرمانی کا حربہ استعمال کیا، اگرچہ اس کی غیر جانبداری بھی جارحانہ رنگ میں نہیں ہے، اس نے اپنے ارکان کو اجازت دی ہے کہ وہ اگر چاہیں تو برطانیہ کی مصیبت کے وقت میں کام آسکتے ہیں، سر سکندر حیات خاں وزیراعظم پنجاب نے جو مسلم لیگ کے ایک سربرآوردہ رکن ہیں اتنی زبردست فوجی امداد کی ہے کہ جس کی مقدرت کسی اور شخص کو نہیں ہو سکتی،

........."

اس سے پہلے صفحہ ۲ کالم ۵ میں یہ فرما چکے ہیں:

"ہم مسلم لیگی بھی اس ملک کی دوسری جماعتوں کی طرح برطانیہ ہی کی فتح چاہتے ہیں، ہم انگلستان کو مظفر و منصور دیکھنا چاہتے ہیں"

پیج ۱۳ر مارچ سنہ ۱۹۴۱ء میں مندرجہ ذیل فقرہ دیکھیے:

یہی آواز نواب زادہ لیاقت علی خاں نے اسمبلی میں فائننس بل پر تقریر کرتے ہوئے اٹھائی، انھوں نے کہا:

"حکومت ان کی بات پوچھتی ہے جو اس کی پیٹھ پر چھرا مارتے ہوں اور جو اس کی طرف تعاون کا ہاتھ بڑھاتے ہوں ان کی جانب بے رخی سے پیش آتی ہے"

خلاصہ یہ کہ لیگ کا اولین سنگ بنیاد آج تک محفوظ ہے، لیگ برطانیہ ہی کی معین اور مددگار ہے، اس کو ہی اپنا مدارِ زندگی سمجھتی اور جان و مال و عزت و آبرو

مذہب اسب کو برطانیہ پر قربان کرنا ضروری جانتی ہے، اور اسی کی تلقین مسلمانوں کو مختلف پیراؤں اور پروپیگنڈوں سے کرتی رہتی ہے، اور ہندوؤں سے نفرت پھیلانا، مسلمانوں کو ان سے ہر وقت ڈرانا اور ان کو ان کی جماعتوں کو نہایت خطرناک دشمن دکھلانا اور کانگریس سے متنفر کرنا اس کا آج بھی نہایت اہم مشغلہ ہے،

# لیگ کی اسلام دوستی اور معیارِ عمل

(۱) دیکھیے آرمی بل پاس کیا گیا (جس کے خلاف کراچی کیس اور سزائیں ہوئیں اور پانچ سو سے زائد علماء کا فتویٰ جگہ جگہ شائع کیا گیا تھا) اور فوجی بھرتی میں رکاوٹ ڈالنے والے کو مجرم اور ایک سال کی سزا کا مستحق بنایا گیا، کیا یہ محض برطانیہ کی امداد نہ تھی؟ حالانکہ تمام کانگریسی ہندوؤں نے اسمبلی میں اس کی مخالفت کی تھی،

(۲) قائداعظم اور دوسرے مسلم ممبران نے اسمبلی میں اُس وقت تقریریں زور دار الفاظ میں کی کہ یہ فوجیں ممالکِ اسلامیہ میں نہ جائیں گی، وائسرائے کے وعدہ کا یقین دلایا، اور کہا کہ اگر اس کے خلاف ہوا تو ہم یہ کر ڈالیں گے وہ کر ڈالیں گے، مگر یہی فوجیں ایران، عراق، شام، مصر کو بھیجی گئیں، پھر لیگ نے کیا کیا؟ کوئی پروٹسٹ کیا؟ یا عملی کارروائی برطانیہ کے خلاف ظاہر کی؟

(۳) لیگ اگرچہ جنگ سے غیر جانبدار رہی، مگر انفرادی اعانت کی اجازت دی جس کی بنا پر چھوٹے اور بڑے مسلم لیگیوں نے برطانیہ کی امداد و اعانت جنگ میں بیش از بیش یہاں تک حصہ لیا، کہ کسی سے اس کی مثال نہیں

ہوسکتی (دیکھو زمیندار، ۲۵ مارچ سنہ ۴۱ء)

(۴۲) لیگ پاکستان انگریز سے مانگتی ہے، اور کہتی ہے کہ ڈیفنس اور فارن پالیسی بعد از آزادی بھی پاکستان میں انگریزوں کے ہاتھ میں رہے گی جب تک پاکستان کی حکومت امن وامان پوری طرح قائم رکھنے کے لیے حسب رائے برطانیہ قابل نہ ہوجائے (برخلاف اس کے کانگریس آزادی کامل کا مطالبہ کررہی ہے) ظاہر ہے کہ ڈیفنس برطانیہ کے قبضہ میں ہونے پر پوری امداد واستمداد مسلمانوں ہی سے اس کی ہوتی رہے گی، اور خدا جانے کب تک ہوتی رہے گی، انگریزوں اور یورپین اقوام کے قبضہ کی تاریخ کا مطالعہ کیجیے،

مدینہ بجنور، ص ۳ کا، ۹ ربیع الاول سنہ ۱۳۶۳ھ مطابق ۵ مارچ سنہ ۴۴ء بعنوان "پاکستان کے قیام کے بعد برطانوی غلبہ ضروری ہے"

قائد اعظم کا ۲۶ فروری کا بیان جو کہ نیوز کرانیکل لندن کی دعوت پر انہوں نے پاکستان کے مسئلہ پر دیا ہے، اس کا مندرجہ ذیل اقتباس ملاحظہ ہو:

"اگر برطانوی حکومت ملک کے دو ٹکڑے کردے تو تھوڑے عرصہ کے بعد جو ۳ ماہ سے زیادہ نہ ہوگا ہندو لیڈر خاموش ہوجائیں گے، اور جب تک دونوں ٹکڑے آپس میں امن سے نہ رہیں تب تک برطانوی حکومت کا فوجی اور خارجی کنٹرول ضروری ہے، اس صورت میں مصر کی طرح کم از کم ہم اندرونی طور پر تو آزاد ہوں گے، آج بھی اصولاً پانچ صوبوں میں پاکستانی حکومتیں لیگ کے ماتحت قائم ہیں۔"

اسی بیان پر ڈاکٹر سید عبداللطیف صاحب حیدرآبادی (جو کہ حسب دعویٰ خود پاکستان کا خیال اولاً وہی پیش کرنے والے ہیں، اور لیگ میں عرصہ دراز تک

رہے ہیں، کلچر یا تہذیبی منطقوں میں ہندوستان کی تقسیم کے متعلق ایک اسکیم کے ترتیب دینے والے ہیں، اور اپنی ایک تصنیف میں اس کو پیش بھی کر چکے ہیں، نہایت مضطرب اور بے قرار ہو کر مسلمانوں اور بالخصوص مسلم لیگ کے ممبروں کو تنبیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"اب مسلمانوں کو دیکھنا چاہیے کہ ان کے قائد اعظم ان کو کدھر لیے جا رہے ہیں؟ میں ابتدا ہی سے جانتا تھا کہ مسٹر جناح پاکستان کے لیے سنجیدہ نہیں ہیں، اب انھوں نے ظاہر کر دیا ہے کہ وہ قطعی آزاد پاکستان کے خواہشمند نہیں ہیں، وہ والیِ ملک کے بغیر ایک ایسی ریاست کے خواہشمند ہیں اور چاہتے ہیں کہ زیر سایۂ برطانیہ ایک طویل مدت میں یہ علاقے مصر کی حقیقت تک پہنچ جائیں، جو قانونی طور پر تو آزاد ہے مگر اپنے ہر کام میں برطانیہ کے چشم و ابرو کا منتظر ہے، انھوں نے کراچی میں "تقسیم کرو اور ہندوستان سے چلے جاؤ" کا نعرہ لگایا تھا، مگر وہ اب کہہ رہے ہیں کہ اس سے ان کا مقصد "تقسیم کرو اور رہو" تھا، وہ چاہتے ہیں کہ برطانوی طاقت ہندوستان اور پاکستان دونوں جگہ رہے، اور دفاع و خارجی مسائل کی مالک بنی رہے،

یہ ہے مسٹر جناح کا آئینی ترقی کے متعلق نظریہ! کیا کوئی انگریز اس کے لیے ان کا شکریہ ادا کرے گا؟ میرے خیال میں برطانوی رجعت پسند بھی اس پالیسی پر افسوس ظاہر کریں گے، برطانیہ نے کرپس اسکیم کی رو سے وعدہ کیا ہے کہ جنگ کے بعد ہندوستان کو متحدہ طور پر یا علاقوں کی تقسیم کے بعد مکمل آزادی حاصل ہو جائے گی، بجائے اس کے مسٹر جناح اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دوسری جماعتوں سے

اتحاد کرتے وہ موجودہ غلامی ہی پر قانع ہیں، کیا لیگ کے عام ممبر اس روش کی تائید کریں گے؟" (اجمل بمبئی مورخہ ۱۶ مارچ ۴۶ء جلد ۱۷ زیر عنوان "مسلمانو! دیکھو کہ تمھارے قائد اعظم تم کو کدھر لیے جا رہے ہیں)

(۵) لیگ نے شریعت بل فیل کیا، جس کی اہمیت اور ضرورت مذہب اسلام اور مسلمانوں کے لیے محتاجِ بیان نہیں،

(۶) لیگ نے خلع بل کو بالکل خلافِ شریعت اور ناکارہ کر دیا،

(۷) لیگ نے قاضی بل (قانون فسخ نکاح) کی مخالفت کی اور اس کو فیل کر دیا، حالانکہ اسلامی ضرورتیں اور اسلامی تاریخ اس کی متقاضی تھیں،

(۸) سارداِ بل کو پاس کرانے کی کوشش سے قائد اعظم کی مذہبی دشمنی ظاہر ہے،

(۹) لیگ کی موجودہ حکومتوں نے برطانیہ کی پوری امداد کرتے ہوئے ہندوستانی عوام اور بالخصوص مسلمانوں کو برباد کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا، صوبۂ بنگال میں لیگی حکومت ہی نے لاکھوں انسانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا، مسٹر ایمری ۱۹ لاکھ تک کا اقرار کرتے ہیں، اخباروں سے ۹۰ لاکھ یا اس سے زائد کا پتہ چلتا ہے، یہ وہ صوبہ ہے جس میں مسلم آبادی تمام صوبوں سے عدد میں زائد اور سب سے زیادہ غریب ہے، اور وہی مرتے ہیں، (دیکھو وڈہیڈ کمیشن کی رپورٹ دربارۂ قحطِ بنگال)

(۱۰) مسلم لیگ کی وزارتوں نے لیگیوں اور اپنے رشتہ داروں اور احباب اور وزراء کو ٹھیکے دے کر ان کو مالا مال اور عوام کو کنٹرول وغیرہ کے ذریعہ سے فنا اور مفلس کر دیا، نفع اندوزی میں وہ کام کیا جس کی نظیر نہ کانگریسی حکومت کے زمانہ میں ملتی ہے اور نہ اُن صوبوں میں ہے جہاں براہِ راست گورنروں کی حکومت رہی ہے،

# پاکستانی نظامِ حکومت کی برکات

روزنامہ اجمل مورخہ ۱۵ر جنوری ۱۹۴۵ء نمبر ۱۳ جلد ۱۸ از زیر عنوان (مسلم لیگ کی مجلسِ عاملہ کے ایک رکن کا سنسنی پھیلانے والا بیان) :-

" بعض لیگی وزارتوں نے غلہ کی خریداری کے سنڈیکیٹ جیسے اجارہ داری کے ادارے قائم کر دیتے ہیں جن سے خود وزارتوں کا تعلق ہے، اور ان لیگی وزارتوں کے عہد میں نظامِ حکومت کی اندرونی خرابیاں اور رشوت کی گرم بازاری کا یہ حال ہو گیا ہے کہ ان کی کوئی مثال اس سے پہلے کی تاریخ میں نہیں ملتی، ان تباہ کن اثرات نے عام لیگیوں کو پریشان اور متنفر کر دیا ہے، اور وہ خطرہ محسوس کرتے ہیں کہ اگر اس چیز کی بہت جلد روک تھام نہ ہوئی تو آئندہ عام انتخابات میں مسلم لیگ کو بڑی سخت دشواریوں کا سامنا ہو گا، اور مسلمانوں کے اتحاد کی ضرورت کا نعرہ بھی اپنے اندر کوئی اثر باقی نہ رکھ سکے گا "، مگر کوئی روک تھام آج تک نہیں ہوئی اور معاملات بدستور ہیں "

(۱۱) خود قائدِ اعظم اور لیگ ہائی کمان نے ۱۹۱۶ء میں لکھنؤ پیکٹ کر کے مسلم اکثریت والے صوبوں کا گلا گھونٹ دیا، یعنی معاہدہ کیا کہ پنجاب میں مسلم نشستیں ۵۵ فی صدی سے گھٹا کر ۵۰ فی صدی کر دی جائیں، اور صوبۂ بنگال میں ۵۳ فی صدی سے گھٹا کر ۴۰ فی صدی کر دی جائیں، اگرچہ اس کے بدلے میں مسلم اقلیت والے صوبوں میں مسلمانوں کی نشستیں زیادہ کی گئیں، مگر اس زیادتی کی وجہ سے مسلمانوں کو کوئی فائدہ نہ ہو سکا کیونکہ ان میں مسلم مینارٹی اتنی زیادہ تھی کہ اس ویٹج کے ہوتے ہوئے بھی

بڑے درجہ کی اقلیت باقی رہ گئی، اگرچہ صوبہ بمبئی میں ۱۳ کی زیادتی کی گئی اور جملہ ۳۳ فی صدی ہو گئی، اسی طرح یوپی میں ۱۶ فی صدی زیادتی کرکے ۳۰ فیصدی اور بہار میں ۱۹ فی صدی زیادہ کرکے ۲۹ فی صدی، مدراس میں ۸ فی صدی زیادہ کرکے ۱۵ فی صدی اور صوبہ متوسط و برار میں ۱۱ فی صدی زیادہ کرکے ۱۵ فی صدی بنادی گئی، مگر کیا فائدہ ہوا؟ دوسری طرف مسلم اکثریت والے صوبے ایسے نقصان میں مبتلا کر دیئے گئے کہ آج تک اُن کا خمیازہ بھگتنا پڑ رہا ہے، مانٹیگو چیمسفورڈ اسکیم میں اسی میثاق پر عملدرآمد ہوا اور مسلمان ہر جگہ بے دست و پا ہو کر رہ گئے،

(۱۲) سنہ ۱۹۲۹ء میں کلکتہ کے اجلاس کنونشن میں صاف اور واضح الفاظ میں مسٹر جناح نے فرمایا تھا کہ:

"اکثریت کے صوبوں میں مسلمان ممبران کی تعداد بڑھانے کے یہ معنیٰ ہوں گے کہ امیر لوگوں کو زیادہ امیر بنایا جائے، بہتر یہ ہوگا کہ مسلم اقلیت والے صوبوں میں مسلمان ممبروں کی تعداد اور زیادہ بڑھادی جائے۔"

(روشن مستقبل ص ۴۳۴)

(۱۳) سنہ ۱۹۳۱ء میں قائد اعظم اور دیگر لیگیوں نے لندن میں یورپین ایسوسی ایشن سے جو کہ ہندوستان میں ملکی آزادی کی سب سے بڑی دشمن ہے، عہد و پیمان کرلیا اس کو اس قدر سیٹیں ان کے حق سے زیادہ دیدیں کہ جب یونٹی بورڈ الٰہ آباد میں پارٹیوں کے سمجھوتہ کے وقت میں مسلمانوں کے لیے ۵۱ فی صدی بنگال میں پورا کرنے کا ارادہ کیا گیا تو بجز اس کے کوئی چارہ نہ ہو سکا کہ یورپین ایسوسی ایشن سے ۳½ سیٹیں لے لی جائیں مگر وہ کب راضی ہوتے (بالآخر یورپین اور عیسائیوں کی ۳۱ سیٹیں مسٹر میکڈانلڈ وزیر اعظم نے

رکھ دیں اور ہمیشہ کے لیے مسلمانوں اور ہندوؤں کے لیے اقلیت کی مُہر بنگال میں لگ گئی، ذرا غور فرمائیے کہ آیا یہ لیگ مسلمانوں کے ہمدرد اور وفادار ہیں یا غدار اور ناقابلِ اعتماد؟ اور جو نعرے لگائے جاتے ہیں ان کی حقیقت کیا ہے؟

## مسلم لیگ اور برطانیہ کا اتحاد

(۱) نیو اسٹیٹسمین اینڈ نیشن لندن مورخہ ۱۴ ردسمبر ۱۹۴۰ء اپنی قوم اور اور ملک کو نصیحتیں کرتا ہوا ایک طویل آرٹیکل لکھتا ہے جس کے مندرجہ ذیل اقتباسات قابلِ غور ہیں:۔

"لارڈ لنلتھگو نے مسلم لیگ کو ہندوستان کے تمام مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت تسلیم کر لیا..... اس کا دعویٰ ہے کہ اب کچھ مہینوں سے اس کی تعداد بہت زیادہ بڑھ گئی ہے، یہ بالکل صحیح ہو سکتا ہے کیونکہ وائسرائے کی ممتاز سرپرستی کی وجہ سے کانگریس کے بعد یہ ملک کی سب سے بڑی سیاسی جماعت بن گئی ہے..... اگر ہماری یہ پیشکش مخلصانہ ہے کہ صلح کے بعد ہندوستان کو درجۂ نوآبادیات عطاء کر دیا جائے گا تو ہمیں اس قسم کا کوئی قدم اٹھانا پڑے گا، لیکن اگر ہم مسٹر جناح کو محض اپنا آلۂ کار بنا رہے ہیں جو ہر وقت بھونڈے اور ناکارہ عہد نامہ کو پھر کر ہمیں اخلاقی ذمہ داری سے سبکدوش کرنے کے لیے تیار ہیں، تو ہم ایسا نہیں کریں گے، اگر ہمارے متعلق یہ شبہات بڑھتے رہے اور ہم نے ان کے دُور کرنے کی کوشش نہیں کی کہ ہم "تقسیم کرو اور حکومت کرو" کا پُرانا کھیل کھیل رہے تو اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ

ہم مستقبلِ قریب ہی میں ہندوستان کو کھو بیٹھنے کا خطرہ مول لے رہے ہیں"

(مدینہ بجنور نمبر ۱۸ جلد ۳۰ مجریہ ۱۳ مارچ سنہ ۱۹۴۱ء)

(ب) مسٹر چمن لال مشہور ہندوستانی جرنلسٹ امریکہ سے ہندوستان واپس ہوتے ہوئے سندھ سکریٹریٹ کے ریسٹورنٹ میں تقریر کرتے ہوئے ایک طویل بیان دیتے ہیں جس کے مندرجہ ذیل اقتباسات قابلِ غور ہیں :-

"علاوہ بریں امریکہ کا برطانوی سفارت خانہ پاکستان کے حق میں انگلینڈ میں پمفلٹ وغیرہ لٹریچر چھپواتا ہے، اور اسے ہوائی جہازوں کے ذریعہ سے امریکہ مفت تقسیم کرنے کی خاطر بھیجا جاتا ہے، اس کے علاوہ امریکہ میں ایک مسلم لیگ بھی کھولی گئی ہے، مسٹر احمد اس کے انچارج ہیں، برطانوی سفارت کی طرف سے انھیں تنخواہ دی جاتی ہے" (رپورٹر)

(روزنامہ ملاپ جلد ۲۲ نمبر ۲۴۴، ۱۶ جنوری سنہ ۱۹۴۵ء)

(ج) قائدِ اعظم کی وہ خط و کتابت جو وائسرائے سے شملہ کانفرنس کے سلسلہ میں ہوئی اس کا مندرجہ ذیل اقتباس قابلِ غور ہے :-

"۷ جولائی،

ڈیر لارڈ ویول! میں نے کانفرنس کے آخری روز آپ کی طرف سے پیش کردہ تجویز ورکنگ کمیٹی کے سامنے رکھی، بعد از غور فیصلہ کیا گیا کہ کمیٹی کا نظریہ آپ کے روبرو رکھا جائے، جو حسب ذیل ہے :

(۱) اگست سنہ ۱۹۴۰ء میں جب آپ کے پیشرو لارڈ لنلتھگو نے ایک ایسی ہی پیشکش کی تھی، اور ورکنگ کمیٹی نے اسے نامنظور کر کے اس کے خلاف اعتراضات روانہ کیے تھے تو لارڈ لنلتھگو نے اُن

اعتراضات کو درست تسلیم کرتے ہوئے اپنی پہلی پیشکش کو واپس لے لیا، اور اس کے بجائے نئی تجویز کرتے ہوئے ایک مراسلہ لکھا، جس کا اقتباس حسب ذیل ہے:

"میں آپ کی طرف سے پیش کردہ اعتراضات اور آپ کی بیان کردہ مشکلات کا احساس کرتا ہوا اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ جہانتک مسلم لیگ کا تعلق ہے اسے ایکزیکٹیو کونسل کے ممبران کی فہرست پیش کرنے کی ضرورت نہیں، بلکہ اس کی فہرست کا معاملہ اس کے صدر اور میرے درمیان خفیہ بات چیت میں طے ہونا چاہیے"

"مسلم لیگ نے یہ نعم البدل منظور کر لیا، اب بھی کمیٹی کی رائے ہے کہ جہاں تک مسلم لیگ کا تعلق ہے اس کے ساتھ فہرست کے متعلق اسی قاعدہ سے عمل کیا جانا چاہیے جو آپ کے پیشرو بنا گئے ہیں"

(مدینہ بجنور نمبر ۵۴ جلد ۳۴ مورخہ ۲۱ جولائی ۱۹۴۵ء)

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ سابق وائسرائے اور مسٹر جناح میں خفیہ ساز باز ہوتا رہتا تھا،

محترما! اب آپ کے سوال کا جواب یہ ہے کہ مسلم لیگ ایک ایسی جماعت ہے جو کہ برطانیہ کی محبوبہ ہے، اور برطانیہ اس کی محبوبہ ہے، دوسرے الفاظ میں وہ برطانیہ کی برطانیہ اس کا ہے،

اس کے مؤثر کارکن عافیت پسند اقتدار طلب آزادیٔ ہند کے دشمن برطانوی اقتدار کے مضبوط کرنے والے، مذہب اسلام سے بیگانہ بلکہ مخالف ذاتی اغراض کے متوالے، عام مسلمانوں کو دھوکا دینے والے حضرات ہیں،

# لیگ کی ترقی کا راز

## سوال دوم:

مُسلم لیگ میں کیا فائدہ ہے کہ عوام الناس دھڑا دھڑ اس کو اچھا سمجھتے ہیں !"

جواب : جبکہ ہائی کمانڈ اپنی تقریر و تحریر میں عوام الناس کو دھوکا دیتے ہوئے اسلام اور مسلمانوں کو صرف ہندوؤں اور کانگریس سے انتہائی خطرہ میں ظاہر کرتا ہے برطانیہ کی عداوت اور برباد کرنے کی پالیسی کا ذکر تک نہیں کرتا ہے اور برطانیہ کی خفیہ اور ایک درجہ تک ظاہری امداد اس میں شامل حال ہے تو طبعی تقاضا ہے کہ عوام الناس (جن کو حقائق پر غور کرنے کی عادت نہیں اور جذبات میں جلد بہہ جانے کے عادی ہیں لڑائی ان کے خمیر میں ہے، ہندو سے لڑنے میں وہ خطرے بھی نہیں ہیں جو انگریز سے لڑنے میں ہیں) اسی کو اچھا سمجھیں اور دھڑا دھڑا اس میں شامل ہوں، یہی عوام خلافت کی تحریک میں دوسری حالت میں تھے،

# کانگریس کی تاریخی اہمیت و ضرورت

سوال سوم:

"مسلم لیگ میں کیا نقصان ہے کہ حضور والا کی مقتدر ہستی اس کو اچھا نہیں سمجھتی اور مورد طعن عند المخلوق ہو رہی ہے"؟

جواب:

مندرجہ بالا مختصر مضامین سے ہر خبردار حقیقت شناس، واقف احکام شرعیہ قطعی نتیجہ نکالے گا کہ مسلم لیگ کی شرکت نہ صرف غیر مستحسن ہے بلکہ معصیت اور قومی خودداری کے بھی منافی ہے، مصالح سیاسیہ اور دینیہ اور دنیویہ کے سراسر خلاف ہے، احکام شرعیہ یقیناً اس سے اجتناب ہی کا فیصلہ کریں گے،

سوال چہارم:

"کانگریس کا کیا مطلب ہے؟ یعنی کانگریس کسے کہتے ہیں"؟

جواب:

کانگریس ہندوستان کے تمام بسنے والوں کی بلا تفرقہ مذہب، و نسل و رنگ و زبان و وطن ایک جماعت ہے، جو کہ اہل ہندوستان کے فطری اور ملکی حقوق سلب شدہ کو واپس دلانا اپنا فریضہ سمجھتی ہے، ہندوستان کو انگریزی اقتدار سے آزاد کرانا اس کا نصب العین ہے، ہر ہندوستانی اس کا ممبر ہو سکتا ہے، ابتک نو صدر مسلمان ہو چکے ہیں، چھ عیسائی، چار پارسی، باقی ہندو،

سنہ ۱۸۸۵ء میں قائم ہوئی، اس کو ساٹھ برس گذر چکے ہیں، مسلمان اس میں ابتداء سے شریک ہیں، مولانا عبد القادر صاحب مرحوم لدھیانوی نے رسالہ "نصرۃ الابرار" میں اس میں شرکت کے جواز استحسان کے متعلق اس زمانہ کے

تمام ہندوستان کے علماء کے فتاویٰ شائع کر دیئے ہیں، مولانا مفتی محمد نعیم صاحب لدھیانوی سے یہ رسالہ مل سکے گا، حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس اللہ سرہ العزیز کا فتویٰ دربارۂ اباحتِ شرکت کانگریس بھی اس میں درج ہے،

سوال پنجم:

"کانگریس میں کیا فائدہ ہے کہ حضور والا اس کو اچھا سمجھ رہے ہیں؟ ہم کو جناب کا مافی الضمیر نہیں پہنچا، اگر پہنچا تو یہ کہ معاذ اللہ حضور اہلِ ہنود سے مل گئے، قسمیہ بات ہے کہ یہ بات لکھتے ہوئے قلب شرمسار ہے، کہ کیا بکواس لکھ رہا ہوں، فقط سمجھنا مطلوب ہی، جناب کی مقتدر اور رحم کنندہ ہستی سے ہم امیدوار ہیں کہ حضور ہم بچوں کے سر پر دستِ شفقت رکھ کر میٹھے پیار سے سمجھائیں گے، ہم سب حیران ہیں کہ یہ کیا اندھیر مچ گیا؟"

جواب:

محترما! آپ کو معلوم ہے کہ ہم ہندوستان کے باشندے ہیں، اس ملک کے تمام شہری اور وطنی حقوق ہمارے بھی ویسے ہی ہیں جو کہ انگریزوں کو انگلینڈ میں، فرانسیسیوں کو فرانس میں، امریکنوں کو امریکہ میں، جاپانیوں اور چینیوں کو جاپان اور چین میں، اور ہر قوم کو اپنے وطن میں حاصل ہیں، خواہ وہ تجارت سے تعلق رکھتے ہوں یا زراعت سے، حکومت سے تعلق رکھتے ہوں یا مالیات سے، تعلیم سے تعلق رکھتے ہوں یا فوجی طاقت سے، خواہ داخلی حقوق ہوں یا خارجی اور بیرونی، خواہ دکانوں سے تعلق رکھتے ہوں یا کاشت وغیرہ سے، مگر برطانیہ نے ہم پر تسلط کر کے غلامی کی زنجیروں میں اس طرح جکڑ دیا کہ ہم بالکل مجبور و نادار و فاقہ کش اور بھوک سے نیم مُردہ بلکہ مردہ ہو گئے،

اس کی پالیسی یہ ہے کہ ہندوستان آغاز سے لے کر انجام تک سر سے لیکر

پیر تک برطانیہ کے لیے ہے، ہر چیز ہندوستان کی برٹش ایمپائر پر قربان ہو گی، اگر کچھ بچ رہے تو برٹش قوم پر قربان کی جائے گی، اگر اس سے بھی کچھ بچے تو یورپین قوم پر قربان ہو گی، پھر بھی اگر کچھ بچے تو اینگلو انڈین پر قربان کی جائے گی، اگر ان سے بھی کچھ بچ جائے تو ہندوستانیوں کو دی جائے گی، اس پالیسی پر آج سے نہیں بلکہ برطانوی شہنشاہیت ابتدار سے عمل کرتے ہوئے تمام ہندوستان کو بد سے بدتر حالت کو پہنچا چکی ہے، سرولیم ڈگبی اپنی کتاب "پراسپرس برٹش انڈیا" میں لکھتا ہے:

"جو کمی سنہ ۱۹۰۱ء میں ہمارے طریقۂ حکومتِ ہند میں دکھائی دے رہی ہے جہاں تک کہ ہندوستانیوں کا تعلق ہے اور جو کچھ غیر معمولی غربت ہندوستانی برِاعظم میں پھیل رہی ہے وہ ہمارے اس طریقۂ حکومت کا نتیجہ ہے جو نیک نیتی سے مگر غلطی سے پہلے سے شروع کی گئی، اور اب تک بحال رکھی گئی، وہ اصولِ حکومت تین قسم کے ہیں:

(۱) تسلّط بذریعہ تجارت: ہندوستان کی دولت علانیہ بخشانے کے طور سے سنہ ۱۷۵۷ء سے سنہ ۱۸۵۷ء تک،

**نوٹ**: ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائرکٹروں کی ایک یادداشت کے الفاظ سے مندرجہ نمبر کی تشریح ہوتی ہے،

ہمارے خیال میں یہ بڑی دولت جو ہم نے ہندوستانی تجارت سے حاصل کی ہے ظالمانہ اور جابرانہ دستور العمل سے پیدا ہوتی ہے، ایسا دستور العمل جس کی نظیر نہ کسی ملک میں ملتی ہے اور نہ کسی زمانہ میں ملے گی،

(۲) تسلّط بذریعہ اطاعت بالجبر: ہندوستان انگلینڈ کے لیے ہے، آغاز سے انجام تک، سنہ ۱۷۵۸ء سے سنہ ۱۸۳۲ء تک،

(۳) خوش معاملگی کا دکھاوا، اور زور کے ساتھ ہندوستانی قوم کو کوادنی حالت میں لازمی طور پر قائم رکھنا،

(۴) سنہ ۱۸۳۳ء سے سنہ ۱۹۰۱ء تک ...... مگر اس میں شبہہ نہیں کہ آج ہندوستان اس سے زیادہ شرمناک طور سے لوٹا جا رہا ہے جتنا اس سے پہلے کبھی نہیں لوٹا گیا تھا، ہماری ابتدائی حکومت کی باریک چابک اب آہنی زنجیر بن گئی ہے، کلایو اور ہٹنگس کی لوٹ اس نکاس کے مقابل ہیچ ہے، جو روز افزوں ترقی کے ساتھ ایک ملک کو دوسرے ملک کا خون و جان بہا کر مالامال کر رہا ہے"

(خوشحال برطانوی ہند ترجمہ "پراسپرس برٹش انڈیا" ص ۵۳)

الغرض برطانیہ نے وہ زہریلی پالیسی ہندوستان میں ابتداء سے قائم کی، اور آج تک اس کو چلا رہا ہے، جس سے جنت نشان ہندوستان جہنم نشان بن گیا، قحط اور افلاس کا مرکز، بھوکوں اور ننگوں کا گھر، کروڑوں بھوک سے مرنے والوں کا مقبرہ، جہالت اور نادانی کا اڈہ، پستی اور ذلت کا گڑھا، بے ہنری اور بیکاری کا میدان بن گیا، اس سے فطری حقوق چھین لیے گئے، اس کو جانوروں سے بھی زیادہ بے بس، مجبور و معذور کر دیا گیا،

یہ تو عام ہندوستانیوں کے لیے ہوا، مسلمانوں کی ایک ہزار برس سے زیادہ سے یہاں حکومت تھی، یہ ملک دارالاسلام تھا، اسلام کا پرچم بلند تھا، اور کفر و شرک کا جھنڈا سرنگوں تھا، انگریز نے دھوکے دے کر تفرقہ ڈال کر آہستہ آہستہ مسلمان بادشاہوں اور نوابوں کو قتل اور غارت کیا، دارالکفر بنایا، اسلام کے پرچم کو سرنگوں کیا، اور کفر و الحاد کے پرچم کو سربلند کیا، یہی نہیں بلکہ ہندوستان کی غلامی کے لیے ہندوستان کی ہی طاقتوں سے اسلامی ممالک کو یکے بعد دیگرے برباد کیا، اور وہاں کی مسلم فوجوں کو قتل اور مسلم اقتدار کو زائل اور مسلم اموال وغیرہ پر قبضہ کیا، اور پھر ہر دفتر شعبہائے حکومت سے مسلمانوں کو خارج کرنے کی اور ہندوؤں

کو بڑھانے کی پالیسی جاری کی، (دیکھیے رسالہ "ہندوستانی مسلمان" مصنفہ ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر اور رسالہ "حکومت خود اختیاری" وغیرہ)

## ہمارا سب سے بڑا دشمن

اب غور کی بات یہ ہے کہ اسلام اور مسلمان اور پھر ہندوستانیوں کا روئے زمین پر دشمن سب سے زیادہ کون ہے؟ اس کو سمجھیے، اور کیا ہر مسلمان اور پھر ہر ہندوستانی پر عقلاً، نقلاً، سیاستہً، دیانتہً فرض اور لازم نہیں ہے کہ ایسی غلامی اور بے بسی اور ہلاکت سے جلد از جلد نجات حاصل کرے، اور جس قدر بھی آگے بڑھ سکے اس میں کوتاہی نہ کرے، یہی چیز کانگریس کا نصب العین ہے، اور اسی کے لیے دن و رات اس کی جدوجہد جاری ہے، آج جو کچھ بھی کامیابی عہدوں اور جمہوری اسکیموں وغیرہ کی حاصل ہے اور جو ادارے کم و بیش آزادی کے ہیں سب کانگریس ہی کی کوششوں کے نتائج ہیں، اگر آپ تھوڑا سا غور کریں گے تو پتہ چلے گا کہ یہ فریضہ مسلمانوں کا ہندوستان میں بہ نسبت ہندوؤں اور دیگر اقوام کے بدرجہا زائد ہے، جس کی وجوہ مخفی نہیں، مگر کانگریس کی جدوجہد خواہ کتنی ہی دھیمی کیوں نہ ہو برطانوی اقتدار و شہنشاہیت کے لیے زہر ہلاہل سے زیادہ عام برطانویوں اور بالخصوص استبداد و قدامت پسند کی نظروں میں ہے، اسی لیے وہ ہر طرح کانگریس کے خلاف ابتدار سے کوششیں کرتے رہے ہیں،

پہلے پہل مسٹر بیک انگریز (پرنسپل علیگڈھ کالج) نے انفرادی کوششیں کیں، اور علیحدہ علیحدہ لوگوں کو مخالف بنایا، بالخصوص سر سید مرحوم کو سخت متنفر کیا، پھر سر آکلینڈ کالون گورنر یو.پی کو کانگریس کے بالمقابل لا کھڑا کیا، مگر جب اس سے کام چلتا نہ دیکھا گیا تو اجتماعی کوششیں عمل میں لائی جانے لگیں،

چنانچہ اگست ۱۸۸۸ء میں علیگڈھ میں یونائیٹڈ انڈین پیٹریاٹک ایسوسی ایشن قائم کی گئی، اور اس کے مندرجہ ذیل مقاصد ذکر کیے گئے :-

(ا) ممبران پارلیمنٹ اور انگلستان کے لوگوں کو بذریعہ رسائل و اخبارات کے مطلع کرنا کہ ہندوستان کی کُل قومیں اور رؤسا اور والیانِ ملک کانگریس میں شریک نہیں ہیں، اور کانگریس کی غلط بیانیوں کی تردید کرنا،

(ب) مسلمانوں اور ہندوؤں کی انجمنوں کے خیالات سے جو کانگریس کے خلاف ہیں ممبرانِ پارلیمنٹ اور انگلستان کو اطلاع دینا،

(ج) ہندوستان میں امن و امان اور برٹش گورنمنٹ کے استحکام کی کوشش کرنا اور کانگریس کے خیالات ... لوگوں کے دلوں سے دُور کرنا،

ایک ریزولیشن پاس کیا گیا جس کے الفاظ حسبِ ذیل تھے :

"دیسی زبان میں فساد انگیز اور بغاوت خیز تقریر اور تحریر کا انسداد کرنے کے لیے درخواست کی جائے"

۱۸۹۰ء میں ایک عرضداشت بیس ہزار سات سو سینتیس دستخطوں سے مسٹر بیک نے انگلستان کی پارلیمنٹ میں بھجوائی جس کا مضمون تھا :

"اس ملک میں انتخاب یا طریقِ جمہوریت کا جاری ہونا اس وجہ سے خلافِ مصلحت ہے کہ یہاں مختلف اقوام کے لوگ بستے ہیں"

یہ اس وجہ سے تھا کہ کانگریس نے ہندوستان میں جمہوری طریقہ حکومت کا مطالبہ کیا تھا، اس پر دستخط کرانے کے لیے خود مسٹر بیک دہلی گئے، اور جامع مسجد کے دروازہ پر خود بیٹھے، اور آنے جانے والے نمازیوں سے بذریعہ طلبا یہ کہکر دستخط کرا لیے گئے کہ ہندو گاؤ کشی بند کرانا چاہتے ہیں،

۱۸۹۳ء میں "محمڈن اینگلو اورنٹیل ڈیفنس ایسوسی ایشن آف اپر انڈیا"

قائم کی گئی، کیونکہ ہندوؤں نے پیٹریاٹک ایسوسی ایشن سے آہستہ آہستہ کنارہ کشی اختیار کر لی تھی، اور وہ مقاصد کو بھانپ گئے تھے، اس لیے اب خصوصی طور پر مسلمانوں کو آلۂ کار بنانا ضروری سمجھا گیا، ایسوسی ایشن مذکور کے مقاصد حسب ذیل تھے:

(الف) مسلمانوں کی رائیں انگریزوں اور گورنمنٹ ہند کے سامنے پیش کر کے مسلمانوں کے سیاسی حقوق کی حفاظت کرنا،

(ب) عام سیاسی شورش کو مسلمانوں میں پھیلنے سے روکنا،

(ج) اُن تدابیر میں امداد دینا جو سلطنتِ برطانیہ کے استحکام اور سلطنت کی حفاظت میں ممد ہوں، ہندوستان میں امن قائم رکھنے کی کوشش کرنا اور لوگوں میں وفاداری کے جذبات پیدا کرنا،

مسٹر بیک اس ایسوسی ایشن کے قائم کرنے کے بعد انگلستان گئے، اور وہاں انجمن اسلامیہ لندن میں ایک لکچر دیا، جو نیشنل ریویو میں شائع ہوا، اور علیگڈھ کالج میگزین نے اس کا ترجمہ مارچ، اپریل سنہ ۱۸۹۵ء کے پرچوں میں شائع کیا، جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

(الف) "اینگلو مسلم اتحاد ممکن مگر ہندو مسلم اتحاد ناممکن، آپ نے فرمایا کہ ہندوستان کے لوگ مذہب کی بنا پر آپس میں لڑتے ہیں، یہاں ہندو مسلم کے مذہبی انہماک میں کوئی علامت زوال کی نہیں پائی جاتی، بلکہ جو لوگ مذہبوں کے ماننے والے ہیں ان میں عداوت روز افزوں ہے۔ مسلمان اورنگ زیب پر ناز کرتے ہیں لیکن گرو گوبند سنگھ اور سیواجی کے ماننے والوں کو اس نام تک سے نفرت ہے، دونوں قوموں میں ازدواج باہمی ناممکن ہے، اور اس وقت ہندوؤں کی ہزارہا ذاتیں ہیں جو

اس بات کو گناہ جانتی ہیں، ہندوستان کے لوگوں کے لیے یہ امر ناممکن ہے کہ وہ اتفاق کر کے جمہوری طرز سلطنت سے اپنے اوپر خود حکمراں بنیں"

حالانکہ مسٹر بیگ نے جو ہندو مسلمان نفاق کا گیت گایا ہے، وہ بالکل غلط ہے، وہ انگریزوں ہی کا پیدا کیا ہوا پھل ہے، جو کہ اپنی مستبدانہ حکومت کے بقاء کے لیے ہندوستان میں بویا اور پھر ان کو کھلایا گیا ہے، ان کے اقتدار و حکومت سے پہلے یہ نفاق نہ تھا، چنانچہ ڈبلیو ایم لارنس اپنی کتاب "ایشیا میں شہنشاہیت" میں لکھتا ہے:

"سیواجی کو متعصب اور سلطان ٹیپو کو کٹر مذہبی کہا جاتا ہے، لیکن جس وقت ہم نے جنوبی ہند کی ریاستوں میں دخیل ہونا شروع کیا اس وقت اُن کے یہاں اس قسم کے مذہبی تنفر کا کہیں نام تک نہ تھا۔ ٹھیک اس وقت ہندوستان کے اندر ہر شہر اور شاہی دربار میں ہندو مسلمان عزت اور سرمایہ کمانے میں ایک دوسرے سے بازی لے جانے میں آزاد تھے"۔ (روشن مستقبل، ص ۲۸)

اسی طرح سرجان میناڈرا اور دوسرے مورخین بتلاتے ہیں کہ انگریزوں سے پہلے ہندو مسلمانوں میں جذبہائے نفرت و جنگجوئی موجود نہ تھے، یہ پھل برطانوی کاشت و تعلیم کا نتیجہ ہے،

## ہندوستانیوں میں باہمی نفرت و عداوت کے موجد!

مسٹر بیک نے اس ایسوسی ایشن کے افتتاح کے وقت جو تقریر کی اس کا اقتباس بھی قابلِ غور ہے:

"چند سال سے دو قسم کے ایجی ٹیشن (شورشیں) ملک میں زور و شور پر ہیں، ایک نیشنل کانگریس اور دوسرے گاؤکشی کے انسداد کی تحریک، ان میں

سے تحریک اول صریحًا انگریزوں کے خلاف ہے، اور تحریک ثانی مسلمانوں کے برخلاف ہے، نیشنل کانگریس کے مقاصد یہ ہیں کہ پولٹیکل حکومت گورنمنٹ انگریزی سے ہندو رعایا کے بعض فرقوں کی طرف منتقل کردی جائے، حکمران جماعت کمزور کردی جائے، لوگوں کو ہتھیار دیدیئے جائیں، اور اور فوج اور سرحد کو کمزور کرکے فوج کا خرچہ گھٹایا جائے، ..... ان دونوں شورشوں کی وجہ سے مسلمان اور انگریز دونوں نشانہ بنے ہوئے ہیں، اس لیے مسلمانوں اور انگریزوں کو اتحاد کرکے ان تحریکوں کا مقابلہ کرنا چاہیے، اور جمہوری طریق سلطنت کے اجراء کو اس ملک میں روکنا چاہیے، جو اس ملک کے حسب حال نہیں ہے، اس لیے ہمیں حقیقی وفاداری اور اتحادِ عمل کی تبلیغ کرنی چاہیے ــــــ" (روشن مستقبل ص ۲۷۳)

مسٹر بیک نے مسلمانوں کو کانگریس کے خلاف کرنے میں ہمیشہ اپنی سرگرم اور انتہائی جدوجہد جاری رکھی جس کا عظیم الشان اثر خود سرسید اور تمام کارکنانِ علیگڈھ کالج اور عام تعلیم یافتہ مسلمانوں پر ہوا، اور وہ بڑی حد تک کانگریس اور ہندو قوم سے متنفر ہوگئے، اسی بنا پر سر آرتھر اسٹریچی چیف جسٹس ہائی کورٹ (جو کہ کنسرویٹو انگلو انڈین جماعت کے ممبر تھے) مسٹر بیک کی وفات پر ایک مضمون شائع کرتے ہیں جس کے فقرات ذیل قابلِ غور ہیں:

"ایک ایسے انگریز کا انتقال ہوا ہے جو دور دراز ممالک میں سلطنت کی تعمیر میں مصروف تھا، اس نے مثل ایک سپاہی کے اپنا فرض انجام دیتے ہوئے جان دی ہے، مسلمان ایک شکّی قوم ہے، اس لیے جب مسٹر بیک اول آئے تو ان کا طریقہ مخالفانہ تھا، اُن کا پہلا خیال یہ تھا کہ مسٹر بیک گورنمنٹ کی طرف سے جاسوس مقرر ہوکر آئے ہیں، مگر ان کی سادہ دلی

اور بے نفسی کا یہ اثر ہوا کہ وہ رفتہ رفتہ اُن پر اعتماد کرنے لگے،،
(علیگڈھ منتھلی ۱۸۹۹ء، بحوالہ روشن مستقبل صفحہ ۲۹۶)

مسٹر بیک کے انتقال کے بعد جو کہ ۱۸۹۹ء میں ہوا مسٹر مارسین پرنسپل علیگڈھ کالج مقرر ہوئے، موصوف پہلے ہی سے کالج میں پروفیسر تھے، جب علیگڈھ میں کانگریس کے خلاف انڈین پیٹریاٹک ایسوسی ایشن قائم ہوئی تھی تو انھوں نے انگلستان میں مسلمانوں کا سیاسی پروپیگنڈا کرنے کے لیے اپنے مکان پر اس کی شاخ قائم کی تھی، اس کے بعد وہ مسلمانوں کے تعلیمی اور سیاسی کاموں میں مسٹر بیک کے شریک کار رہے، مسٹر بیک نے پرنسپل رہ کر چونکہ پندرہ سال تک مسلمانوں کی سیاسی رہنمائی کی تھی، اس لیے ان کے بعد مسٹر مارسین نے بھی کالج کے پرنسپل ہو کر سیاسی کام میں مسٹر بیک کی قائم مقامی کی، اور پانچ برس تک کام کرتے رہے، ان کے بعد مسٹر آرچ بولڈ پرنسپل مقرر ہوئے، یہی مسٹر آرچ بولڈ ہیں جن کی اور کرنل ڈنلپ اسمتھ پرائیویٹ سکریٹری وائسرائے کی سعی سے سرزمین شملہ پر وفد بلایا گیا، جس میں مسلمان رؤسا اور اہلِ خطاب و ثروت تقریبًا پینتیس آدمی شریک تھے، سر آغا خاں صدارت کرنے کے لیے اس زمانہ میں سیدھے ولایت سے آئے، اور شملہ پہنچ کر لارڈ منٹو کے سامنے فرائض صدارت انجام دیتے ہوئے ایڈریس پیش کیا، جس کا مسودہ کرنل فلپ نے تیار کیا تھا، اور یہی ڈیپوٹیشن لیگ کا سنگِ بنیاد تھا،

# لیگ اور کانگریس کا تجزیہ

مندرجہ بالا مختصر واقعات سے آپنے بخوبی اندازہ کرلیا ہوگا کہ کانگریس سے دور رکھنے اور متنفر کرنے کے لیے حکومتِ برطانیہ کے کھلاڑیوں نے مسلمانوں کے ساتھ کیا کیا کھیل کھیلے ہیں، جن کا سلسلہ برابر جاری ہے، انہی کھیلوں میں سے مسلم لیگ بھی ہے، جس کی سرپرستی آج تک برطانیہ کا ہر چھوٹا بڑا حاکم کر رہا ہے،

خلاصہ یہ ہے کہ کانگریس کا قصور یہ ہے کہ وہ ہندوستان میں اقتدار اور شہنشاہیت کو ختم کرنا چاہتی ہے، اور ہندوستان کو مکمل آزاد دیکھنا چاہتی ہے؟ اس میں بلاشبہ رجعت پسندانِ انگلستان کی ہر طرح موت ہے، جو قدم بھی کانگریس کا آگے بڑھے گا انگلستان کو اس سے ضرور کچھ نہ کچھ نقصان پہنچے گا، مگر چونکہ برطانیہ کانگریس کو علانیہ طور سے ہر زمانہ اور ہر حالت میں انٹرنیشنل وجوہ اور حریت پسندی کے دعاوی وغیرہ اور سابقہ مواعید کی بناء پر بالکل کچل ہی نہیں سکتی، اس لیے مختلف قسم کی تدابیر عمل میں لائی جاتی ہیں، انہی میں سے مسلم لیگ اور ہندو مہاسبھا کا قیام بھی ہے، کیونکہ متوازی طور پر سنہ ۱۹۰۶ء میں ہی لیگ کے ساتھ ساتھ ظہور پذیر ہوا،

اور آپ اس کو تو بخوبی سمجھ گئے ہوں گے کہ لیگ میں نوابوں، امیروں، تعلقداروں، خان بہادروں، خانصاحبوں وغیرہ اور ان کے تمام اذناب اور پرستارانِ حکومت کے جوق در جوق داخل ہونے کا سبب کیا ہے؟ انہی کے پروپیگنڈوں سے عام مسلمان بھی دھوکے میں ڈالے گئے اور ڈالے جارہے ہیں، ان بیچاروں کو نہ حقیقت کی خبر ہے نہ پرانی باتیں یاد ہیں،

عرصۂ دراز سے برطانیہ کی طرف سے دنیا میں یہی ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے کہ ہم

جمہوریت اور آزادی کے ہی حامی اور دلدادہ ہیں، مگر کیا کریں کہ ہندوستانیوں میں آپس میں سخت اختلافات ہیں، نہ اُن کے پاس کوئی متفقہ پروگرام ہے، نہ ان کے آپس میں ایک دوسرے پر اعتمادات ہیں، نہ اقلیتوں کو اکثریت سے کوئی اطمینان ہے، اس لیے اگر ہم ہندوستان چھوڑ کر چلے بھی آئیں تو یقیناً مسلم اقلیت برباد ہو جائے گی، اور ہندو مجاریٹی اس کو بالکل فنا کر دے گی، جس کی پیہم صدا عرصہ سے مسلم لیگ اور اس کے قائد اعظم اٹھا رہے ہیں، کیا آپ واقعات وغیرہ سے یہ پتہ نہیں چلا سکتے کہ مسلم لیگ نے آزادیٔ ہند میں سنگِ گراں اور عظیم الشان رکاوٹ بن کر برطانوی امپیریلزم کو کس قدر نفع پہنچایا ہے، اور آزادیٔ ہند میں کتنا بڑا نقصان پہنچا رہی ہے، نیز آئندہ کے لیے بھی ہندوستان کی آبادی میں غلامی کے کس قدر سامان مہیا کر رہی ہے؟
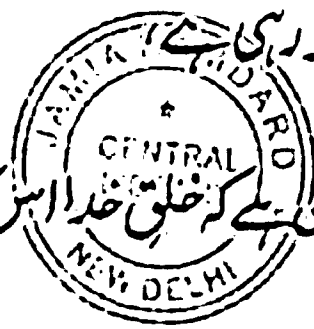
سوال:

کانگریس میں کیا نقصان ہے کہ خلقِ خدا اس کو اچھا نہیں سمجھتی؟



جواب:

اس کا جواب مندرجہ بالا معروضات سے صاف ظاہر ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اس میں نقصان یہ ہے کہ وہ برطانوی شہنشاہیت کی ایک ایک کڑی کو ہندوستان سے ہٹا اور مٹا دینا چاہتی ہے، رجعت پسند انگریز اس کو اپنی قوم اور شہنشاہیت کی موت سمجھتا ہے، اس لیے اپنے تمام طاغوتوں اور پرستاروں کے ذریعہ سے ہندوستانیوں کو اس سے متنفر کرنا چاہتا تھا، مگر اس میں کامیابی نہیں نہ ہوئی، تو مسلمانوں پر جادو کیا اور یہاں یہ جادو چل گیا، جس کا نتیجہ ظاہر ہے۔

## بے حقیقت پروپیگنڈا

آپ فرماتے ہیں: "ہم اپنی موٹی عقل کے مطابق یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ مسلم لیگ کی

جماعت اور کانگریس کی جماعت یہ دونوں طاقتیں جو انگریزوں سے ملکِ ہندوستان کی آزادی چاہتی ہیں جس سے اپنے ملک کو فائدہ پہنچائیں اور اپنی رائے کے موافق قانون بنائیں، مگر حضور کی رائے مبارک اس کے خلاف ہے"۔

جواب :

آپ کی رائے دربارۂ کانگریس صحیح ہے اور دربارۂ لیگ غلط ہے، مذکورۂ بالا تصریحات سے اس غلطی کی وضاحت ہوتی ہے، بلکہ یہ امور بتلا رہے ہیں کہ جو بیان رائٹر ویکلی نے اپنی ہفتہ وار ڈائری میں شائع کیا تھا کہ "مسٹر جناح ہندوستان کی آزادی نہیں چاہتے" بالکل صحیح اور سچ ہے، اخبار مذکور نے ایک امریکن نامہ نگار کی ایک کتاب کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ نامہ نگار نے گاندھی جی سے ملاقات کے دوران میں کہا :

"یہ کتنا افسوسناک ہے کہ کانگریس اور مسلم لیگ سر اسٹیفورڈ کرپس سے تو باتیں کرنے کو تیار رہیں لیکن آپس میں ان کی گفتگو نہیں، اس پر گاندھی جی نے کہا کہ افسوسناک نہیں شرمناک ہے، اور اس میں قصور لیگ کا ہے، جب جنگ شروع ہوئی تو لارڈ لنلتھگو نے ہمیں بلایا، میں اور راجن بابو کانگریس کے نمائندوں کی حیثیت سے گئے، اور مسٹر جناح لیگ کے نمائندہ کی حیثیت سے، ہم نے مسٹر جناح کو تجویز پیش کی کہ ہمیں ہندوستان کے لیے آزادی کا مطالبہ کرنا چاہیے، لیکن مسٹر جناح نے صاف جواب دیا کہ مجھے آزادی کی ضرورت نہیں "۔

(مدینہ بجنور، مورخہ ۱۳ / اپریل سنہ ۱۹۴۴ء)

خود مسٹر جناح بار بار تصریح فرما چکے ہیں کہ برطانیہ سے ڈائرکٹ ایکشن اسلامی مفاد کے خلاف ہے، دیکھو اجمل بمبئی مورخہ ۱۷ / جنوری سنہ ۱۹۴۵ء، حکومت کی طرف سے ان کے مطالبات کی پیچھے بعد دیگرے بلشمار مخالفتیں اور بے پروائیاں

ہوتی رہی ہیں مگر کوئی ایسا قدم آج تک لیگ نے نہیں اُٹھایا جس میں عافیت اور راحت کو خطرہ ہو، نہ قائدِ اعظم نے آج تک کوئی ایسی قربانی کی، کیا ایسی جماعت آزادی حاصل کر سکتی ہے؟ صرف دھمکیوں سے دنیا میں کوئی کامیاب نہیں ہو سکتا، آئینی احتجاجات سے اگر کام نکلا ہوتا تو یہ عظیم الشان جنگوں کے ظہور کی نوبت نہ آتی، کیا لات کا بھوت بات سے مان سکتا ہے؟

## جمعیۃ العُلماء کا نقطۂ نگاہ؛

سوال؛ بلکہ حضور کی یہ رائے ہے کہ مسلم لیگ کے مقابلہ میں علماء اسلام کی قوت ہو اور جماعت مسلم لیگ نہ ہو، اور اس کے بدلہ جماعت علماء اسلام کی قوت اور کانگریس کی قوت سے آزادی ملے، کیونکہ علماء اسلام قوانینِ شریعت سے واقف ہیں، سو جو قانون علماء اسلام کے دماغ اور ہاتھ سے بنے گا وہ شرعی ہوگا، سو اس میں فائدۂ اسلام ہے، اور مسلم لیگ کے رہنما شریعت سے بے خبر ہیں، سو ان کی قوانین ساختگی اسلامی نہیں ہوگی، لہٰذا مسلم لیگ جماعتِ شریعت کو مضر ہے، اور جناب کی رائے مبارک میں اسلامی فائدہ ہے، یہ مضمون میرا خیال ہے، الخ"

جواب؛

محترما! یہ خیال غیر واقعی ہے، مجھے کوئی ذاتی عناد لیگ سے نہیں، اور نہ کسی دوسری مسلم جماعت سے، ہم تمام مسلمانوں کو بھائی بھائی خیال کرتے ہیں، اور اپنی طاقت کے مطابق ان کی خدمت کرنا اپنا فریضہ سمجھتے ہیں، یہ دستور ہمارا شخصی اور اجتماعی دونوں طریقوں پر رہا ہے، اور آج تک جاری ہے، خلافت کمیٹی قائم کی گئی ہم نے اس میں بطیب خاطر شرکت کی، ہم نے صدارت، نظامت، عہدے وغیرہ اور تفوق کا مطالبہ نہیں کیا، اگر کوئی عہدہ نہیں دیا گیا اس کے فرائض انجام دیتے، نہیں دیا گیا تو شکایت نہیں کی، خلافت کی تاریخ دیکھیے، بیشک ہم لیگ سے علیحدہ رہے پھر بھی

صرف اس لیے کہ وہ پرستارانِ برطانیہ اور رجعت پسندوں اور خود غرضوں کی جماعت تھی اور ہے، جب کہ ۳۶ء، ۳۷ء میں ہم کو بلایا گیا، اور آزاد خیالی کا وعدہ کرتے ہوئے یہ ضمانت دی گئی کہ شرعی امور اور ان قوانین میں جن کا تعلق مذہب سے ہوگا ان میں جمعیۃ العلماء کی رائے کا اتباع کیا جائے گا تو ہم سچا وعدہ سمجھ کر مطمئن ہوگئے، اور لیگ کے ساتھ اشتراکِ عمل پوری جد و جہد کے ساتھ کرنے لگے، جس کی نظیر خود لیگ کے اعلیٰ اور ادنیٰ کارکنوں میں بھی نہیں پائی گئی، مگر جب ہم نے دیکھا کہ وہ وعدے بالکل بھلا دیئے گئے، بلکہ قصداً اور علانیہ توڑ دیئے گئے تو ہم کو علیحدگی کے سوا کوئی چارہ نظر نہیں آیا، تاہم ہم نے کوئی مخالفانہ یا جارحانہ کارروائیوں کا معاملہ قائم نہیں کیا، نہ ہم نے سب و شتم افتراء پردازی، بدگوئی یا بے عزت کرنے کا طریقہ جاری کیا، بلکہ سکون اور اطمینان اور سلیقوں کے ساتھ اپنا کام جاری رکھا، ہم پر ہر قسم کے تشدد کیے گئے، اور جھوٹے رسالے، مضامین، پمفلٹ شائع کیے گئے، تقاریر اور تدابیر ہر قسم کی عمل میں لائی گئیں سب و شتم، افتراء پردازی اور جھوٹ بولنے کی تذلیل و توہین کی جد و جہد کی گئی، مگر ہم نے کوئی جواب دینا یا مقابلہ کرنا درست نہ سمجھا، یہ سب خلاف تہذیبِ اسلامی اور انسانی شرافت کے منافی باتیں ہیں،

آپ گذشتہ معروضات سے جو کہ واقعات میں سے بہت تھوڑی ہیں اندازہ کر سکے ہوں گے کہ کس طرح قانون بنانے میں عمداً اسلام اور مذہب کے خلاف کارروائیاں ہوئیں اور ہو رہی ہیں، اگر اسمبلیاں اور کونسلیں صرف دنیاوی انتظامات تک محدود رہتیں تو ممکن تھا کہ چشم پوشی روا رکھی جاتی، مگر ان حضرات نے امور مذہبیہ کے متعلق بھی بل پیش کیے، اور پاس کرائے، ہم نے احتجاجات کیے، مگر کوئی توجہ نہیں کی گئی، اگرچہ بعض امور میں ہم کو کامیابی بھی ہوئی، اور بعض امور میں نصف یا چوتھائی کامیابی ہوئی، مگر بہت سے امور میں بالکل کامیابی نہیں ہوئی، جیسے سارد ابل، شریعت بل، خلع بل، قاضی بل، خوراک محتاج بل وغیرہ وغیرہ،

یہ حضرات نہ صرف ناواقف ہیں بلکہ صراحۃً فخر کرتے ہیں کہ ہم نے علماء کے اقتدار کو مٹا دیا، مذہب اور مذہبی لوگوں کو جب تک مٹا نہ دیا جائیگا مسلمانوں کی ترقی نہیں ہو سکتی، ہم پردہ مستورات کو مٹا دیں گے، وغیرہ وغیرہ، اب آپ ہی فرمائیں کہ ہمارے لیے اب چارہ کار کیا ہے؟ ؎

چیست یارانِ طریقت بعد ازیں تدبیرِ ما

پھر اس پر طرہ یہ ہوا کہ مسلمانوں کی واحد نمائندگی کا دعویٰ کیا گیا، اس لیے ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ جمعیۃ علماء ہی سیاسی اور مذہبی رہنمائی مسلمانوں کی کرے، مسلمان بغیر مذہب کو مضبوط پکڑنے کے ترقی نہیں کر سکتے، اگر مذہب کو چھوڑ کر ترقی پذیر ہوں اور آسمان پر بھی پہنچ جائیں تو اسلام کی ترقی نہ ہوگی، ہم ہندوستانی مسلمانوں کی زندگی اور ترقی بغیر آزادیِ ہند نہیں دیکھتے، چنانچہ ظاہر ہے غلامی آپ کو اور بیرونِ ہند کے مسلمانوں کو برباد کر رہی ہے،

آپ فرماتے ہیں کہ خلقت میں جناب کے حق میں بہت ہی بدظنی پھیلائی جا رہی ہے، جس کو سُن سُن کر طبیعت تنگ آ رہی ہے، جنابعالی! یہ تو سنتِ انبیاء علیہم السلام ہے، جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا کیا نہیں کیا گیا، مجھ سے یا میرے دیگر رفقاء سے بدظنی پھیلانے کی کوشش سب برطانوی پروپیگنڈا ہے، جو کہ ڈیوائڈ اینڈ رول کے ماتحت صدیوں سے جاری ہے، البتہ اس کے عنوان اور رنگ بدلتے رہتے ہیں، کاش: سادہ لوح مسلمان سمجھیں اور دوست دشمن کی تمیز کریں، وعلی اللہ التکلان،

میں نہایت عدیم الفرصت ہوں، اس لیے جواب میں تاخیر ہوئی، معاف فرمائیں:

فقط والسلام

ننگِ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

۱۶ شوال سنہ ۱۳۶۴ھ، ۱۸ ستمبر سنہ ۱۹۴۵ء

مطبوعہ یوسفی پریس، فرنگی محل، لکھنؤ

ضمیمہ:

# شملہ وفد جدید روشنی میں

## سید محمد ذوقی کا خط قائدِ اعظم کے نام[1]

۲۶ مئی سنہ ۱۹۴۳ء

سید محمد ذوقی جو سنہ ۱۹۰۵ء میں پرنس آف ویلز کے ہندوستان کے دورہ کے موقع پر اُن کے ساتھ تھے، اور جو مسلم رہنماؤں مثلاً سید حسین بلگرامی (عماد الملک) کے ساتھ تعلقات رکھتے تھے، انھوں نے قائد اعظم جناح کے نام ۲۶ مئی سنہ ۱۹۴۳ء کو ایک خط میں اُن واقعات کا تذکرہ کیا ہے جو مسلمانوں کی ایک سیاسی جماعت کے قیام میں مددگار ہوئے، یہ خط حقائق کو افشاء کرنے والا اور شملہ وفد اور مسلم لیگ کے قیام پر ایک نئی جہت سے روشنی ڈالنے والا ہے، لہٰذا یہاں اس کا پورا حوالہ دیا جاتا ہے، خط یہ ہے:

کہانی وہاں سے شروع ہوتی ہے جب شہنشاہ جارج پنجم بحیثیت شہزادہ ویلز، سنہ ۱۹۰۵ء میں ہندوستان تشریف لائے، اعلیٰ حضرت شہزادہ و شہزادی ویلز نے ۲۱ نومبر سنہ ۱۹۰۵ء کو بمبئی میں قدم رنجہ فرمایا، ہندوستان اور برما کے چار ماہ کے دورہ کے بعد ۲۱ مارچ سنہ ۱۹۰۶ء کو کراچی سے (واپس جانے کے لئے) جہاز میں سوار ہوئے اس دورے میں شہزادہ کے ساتھ رہنے کے لئے ہندوستانی اخبارات کے چھ

---

[1] نوٹ: یہ خط..... انگریزی زبان میں ہے، اور شریف الدین پیرزادہ نے "فاؤنڈیشن آف پاکستان" جلد دوم میں شامل کیا ہے، اس کے ترجمے کے لیے حسین حسنی صاحب کا شکر گذار ہوں (ا، س، ش)

نمائندوں کا انتخاب کیا گیا، میں بھی اُن میں سے ایک نمائندہ تھا، میں "الحق" کا ایڈیٹر تھا ــــ مسلمانانِ سندھ کا واحد اینگلو سندھی ہفتہ وار ــــ اُس زمانہ میں میں صرف "سید محمد" کے نام سے معروف تھا، (ذوقی) کا اضافہ بعد کا ہے، حقیقت میں یہ خطاب میرے روحانی شیخ کا عطیہ ہے، بعد میں اِس نے میرے اصل نام کو پیچھے کر دیا، دوسرے پانچ نمائندے مندرجہ ذیل تھے:۔

۱۔ مسٹر عبدالعزیز، آبزرور، لاہور

۲۔ مسٹر کے، پی چیٹرجی، ٹریبیون، لاہور

۳۔ مسٹر یو، این، سین، بنگال

۴۔ مسٹر ماپلائی، مدراس (انڈین کرسچن)

۵۔ مسٹر منچیرجی، کوئٹہ (پارسی)

اس دوران (فروری سنہ ۱۹۰٦ء) میں ہم حیدر آباد (دکن) پہنچے، اور وہاں ایک خوشگوار صبح کو ہم نے نواب عماد الملک مولوی سید حسین بلگرامی سے ملاقات کی، دورانِ گفتگو میں انھوں نے اپنی کرسی ہمارے قریب کر لی، اور رازدارانہ انداز میں بڑے بیتاب ہو کر ہم سے پوچھا:

"ہم لوگ قوم کی فلاح و بہبود کے لئے بھی کچھ کر رہے ہیں یا صرف استقبالئے اور دعوتیں اُڑا رہے ہیں؟"

ہم نے کہا:

"ہم کیا کر رہے ہیں؟"

انھوں نے ہم سے پوچھا:

"ہمیں کیا ملا؟"

ہم نے کہا:

"سوائے نا امیدی کے کچھ نہیں"

حالات بڑے خراب تھے، بوڑھے اور جوان دونوں اپنے مستقبل سے نا امید تھے بوڑھے اپنی جگہ شاکی، جبکہ جوان علیگڑھ کی لیڈر شپ کے خلاف بغاوت پر آمادہ، اُن کا کہنا تھا کہ:

"وہ اب تک اپنے لیڈروں اور حکومت کے ساز پر رقص کرتے رہے ہیں اُن سے کہا گیا کہ وہ کانگریس میں شامل نہ ہوں، انھوں نے خود کو اس سے دور رکھا، اُن سے کہا گیا کہ وہ حکومت کے وفادار رہیں، وہ حکومت سے وفاداری کے طور پر اپنی مجلسوں میں تجاویز پر تجاویز پاس کرتے رہے، ان سے کہا گیا کہ وہ کسی قسم کا احتجاج بھی نہ کریں، اور اپنے دکھوں اور تکالیف کا عام پبلک میں اظہار بھی نہ کریں، اس پر اُن کی سرزنش بھی ہوتی رہی مگر وہ پھر بھی صابر اور خاموش رہے، جب انھیں مغربی تعلیم حاصل نہ تھی تو وہ باعزت تھے، مگر موجودہ زمانے کی جدید تعلیم حاصل کر کے تو وہ جیسے گڑھے میں گر گئے، سرکاری ملازمتوں میں ان کا تناسب بڑی تیزی سے گر گیا، ایک وقت تھا کہ جب تین مسلمان ججوں نے ہندوستان کی عدالت عدالتہائے عالیہ کو اپنے منصب کے اعزاز سے نوازا، یعنی الٰہ آباد میں مسٹر سید محمود، کلکتہ میں مسٹر امیر علی اور بمبئی میں مسٹر بدرالدین طیب جی نے، آج (۱۹۰۶ء) میں کافی تعداد میں گریجویٹ، وکلاء، بیرسٹر، اور تعلیم یافتہ شہریوں میں سے ایک بھی مسلمان اس قابل نہیں پایا جاتا جو ہندوستان کی کسی بھی عدالتِ عالیہ میں جج کی کرسی پر متمکن ہو سکے"

ہم اس طرح کافی عرصہ تک باتیں کرتے رہے، بہرحال پھر ہم نے نواب صاحب سے جانے کی اجازت طلب کی،

اسی شام کو ہم نظام کلب میں مولانا حالی کے اعزاز میں ہونے والے ڈنر میں مدعو تھے، ہم وہاں وقت سے پہلے پہنچ گئے، اور باغ میں چہل قدمی کرنے لگے، اسی وقت ایک بگھی آکر رکی، اور اس سے نواب عماد الملک برآمد ہوئے، وہ سیدھے ہماری طرف آئے، اور ہمیں ایک برابر کے کمرے میں لے گئے، دروازے میں چٹخنی لگاکر رازدارانہ انداز میں باتیں کرنے لگے، اتنا عرصہ گذر جانے کے بعد میں ان کے اصل الفاظ یاد نہ رکھ سکا، بہرحال انھوں نے کچھ اس طرح کہا تھا:

"آج صبح آپ لوگ جیسے ہی روانہ ہوئے مجھے سر والٹر لارنس (شہزادہ ویلز کے عملے کے سربراہ) کی طرف سے سہ پہر کی چائے کا دعوت نامہ موصول ہوا، ہم دونوں بڑے پرانے دوست ہیں، وہ لارڈ کرزن کے پرائیویٹ سکریٹری تھے، اور میں وائسرائے کی کونسل کا ایک ممبر تھا، ہم دونوں شملہ میں رہا کرتے تھے، جب میں آج سہ پہر کو ان سے ملا تو انھوں نے مجھ سے ملک کے موجودہ حالات کے بارے میں دریافت کیا، ——— تم پرجوش نوجوانوں نے آج صبح مجھ میں ایک آگ سی لگادی، اور آج سارے دن اس نے مجھے سخت بے چینی میں مبتلا رکھا میں نے اپنا بوجھ سر والٹر کے سامنے ہلکا کرلیا، اور اُن سے وہ تمام باتیں کہدیں جو تم لوگوں سے ہوئی تھیں، ان کے علاوہ بھی بہت کچھ جو تم نہیں جانتے میں نے اُن سے صاف طور سے کہا کہ ہمارے نوجوان ہمارے ہاتھوں سے نکلے جارہے ہیں، ہمیں انھیں قابو میں رکھنے کے لئے مت کہئے جب تک آپ فوری طور پر اپنی پالیسی تبدیل نہ کرلیں"

سر والٹر نے مجھ سے کہا:

"وہ اپنے رویہ میں بالکل ٹھیک ہیں، اور حکومت انھیں نظر انداز کرتے

میں یقیناً غلطی پر ہے، مگر اس کے ازالہ میں زیادہ دیر نہ لگے گی، انھیں
کانگریس میں شریک نہ ہونے دیجیے، اگر انھوں نے ایسا کیا تو انھیں
نقصان اٹھانا پڑے گا، انھیں خود اپنی ایک سیاسی تنظیم قائم کرنا
چاہیے، اور آزاد حیثیت میں کانگریس سے اپنی جنگ لڑنا چاہیے، اور
آپ اس تنظیم کو اپنے قابو میں رکھیے۔"

میں نے اُن سے کہا کہ:

"حکومتِ نظام کے قواعد کے تحت میرا سیاست میں لینا ممنوع ہے"

انھوں نے کہا:

"ایک بڑے آدمی یعنی سر آغا خان کو صرف دکھاوے کے لیے اس کا صدر
ہونا چاہیے، اصل میں سکریٹری سارا کام انجام دیتا ہے، وہ تنظیم کو
قابو میں رکھتا ہے، اور ہدایات بھی جاری کرتا ہے، آپ اس کے سکریٹری
ہو جائیے، اور اگر آپ کی ریاست کے قوانین آپ کو اس بات کی اجازت
نہ دیں تو ایک عام سا سکریٹری جو آفس کا کام کر سکے مقرر کر دیجیے۔
اور آپ اصل کام پردے کے پیچھے رہ کر انجام دیتے رہیے، اگر آپ یہ
نہ کریں گے تو مسلمان چکّی کے دو پاٹوں کے درمیان پیس دیئے جائیں گے۔"

میں نے اس مسئلے پر غور کرنے کا وعدہ کر لیا ——— وہ ہندوستان سے
روانہ ہونے سے قبل اِن باتوں کا نتیجہ جاننا چاہتے تھے، تاکہ وہ یہ دیکھ
سکیں کہ وائسرائے کو ٹھیک ہدایات بھیجی گئی ہیں یا نہیں؟"

میں نے کہا:

"خطرے اور تشویش کی بھی کوئی بات نہیں ہمیں کچھ کرنا ہے، اگر آپ
کچھ نہیں کرتے تو نوجوان وہ کچھ کر گزریں گے جس کو آپ پسند نہیں کرتے

اور پھر آپ انھیں روک بھی نہیں سکتے"،

یہاں سے شہزادگان بنارس کے لئے روانہ ہوئے، بنارس سے وہ ترائی کے جنگل میں تقریباً پندرہ روز کے لیے شکار کے لیے چلے گئے، ان پندرہ روز کے دوران ہم نے چھٹی منائی، شکار کے بعد انھیں براہِ راست وسط مارچ ۱۹۰۶ء کو علیگڈھ پہنچنا تھا،

علیگڈھ میں ہندوستان کے ہر علاقے کے مسلمانوں کے ایک عظیم اجتماع کی امید تھی، انھیں اس موقع پر وہاں مدعو کیا گیا، طے یہ پایا کہ میرے دوست مسٹر عبدالعزیز (آبزرور لاہور) نے پنجاب میں اپنے دوستوں —— شاہ دین اور محمد شفیع —— کو لکھیں کہ اس موقع کو ضائع نہ کریں، کیونکہ اس میں نہایت اہم معاملات زیر بحث آئیں گے، اور فیصلے کیے جائیں گے،

ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں یہی باتیں اپنے دوستوں کو لکھوں گا، ہم دونوں کو اپنے اثرات استعمال کر کے حتی الامکان زیادہ سے زیادہ اہم اشخاص کو جمع کرنا چاہیئے، ہم شہزادہ ویلز کے آنے سے کچھ عرصہ قبل علیگڈھ پہنچ جائیں گے، اور نواب صاحب بھی ایسا ہی کریں گے، جب وہ تمام شخصیات جنھیں ہم چاہتے ہیں وہاں جمع ہو جائیں تو ہم اُن سے مل کر معاملات کو خفیہ بحث و مباحثہ کے بعد طے کریں گے،

نواب صاحب نے اس خیال کو بہت پسند کیا، میں نے مزید سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا:

"آپ کو ایک نہایت اہم کام انجام دینا ہے، یہ کام صرف آپ ہی کر سکتے ہیں، قبل اس کے کہ ہم ساری باتوں پر دوسروں سے مل کر مباحثہ کریں آپ سر آغا خاں اور نواب محسن الملک کو اپنے ساتھ شامل کریں،

ہم اپنے لوگوں کو اچھی طرح جانتے ہیں، اگر ان دونوں حضرات نے اس خیال کی مخالفت کر دی تو سب ہی لوگ مخالف ہو جائیں گے، اور اس میٹنگ کا کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوگا، کیونکہ آغا خاں کانگریس کی طرف جھکے ہوئے ہیں[۵۱]، وہ اس بات کی حمایت میں نہیں ہیں کہ مسلمان خود سے اپنی ایک علیحدہ تنظیم قائم کریں، اُن کا خیال تھا "یہ بہتر ہے کہ ہم دو دشمنوں کے بجائے ایک دشمن رکھیں، اگر آپ خود کو اس طرح تنہا رکھیں گے تو آپ کو دو دشمنوں سے یعنی حکومت اور ہندوؤں سے لڑنا پڑے گا۔" رہے نواب محسن الملک، تو اُن کی بالکل یہ رائے ہے کہ سیاست کی چمک دمک اور جدیدیت کا حُسن عوام کو حواس باختہ کر کے علیگڈھ کی تحریک سے برگشتہ کر دے گا، اور اس طرح ایم، اے، او کالج اپنی موجودہ شہرت و افادیت کھو دے گا، کیوں کہ مسلمان ابھی کچھ زیادہ تعلیم یافتہ نہیں ہوئے ہیں، وہ مزاجاً گرم جوش ہیں، اس لیے سیاست میں مسلم عوام کا ابھی دخل مناسب نہیں ہے، ۱۸۵۷ء کا المیہ بھی نظر سے اوجھل نہ ہونا چاہیئے، اُن کا یہ بھی خیال ہے کہ حکومت ہندوؤں سے اتنی خوف زدہ نہیں ہے جتنی مسلمانوں سے ہے، اُن کی یہ بھی رائے ہے کہ صرف چند چیدہ مسلمان ذاتی طور پر ایک طرح کی دفاعی انجمن بنائیں، اور مسلمانوں کی سیاسی آزادی کے لیے بہت ہی خفیہ طور سے کام کریں۔"

---

۵۱ ۱۹۲۷ء میں آغا خان نے اس حقیقت کا اظہار کیا کہ ۱۹۰۵ء کے اختتام تک وہ مسلمانوں کی کانگریس میں شمولیت کے حق میں تھے۔ (ٹائمس آف انڈیا، ۳۰ دسمبر ۱۹۲۷ء)

(شریف الدین پیرزادہ)

نواب عماد الملک نے تھوڑی دیر تک اس مسئلے پر غور کیا، پھر انھوں نے مجھ سے چند سوالات کیے، اور آخر میں یہ طے کیا کہ وہ شہزادے کی آمد سے پانچ دن قبل علیگڑھ میں موجود ہوں گے، اور ان دونوں کو گھیریں گے، کیوں کہ سر آغاخان بھی وہاں ہوں گے،

یہاں میں ایک واقعہ بیان کرنا چاہتا ہوں جس نے مجھے چکرا دیا، بناس کا دورہ ختم ہونے کے بعد مجھے پندرہ دن کی چھٹی تھی، میں ایک ہفتہ کے لئے بمبئی چلا گیا، اور وہاں سر فیروز شاہ مہتا سے ملا، ہم دونوں ایک دوسرے کے گہرے دوست تھے، ان دنوں میں جب بھی بمبئی جاتا تھا ان سے ضرور ملاقات کرتا تھا، دورانِ گفتگو میں جب ہم دونوں بالکل تنہا تھے انھوں نے مجھ سے کہا:

"تم مسلمان اپنی ایک علیٰحدہ کانگریس بنانے والے ہو، کوئی وجہ نہیں آخر کیوں نہ بناؤ، تمھیں میری حمایت اور نیک خواہشات حاصل رہیں گی، مگر میں تم سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں، اس کو اچھی طرح یاد رکھو، تمھارے اعتدال پسند ہمارے انتہا پسند ہوں گے، تم لوگ حکومت اور ہندوؤں کو سخت مصیبت میں مبتلا رکھو گے، مجھے اس سے بڑی خوشی ہو گی"

میں نے جواب میں ایک لفظ بھی نہیں کہا، مگر مجھے ایک طرح کی پریشانی لاحق ہو گئی، اور یہ معلوم نہ کر سکا کہ انھیں حقیقت میں ان سب باتوں کا علم ہے یا یہ مجھے صرف اُکسا رہے ہیں،

ہم علیگڑھ تقریب سے پانچ دن قبل پہنچ گئے، ہمارے آنے کے آدھ گھنٹہ بعد ہی نواب عماد الملک میرے خیمے میں تشریف لائے اور مجھ سے کہا کہ میں دس دن قبل یہاں آ گیا تھا، انھوں نے مجھے یہ خبر بھی سُنائی کہ اُن دونوں کو انھوں نے شیشے میں اُتار لیا ہے،

قصہ مختصر مجوزہ مٹنگ خفیہ طور پر منعقد ہوئی، اور ہم سب نے طے کیا کہ ہماری اپنی ایک سیاسی تنظیم ہونی چاہیئے، لیکن سوال پیدا ہوا کہ کام کس طرح کیا جائے؟ معزز حاضرین میں سے ایک صاحب نے بتایا کہ کچھ عرصہ قبل نواب وقار الملک نے ایک سیاسی تنظیم شروع کی تھی، جس کو "مسلم لیگ" کہا جاتا تھا، مگر وہ کاغذی کارروائی سے کبھی باہر نہیں نکلی، اور بہت عرصہ سے اس کے بارے میں کچھ سُنا بھی نہیں گیا، (اسے استعمال کرنا چاہیئے، نواب محسن الملک سے معلوم ہوا کہ) ان کے اور وقار الملک کے درمیان تعلقات کچھ کشیدہ ہیں، ہوسکتا ہے کہ متوخر الذکر اس بات کو کسی غلط فہمی میں اپنے خلاف مخاصمانہ فعل قرار دے لیں، معاملہ چونکہ سنجیدہ تھا، لہٰذا یہ طے کیا گیا کہ نواب محسن الملک کی تجویز کے مطابق نواب وقار الملک کے پاس پہلے ایک وفد بھیجا جائے، جو اُن سے درخواست کرے کہ ہم سب کو آپ اپنی "مسلم لیگ" کا ممبر بنا لیں، اگر وہ قائم اور زندہ ہے، اور اگر اس کا وجود ختم ہو گیا ہے تو اسے اور اس کے ممبروں کو ہماری مجوزہ تنظیم میں شمولیت اختیار کر لینی چاہیئے جس کو ہم شروع کرنے جا رہے ہیں، ایک وفد نامزد ہو گیا، اور اسے ایک مقررہ وقت میں اپنی رپورٹ پیش کرنے کو کہا گیا، اس کے بعد ہم سب علیحدہ ہو گئے،

یہ وہ وقت تھا جب ایک "مسلم کانگریس" کے قیام کی خواہش کی باتیں عام طور پر ہونے لگیں تھیں، مختلف اسکیمیں تھوڑے بہت اختلافات کے ساتھ مختلف حلقوں میں گردش میں آنے لگی تھیں، ابتدائی کام باقی تھا کہ عطیۂ خداوندی کے طور پر منٹو مارلے اصلاحات کی خبر اشاعت پذیر ہوئی، نواب محسن الملک نے اس موقع کو غنیمت جانا، اور پہلے قدم کے طور پر مجوزہ سیاسی تنظیم کے مستقل قیام کے لیے قدم اٹھایا، اور فوراً ہی لارڈ منٹو کی خدمت میں لے جانے کے لیے مسلمانوں کا ایک وفد ترتیب دینے کی تیاری میں لگ گئے، انھوں نے بڑی سرعت

سے کام کیا، نواب عماد الملک نے عرضداشت کا مسودہ تیار کیا، دونوں نوابین کو نجی طور پر یہ یقین دہانی کرادی گئی تھی کہ وائسرائے کا جواب رحم دلانہ ہوگا، لہٰذا یہ سارا کام ہندو پریس کے خوف سے خفیہ طور پر انجام دیا گیا، کیونکہ ہندو پریس کی غوغا آرائی سے تمام فضا مسموم اور وائسرائے اپنے جواب میں محتاط رویہ اختیار کرنے پر مجبور ہوجاتا، اس وفد کی عوام کو بالکل عین وقت پر اطلاع ہوئی ،... اور عرضداشت کے مضمون کا پتا صرف اس وقت چلا جب سر آغا خان نے اسے پڑھ کر سُنایا،

یہاں ایک اور واقعہ پیش آیا جس کا بیان کرنا ضروری ہے، عوام کا وفد کے بارے میں جاننے سے قبل میں اپنے ایک نجی کام سے بمبئی گیا، وہاں اتفاق سے میری ملاقات مسٹر گوکھلے سے ہوئی، انھوں نے مجھے مجوزہ وفد کے بارے میں ہر چیز بتائی، اور نواب عماد الملک کی عرضداشت کے مسودہ کا مضمون بھی دیا، میں نے ان سے حیرت زدہ ہوکر پوچھا:

"مُسلمانوں کے کیمپ میں کیا ان کا کوئی جاسوس ہے؟"

انھوں نے بتایا کہ:

"انھیں یہ عرضداشت کی نقل سرکاری طور پر وائسرائے سے موصول ہوئی ہے"

قصہ کوتاہ "شملہ وفد" نہایت کامیاب خیال کیا گیا جس نے مسلمانوں میں زندگی کی ایک نئی لہر پیدا کردی[۱]؛

---

[۱] سید محمد ذوقی کا قلمی خط قائد اعظم جناح کے نام ۲۶ ؍ مئی ۱۹۴۳ء کا ہے جس کی نقل مسٹر ذوقی کے داماد مسٹر شہید اللہ نے مہیا کی تھی (شریف الدین پیرزادہ)

افادات

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

جامع

ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہان پوری

ناشر

مجلسِ یادگارِ شیخ الاسلامؒ۔ پاکستان

کراچی

# مسلم لیگ کی آٹھ مسلم کش سیاسی غلطیاں

# حرفے چند

حضرت شیخ الاسلام کا یہ رسالہ اسی نام سے ۱۹۴۵ء میں دلی پرنٹنگ ورکس، دہلی میں چھپا تھا اور مرکزی مسلم پارلیمنٹری بورڈ کی جانب سے شایع کیا گیا تھا۔ جہاں تک اس کی معلومات افزائی اور فکر انگیزی کا تعلق ہے محتاج بیان نہیں۔ ۱۹۴۵ء کے اواخر میں جب یہ رسالہ شایع ہوا تھا، سنٹرل اسمبلی کے انتخابات سر پر آگئے تھے، حضرت نے قلم برداشتہ لکھ کر اشاعت کے لیے پریس کے حوالے کر دیا تھا۔ اس زمانے میں حضرت کے جتنے رسالے بھی شایع ہوئے تھے، اسی طرح لکھے گئے تھے اور چھپے تھے۔ نہ لکھنے سے پہلے کسی رسالے کے لیے تحریر و تسوید کا کوئی خاکہ تیار کیا، نہ ترتیب مضامین اور تقسیم مطالب پر غور کرنے کا موقع ملا اور نہ بعد میں اس پر نظر ثانی اور تزئینِ زبان واسلوب کی فرصت میسر آئی۔ بس قلم برداشتہ تحریر کے جو نقوش اول بار صفحۂ کاغذ پر ثبت ہوئے وہی نقش آخر بن گئے۔ یہ حضرت کے ذوق علمی کا ثبوت ہے کہ جو کچھ قلم سے نکلا وہ حسنِ تالیف و تدوینِ مطالب اور زبان و بیان کے اعتبار سے مرتب و مزین تھا۔

آج جب کہ یہ رسالہ حضرت کی سیاسی ڈائری سے متعلق سلسلۂ ''مقالات سیاسیہ'' کے لیے زیر نظر آرہا ہے تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اسی موضوع سے متعلق حضرت کی دوسری تحریرات و بیان بھی اس کے ساتھ شامل کر دیے جائیں۔ اس سلسلے میں مندرجۂ ذیل چیزیں بہ طور ضمیمہ شامل کی جارہی ہیں:

(۱) مسلم ووٹروں کی خدمت میں حضرت کا مکتوب گرامی: یہ مکتوب بھی اولاً ایک چودرقے کی صورت میں شایع ہوا تھا اور پھر مختلف علاقوں اور شہروں سے بھی مقامی ضرورتوں کے مطابق شایع ہوا تھا۔ مرکزی پارلیمنٹری بورڈ کی دو اشاعتیں تو میری پیش نظر ہیں۔ حضرت شیخ الاسلامؒ کے قلم سے اس پر تاریخ تحریر درج نہیں لیکن دہلی کی ایک اشاعت پر کاتب صاحب ''امتیاز دیوبندی'' کے نام کے ساتھ ۳۱ر دسمبر ۱۹۴۵ء کی تاریخ درج ہے۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس کی تاریخ تحریر اس سے ایک ہفتہ سے زیادہ پہلے کی نہیں ہوسکتی۔

(۲) حضرت شیخ الاسلامؒ کا دوسرا مکتوب سامی حضرت مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ کے

نام ہے۔اس کا موضوع بھی مسلم لیگ کی غلط کاریاں ہے۔اس پر تاریخ تحریر ۲۰ر نومبر ۱۹۴۵ء ہے۔مکتوب نگار اور مکتوب الیہ ہر دو عظیم شخصیات کے حوالے سے یہ ایک تاریخی مکتوب ہے۔اس خط کی یہ اہمیت بھی ہے کہ ''مکتوبات شیخ الاسلام'' میں شامل نہیں ہے۔اس کا عکس ''ہماری دنیا، دہلی'' کے شیخ الاسلام نمبر میں چھپا تھا۔زیر نظر مجموعے میں اسے وہیں سے اخذ کر کے شامل کیا گیا ہے۔

(۳) ضمیمہ سوم: حضرت شیخ الاسلامؒ کی ایک تقریر پر مشتمل ہے۔حضرت نے یہ تقریر اکتوبر کے آخری ہفتے میں بجنور کی جامع مسجد میں فرمائی تھی۔میری نظر سے زم زم۔لاہور کی ۲۹ر اکتوبر ۱۹۴۵ء کی اشاعت میں نظر سے گزری تھی۔وہیں سے اخذ کر کے موضوع کی مناسبت سے اس رسالے میں شامل کر لیا ہے۔

اب جب کہ اس رسالے کے ساتھ دو مکاتیب اور ایک تقریر بھی جمع کر دی گئی ہے تو اگرچہ بعض مطالب کے بیان میں تکرار نظر آتی ہے۔لیکن ان میں نئی معلومات بھی ہیں اور تحریر و تقریر کے محاسن کے تنوع اور بیان کی خوبیوں کے مناظر کا اضافہ ہو گیا ہے۔

امید ہے کہ اصحاب ذوق میں اس کاوش کو پسند کیا جائے گا۔

**ابوسلمان شاہ جہان پوری**

یکم اگست ۲۰۰۰ء

# مسلم لیگ کی آٹھ

## مُسلم کُش

## سیاسی غلطیاں

### پہلی سیاسی غلطی :

حامداً و مصلیاً ، اما بعد! جس طرزِ حکومت کے متعلق موجودہ احوال میں ہندستان کے لیے وعدے ہو رہے ہیں اور اس کے سوا کسی دوسرے طریقہ کا بظاہر کوئی سامان نہیں ہے وہ آئینی جمہوری حکومت ہے ،

یہ طرزِ حکومت صرف ووٹوں کی اکثریت اور سروں کے گِننے اور ان کے زیادہ ہونے پر موقوف ہے ، سروں کے کاٹنے سے فیصلہ کرنا تو اقلیت کو کامیاب بنا سکتا ہے ، مگر سروں کے گننے سے فیصلہ کرنا بجز اکثریت کے حاصل نہیں ہو سکتا ، جس جماعت کی اکثریت ہوگی وہی کامیاب ہوگی ، چاہے وہ اکثریت صرف ایک ہی کی زیادتی پر موقوف ہو ،

اس لیے اس طرزِ حکومت میں اکثریت بنانی اشد ضروری ہے ، ہندوستانی تاریخ بتاتی ہے کہ اس ملک میں کبھی بھی اکثریت کی حکومت آج تک نہیں رہی ہے ، مگر برطانیہ اسی طرزِ حکومت کو ہندوستان میں چلانا چاہتا ہے ، اور اسی کی داغ بیل اُس نے عرصہ سے ڈال رکھی ہے ، زعمائے ہندوستان بھی خواہ ہندو ہوں یا مسلمان ، سکھ ہوں یا پارسی ، اسی کو سراہ رہے ہیں ، اور بجز اس کے ہندوستان میں اور کوئی طریقہ کامیاب نہیں دیکھتے یہی طریقہ انگلستان میں رائج ہے ، چونکہ کوئی قوم اور پارٹی جو کہ ملک میں عددی اکثریت

رکھنے والی ہو، اس وقت تک کامیاب نہیں ہوسکتی جب تک کہ اس کی آئینی اکثریت بھی تسلیم نہ کرلی جائے، اس لیے ہر جماعت کے لیے اپنی آئینی نشستوں کو زیادہ سے زیادہ کرانا اور اقلیت میں آنے سے محفوظ ہونے کی کوشش کرنا از بس ضروری ہے"

یہ کھلی ہوئی بات ہے، کسی غور و خوض کی ضرورت نہیں اور نہ پیچیدہ مسئلہ ہے، مگر ۱۹۱۶ء میں لکھنؤ کے اجلاس کانگریس کے زیر صدارت امبکا چرن مزمدار اور اجلاس مسلم لیگ بصدارت مسٹر محمد علی جناح میں معاہدہ ہوا جس کو "میثاقِ ملی" کے نام سے مشہور کیا گیا، اس میں منجملہ دیگر شرائط کے دفعہ ۴ حسب ذیل تھی:-

"

| نام صوبہ | مسلمانوں کی فیصدی آبادی | کونسل میں مسلمان ممبروں کی فیصدی تعداد | مسلمانوں کی بیشی آبادی کی نسبت سے |
|---|---|---|---|
| پنجاب | ۵۵ فی صدی | ۵۰ فی صدی | — ۵ |
| بنگال | ۵۳ " | ۴۰ " | — ۱۳ |
| بمبئی | ۲۰ " | ۳۳ " | + ۱۳ |
| یوپی | ۱۴ " | ۳۰ " | + ۱۶ |
| بہار | ۱۰ " | ۲۹ " | + ۱۹ |
| مدراس | ۷ " | ۱۵ " | + ۸ |
| صوبہ متوسط | ۴ " | ۱۵ " | + ۱۱ |

"

اس میثاق میں مسلمانوں کو صوبہ بنگال و پنجاب میں رجہاں پر اُن کی تعداد اس زمانہ میں تین کروڑ انچاس لاکھ چار سو چالیس (۳۴۹۰۰۴۴۰) تھی، اور یہ نسبت باقی ماندہ پانچ صوبوں کی مجموعی تعداد کے بھی بہت زیادہ تھی) بالکل فنا کے گھاٹ اتار دیا گیا، اس وقت مسلمانوں کی تعداد تمام ہندوستان میں چھ کروڑ چھیاسٹھ لاکھ سینتالیس ہزار دو سو ننانوے تھی، ۶۶۶۴۷۲۹۹

اگرچہ اقلیت والے صوبوں کو زیادہ نشستیں بہ نسبت آبادی کے دی گئی تھیں، مگر وہ تقریباً فضول اور بے اثر تھیں، کیونکہ ان زیادہ سیٹوں کی وجہ سے وہ اقلیتوں سے نہیں نکلتے، اور نہ اُن کی اقلیت اس زیادتی کے ساتھ بھی تہائی فی صدی تک پہنچتی ہے، ان کو بہرحال کسی فیصلہ میں کامیابی کے لیے دوسروں کے سہارے کی ضرورت رہتی ہے،

صوبہ بنگال اور پنجاب کے مسلمان اپنی اپنی اکثریت کھودینے کی وجہ سے ہر امر میں دوسروں کے محتاج ہو جاتے ہیں، کوئی فیصلہ بھی اپنے استقلال سے نہیں کر سکتے، مسٹر جناح جو کہ اس ظلم و ستم اور مسلم اکثریت کُشی کے بڑے ذمہ دار ہیں (کیونکہ وہ ہی اس وقت پیش پیش ہیں، اور لیگ کے اجلاس کے صدر تھے) آل پارٹیز کے اجلاس منعقدہ ۲۴ر جنوری سنہ ۱۹۲۵ء بمقام دہلی اس بے عنوانی اور مسلم کشی کی وجہ مندرجہ ذیل الفاظ میں بیان فرماتے ہیں:۔

"میثاقِ لکھنؤ کس طرح وجود میں آیا، پنجاب اور بنگال میں مسلمان اکثریت میں تھے، بنگال میں ۵۶ فی صدی تھی، اور پنجاب میں ۵۴ فی صدی مسلمانوں کی عام بستی دیکھ کر یہ دلیل بیان کی جاتی تھی کہ اگر مسلمانوں کو آبادی کے تناسب سے حکومت کو حصہ دیا گیا تو ایسا ہی ہے جیسے کہ کسی کو اس کی جہالت اور نااہلیت پر انعام دیا جائے، اس لیے یہ تجویز ہوئی تھی کہ ان دونوں صوبوں میں مشترکہ انتخاب کر دیا جائے، مگر مسلمانوں نے شکایت کی کہ اگر مشترکہ انتخاب رکھا گیا تو ان کی ووٹ دینے کی قوت ختم ہو جائے گی، اور وہ دس پانچ فی صدی نشستیں بھی نہ حاصل کر سکیں گے، اس جگہ مسٹر جناح نے متوجہ کیا کہ اس ترقی کے باوجود جو دونوں قوموں نے کی ہے یہ واقعہ ہے کہ پولنگ کے وقت زیادہ تر جذبات کی کارفرمائی ہوتی ہے، اور ووٹر اپنے ہم مذہب کو ہی ووٹ دیتے ہیں، جب یہ طے ہو گیا کہ نااہلیت پر انعام نہ دیا جائے تو اس پر معاملہ طے ہو گیا کہ پنجاب کے مسلمانوں کو ۵۰ فیصدی اور بنگال کے مسلمانوں کو ۴۰ فیصدی نشستیں دی جائیں

جب پارلیمنٹ میں ریفارم بِل پر بحث ہوئی تو گورنمنٹ آف انڈیا نے بنگال کی نشستوں کے بارے میں میثاقِ لکھنؤ کی مخالفت میں ایک تحریر بھیجی، کیونکہ اس کی رُو سے بنگال کی ۵۶ فیصدی آبادی کو صرف ۴۰ فیصدی نشستیں ملی تھیں، لیکن ہندو اور مسلم قابلِ تعریف طریقہ پر میثاقِ لکھنؤ پر اڑے رہے، اور جوائنٹ پارلیمنٹری کمیٹی نے بھی اس میثاق کی تصدیق کر دی"۔ (انڈین کوارٹرلی (سہ ماہی) رجسٹر ۱۹۲۵ء، جلد ۱ ص ۶۸)

یہ تقریر مسٹر جناح کی نہایت مہمل اور غیر معقول تھی! ایسی ہی غیر معقول باتیں تو انگریز بھی ہندوستانیوں کو آزادی نہ دینے میں کہتا ہے!

(الف) ہر قوم کا اور ہر ملک کا حق ہے کہ وہ آزاد رہے، اور اپنے لئے خاطر خواہ دستور بنائے، جیساکہ ابراہیم لنکن بانی جمہوریت امریکہ کا مشہور مقولہ ہے: "کسی دوسری قوم کو کسی کی آزادی چھیننے کا اور اپنے دستور پر لوگوں کو مجبور کرنے کا حق نہیں ہے، خواہ وہ تعلیم یافتہ ہوں یا غیر تعلیم یافتہ"، اس لیے حکومتِ برطانیہ کو جو کہ غاصب اور ظالم اور ڈاکو ہے ہندوستانیوں کو حکومت انعام میں دینے والی نہیں، بلکہ ان کے حق کو واپس دینے والی ہے! غصب کرنے والے اور ظالم کا فریضہ ہے کہ غصب کی چیز کو جس سے غصب کیا ہے جلد سے جلد واپس کر دے، خواہ مغصوب منہ اہل ہو یا نا اہل، ... اور اگر اہل ہونا ہی شرط ہو تو غاصب کو کیا حق ہے کہ اس کی اہلیت کا فیصلہ کرے، بہر حال یہ نظر اصل سے ہی غلط ہے کہ اپنے ملک پر حکومت میں کوئی حصہ دینا انعام ہے، اس لیے اس کو صرف اہل ہی کو دینا چاہیئے،

(ب) اگر بالفرض یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ یہ انعام ہے اور اہل ہی کو ملنا چاہیئے غیر تعلیم یافتہ اہل نہیں ہے تو چاہیئے کہ سارے ہندوستان کو نہ سلف گورنمنٹ دی جائے نہ آزادیِ کامل، نہ ڈومینین اسٹیٹس، نہ اور کسی قسم کی حکومت، کیونکہ ہندوستان کی تمام آبادی میں تعلیم یافتہ دس فی صدی بھی نہیں ہیں، اور انگریزی تعلیم یافتہ تو جن کو

مسٹر جناح اوران کے ہمخیال تعلیم یافتہ سمجھتے ہیں، ۲ فیصدی بھی نہیں ہیں، اس لیے جبتک کہ یہ لوگ کم ازکم نوے فی صدی تعلیم یافتہ نہ ہوجائیں ان کو کسی قسم کی حکومت نہ ملنی چاہیئے، اور پھر جس مقدار سے تعلیم یافتوں کی ترقی ہورہی ہے، زمانہ سابق کے معیار کو دیکھیں تو تقریباً ایک ہزار سال کی ضرورت ہے، جب کہیں یہ ملک یورپین ممالک کی طرح تعلیمیافتہ ہوسکے گا، اس لیے کئی سو برس تک انتظار کرنا چاہیئے،

(ج) اگر یہ بات صحیح ہے تو پھر بنگال اور پنجاب کو پاکستان بھی نہ ملنا چاہیئے، اس کی ذمہ داریاں تو بہت ہی زیادہ ہیں،

(د) اپنے ہم مذہبوں یا رشتہ داروں کو ووٹ دینا کیا مسٹر جناح کے تسلیم کردہ ممالک میں نہیں پایا جاتا؟

(ہ) اہلیت اور نااہلیت کا اندازہ کرنا بھی مسٹر جناح اوران کے ہمنواؤں کے قول پر نہیں ہے،

الغرض یہ تقریر اور وجہ بالکل غلط اور پوچ تھی، جو کہ اپنی غلطی یا خیانت کے چھپانے کے لیے بیرسٹرانہ طریقہ پر (جن کا کام جھوٹے کو سچا اور سچے کو جھوٹا بنانا ہے) تھی، یقیناً مسلمانان بنگال وپنجاب پر اس میثاق سے سخت ظلم ہوا، یہ بھی غلط بات ہے کہ اگر مخلوط انتخاب ہو تو مسلمانوں کی ووٹ کی قوت ختم ہوجائے گی، اور پانچ فی صدی نشستیں نہ حاصل کرسکیں گے، یہ خطرہ تو جب ممکن ہو کہ ان کی اکثریت آبادی میں نہ ہو، نیز یہ خطرہ نشستوں کی تعیین کے وقت میں بالکل نہیں رہتا،

الحاصل اس منحوس میثاق کی بناء پر مسلمان تمام ہندوستان میں آئینی اقلیت میں آگئے، کہیں بھی ان کا استقلال باقی نہیں رہا، اسی بناء پر صاحب "روشن مستقبل" لکھتا ہے:

"اگر مسلمانوں کو پنجاب اور بنگال میں مردم شماری کے مطابق نشستیں مل جاتیں تو ان دونوں صوبوں کی کونسلوں میں ان کی اکثریت ہوجاتی، اور اس وقت سے پچیس ۲۵ سال قبل ہی پاکستان کی بنیاد قائم ہوجاتی، اور چونکہ ان دونوں صوبوں

میں مسلمانوں کی تعداد ہندوستان کے باقی ماندہ تمام صوبوں کے مسلمانوں سے زیادہ تھی، اس لیے مسلمانوں کی زیادہ آبادی کو کونسلوں میں اکثریت حاصل ہو جاتی "

لیکن بُرا ہو کج فہمی اور نفسانی اغراض اور تجربہ کا کہ یہ دھوکہ کھایا گیا کہ مسلمانوں کی ہر صوبہ میں اتنی تعداد ہونی چاہیے کہ وہ پاسنگ ہو جائیں، اگر برادرانِ وطن کے ساتھ ہو جائیں تو حکومت کو اور حکومت کے ساتھ ہو جائیں تو برادرانِ وطن کو شکست دے سکیں،

مگر یہ پالیسی بالکل غلط پالیسی تھی، اتنی اقلیت کے ساتھ وہ ہر صوبہ میں اس کو بھی حاصل نہیں کر سکتے تھے، متعدد صوبوں میں وہ حکومت کے ساتھ بھی مل کر برادرانِ وطن سے اکثریت میں نہیں آسکتے تھے، اور نہ ان کو شکست دے سکتے تھے، پھر با ایں ہمہ ان کی پالیسی ڈانواڈول پالیسی ہو کر رہ جاتی ہے، کوئی مستقل پالیسی باقی نہیں رہتی،

یہ آئینی غلطی معمولی غلطی نہ تھی، جس کے مرتکب لیگ کے زعماء ہوئے تھے، مولٰینا محمد علی جوہر مرحوم اور مولانا ابو الکلام آزاد (مرحوم) اور دوسرے سمجھدار اور مخلص لیڈر اس زمانہ میں جیل میں تھے، ورنہ یقیناً اس غلطی کا ارتکاب نہ ہوتا، جب سنہ ۱۹۲۰ء میں مانٹیگو چیمسفورڈ اصلاحات دی گئیں تو یہی منحوس دفعہ مسلمانوں پر عائد کر دی گئی، اور اکثریت والے صوبوں کو اقلیت والے صوبوں پر قربان کر دیا گیا، تجربہ نے بتا دیا کہ لکھنؤ کے میثاق ملّی نے ان کو اپنے یہاں بھی اور باہر بھی زنجیروں میں جکڑ دیا ہے، بغیر غیروں کی مدد کے وہ ادنیٰ سے ادنیٰ امر کو بھی اپنے مفاد مذہبی یا معاشی و سیاسی کے موافق پاس نہیں کر سکتے، اور نہ اپنی وزارت بنا سکتے ہیں، یہ کوئی معمولی مصیبت نہیں ہے، اسی بنا پر تمام ہندوستان کے کسی صوبہ میں بھی مسلم وزارتیں اس زمانہ میں نہ بن سکیں، اور آج بھی جبکہ صوبہ سرحد کو ریفارم اور صوبہ سندھ کو علیحدہ کیا جا چکا ہے اور وہاں پر مسلم اکثریت آئینی طور پر تسلیم کی جا چکی ہے، صوبہ بنگال اور پنجاب مجبور ہے کہ مسلم وزارت اپنی آئینی اقلیت کی بنا پر بغیر دوسروں

کے ملائے ہوئے نہیں بنا سکتا، ہر دو صوبوں میں دوسروں کو اپنے ساتھ ملا کر بالخصوص گورنمنٹوں کو ساتھ لے کر اگر کسی ملی مفاد کو پاس کرانا چاہتے ہیں تو نہایت گرانبار مہر دینا پڑتا ہے، جس میں ملک اور وطن کو بھاری سے بھاری قربانی دینی پڑتی ہے، اسی وجہ سے لیگ کی مجلسِ عاملہ کے ایک حالیہ جلسہ میں جب لیگی وزارتوں کا جائزہ لیا گیا تو بنگال کے مسلم لیگی وزیر سر ناظم الدین نے خود ہی یہ خیال ظاہر کیا، سر ناظم الدین نے اس جلسہ میں کھلم کھلا اعتراف کیا کہ "میں اپنی وزارت کو باقی رکھنے اور سنبھالنے کے لیے ایسے ذرائع استعمال کر رہا ہوں جو مناسب نہیں ہیں، اور مجھے یورپین گروپ کی تائید کی بہت زیادہ قیمت ادا کرنی پڑ رہی ہے، کیونکہ اس گروپ کی تائید کے بغیر میری وزارت ایک دن بھی زندہ نہیں رہ سکتی"،

(اجمل بمبئی، ۱۵ر جنوری، جلد ۸ نمبر ۱۲، از روزنامہ ہندوستان ٹائمز)

مولانا محمد علی مرحوم کو اخیر تک اس کا افسوس رہا، اور بارہا مجالس میں اس کا ذکر فرماتے رہے، خلاصہ یہ کہ یہ غلطی اگر دانستہ کی گئی ہے تو یقیناً لیگ اور اس کے اس وقت کے زعماء انتہائی درجہ میں انتہائی غدارانِ اسلام ہیں، اور اگر نادانستہ کی گئی ہے تو انتہائی درجہ کے بھولے اور احمق ہیں، جن پر اعتماد کرنا سخت غلطی ہوگی،

## دوسری سیاسی غلطی؛

(۲) ۱۹۲۹ء میں کنونشن کانفرنس کلکتہ میں جبکہ مخلوط انتخاب کے متعلق بحث ہو رہی تھی، اور یہ مسئلہ در پیش تھا کہ مخلوط انتخاب میں مسلمانوں کو فائدہ ہے یا نہیں؟ تو سر تیج بہادر سپرو نے کہا کہ:

"ایسی صورت میں کہ اقلیت والے صوبوں میں مسلمانوں کی نشست متعین ہو جائے اور اکثریت والے میں متعین نہ ہو مخلوط انتخاب سے مسلمانوں کو نفع ہی نفع ہے،

کیونکہ:

آل پارٹیز کانفرنس کی تجویز کے مطابق مسلم اقلیت کے صوبوں میں مسلمانوں کی آبادی کی نسبت سے ان کے ممبروں کی تعداد مقرر کر دی جائے گی، اس کے علاوہ مسلمانوں کو اختیار ہوگا کہ وہ عام مخلوط انتخاب میں شریک ہو کر مزید نشستیں حاصل کر لیں، اور بنگال و پنجاب میں دکھایا کہ مخلوط انتخاب کے اجراء نے مسلمانوں کو بقدر سات یا آٹھ نشستوں کے اور زیادہ مل جائیں گی جس کی وجہ سے ان دونوں صوبوں میں مسلم ممبران کی تعداد پنجاب میں ساٹھ فیصدی اور بنگال میں اٹھاون فیصدی کے قریب ہو جائے گی۔"

تو اس کے جواب میں مسٹر جناح نے حسب ذیل ارشاد فرمایا:

"پنجاب اور بنگال کے مسلمانوں کو ان کی آبادی کی نسبت سے سات یا آٹھ مزید نشستیں دینے کے یہ معنی ہوں گے کہ جو صوبے پہلے سے امیر ہیں انھیں اور زیادہ امیر بنایا جائے، بجائے اس کے اگر مسلم اقلیت کے صوبوں مثلاً مدراس اور بمبئی یا صوبہ متحدہ کو یہ مزید نشستیں دیدی جائیں تو ان کا بھی کچھ بھلا ہو جائے گا۔"

ان کی یہ رائے غلط تھی، پنجاب اور بنگال کی اکثریت نہایت تھوڑی اکثریت ہے اگر ان کو آبادی کی حیثیت سے سیٹیں دے بھی دی جائیں تو اجلاسوں میں اکثریت کا پایا جانا عادۃً محال ہے، کیونکہ بوقت اجلاس اتنے بڑے ایوان میں دو چار کا بیمار ہو جانا اور دو چار ممبروں کا اپنے خصوصی اعذار کی وجہ سے غیر حاضر ہو جانا عادتاً ضروری ہے، جیسا کہ ہمیشہ مشاہدہ میں آتا رہتا ہے، ہاں اگر اکثریت بڑے پیمانہ پر ہو تو یہ احتمال نہیں رہتا، صوبہ بنگال کی اکثریت صرف تین سے اور پنجاب کی اکثریت صرف پانچ سے ہوتی ہے، جس کا اجلاسوں میں کم ہو جانا ہرگز مستبعد نہیں ہے، بہر حال" اس وقت مسٹر جناح نے بنگال و پنجاب کی کونسلوں اور اسمبلیوں میں مسلم اکثریت ہونے کی صاف الفاظ میں مخالفت

کر کے ان صوبوں کو پاکستان بنائے جانے سے روکا۔" (روشن مستقبل)

کیا یہ صریح سیاسی غلطی نادانستہ یا دانستہ نہیں ہوئی؟ حالانکہ خود مسٹر جناح مخلوط انتخاب کے حامی تھے، جیساکہ آئندہ آئے گا،

## تیسری سیاسی غلطی؛

جو لوگ مسلم لیگ اور مسلم کانفرنس کی طرف سے راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں شرکت کے لیے منتخب کیے گئے تھے اور جن میں مسٹر جناح صاحب بھی تھے، اور ان کو تاکید کر دی گئی تھی کہ وہ مسلم کانفرنس کے مطالبات پاس کردہ یکم جنوری ۱۹۲۹ء اور ۵ راپریل ۱۹۳۱ء کا ہی اتباع کریں، جن میں یہ بھی تھا کہ بنگال و پنجاب میں مسلم نشستیں باعتبار آبادی ہونی ضروری ہیں، اور اسی کی یاد دہانی اور تاکید مجلس عاملہ آل انڈیا مسلم کانفرنس منعقدہ شملہ بتاریخ ۱۳ ستمبر ۱۹۳۱ء الفاظ ذیل کے ساتھ کی گئی تھی

"یہ مجلس پھر یاد دلاتی ہے کہ یکم جنوری ۱۹۲۹ء اور ۵ راپریل ۱۹۳۱ء کی مسلم کانفرنسوں میں مسلمانوں نے کم سے کم جو مطالبات منظور کیے ہیں ان میں سرمو کمی نہیں ہو سکتی، اب پھر اُن کا اعادہ کیا جاتا ہے کہ جس دستور اساسی میں مسلمانوں کے ان مطالبات کو تسلیم نہیں کیا جائے گا وہ کسی صورت سے قابلِ قبول نہ ہوگا۔" (مدینہ بجنور، ۲۱ راگست ۱۹۳۱ء، جلد ۲۰ ع ۵۹ ص ۵)

مگر ان حضرات نے وہاں جاکر صراحۃً خلاف ورزی کی، اور پنجاب و بنگال کے متعلق ۵۱ فی صدی کا مطالبہ پیش کیا، چنانچہ ان کی اس خلاف ورزی اور بغاوت پر احتجاج کرتے ہوئے ۱۹ رنومبر ۱۹۳۱ء بمقام دہلی مجلس عاملہ آل انڈیا مسلم کانفرنس میں حسب ذیل قرارداد پاس کی:

"آل انڈیا مسلم کانفرنس کی مجلس عاملہ مندوبین گول میز کانفرنس کی اُن مبارک

مساعی کی ستائش کرتی ہے جو انھوں نے دیگر مندوبین کے ساتھ مفاہمت کرنے اور اقلیتوں کے ساتھ باہمی سمجھوتہ اور اشتراکِ عمل کرنے کے سلسلہ میں کی ہیں، لیکن ساتھ ہی یہ بھی ظاہر کرتی ہے کہ انھیں بنگال و پنجاب کی مجالس مقننہ میں مسلم نیابت کو ۵۱ فی صدی تک ہرگز کم نہیں کرنا چاہیے تھا، بلکہ ان صوبوں میں مسلم نیابت کو آبادی کے تناسب کے مطابق رکھنا چاہیے تھا"

ذرا غور کرنے کی بات ہے کہ ان نمائندوں کو بار بار تاکید کی گئی تھی کہ ہمارے مطالبات میں سرِمُو کمی نہ کریں، اور منجملہ دیگر امور کے یہ بھی تھا کہ بنگال و پنجاب میں نشستیں حسب آبادی ہونی چاہییں تو ان حضرات کا دونوں صوبوں میں ۵۱ فی صدی تک اُتر آنا اگر دانستہ ہے تو کیا عظیم الشان غداری نہیں ہے؟ اور اگر نادانستہ ہے تو کیا عظیم الشان حماقت نہیں ہے؟ اور کیا ایسے لوگوں پر اعتماد کرنا درست ہے؟

نوٹ:۔ واضح ہو کہ اس جماعت میں مسٹر جناح بھی شریک اور منتخب تھے، چنانچہ ریوٹر ۳۰ اکتوبر کے تار میں لکھتا ہے:

"اقلیتوں کا مسئلہ ابھی غیر تصفیہ شدہ ہے، البتہ معلوم ہوا ہے کہ اس سلسلہ میں مسلمانوں نے دیگر اقلیتوں سے گفتگو شروع کر دی ہے، اور ان لوگوں کا ایک جلسہ ہوا تھا، جس میں سر آغا خاں، سر محمد شفیع، مسٹر غزنوی اور مولانا شوکت علی اور مسٹر جناح کو اختیار دیدیا گیا تھا کہ وہ سر ہیوبرٹ کار، سر ہنری گڈنی، ڈاکٹر امبیدکار اور مسٹر نیر سلویم سے ملیں، اور اقلیتوں کے مسئلہ پر گفتگو کریں، اور اس قسم کا کوئی حل تلاش کریں جس سے اقلیتوں کے مطالبات پورے ہو جائیں"۔ (مدینہ بجنور، ۵ نومبر ۱۹۳۱ء جلد ۲۰ ع ۷۹ ص ۳)

ان حضرات کو اپنی سادہ لوحی کی بناء پر یہ سمجھ میں آیا کہ ۵۱ فی صدی حاصل ہونے پر آئینی طور پر ہماری اکثریت تسلیم ہو جائے گی، اور ہم اپنی مسلم وزارتیں دونوں

صوبوں میں بنا سکیں گے، مگر یہ خیال نہ آیا کہ :

(الف) ہر اجلاس میں ایسی صورت میں کیا ہم اپنی اکثریت لا سکیں گے یا نہیں؟ جبکہ دو چار کا کم ہو جانا عادتاً ضروری ہے،

(ب) کیا مخالف کے سامنے اس قدر کمی کو پیش کرنا کامیابی کے لیے ذریعہ ہو سکتا ہے، دنیا میں عموماً اور انگریزی سیاست میں خصوصاً جب تک زیادہ سے زیادہ مطالبہ نہیں کیا جاتا اس وقت تک کم سے کم بھی حاصل نہیں ہوتا، مقولہ مشہور عالم ہے "بمرگش بگیر تا بہ تپ راضی شود" عربی کا مقولہ ہے "خذہ بالموت حتی یرضی بالحمیٰ" اور یہی وجہ ہوئی کہ اقلیتوں نے اتنا بھی نہ مانا اور بالآخر ان حضرات کو یہ معمولی اکثریت کھو دینی پڑی،

## چوتھی سیاسی غلطی ؛

لیگ اور مسلم کانفرنس نے اپنے نمائندوں کو راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں اس لیے بھیجا تھا کہ وہاں جا کر انگریزوں سے مسلمانوں کے مطالبات تسلیم کرائیں، اس لیے نہیں بھیجا تھا کہ وہ دوسری اقلیتوں اچھوت، پارسی، عیسائی، یوروپین وغیرہ کے حقوق کے محافظ بن کر ان سے معاہدہ کریں، انگریزوں اور بالخصوص وزیراعظم نے بار بار اعلان کیا تھا اور اب بھی یہی اعلان ہے کہ ہندوستانی آپس میں جس نظام اور جن حقوق پر متفق ہو جائیں گے ہم اسی کے موافق عمل کریں گے،

پہلی گول میز کانفرنس کے خاتمہ پر وزیراعظم نے دوسری گول میز کانفرنس کی دعوت دیتے ہوئے اطمینان دلایا تھا کہ کسی اکثریت کو اقلیت میں تبدیل نہیں کیا جائے گا، اس لیے ہندوستانیوں کے آپس میں سمجھوتہ کے لیے چونکہ ہندوستان میں سرگرم اور کارکن منظم جماعت کانگریس تھی، اس سے سمجھوتہ اور معاہدہ ہو جانا ازبس ضروری اور

کافی تھا، اگر وہ اور مسلمان نمائندے آپس میں سمجھوتہ کر لیتے تو نہ مہاسبھا، نہ اچھوت، نہ عیسائی وغیرہ کوئی بھی سر اٹھا سکتے، اور اگر اٹھاتے بھی تو لیگ، مسلم کانفرنس، کانگریس سب مل کر ان سے صلح کرتے یا اپنے مقاصد کو منواتے، اور جو کچھ بھی کرتے سب کی ذمہ داری ہوتی، مگر افسوس کہ مسلم نمائندے نہ سمجھے، اور باوجود اس کے کہ گاندھی جی نے ان کے تمام مطالبات مان لیے تھے جا کر یورپین ایسوسی ایشن اور دیگر اقلیتوں سے مل بیٹھے اور ان سے نہایت ذلیل اور شرمناک معاہدہ کر کے دستاویز پر دستخط کر دیئے، خود مسٹر جناح مندرجہ ذیل بیان شائع فرماتے ہیں:

" گاندھی جی اور مسلم مندوبین میں طویل گفت و شنید کے بعد حسب ذیل تجویزیں منظور ہو گئی تھیں، جن سے گاندھی جی بالکل متفق تھے،

(۱) پنجاب و بنگال میں مسلمانوں کی ایک فی صدی اکثریت رہے گی، یعنی کُل ایوان کے ۵۱ فی صدی اراکین مسلمان ہوا کریں گے، لیکن یہ سوال کہ یہ اکثریت ۵۱ فی صدی نشستوں کے تعین کے ساتھ مخلوط انتخاب کے ذریعہ منتخب ہو یا جداگانہ کے ذریعہ، جدید دستور اساسی کے نفاذ سے پہلے مسلمان ووٹروں کی رائے سے طے ہو گا اور وہ جو فیصلہ کریں گے اُسے سب قبول کریں گے،

(۲) اس کے علاوہ دیگر صوبوں میں جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں اور جس قدر نشستیں اس وقت حاصل ہیں وہ بدستور قائم رہیں گی، اور ان صوبوں میں بھی اس سوال کو کہ آیا وہاں جداگانہ انتخاب ہی رائج رہے یا مخلوط طریق طریقِ انتخاب مسلمان ووٹرز ہی جدید دستور اساسی کے نفاذ سے پہلے طے کریں گے، اور ان کا فیصلہ سب کے لئے قابلِ عمل ہو گا،

(۳) اسی طرح مرکزی مجالس قانون ساز میں بھی (دونوں ایوانوں میں) مسلم اراکین کی تعداد ایک تہائی ہو، لیکن یہ تعداد اور واج کے ذریعہ الیانِ ریاست

اور برطانوی ہند کے مابین اس طرح طے ہوگی کہ ان کے نمائندوں میں بھی مسلمانوں کی جو تعداد رہے وہ برطانوی ہند کے مسلم نمائندوں میں سے کم کردی جائے
(۴) محفوظ اور مخصوص اختیارات صوبوں کو تفویض ہوں گے،

ان کے علاوہ دیگر امور کے متعلق یعنی سندھ کی علیحدگی، صوبہ سرحد کی اصلاحات، ملازمتوں میں مسلمانوں کا تناسب، وزارت میں مسلمانوں کا حصہ بنیادی حقوق اور مذہب اور تمدن کا تحفظ، اور کسی ملت کے خلاف قوانین کا عدم نفاذ وغیرہ بھی طے ہوگئے تھے، ان تجاویز کو رسمی طور پر گاندھی جی کے سامنے پیش کیا گیا، اور گاندھی نے انھیں اس کے بعد اس بے ضابطہ کانفرنس کے روبرو پیش کیا، جس میں مختلف اقلیتوں کے نمائندے یعنی لبرل، غیر برہمن، اچھوت، یوروپین اور اینگلو انڈین وغیرہ موجود تھے، چنانچہ یہ سب لوگ ان تجاویز کو قبول کرنے کے لیے تیار تھے، جو جماعت مخالف تھی وہ صرف ہندو مہاسبھائی جماعت تھی، اس موقع پر اس کا ضرور اعتراف کروں گا کہ گاندھی جی نے اپنی اپوزیشن بالکل صاف کردی تھی، وہ مسلمانوں کے ان مطالبات کو قبول کرنے کے لیے ہر طرح تیار تھے، اور انھوں نے کانفرنس کے سامنے خود انھیں پیش کیا، اور اس کا پورا یقین دلایا کہ وہ ان تجاویز کو کانگریس اور ڈاکٹر انصاری صاحب کی جماعت سے منوانے کی امکانی کوشش کریں گے، بشرطیکہ ہندو مہاسبھا اور سکھ اسے قبول کریں، اور انھوں نے ان دونوں جماعتوں کو منانے کی بھی انتہائی کوشش کی لیکن افسوس ہے کہ وہ کامیاب نہ ہوئے ''

(مدینہ، ۲۱ اکتوبر ۱۹۳۱ء جلد ۲۰ نمبر ۵، ص ۷)

ڈاکٹر سید محمود صاحب کے ارشادات بھی ملاحظہ ہوں، بعنوان ''مسلم مطالبات

اور مہاتما گاندھی"۔

اس سوال کے جواب میں کہ حکومت کی طرف سے فرقہ وارانہ تصفیہ کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ آپ نے کہا تھا:

"مہاتما جی نے لندن میں مسلمانوں کے چودہ نکات بے کم و کاست منظور کر لئے تھے، لیکن ہمارے نمائندوں نے مہاتما گاندھی کی کچھ پرواہ نہیں کی، انھوں نے ناممکن مطالبات پیش کیے، جن کا مسلمانوں کے مطالبات سے کوئی تعلق نہیں تھا، یہ نمائندے لندن میں یورپین ایسوسی ایشن کے حامی اور اس کے پشت پناہ بن گئے، مجھے یقین ہے کہ وزراء برطانیہ کسی نہ کسی حیلہ سے پھر فرقہ وارانہ تصفیہ کو معرض التوا میں ڈال دیں گے، کیونکہ انھیں اب بھی مسلمانوں سے کچھ تھوڑا کام لینا باقی رہ گیا ہے، لیکن چھ مہینے کے بعد وہ انھیں دھکے دے کر الگ کر دیں گے، میں نہایت عاجزی اور خلوص کے ساتھ اپنے ہم مذہبوں سے اپیل کرتا ہوں کہ مادر وطن کی خدمت میں دریغ نہ کریں، مجھے اس میں کچھ شک نہیں کہ مسلمان قربانی اور ایثار کرکے اس سے زیادہ حاصل کر سکتے ہیں، جس کے وہ اس وقت خواہش مند ہیں، تحفظات اور معاہدات سے انھیں کچھ نہیں مل سکتا، انھیں بالکل غلط راستہ بتایا گیا ہے"

(مدینہ، بجنور، یکم اگست ۱۹۳۲ء جلد ۲۱ ۵۴ ص ۳)

انڈین اینویل رجسٹر ۱۹۳۱ء صفحہ ۶۱ میں ہے:۔

لندن کے بعض نمائندوں نے اشارہ کیا تھا کہ ان لوگوں (فرقہ وار لیڈروں) نے برطانیہ کے لیڈروں سے خفیہ سازش کر لی تھی، جن میں ممتاز ٹوری لیڈر لارڈ لائڈ، آنر بل مسٹر بنفورڈ اور لارڈ سڈنہیم اور دوسرے لوگ تھے، جب کبھی کمزوری یا شکست کے آثار نمودار ہوتے تھے تو ٹوری فرقہ وار لیڈروں کی پوری پوری حمایت کرتے تھے، مثلاً جبکہ فرقہ وار لیڈروں کو شکست کے آثار ظاہر

ہونے لگے، تو اس موقع پر اعانت کرنے کے لیے عین وقت پر جیسا کہ پہلے طے ہو چکا تھا سر غزنوی لندن پہنچ گئے،،

اس قسم کے معاہدہ کی کوئی حقیقت رہی ہو یا نہ رہی ہو، لیکن ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مسلمان نمائندے اس پر اڑے رہے کہ جب تک ان کے تمام فرقہ وارانہ مطالبات منظور نہ کر لیے جائیں اور مفاداتِ خصوصیہ کا تحفظ پورے طور پر نہ کر دیا جائے وہ فیڈریشن یا کسی مرکزی اختیارات سے کوئی تعلق نہ رکھیں گے، نیز وہ کسی حال میں بھی کسی ثالث کے سامنے یا جوڈیشل ٹربیونل کے سامنے اپنا قضیہ پیش کرنے کے لیے تیار نہیں ہوئے، جب مہاتما جی نے سوائے مسلمانوں اور سکھوں کے باقی تمام اقلیتوں کو مخصوص نمائندگی دینے سے انکار کر دیا، تو تمام اقلیتوں نے (مع مسلمانوں کے) جارحانہ اور مدافعتی اقدامات کرنے کے لیے آپس میں اتحاد قائم کر لیا، ان کے متفقہ بل آف رائٹس (حقوق کا بل) میں یہ بے سود اور مضحکہ انگیز کوشش کی گئی تھی کہ اکثریت کو اقلیت میں تبدیل کر دیا جائے،

خلاصہ یہ کہ یہ بیانات صاف طور پر بتلا رہے ہیں کہ ان لیگی اور مسلم کانفرنسی نمائندوں نے انتہائی غلطی کی کہ ان اقلیتوں سے معاہدہ کر لیا، اور ان لوگوں کی پشت پناہی کرنے لگے جن کو ان سے کوئی سروکار نہ تھا، اور نہ اس کے لیے بھیجے گئے تھے، اور نہ اُن سے منوانے پر وہ ہندوستان میں کوئی نمایاں کام کر سکتے تھے، اور نہ اُن کی تائید و تقویت سے ان کو معتدبہ فائدہ حاصل کر سکتے تھے، اور گاندھی جی کی قبولیت کو جس کو وہ کانگریس اور نیشنلسٹ مسلمانوں سے منوا دینے کا وعدہ کر چکے تھے پسِ پشت ڈال بیٹھے،

غور کیجیے کہ کس قدر عظیم الشان غلطی دانستہ یا نادانستہ انھوں نے (یعنی مسٹر جناح اور ان کے ساتھی لیگیوں اور مسلم کانفرنسیوں) نے کی ہے، جو کہ کسی طرح قابلِ واگذاشت و درگذر نہیں ہے، اگر گاندھی جی اور کانگریس سے معاہدہ ہو جاتا اور جیسا کہ مسٹر جناح کا بیان ہے کہ "لبرل، غیر برہمن، اچھوت، یوروپین، اینگلو انڈین سب لوگ ان تجاویز

کو قبول کرنے کے لیے تیار تھے،، تو صرف مہاسبھا کی مخالفت کیا کر سکتی تھی، وہ کوئی اثر دار جماعت کانگریس کے مقابلہ میں نہیں ہے، اس سے بڑھ کر غلطی کیا ہو سکتی ہے؟

## پانچویں سیاسی غلطی :

مسلمان مندوبین گول میز کانفرنس میں اس لیے بھیجے گئے تھے کہ وہ مسلمانوں کے چودہ مطالبات منوائیں، اور تاکیدی طریقہ پر عہد کیا گیا تھا کہ جب تک یہ مطالبات منظور نہ ہو جائیں وہ کسی بات میں حصہ نہ لیں،، (دیکھو تجاویز مسلم کانفرنس منعقدہ سنہ ۱۹۲۹ء دہلی، زیر صدارت ہز ہائنس سر آغا خاں)

اس لیے ان کا فریضہ تھا کہ :-

(الف) وہ اپنی پوری کوشش ان مطالبات کے منوانے میں صرف کریں،

(ب) کسی قسم کی سستی یا بے توجہی یا ایسے مشاغل کو راہ نہ دیں جن سے اُن کی کامیابی میں نقصان پڑے،

(ج) وہ کوئی ایسی بات ہرگز قبول نہ کریں جو اُن کے مطالبات کے خلاف اور مسلمانوں کے لیے ضرر رساں ہو،

(د) جب تک مطالبات کی منظوری نہ ہو جائے شرکت کانفرنس اور بحث و مباحثہ سے بالکل علیحدہ رہیں،

(ہ) اگر مطالبات قبول نہ ہوں تو واپس آجائیں،

(و) وہ کوئی ایسی بات نہ کہیں جس کی ان کو اجازت نہیں اور وہ مسلم مفاد یا ملک کے مفاد کے مخالف ہو،

مگر افسوس کہ ایسا عملدرآمد نہیں کیا گیا، بلکہ خلاف عمل میں لایا گیا، اور وہ سب کچھ کیا گیا جو نہ ہونا چاہیے تھا اور وہ سب کچھ کہا گیا جو نہ کہنا چاہیے تھا،

روزنامہ "انقلاب" (جو کہ مسٹر جناح اور لیگ کا انتہائی شیدائی بلکہ دونوں کا پجاری ہے) اپنے مقالہ افتتاحیہ جلد ۶، ۲۰۹ مورخہ ۳۰ جنوری ۱۹۳۲ء میں لکھتا ہے بعنوان

"مسلم مندوبین، مسٹر جناح کی موشگافی"

"۱۹ نومبر کو مسلمانوں نے یہ راستہ اختیار کیا کہ مسلم کانفرنس کے فیصلہ کے مطابق اگرچہ وہ مباحثہ میں حصہ نہیں لے سکتے لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ فیڈرل اسٹریکچر کمیٹی کے اجلاس میں بیٹھ بھی نہیں سکتے، اس حد تک ہمیں معلوم ہے یہ موشگافی مسٹر جناح نے کی تھی، (۱۹ نومبر سے ۲۶ نومبر تک مسلم مندوبین کمیٹی میں جسماً شریک تھے اور نطقاً عدم شریک) ۲۶ نومبر کو مسلمانوں کی طرف سے مسٹر جینا نے ایک مختصر سی تقریر کی جس کا مفاد یہ تھا کہ "مسلمان صوبجاتی خود اختیاری حکومت اور مرکزی ذمہ داری بیک وقت لیں گے"، حالانکہ مسلم مندوبین کے طے کردہ اصول کے مطابق کسی مسلم مندوب کو اس قسم کا کوئی اعلان کرنے کا حق نہ تھا، اور یہ اعلان اصولاً مسلم کانفرنس کے بورڈ کی قرارداد کے صریح خلاف تھا، لیکن جس حد تک ہمیں معلوم ہے مسلم مندوبین نے (جن میں سے علامہ اقبال، شفیع داؤدی، مولانا شوکت علی، چودھری ظفر اللہ خاں، سر سلطان احمد، سر علی امام کے سوا تمام اصحاب موجود تھے) مسٹر جینا کے اس اعلان سے برأت کا اظہار نہ کیا، اور اس طرح سب نے مسلم کانفرنس کے بورڈ کی قرارداد کی مخالفت کی۔"

مذکورہ بالا تحریر کے بعد مدیر انقلاب "چند سیدھے سادھے سوالات" کے زیر عنوان مندرجہ ذیل عبارت لکھتا ہے :۔

(۱) کیا مسلم مندوبین کا فیصلہ درست تھا کہ جسماً فیڈرل اسٹریکچر کمیٹی کے اجلاس میں شریک ہوں اور محض نطقاً شریک نہ ہوں؟

(۲) اگر اس کا جواب نفی میں ہے تو مسلم مندوبین نے بورڈ کے فیصلہ کی خلاف ورزی کی، اور ان کے اس فعل کی مذمت ضروری ہے،

(۳) اگر یہ اجتہادی غلطی ہے تو اس کا اعلان ضروری ہے،

(۴) ۲۶ر نومبر کو مسٹر جینا وغیرہ نے جو اعلان کیا اس کے لیے کیا وجہ جواز پیش کی جا سکتی ہے؟

(۵) اگر مسٹر جینا کا اعلان مسلم مندوبین کے خلاف تھا تو کمیٹی کے حاضر ممبران ڈاکٹر شفاعت احمد خاں، مسٹر اے، ایچ غزنوی نے کیوں تردید نہ کی؟

(۶) ۲۶ر نومبر کو مذکورہ بالا اعلان کے بعد مسلم ڈیلی گیشن کے باقی ممبروں نے کیوں اس کے خلاف اعلان نہ کیا؟

اگر ہمارے ڈیلی گیشن کو مسلم کانفرنس کے بورڈ کی قرارداد سے انحراف کرنا ہی تھا تو ضروری تھا کہ قوم کی کسی دوسری خواہش کے اتباع میں انحراف کیا جاتا، لیکن ہمارے ڈیلی گیشن نے قومی فیصلہ سے بھی انحراف کیا، اور ایک ایسے معاملہ میں انحراف کیا جسے مسلمان اپنے لیے ضروری سمجھتے تھے، یعنی ڈیلی گیشن نے دوہری غلطی کی، قومی حقوق کے تعلق میں دوہری معصیت سے کام لیا،،

سر محمد اقبال مرحوم مسلم کانفرنس کے اجلاس لاہور مارچ سنہ ۱۹۳۲ء کے خطبۂ صدارت میں ارشاد فرماتے ہیں (گول میز کانفرنس میں مسلم ڈیلی گیشن کے کام کی مختصر سرگذشت):

"جو چیز میرے لیے راز ہے اور جو شاید ہمیشہ راز رہے گی وہ ہمارے رہنماؤں کا اعلان ہے، جو ۲۶ر نومبر کو فیڈرل اسٹرکچر کمیٹی کے اجلاس میں کیا گیا، ۱۵ر نومبر کو یعنی جس روز میں نے ڈیلی گیشن سے بے تعلقی اختیار کی مسلمان مندوبین فیصلہ کر چکے تھے کہ وہ فیڈرل اسٹرکچر کمیٹی کے مباحث

میں حصہ نہیں لیں گے، پھر انھوں نے اپنے فیصلہ کے خلاف مباحث میں کیوں حصہ لیا؟ کیا فیڈرل اسٹرکچر کمیٹی کے مسلم مندوبین کے ترجمان کو ۲۶ر نومبر والا اعلان کرنے کا مجاز بنایا گیا تھا؟ میں ان سوالوں کا جواب نہیں دے سکتا، صرف اتنا کہہ سکتا ہوں کہ مسلمان اس اعلان کو شدید غلطی سمجھتے ہیں، میرے پاس یہ یقین کرنے کے وجوہ موجود ہیں کہ بعض انگریز مدبروں نے ہمارے رہنماؤں کو یہ غلط مشورہ دیا تھا کہ وہ برطانوی ہند کے صوبوں میں ذمہ دار حکومتوں کے فوری نفاذ کی مخالفت کریں، اور مسلم ڈیلی گیشن سے علیحدگی اختیار کرنے سے چند روز بیشتر ہی میرے دل میں اس قسم کے شبہات پیدا ہو چکے تھے، حال میں لفٹننٹ کمانڈر کنوردی نے بھی یہی رائے ظاہر کی ہے، فرماتے ہیں مجھے معلوم ہوا ہے کہ بعض انگریز سیاستدانوں نے لندن میں اعتدال پسند رہنماؤں (مسلمان) کو یہ خراب مشورہ دیا تھا کہ وہ صوبہ جاتی خود مختاری بڑی قسط کو مسترد کر دیں، افسوس کہ یہ مشورہ بلا تامل قبول کر لیا گیا، اعتدال پسند رہنماؤں سے کمانڈر کنوردی کا اشارہ ہندو لبرلوں کی طرف نہیں بلکہ مسلمان اعتدال پسندوں کی طرف تھا۔"

(الجمعیۃ جلد ۱۵ ۲۳ مورخہ ۲۸ر مارچ ۱۹۳۲ء)

نیز اسی خطبۂ صدارت میں ڈاکٹر اقبال مرحوم فرماتے ہیں:

"انگریزوں نے ذمہ لیا تھا کہ اگر دوسری گول میز کانفرنس کے بعد مختلف قوموں کے نمائندے ہندوستان واپس جاکر فرقہ وار مسئلہ کا کوئی باہمی تصفیہ نہ کر سکے تو وہ اس کا ایک عارضی فیصلہ کر دیں گے، چونکہ انگریز ہندوستان کی متخالف قوموں کے درمیان توازن قائم رکھنے کے لیے ایک ثالث کی حیثیت رکھتے ہیں، اس لیے اس حیثیت سے ان کا وعدہ بالکل مناسب تھا،

لیکن حکومتِ برطانیہ کا موجودہ رویہ مظہر ہے کہ وہ ہندوستان میں غیر جانبدار ثالث کی حیثیت سے عامل رہنے کی نیت نہیں رکھتی، اور بالواسطہ گویا ہندوستانی اقوام یعنی ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک قسم کی خانہ جنگی کی طرف لے جا رہی ہے جو محض اس غرض سے انگریزوں نے اختیار کر رکھی ہے کہ ہندوستان میں اپنی پوزیشن کو سہولت کے ساتھ قائم رکھ سکیں، مسلمانوں کے لیے اب دو ہی راستے ہیں، اپنا فرض ادا کریں یا مر جاؤ، مسلمانوں کی موجودہ حکمت عملی سے انگریزوں کی مشکلات تو دور ہو گئی ہیں لیکن مسلمان قوم کے لیے کوئی مفید نتیجہ مرتب ہو سکا۔"

(الجمعیۃ ۲۸ مارچ سنہ ۱۹۳۲ء)

یہی اخبار "انقلاب" لاہور دوسری جگہ لکھتا ہے:

"اولاً وہ فیصلہ کرتے ہیں کہ گول میز کانفرنس کے کام میں بلا تصفیۂ حقوق حصہ نہیں لیں گے، کم و بیش پندرہ دن تک کانفرنس اس فیصلہ کی پابندی کی وجہ سے ملتوی رکھتے ہیں، پھر اس فیصلہ کو بدل کر یہ راستہ اختیار کرتے ہیں کہ کانفرنس میں جسماً شریک ہوں گے نطقاً شریک نہ ہوں گے، آخر میں نطقاً بھی شریک ہو جاتے ہیں، اور اس وقت وہ باتیں کہتے ہیں جو نہ کہنی چاہیئے تھیں اور جو مقاصد اسلامی اور اقلیتوں کے مقاصد کے منافی تھیں اور ہندوؤں کے مقاصد کے موافق"

(مدینہ بجنور یکم فروری سنہ ۱۹۳۲ء جلد ۲۱ ۹، از انقلاب لاہور)

مدینہ بجنور مورخہ ۲۱ جنوری سنہ ۱۹۳۲ء ڈیلی گیشن مذکور کی کارروائیوں پر بحث کرتا ہوا لکھتا ہے:

"گول میز کانفرنس کے گذشتہ اجلاس میں زیادہ تر مسلم کانفرنس کے ارباب اختیار کو شرفِ رکنیت حاصل ہوا تھا مسلم کانفرنس کے گول میز

کانفرنس کے متعلق یہ فیصلہ کیا تھا کہ جب تک اس کے مطالبات کو حکومت تسلیم نہ کرے گی اس وقت تک مسلم نمائندے فیڈرل کمیٹی کے مباحث میں شریک نہیں ہوں گے، مسلم ارکان نے اپنی تقریروں اور تحریروں میں اس فیصلہ کی پابندی کا وعدہ بھی کیا تھا، لیکن ہماری گردن شرم کے مارے یہ خیال کر کے جھک جاتی ہے کہ ان ارکان نامدار نے اپنے عہد کی پابندی کا نہایت مکروہ مظاہرہ کیا، وہ نہ صرف یہ کہ گول میز کانفرنس کی مجلسِ اقلیات اور مجلسِ وفاق میں شریک ہوئے، بلکہ انھوں نے حقوق اور مطالبات کو منظور کرانے کے لیے کوئی مؤثر اور نتیجہ خیز کوشش بھی نہیں کی، انھوں نے فیڈرل کمیٹی میں گونگوں کی حیثیت سے شرکت کی، وزیراعظم کے اعلانات کو ٹکر ٹکر دیکھا، وزیر ہند کے ساتھ دعوتیں کھائیں، یورپینوں کے ہاتھ اسلامی حقوق کی پوری دستاویز بیچ دی اور ملّتِ اسلامیہ کے لیے نہیں صرف اپنے اور اپنے خاندانوں کے لیے عہدے اور کونسلوں کی ممبریاں حاصل کر لینے کی کوشش کی ۔"

صرف یہی امور مذکورۂ بالا نہیں بلکہ اور بھی ایسے اعمال اختیار کیے گئے جو کہ کامیابی کی راہ میں سدِ سکندری ہو گئے، مثلاً مولانا شفیع صاحب داؤدی اور ڈاکٹر سر اقبال اس وقت تک ہندوستان سے روانہ ہی نہیں ہوئے جب تک فیڈرل کمیٹی کا اجلاس شروع نہیں ہو گیا، مولانا شوکت علی (مرحوم) روانہ تو پہلے ہوئے لیکن قاہرہ میں اُتر گئے، پھر فلسطین چلے گئے، اور پھر تیونس تشریف لے گئے، اور سلطان عبدالحمید کی صاحبزادیوں کے عقدِ نکاح کا مسئلہ طے کرتے رہے، حالانکہ اس سے زیادہ اہم مسائل لندن میں معرضِ بحث میں تھے، بعض حضرات مارسیلز کی سیر و تفریح میں مصروف رہے، جو حضرات لندن میں موجود بھی تھے ان کو مضافاتِ لندن کی رعنائیوں ہی نے شرکتِ کانفرنس کی فرصت

نہ دی، جس کی وجہ سے ابتدائی اجلاسوں سے تقریباً سب غیر حاضر رہتے ہیں، پھر لندن کی فیڈرل کمیٹی کے اجلاس میں جب شریک ہوئے تو صرف ہلکی سی صدائے احتجاج بلند کرنے کے سوائے کچھ نہ کیا، پھر حسب بیان انقلاب پندرہ روز تک کانفرنس کے کام کو ملتوی رکھا، لیکن جب لارڈ سینکی نے لال بھبوکا ہو کر اور آنکھیں نیلی پیلی کر کے کہا کہ انشاء اللہ میں اس وقت تک زندہ رہوں گا کہ تم کو فیڈرل کمیٹی میں آکر شریک ہوتے ہوئے دیکھ لوں، وہ بھیگی بلی بنے ہوئے جا کر شریک ہوئے، تو قدامت پسندوں کی انگلیوں پر ناچنا شروع کر دیا اور یہ سمجھتے رہے کہ برطانوی حکومت کی حکمت عملی ہمارے ہاتھ میں ہے،

(مختصر از مدینہ بجنور، یکم فروری ۱۹۳۲ء)

حضرات! ان واقعاتِ صحیحہ پر غور فرمائیں کہ مسٹر جناح اور دیگر نمائندگانِ لیگ و مسلم کانفرنس کے مذکورہ بالا کارنامے اور ۲۶ نومبر کا ان کا اعلان برائے تاخیر حکومت خود اختیاری صوبہ جات اور رجعت پسند انگریزوں کے مشوروں پر عمل پیرا ہونا اور دیگر اس قسم کے امور کیا انتہائی غلطیاں سیاست کے میدان کی نہیں ہیں! جو کہ اگر دانستہ ہیں تو ملک اور قوم مسلم کے ساتھ عظیم الشان غداریاں ہیں، اور اگر نادانستہ ہیں تو انتہائی حماقتیں اور بھولا پن ہے، ایسے اشخاص کو کب درست ہے کہ وہ رہنمائی کے میدان میں قدم رکھیں، اور قوم اور ملک کے لیے کب درست ہے کہ ایسے لوگوں کی رہنمائی قبول کریں،

## چھٹی سیاسی غلطی:

یہ نمائندگانِ لیگ اور مسلم کانفرنس جن میں خصوصی طور پر وہ حقوقی جماعت ہے اور بالاخص وہ پارٹی جو کہ اقلیتوں سے بحث و مباحثہ اور تسلیم حقوق و فیصلہ کے لیے منتخب کی گئی تھی، جس کے ارکانِ اعلیٰ میں سے مسٹر جناح اور سر آغا خان ہیں اقلیتوں سے گفت و شنید اور بحث و مباحثہ کرتے ہیں، اور بالآخر ایسے محضر اور دستاویز پر دستخط

کر دیتے ہیں، جس میں نہ صرف لیگ اور مسلم کانفرنس کے مطالبات کی صریح خلاف ورزی ہوتی ہے، بلکہ مسلم قوم اور ہند کی غلامی کی کڑیاں اور زیادہ کس دی جاتی ہیں، اور سب کے سب بربادی کے دلدل میں ہمیشہ کے لیے پھنس جاتے ہیں، اقلیتوں بالخصوص یورپینوں عیسائیوں کا بول نہایت بالا ہو جاتا ہے، اور مسلمانوں کے لیے فلاکت اور مصائب کے پُرخطر دروازے کھُل جاتے ہیں، اور ہندو سبھائیوں کے مقاصد پورے ہو جاتے ہیں،

روزنامہ انقلاب مورخہ ۱۰ اپریل سنہ ۱۹۳۲ء "اقلیتوں کے معاہدہ کی مفصل تاریخ" کے عنوان پر کرنیل سر ہنری گڈنی کی تصریحات کا طویل بیان لکھتا ہے، جس کا آخری اقتباس حسب ذیل ہے:

"سر آغا خاں نے ہمیں مطلع کیا کہ وہ ہماری تجاویز کو مسلم پارٹی کے سامنے پیش کر دیں گے، اگلے روز میں نے گول میز کانفرنس کے نمائندوں کے یورپین گروپ سے ملاقات کی، اور اپنی کارروائی سے مطلع کیا، اور ایک معاہدہ کے مسودہ پر سر ہربرٹ کے ساتھ بحث کی، اور اس کے بعد بعض دوسرے لوگوں کے ساتھ مشورہ کیا، مسلمانوں نے اپنے ایک جلسہ میں اس معاملہ پر بحث کر کے مجھے اس موضوع پر مفصل یادداشت بھیجنے کے لیے کہا، میں نے ایسا ہی کیا، اور اس کے بعد پھر سر ہربرٹ کار سے گفتگو کی، اب یوروپین گروپ، انگلو انڈین، ہندوستانی عیسائی اور اچھوتوں کے نمائندے متحد ہو چکے تھے، اور مسلمان ہمارے اجتماعی خیالات سننے کے لیے بیتاب تھے، چنانچہ سر ہربرٹ نے رٹز ہوٹل میں ایک جلسہ کا انتظام کیا، کیونکہ اب تمام معاملہ انھوں نے اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا، اس طرح کے متعدد جلسوں اور بے حد بحث و تمحیص کے بعد ہم نے ۱۱ نومبر سنہ ۱۹۳۱ء کو اقلیتوں کے معاہدہ پر دستخط کر دیئے، اور ۱۲ نومبر کو یہ معاہدہ وزیر اعظم کی خدمت میں پیش کر دیا گیا، ۱۳ نومبر کو ہز ہائنس سر آغا خاں نے

اس کو رسمی طور پر مینارٹی سب کمیٹی میں پیش کیا، اور اس پر بحث ہوئی، یہ اس دستاویز کی مختصر تاریخ ہے جو آپ اقلیتوں کے معاہدے کے نام سے مشہور ہے"

حضرات غور فرمائیں کہ سر اقبال ۱۵ر نومبر کو ڈیلی گیشن سے قطع تعلق کرتے ہیں، اور ہنری گڈنی کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ مسلمانوں سے بحث و مباحثہ بے حد درجہ کا پہلے سے جاری تھا، جیسا کہ ہم پہلے رپوٹر کے تار مورخہ ۳۰ر اکتوبر میں ذکر کر چکے ہیں کہ مسلمانوں نے اقلیتوں سے گفتگو شروع کر دی ہے، مگر ۱۱ر نومبر کو سب کا اتفاق ہو کر دستخط ہو گئے تھے، جس سے صاف ظاہر ہے کہ سر اقبال، شفیع داؤدی، مولانا شوکت علی وغیرہ بھی سب کے سب اس میں شریک تھے،

بہر حال ان حضرات نے اس معاہدہ پر (جو کہ ایسی جماعت کا بنایا ہوا تھا جو کہ ہندوستانی آزادی کی بدترین دشمن ہے، اور جس میں مسلم حقوق اور ہندوستانی فلاح و بہبود کی انتہائی پامالی تھی) دستخط کر دیئے، اس میں صاف صاف مسلم اکثریت کو بنگال و پنجاب میں اقلیت لانا منجملہ دیگر ضرر رساں امور کے تسلیم کیے گئے تھے، چنانچہ اس سے پہلے ہم انڈین اینول رجسٹر ۱۹۳۱ء صفحہ ۱۱۶ سے نقل کر چکے ہیں کہ، "ان کے بل آف رائٹس میں یہ بے سود اور مضحکہ خیز کوشش کی گئی تھی کہ اکثریت کو اقلیت میں تبدیل کر دیا جائے"،

اسی بنا پر انقلاب لاہور مورخہ ۱۹ر فروری ۱۹۳۲ء اپنے ایک طویل مقالہ میں زیر عنوان "مرکزی دستوری کمیٹی کے مسلم ممبروں کے نامۂ اعمال" مندرجہ ذیل الفاظ میں لکھتا ہے:

"ان حالات میں اگر ہم یہ کہیں کہ مسلم ممبروں نے قوم کے ساتھ حقوق کے ساتھ اور قوم کے مفاد کے ساتھ غداری کی تو یہ لوگ روئیں گے کہ انقلاب بے انصافی کر رہا ہے، لیکن ہمارے لیے اس فعل کو کھلی ہوئی غداری قرار دینے کے سوا چارہ نہیں، ان کی نیتیں نیک ہیں تو ہوں، ملت کو اس نیکی کی پوجا سے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا، البتہ اس فعل کی بدی اور برائی سے ہولناک

نقصانات کا دروازہ اس کے منہ پر کھل گیا ہے، خدا ایسے نیک نیت خادمانِ ملت کی بلا سے نہیں تو کم از کم ان کی ایسی خدمت کی بلا سے ہر قوم کو محفوظ رکھے۔"

افسوس کہ انقلاب ان دنوں انہی اپنے منہ بولے غداران ملت اور ان کی غدارانہ خدمتوں کی روزانہ صبح وشام تسبیح پڑھ رہا ہے، اور اپنے پہلے مقالات اور ان کے اعمال کو بھول گیا ہے،

مدینہ بجنور مورخہ ۵ رجنوری سنہ ۱۹۳۲ء اقلیتوں کے معاہدہ کے بارے میں بحث کرتا ہوا لکھتا ہے:

"مثلاً سب سے اول وہ محضر غلامی ہے جو اقلیتوں کے مطالبات پر مشتمل ہے، اس میں مسلمان کانفرنس کے ارکان نے ہندو راج کے وہمی خطرہ سے بچنے کے لئے انگریزی غلامی اور یورپینوں کے اقتدار کی حقیقی مصیبت بطیبِ خاطر قبول کرلی، صوبہ سرحد کو پامال کردیا، سندھ کی مشروط علیحدگی گوارا کرلی، فیڈرل گورنمنٹ کا گلا گھونٹ دیا، پنجاب و بنگال کی اکثریت فنا کردی، حریت طلبی کے ادعا کو رسوا کردیا، مسٹر میکڈانلد کے قدموں پر سر رکھ دیا، اور اسلام کے نام پر ملک و ملت دونوں سے غداری کی۔"

نیز مورخہ ۲۱ رجنوری سنہ ۱۹۳۲ء میں اراکین نمائندگانِ مذکورین کے اعمال پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"انھوں نے ایک محضر غلامی پر جسے یورپینوں نے تیار کیا تھا اپنے دستخط ثبت کردیے، اور اس طرح اُن دعاوی کو دہراتے ہوئے ہندوستان میں اُن کی زبانیں خشک ہوگئی تھیں اور ان کے منحوس گلے خود بیٹھ گئے تھے، پامال کردیا، انھوں نے صوبہ سرحد کو قربان کردیا، صوبہ سندھ کے گلے پر چھری پھیر دی،

پنجاب و بنگال کی آئینی اکثریت قائم کرنے کے دعاوی کو خود جھٹلایا،

الغرض بجز جداگانہ انتخاب کے جس کا فائدہ صرف ان رجعت پسندوں کی ذات کے سوا ملتِ اسلامیہ کو قطعاً نہیں پہونچ سکتا، کوئی چیز حاصل نہ کی، خود ڈاکٹر شفاعت احمد خاں کا بیان ہے کہ اُن کی جماعت حصولِ مطالبات میں بالکل ناکام رہی، لیکن اب سوال یہ ہے کہ لندن میں مسلمانوں کے اِن خودغرض اور خودپرست نمائندوں نے خود اپنے دعاوی کے ساتھ جو غداری کی تھی کیا وہ ہندوستان میں بھی ہماری آنکھوں کے سامنے اسے جاری رکھیں گے ؟"

نیز مدینہ بجنور مورخہ یکم فروری ۱۹۳۲ء جلد ۲۱ ۹ صفحہ ۲ میں لکھتا ہے :-

" لیکن ان سب سے زیادہ مکروہ طرزِ عمل اُن تعاونیانِ کرام کا یہ تھا کہ جب گاندھی جی نے مسلمانوں کے چودہ کے چودہ مطالبات منظور کرنے پر آمادگی کا اظہار کر دیا تو ان احمق اور فریب خوردہ حضرات نے اچھوتوں کی حمایت کا بیڑا اٹھالیا، حالانکہ ہندوستان سے وہ صرف یہ عہد کر کے چلے تھے کہ وہ مسلمانوں کے مطالبات کی تکمیل کرائیں گے، ان سے کسی شخص نے یہ نہیں کہا تھا کہ وہ اچھوتوں کے حقوق کے محافظ بھی بن جائیں، ان کا دعوئ حقوقِ مسلمین کے تحفظ کا تھا اور ان کا ہرگز ہرگز یہ حق نہیں تھا کہ وہ اپنے کمزور اور بودے کندھوں پر دنیا بھر کی اقوام کے حقوق کے تحفظ کا بوجھ بار کر لیں، اس کے معنی تو اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتے کہ انھوں نے دانستہ اسلامی حقوق کی راہ میں روڑے اٹکائے، اس احمقانہ طرزِ عمل کی جو قیمت اُن کو ملی وہ ان کے طرزِ عمل سے بھی زیادہ شرمناک ہے، وہ یوریپینوں کے ہاتھوں پر بک گئے، اور ایک ایسے محضرِ غلامی پر دستخط کر دیئے جس میں اپنے مطالبات کا تو گلا گھونٹ ہی دیا گیا تھا،

مقصد آزادیٔ وطن کو بھی پامال کر دیا گیا، اور غیر ملکیوں کو تجارتی استیلاء اور زائد از حقوق آبادی دیدیئے گئے تھے، اور مسلمانوں کے لیے صرف کونسل کی چند نشستیں، چند ملازمتیں اور چند اعزاز قبول کر لیے، اربابِ حقوق کا طرزِ عمل شروع سے آخر دم تک عدمِ تدبر، تنگ نظری، غیر سیاست دانی، دل و دماغ کی بے مائگی اور خلاف ورزیٔ عہد و مسلک کی ایک نہایت المناک مثال پیش کرتا ہے، اُن کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہو کہ وہ زبان سے حقوق حقوق کا شور مچاتے رہے، دوسرے لوگوں کو گالیاں دیتے رہے، باعمل اور صائب الرائے مسلمانوں کو غدار بناتے رہے، اور خود تصفیۂ حقوق کی ہر کوشش کو ناکام کرتے رہے۔"

یہی وجہ ہے کہ مولانا حسرت موہانی بدایونی ۲ر نومبر ۱۹۳۱ء کو مسلم کانفرنس کی مجلسِ عاملہ کے اجلاس میں اپنی صدارت مسلم کانفرنس سے استعفٰی دے بیٹھے، جس کو مندرجہ ذیل الفاظ سے مدینہ بجنور ۹ر نومبر ۱۹۳۱ء جلد ۲۰ ع ۸۰ ذکر کرتا ہے:۔

"بدایوں، ۲ر نومبر، آل انڈیا مسلم کانفرنس کی مجلسِ عاملہ کا اجلاس یہاں کل منعقد ہوا، مجلس کے سامنے سب سے اہم مسئلہ اس کے منتخب شدہ صدر مولانا حسرت موہانی صاحب کے استعفے کا تھا، جنھیں یہ شکایت ہے کہ کہ کانفرنس اُن تجاویز پر قائم نہیں ہے جو اُس نے خود اپنے اجلاس میں منظور کی ہیں، اور اس کے اراکین جو گول میز کانفرنس میں ہیں کامل آزادی کے دعوے کو ترک کر کے مستعمراتی حکومت اور اس سے بھی بدتر نظامِ اساسی کو منظور کر رہے ہیں۔"

مندرجہ بالا بیانات صاف اور کھلی روشنی ڈالتے ہیں کہ حضرات لیگ اور مسلم کانفرنس جن میں ہز ہائنس سر آغا خاں اور مسٹر جناح بھی ہیں ایسی حرکات کے وہاں مرتکب ہوئے ہیں

جن پر ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ کا مسلمان بھی افسوس اور ملامت کیے بغیر نہیں رہ سکتا،

## ساتویں سیاسی غلطی :

مندرجہ بالا امور بتلاتے ہیں کہ لندن وغیرہ سے شائع ہونے والے وہ بیانات جو کہ ان حضرات کی خفیہ سازشوں اور ٹوری انگریزوں کے ساتھ وفادارانہ راز و نیاز اور اپنے اپنے عہدوں اور خود غرضیوں کے افسانے ہیں، وہ افسانے ہی نہیں ہیں بلکہ واقعات ہیں مثلاً رپوٹر لندن سے یکم نومبر کو تار دیتا ہے :

"معلوم ہوا ہے کہ مسلمانوں نے کانگریس کے تحفظات سے اختلاف کا اظہار کیا ہے، اس سلسلہ میں یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ مسلمانوں نے قدامت پسند انگریزوں سے خفیہ معاہدہ کیا ہے کہ وہ مسلمانوں سے تحفظات منظور کرالیں گے، جو برطانوی اقتدار کو قائم رکھیں گے، اور جواب میں کنزرویٹو انگریز مسلم مطالبات کی حمایت کریں گے"

(مدینہ بجنور، ۵ نومبر ۱۹۳۱ء جلد ۲۰ ۷۹)

اخبار بمبئی کے کرانیکل کے خاص نامہ نگار مقیم لندن نے یہ عجیب وغریب لیکن نہایت اہم خبر بھیجی ہے کہ :

"شاہنشاہیت پرست برطانوی مدبرین کو جب گاندھی جی کے نرم رویہ کی وجہ سے گاندھی جی اور والیان ریاست کو لڑانے میں ناکامی ہوئی تو اب وہ مسلمانوں کو اپنے مقصد کا آلہ کار بنا رہے ہیں، انھوں نے مسلمان مندوبین کو اس لیے متحد کرلیا ہے کہ وہ کامل آزادی کے حصول میں گاندھی جی کی کوششوں کو ناکام کردیں" (مدینہ بجنور، ۲۸ ستمبر ۱۹۳۱ء، جلد ۲۰ ۶۹)

اسی نامہ نگار بمبئی کرانیکل نے اسی تاریخ کو یہ بھی خبر دی کہ :

"لوگوں کا خیال ہے کہ سر فضل حسین شملہ سے بیٹھے بیٹھے یہاں کے مسلم مندوبین کو ہدایات دے رہے ہیں، جنھوں نے متفقہ طور پر یہ طے کیا ہے کہ وہ ہندو مسلم کے تصفیہ میں اپنی طرف سے کوئی تحریک نہ کریں گے"

(مدینہ، بجنور ۲۸ ستمبر ۱۹۳۱ء)

انڈین اینول رجسٹر ۱۹۳۱ء صفحہ ۶۱ پر لکھتا ہے:

"لندن کے بعض نمائندوں نے اشارہ کیا تھا کہ ان لوگوں (فرقہ وار لیڈروں) نے برطانیہ کے ٹوری لیڈروں سے خفیہ سازش کرلی تھی، جن میں ممتاز ٹوری لیڈر لارڈ لائڈ، لارڈ بنفورڈ، لارڈ سڈنہم اور دوسرے لوگ تھے! جب کبھی کمزوری یا شکست کے آثار نمودار ہوتے تھے تو ٹوری فرقہ وار لیڈروں کی پوری پوری حمایت کرتے تھے"

اِن بیانات نے صاف طور پر بتلا دیا کہ سر اقبال مرحوم کا یہ فرمانا کہ "جو چیز میرے لیے راز ہے اور ہمیشہ راز رہے گی وہ ہمارے رہنماؤں کا اعلان ہے جو ۲۶ نومبر کو فیڈرل اسٹرکچر کمیٹی کے اجلاس میں کیا گیا" اُس کی حقیقت کیا تھی؟ جس کو انھوں نے بعد کو بعض سیاستداں انگریزوں کے مشورہ دینے اور اس کو بلا تأمل مان لینے کو ذکر کیا ہے جس کو ہم پہلے نقل کرچکے ہیں

خلاصہ یہ ہے کہ ان حضرات کا یہ عمل کیا صریح خیانت اور غداری نہیں ہے؟ اور کیا اس سے بڑھ کر کوئی غلطی ہو سکتی ہے؟ اور کیا ٹوری انگریزوں سے مل جانا اور اُن کی آراء پر عمل کرنا ہندوستان اور بالخصوص مسلمانانِ ہندوستان کے لیے انتہائی خطرناک عمل نہیں ہے؟

اس وقت ہم کو ڈاکٹر کچلو کا وہ بیان جو انھوں نے امرتسر سے یکم جون ۱۹۴۳ء میں دیا تھا، یاد آتا ہے، اور اس کی پوری تصدیق ہوتی ہے، ملاحظہ ہو:

"ڈاکٹر سیف الدین کچلو نے ایک انٹرویو میں مسلم لیگ اور مسٹر جناح سے اپنے ماضی کے تعلقات کے متعلق بتلایا کہ میں مسٹر جناح کو مدت سے جانتا ہوں اور

واقعہ یہ ہے کہ دو سال تک میں مسلم لیگ کا سکریٹری رہا، جب کہ مسٹر جناح اس کے صدر تھے، مگر اس وقت مسلم لیگ کانگریس کے شانہ بشانہ کام کر رہی تھی، قومی آزادی اور مشترکہ انتخابات اس کے پروگرام کے دو اہم جزو تھے، دو سال تک سکریٹری رہنے سے مجھے لیگ کے کام کا کافی تجربہ ہوا، اور اس کے اکثر ممبروں سے ربط رکھنے سے مجھے یہ یقین ہو گیا کہ اگر کسی وقت بھی گورنمنٹ اپنے مقاصد کو حاصل کرنا چاہے تو وہ اس کے ممبروں پر اثر انداز ہو سکتی ہے، اور اس کے ممبروں کی اکثریت لیگ کو چھوڑنے کے علاوہ اس کے لیڈروں کے پروگرام اور پالیسی کے خلاف بھی کام کر سکتی ہے، اگر دوسری فرقہ پرست جماعتوں میں بھی یہی حال ہو تو کوئی حیرت کی بات نہیں۔"

(مدینہ بجنور، ۵ رجون ۱۹۴۳ء)

مسلمانوں کو چاہئے کہ غور کریں، اور اپنے حال و مستقبل کی اصلاح کریں، دھوکہ میں نہ پڑیں، ہم انشاء اللہ پاکستان کے متعلق بھی دکھلائیں گے کہ وہ بھی اسی قسم کے درخت کا ایک پھل ہے، جو دیکھنے میں خوش رنگ معلوم ہوتا ہے اور اندر سے زہر بھرا ہوا ہے،

## آٹھویں سیاسی غلطی:

دوسری گول میز کانفرنس کے اخیر میں جبکہ مسلمان نمائندے یوروپین ایسوسی ایشن اور دوسری اقلیتوں کے ساتھ معاہدہ کر کے محضر پر دستخط کر دیتے ہیں، اور پھر سر آغا خان اس کو وزیر اعظم مسٹر میکڈانلڈ کے سپرد کر دیتے ہیں، ادھر مہاسبھائی ہندو مسٹر میکڈانلڈ کو اپنا فرقہ وارانہ معاملہ سونپ دیتے ہیں، اور فریقین اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے آتے ہیں تو کچھ عرصہ کے بعد وزیر اعظم کا فیصلہ کمیونل ایوارڈ (فرقہ وارانہ فیصلہ) ہندوستان میں پہنچتا ہے، جس میں مسلمانوں اور ہندوؤں دونوں کی امیدوں کا خون کیا گیا تھا، مسٹر میکڈانلڈ

کی میٹھی میٹھی باتوں سے مہاسبھائی یہ امید باندھے بیٹھے تھے کہ ثالثی محضر میں ہماری پوری جنبہ داری ہوگی، اور مسلمان یہ یقین کیے ہوئے تھے کہ جبکہ ہم نے یوروپین ایسوسی ایشن اینگلو انڈین ہندوستانی عیسائیوں وغیرہ کی رضامندی کے ساتھ متفقہ محضر نامہ پیش کیا ہے تو ہمارے امور میں سرمو کمی نہ ہوگی، مگر افسوس! کہ یہ کمیونل ایوارڈ کسی جماعت کو راضی نہ کرسکا چنانچہ ہر طرف سراسیمگی اور ناراضگی پھیل گئی، اس فیصلہ میں مسلمانوں کا نقصان بہ نسبت ہندوؤں کے زیادہ تھا، بنگال میں مسلمانوں کو ۴۷½ فی صدی اور پنجاب میں ۴۹ فی صدی سیٹیں دی گئی تھیں، اور یوروپینوں اور عیسائیوں کو جن کی آبادی بنگال میں ۰.۵ ہے ۳۱ سیٹیں دی گئیں، جو اُن کی آبادی سے تقریباً ۲۵ گنا زائد تھیں، ظاہر ہے کہ اس قدر نشستیں یوروپین ایسوسی ایشن اور عیسائیوں کو دینا بجز اس کے نہیں ہوسکتا کہ ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کا پیٹ کاٹا جائے، چنانچہ یہی کیا گیا،

اس پر مہاسبھائیوں نے بہت واویلا کیا، اور چونکہ کانگریس غیر جانبدار تھی اس لیے اس میں افتراق پیدا ہوگیا، حالانکہ ہندو بنگال میں پہلے ہی سے اقلیت میں تھے، اس فیصلہ میں بھی ان کو اقلیت ہی میں رکھا گیا تھا، صرف اتنی بات تھی کہ ان کی پہلے سے جس قدر آبادی اور آئینی طور پر اقلیت کی مقدار تھی، اس میں اور بھی کمی کردی گئی، بہرحال وہ کسی طرح بنگال میں اکثریت حاصل کرنے کے اہل نہ تھے، مگر مسلمان تو آبادی کی حیثیت سے اکثریت حاصل کرنے کے مستحق تھے ان کو فیصلہ میں ساڑھے تین سیٹوں سے اقلیت میں لایا گیا تھا، اس لیے ان کا غصہ حق بجانب تھا، علیٰ ہذا القیاس پنجاب میں اُن کی بحیثیت آبادی ۵۶ فیصدی اکثریت تھی، میثاقِ لکھنؤ میں اگرچہ ان کو گھٹایا گیا تھا، مگر پچاس فی صدی نشستیں دی گئی تھیں، کمیونل ایوارڈ میں ان کو ۴۹ فی صدی دیا گیا تھا،

الغرض کمیونل ایوارڈ کے قبول کرنے میں مہاسبھائیوں کا نقصان نہایت معمولی تھا، اور مسلمانوں کا نقصان نہایت عظیم الشان تھا، ہندوؤں کو اگر بنگال و پنجاب میں اقلیت

میں رہنا پڑتا ہے تو یو پی، بہار، مدراس ...... برار، بمبئی میں اُن کی ہی اکثریت، ان کی ہی وزارت، ان کی ہی حکومت تھی، مگر مسلمانوں کی تو کہیں بھی آئینی اکثریت نہیں ہو سکتی تھی اور نہ وزارت قائم ہو سکتی تھی، اس لیے کمیونل ایوارڈ کے تسلیم کرنے میں مسلمانوں کا نقصان اس وقت بہت ہی عظیم الشان تھا، مگر لیگ نے اس سب کو جانتے ہوئے کمیونل ایوارڈ کو قبول کر لیا، اور عذر یہ ظاہر کیا کہ سبھائیوں کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر کہیں حکومت ہماری سیٹوں میں اور کمی نہ کر دے، چنانچہ مسٹر عبدالعزیز بیرسٹرایٹ لا، لاہور صدر لیگ نے اپنے خطبۂ اجلاس کلکتہ منعقدہ ۳۱ر اکتوبر ۱۹۳۳ء میں فرمایا: "فرقہ وارانہ فیصلہ ثالثی منظور کر لیا جائے"، اور اسی اجلاس میں مندرجہ ذیل تجویز پاس ہوئی:

"اگرچہ فرقہ وارانہ فیصلہ کی رُو سے مسلمانوں کو مرکز میں ایک ثلث نہیں ملا، اور بنگال میں نشستیں کم ملیں، تاہم ہم اس کا خیر مقدم کرتے ہیں۔"

(روشن مستقبل صـ۴۲۱)

"پھر ۲۵ر نومبر ۱۹۳۳ء کو نئی دہلی میں مسلم لیگ کا تیئسواں اجلاس بصدارت خان بہادر حافظ ہدایت حسین منعقد ہوا، جس میں قرار پایا کہ فرقہ وارانہ فیصلہ قائم رکھا جائے۔" (روشن مستقبل صـ۴۲۲)

اب غور فرمائیے کہ ان دونوں حضرات کے فیصلہ سے جو کہ مسلم لیگ کے اس وقت صدر تھے اور اجلاس کی تجویز سے مسلمانوں کی حق تلفی صوبہ بنگال اور پنجاب میں نہیں ہوئی؟ اور کیا ان حضرات نے مسلمانوں کی آئینی اقلیت ہر دو صوبوں میں تسلیم کر کے انتہائی غلطی نہیں کی؟ جس کی وجہ سے مسلمان اپنی وزارتیں بغیر دوسروں کے ملنے کے قائم نہیں کر سکتے، اور نہ بغیر دوسروں کے سہارے کے کوئی فیصلہ کر سکتے ہیں۔

محترم حضرات! یہ چند چیزیں ان کھلی ہوئی باتوں میں سے آپ کے سامنے پیش کر رہا ہوں جن کی غلطی ظاہر و باہر ہے، ان پر نظر ڈالیے اور فیصلہ حاصل کیجیے کہ کہاں تک یہ حضرات

صحیح الرائے اور صحیح النظر ہیں، اُن کی رائے کہاں تک قابلِ وثوق ہے، اور ان میں کہاں تک صحیح اور خالص جذبہ مسلمانوں کی ہمدردی اور بھلائی کا ہے؟ قائدینِ لیگ نے سترہ اٹھارہ برس تک تو مسلم اکثریت کی قربانی اقلیت والے صوبوں پر کی، اور اب پاکستان کا نام لیکر اقلیت والے صوبوں کو اکثریت پر قربان کیا جاتا ہے، فاعتبروا یا اولی الابصار، سے

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم
کہ با من آنچہ کرد آں آشنا کرد

ننگِ اسلاف
سید حسین احمد مدنی
صدر جمعیۃ علماءِ ہند
و
صدر آل انڈیا مسلم پارلیمنٹری بورڈ

---

ضمیمہ اولیٰ

# مُسلم ووٹروں کی خدمت میں

## شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمہ اللہ کا

# مکتوبِ گرامی

محترم المقام زید مجدکم ، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ

مزاج شریف : آپ کو معلوم ہوگا (اور اگر معلوم نہ ہو تو تحقیق کرنے اور ہمارے پمفلٹوں کے دیکھنے سے معلوم ہو جائے گا) کہ مسلم لیگ صرف نام کی جماعت ہے، اور اس کے دعوے صرف زبانی دعوے ہیں، کام اور حقیقت سے بہت دور ہیں، دین اور مذہب سے اس کو لگاؤ نہیں، اس پر قبضہ سرمایہ داروں اور خود غرض نوابوں، راجاؤں، سروں، خان بہادروں، خانصاحبوں، تعلقداروں اور بڑے بڑے زمینداروں کا ہے، جن کا نصب العین ہمیشہ حکومتِ برطانیہ اور اس کے حکام کی خوشنودی اور ان کے یہاں جاہ اور عہدہ طلبی رہا کیا ہے، نہ ان کو مسلمانوں کے عوام اور غریب طبقوں سے واسطہ رہتا ہے، اور نہ اُن کو ایسے لوگوں سے حقیقی ہمدردی ہوتی ہے، مذہب اسلام اور اس کے احکام پر عمل کرنے سے وہ اسی طرح کتراتے ہیں جس طرح بکری بھیڑیئے سے، اور ظلمت نور اور روشنی سے، زبان پر تو مذہب اور اسلام کے ترانے ہیں، مگر ان کی عملی زندگی اور صورت و سیرت اس کے بالکل خلاف اور اس کی تکذیب کرنے والے ہیں، اردو کی حمایت میں نہایت پُرزور تقریریں اور تحریریں کرتے ہیں مگر خط و کتابت، بول چال انگریزی زبان میں ہے،

(۱) انھوں نے اسمبلی میں شریعت بِل کو مکمل طور سے اسمبلی کے آخر وقت تک پاس نہ ہونے دیا، بلکہ ایسی قیود لگا دیں کہ وہ بالکل ناکارہ اور بے روح ہو گیا،
(دیکھو اسمبلی رپورٹ ۳۵ء، ۳۷ء، ۴۱ء)

(۲) گورنمنٹ کے اصرار پر خلع بِل جس صورت میں پاس ہوا یعنی یہ کہ اس میں سے مسلم حاکم کی دفعہ نکال دی گئی، اس کے تدارک کے لیے جو قاضی بِل پیش کیا یہ ہی نہیں کہ اس کے پاس کرانے کی کوشش نہیں کی بلکہ اس کی مخالفت کر کے نامنظور کرا دیا، (دیکھو اسمبلی کی رپورٹ ۳۹ء)

(۳) انھوں نے قاضی بِل کو جس سے خلع بِل کے مذکورہ نقصان کی تلافی ہو سکتی تھی، نیز مسلمانوں کو اپنے پرسنل لا اور خصوصی احکام شرعیہ میں بہت سی سہولتیں اور کامیابیاں ہو جاتیں اخیر وقت تک پاس نہ ہونے دیا، جس کی وجہ محض یہ خیال تھا کہ علماء کا اقتدار ہو جائے گا،

(اسمبلی رپورٹ ۱۵ اپریل ۱۹۴۵ء)

(۴) انھوں نے پانچ سو علماء کے فتوے کے خلاف آرمی بِل حکومت سے مل کر پاس کروا دیا،

(دیکھو انڈین اینول رجسٹر ۳۸ء جلد دوم ص ۸۷ مورخہ ۲۳ اگست ۳۸ء)

(۵) انھوں نے مسجد شہید گنج کے معاملہ کو پنجاب سے کلکتہ لے جا کر ہمیشہ کے لیے دریائے ہگلی میں ڈبو دیا (تاریخ مسلم لیگ ص ۴۸۰)

(۶) انھوں نے ۱۹۱۲ء سول میرج کی ترمیم کی تائید کرتے ہوئے مسلمانوں اور غیر مسلمانوں میں باہم شادی بیاہ کی انتہائی کوشش کی، حالانکہ انھیں اقرار تھا کہ یہ قانون بنوانا قرآنی حکم کی مخالفت ہے،

(گورنمنٹ آف انڈیا گزٹ شعبۂ قانون سازی، ص ۱۶۰، ۱۶۱)

(۷) انھوں نے موٹر ڈرائیوروں پر لائسنس کی سخت شرائط میں گورنمنٹ کا ساتھ دیا، جس سے غریب ڈرائیوروں کے لیے سخت مشکلات کا سامنا ہوگیا،
(رپورٹ مرکزی اسمبلی ۱۹۳۸ء)

(۸) انھوں نے ۱۹۱۶ء میں لکھنؤ پیکٹ کر کے صوبہ بنگال اور پنجاب کی مسلم اکثریت کو اقلیت میں تبدیل کر دیا،
(روشن مستقبل ص ۳۵۷ اور لیگ و زعمائے لیگ کی سیاسی غلطیاں)

(۹) انھوں نے ۱۹۳۱ء میں راؤنڈ ٹیبل روم میں جاکر یورپین ایسوسی ایشن اور ہندوستانی عیسائیوں وغیرہ سے ساز باز کر کے مسلمانوں سے غداری کی، اور پنجاب و بنگال کے لیے آئینی اقلیت اور دیگر ایسے امور پر جو کہ نہ صرف مرکزی دستوری کمیٹی سے عہد کے خلاف تھے بلکہ ہندوستانی غلامی کی جڑیں مضبوط کرنے والے بھی تھے ان پر دستخط کر دیئے،
(روزنامہ انقلاب' ۹ فروری ۱۹۳۲ء اور لیگ و زعمائے لیگ کی سیاسی غلطیاں)

(۱۰) انھوں نے ۱۹۳۳ء میں کمیونل ایوارڈ (فرقہ وارانہ فیصلہ) تسلیم کر لیا، جس کی بنا پر بنگال کے مسلمانوں کو جو کہ ۵۳ فی صدی تھے ۴۷½ فیصدی اور پنجاب کے مسلمانوں کو جو کہ ۵۵ یا ۵۶ فیصدی تھے ۴۹ فیصدی نشستیں ملیں، اور یورپینوں اور عیسائیوں کو ان کے حقوق سے پچیس گنا زیادہ ۳۱ سیٹیں مل گئیں، (تاریخ مسلم لیگ ص ۴۲، روشن مستقبل ص ۴۲۱، ۴۲۲)

(۱۱) ۱۹۳۵ء میں شہید قوم عبدالقیوم مرحوم کو جبکہ پھانسی دے کر جیل والوں نے بلا نمازِ جنازہ پڑھے ہوئے اندھیرے میں علی الصباح دفن کر دیا تھا اور اس کی خبر مسلمانانِ کراچی کو پہنچی جو کہ لاش ملنے کے منتظر تھے تو انھوں نے قبر کھود کر لاش نکال کر عیدگاہ میں نمازِ جنازہ پڑھنے کے لیے لیجانا چاہا تو پولیس

اور حکام نے مزاحمت کی، مگر مسلمانوں نے اپنا مذہبی فریضہ جان کر پولیس کے احکام کو نہ مانا، پولیس نے بحکم افسرِ بالا گولی چلوادی جس سے ۴۷ مسلمان شہید اور ایک سو سے زیادہ زخمی ہو گئے، اس پر مرکزی اسمبلی میں تحریکِ التوا پیش کی گئی، جو کہ ۶۷ آراء کی اکثریت سے بمقابلہ ۵۲ پاس ہو گئی، اور حکام کراچی مجرم اور مستحقِ سزا قرار دیئے گئے، مگر سر یامین خاں نے جو لیگ کے نہایت سربرآوردہ رکن ہیں گورنمنٹ کی طرفداری میں ایڑی سے چوٹی تک زور لگا کر نہایت طویل اور مہمل تقریر کی، اور حکام کراچی کو بے قصور قرار دیتے ہوئے وقتِ اجلاس کو ختم کر دیا، اس خدمت کو انجام دینے کے بعد ہی ان کو سر کا خطاب گورنمنٹ سے عطا کیا گیا، (رپورٹ کونسل آف اسٹیٹ، ۱۰ اپریل ۱۹۳۵ء)

(۱۲) انھوں نے محافظینِ مذہب اور علماء دین کے خلاف ان کے اقتدار اور قبولیت کے مٹانے کے لیے نہایت شرمناک اور تہذیب سوز پروپیگنڈہ کیا، اور اس کی کامیابی پر اپنی تقریروں اور تحریروں میں فخر کیا کہ ہم نے علماء کے اقتدار کو ختم کر دیا ہے، جس کا صریح اور لازمی نتیجہ یہ ہے کہ مذہبیت مسلمانوں سے مٹ جائے اور لادینیت اور الحاد کا دور دورہ تمام ہندوستانی مسلمانوں میں قائم ہو جائے،

(۱۳) انھوں نے صوبہ بنگال میں ۱۹۴۴ء میں قحط ڈلوایا، جس کی بنا پر پینتیس لاکھ سے زیادہ انسان بھوک کی وجہ سے مر گئے، جن میں اکثر مسلمان تھے (کلکتہ یونیورسٹی کی رپورٹ، روزنامہ انصاری دہلی، ۲ جولائی ۱۹۴۴ء و رپورٹ قحطِ بنگال رائل کمیشن)

(۱۴) انھوں نے اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کو سنڈیکیٹ کے ذریعہ ٹھیکے دے کر عام خلقت کو انتہائی افلاس اور گرسنگی میں مبتلا کر دیا،

ہر جگہ رشوت کا بازار انتہائی درجہ گرم ہو گیا، (روزنامہ اجمل بمبئی ۱۵ جنوری ۱۹۴۵ء)

(۱۵) ۱۹۳۷ء میں حکومت نے سرحدی قبائل پر ہوائی جہازوں سے ساٹھ ہزار بم گرائے، سرکاری ممبر نے اسمبلی میں اس کا خود اقرار کر لیا، اس پر مسٹر ستیہ مورتی نے احتجاج کرتے ہوئے تحریکِ التوا پیش کی، مگر ان لیگیوں نے اس بات کو جانتے ہوئے بھی کہ یہ لوگ جن پر بم گرائے گئے ہیں خالص مسلمان ہیں حکومت کے خلاف ایک حرف بھی زبان سے نہ نکالا، (رپورٹ مرکزی اسمبلی ۱۹۳۷ء)

(۱۶) اقلیت والے صوبوں کے متعلق کانگریس کے مظالم کا انھوں نے ڈھنڈورا پیٹا، پیرپور رپورٹ تیار کی گئی، تقریروں اور تحریروں سے شعلہ بار گیس پھینکا گیا، مگر جب بابو راجندر پرشاد صدر کانگریس نے چیف جسٹس کے ذریعہ سے اور مولانا ابوالکلام آزاد نے فیڈرل کورٹ کے ججوں کے ذریعہ سے تحقیقات کا چیلنج دیا تو اس کو ٹھکرا دیا، اور رائل کمیشن کا مطالبہ حکومت سے کیا، جس پر بعض گورنروں نے سرے سے مظالم کے پائے جانے کا ہی اپنے صوبوں میں انکار کر دیا، اور وائسرائے نے رائل کمیشن کے مطالبہ کو مسترد کر دیا،

(روشن مستقبل ص ۳۳۴، مدینہ بجنور، ۲۱، ۲۹ دسمبر ۱۹۳۹ء)

مگر لیگ کی اتنی ہمت نہ ہوئی کہ حکومت کے خلاف ڈائرکٹ ایکشن لیا جاتا، یا کم از کم چاروں طرف سے پروٹسٹ ہی کیا جاتا،

(۱۷) انھوں نے ساردا بل جیسا منحوس قانون مسلمانوں پر مسلط کیا، ورنہ مسٹر ہربلاس شاردا نے فقط ہندوؤں کے لیے یہ قانون بنوانا چاہا تھا، مگر ان لوگوں نے مسلمانوں پر بھی مسلط کر دیا، جمعیۃ نے ایڑی چوٹی کا زور لگایا کہ مسلمانوں کو اس سے مستثنیٰ کر دیا جائے، یہ مذہبِ اسلام کے خلاف ہے، اور اس کو پاس کرنا مداخلت فی الدین ہے، مگر ایک بھی نہ سنی گئی، جمعیۃ نے زیر سرکردگی مولانا محمد علی مرحوم ایک

وفد بھی وائسرائے کے پاس بھیجا، اور مولانا محمد علی مرحوم نے تیس ورق کا ایک ایڈریس بھی پیش کیا، آخر میں مولانا احمد سعید صاحب نے وائسرائے کو تار بھی دیا کہ وہ اپنے ویٹو سے اس کو پاس نہ ہونے دیں، مگر مسلمان مستثنیٰ نہیں کیے گئے،
(اینول رجسٹر سنہ ۱۹۲۹ء، مدینہ بجنور، اکتوبر سنہ ۱۹۲۹ء)

(۱۸) فلسطین کے مظالم پر جبکہ ۲۳ر اگست سنہ ۱۹۳۷ء میں مسٹر غیاث الدین نے تحریکِ التوا پیش کی تو انھوں نے ذرا بھی لب کشائی نہیں کی، اور تمام لیگ پارٹی ساکت ہی رہی، بالآخر تحریکِ التوا کی وائسرائے نے اجازت نہ دی، (رپورٹ مرکزی اسمبلی سنہ ۱۹۳۷ء)

(۱۹) بلوچستان، صوبہ سرحد، آسام کے ان علاقوں کی نسبت جن میں دستوری اصلاحات نافذ نہیں ہیں مسٹر جوشی نے اصلاحات کے نفاذ کا بل ۲۸ر فروری سنہ ۱۹۳۶ء میں پیش کیا جس سے مسلمانوں کو زیادہ فائدہ پہنچتا تھا، مگر انھوں نے حمایت نہ کی، وہ بل اگرچہ اکثریت سے پاس ہوا مگر آج تک عملی صورت ظاہر نہ ہوئی، (رپورٹ اسمبلی سنہ ۱۹۳۶ء)

(۲۰) انھوں نے لونگ بل میں حکومت کا ساتھ دے کر زنجبار کے ہندستانی تاجروں اور مسلمان عرب کاشتکاروں کو سخت نقصان پہنچایا، اور وہاں کے انگریز تاجروں کو بہت نفع پہنچایا (رپورٹ مرکزی اسمبلی، ۲۳ر اگست سنہ ۱۹۳۷ء)

یہ اور ایسے بہت سے امور ہیں جو کہ بتلا رہے ہیں کہ لیگ کی پالیسی نہایت ہی غلط ہے، اور اس کی رہنمائی بالکل گمراہی کی طرف لے جانے والی ہے، نہ وہ مذہبی امور میں قابلِ اعتبار ہے، اور نہ سیاسی میدان میں لائقِ اعتماد ہے،

اس لیے کسی مسلمان کے لیے جو ادنیٰ عقل اور غیرت اور دیانت رکھتا ہو

درست نہیں ہے کہ لیگ کی کسی قسم کی بھی اعانت اور امداد کرے، یا کسی لیگی کو ووٹ دیے، خصوصاً جبکہ اس قسم کی غلط کاریاں اور بے دینیاں کرنے کے باوجود لیگ یہ بھی دعویٰ کرتی ہے کہ وہ مسلمانوں کی واحد نمائندہ ہے، اس کے سوا کوئی پارٹی بھی خواہ جمعیۃ العلماء ہو یا احرار، مسلم مجلس ہو یا انڈی پنڈنٹ پارٹی بہار، آل انڈیا مؤمن کانفرنس ہو یا خدائی خدمتگار، کرشک پرجا پارٹی ہو یا امارت شرعیہ بہار، نان پارٹی نیشنلسٹ ہوں یا یونینسٹ مسلمان پنجاب، ان کا کوئی مطالبہ نہیں ہے، نہ گورنمنٹ کو ان کی طرف آنکھ اٹھانا چاہیے اور نہ کانگریس وغیرہ کو ان سے بات چیت کرنی چاہیے،

ان ہی بداعمالیوں اور بے دینیوں سے مجبور ہو کر مسلمان پارٹیوں نے جمع ہو کر لیگ کے خلاف مسلم بورڈ بنایا ہے، جس کے اغراض و مقاصد، اس کے ملی فیسٹو اور پنج سے بخوبی ظاہر ہیں، اور عنقریب آپ کے ملاحظہ سے گزریں گے،

ان تمام مسلم پارٹیوں کے ممبران اور نمائندے وہ لوگ ہیں جو سالہاسال سے آزادیٔ ہند اور خدمتِ اسلام میں سربکف چلے آتے ہیں، سیکڑوں قربانیاں کر چکے ہیں، اور بے دھڑک تحریکات ملکیہ اور مذہبیہ کے میدان میں کود چکے ہیں، اور آئندہ کے لیے تیار ہیں، وہ مثل سربرآوردگانِ لیگ عافیت کوش اور راحت و آرام کے گدّوں اور حکومت کی کرسیوں اور عہدوں کے گرداگرد طواف کرنے والے نہیں ہیں، وہ قول اور فعل کے سچے ہیں، اس لیے ہر مسلمان کو چاہیے کہ مسلم پارلیمنٹری بورڈ کے نمائندوں کو ہی ووٹ دے، اور انہی پر اعتماد کرے، لیگی زعماء برطانویوں کے شاگرد رشید اور انہی کی طرح جھوٹ بولنے والے اور وعدہ خلاف اور خود غرض ہیں، انھوں نے سنہ ۱۹۳۶ء میں جمعیۃ العلماء کو مختلف وعدوں سے اپنے ساتھ ملایا، اور جب اس کی امداد و اعانت سے کامیاب ہو گئے کہ تیس

برس کی مردہ لیگ زندہ ہو گئی تو تمام وعدوں کو توڑ دیا، اور جب احتجاج کیا گیا تو یہ کہہ کر ٹال دیا گیا کہ وہ پولیٹکل وعدے تھے،

(دیکھو مسٹر جناح کا پُر اسرار معمہ اور اس کا حل)

ان کے وعدے کا اعتبار نہ کرنا چاہیے اور نہ ان کے سبز باغ کے دھوکے میں آنا چاہیے، قابلِ اعتماد صرف جمعیۃ العلماء اور اس کے شرکار ہیں، انھی کی خدمتیں بے لوث اور مخلصانہ ہیں، اور وہی سچے رہنما اور حقیقی خیر خواہ ہیں، انھی کی تاریخ مردانگی اور جرأت اور قربانیوں اور جانبازیوں سے بھری ہوئی ہے، انھی پر اعتماد کیجیے، اور انھی کے امیدواروں کو ووٹ دیجیے،

ننگِ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

ضمیمہ دوم:

# حضرت مولانا شاہ عبد القادر رائپوری رحمہ اللہ
کے نام
# حضرت شیخ الاسلام کا مکتوب سامی

۲۰ نومبر ۴۵ء ۱۹

جمیل المناقب محترم المقام دامت برکاتکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

مزاج سامی!

باعثِ تصدیع یہ ہے کہ اس وقت ہندوستان کے مسلمانوں کی مذہبی وسیاسی اعتبار سے جو حالت ہے وہ جناب والا کے سامنے ہے، نوجوانوں میں لامذہبیت اور بے دینی جس رفتار سے روز بروز پھیلتی جارہی ہے وہ دیندار حضرات کے دل میں نہایت درجہ تشویش پیدا کرنے والی ہے، مسلمانوں کی مذہبی اور سیاسی رہنمائی پر ایسے لوگوں کا قبضہ ہوتا جارہا ہے جن کو اسلام اور اسلام کی مصالح اجتماعیہ سے نہ پوری طرح واقفیت ہے اور نہ ان کے دل میں دین اور ملت کی حقیقی بہی خواہی کا کوئی جذبہ ہے، ہمارے بزرگوں نے جن خطرات اور آزمائشوں کی بنا پر انگریزی تعلیم کی مخالفت کی تھی وہ ایک ایک کر کے سامنے آرہے ہیں، نئے تعلیم یافتہ حضرات نہ صرف اسلامی اعمال واخلاق سے بے بہرہ نظر آتے ہیں بلکہ اسلامی عقائد سے بھی دور نظر آرہے ہیں، ان کا یہ ایک عام عقیدہ ہے کہ اسلام اور شریعتِ اسلامی موجودہ زمانے کی ضروریات اور مقتضیات

ساتھ نہیں دے سکتا، اس لیے وہ اس زمانے میں قابلِ عمل نہیں، اسی عقیدے کی بنا پر وہ اسمبلیوں اور کونسلوں میں اسلام کے نام پر اسلام کے خلاف قوانین بنواتے ہیں، اس وقت مسلم لیگ پر ایسے ہی لوگوں کا قبضہ ہے ۱۹۱۲ء میں مسٹر جناح نے اسمبلی میں قانونی شادی کے بل پر تقریر کرتے ہوئے انہی خیالات کا اظہار کیا تھا، اور آج بھی وہ قرآن کو ایک فرسودہ کتاب کہتے ہیں، جیسا کہ عنایت اللہ صاحب نے لاہور اور امرتسر میں ظاہر کیا ہے،

سر یامین خاں صاحب نے ۳۲ء میں اسی قانون پر تقریر کرتے ہوئے اسمبلی میں کہا کہ یہ قانون اسلامی تعلیمات کے خلاف نہیں ہے، حالانکہ قرآن کا صاف صاف حکم موجود ہے کہ مسلمان مرد مشرکہ عورت سے اور مسلمان عورت مشرک مرد سے شادیاں نہ کریں، شریعت بل کو انہی مسٹر جناح نے اسمبلی میں ترمیمات پیش کر کے تباہ کیا، خلع بل کی ایک دفعہ حذف کر کے اس کو شریعت اسلامی کے خلاف پاس کرا کر مسلمانوں میں ایک فتنۂ عظیم کا دروازہ کھول دیا، قاضی بل کی مخالفت کی، اور اس جذبے کے ساتھ مخالفت کی کہ اس سے مسلمانوں میں مذہبی علماء کا اقتدار قائم ہوگا جس کو مٹانا ان کا اولین نصب العین ہے، غرض ایک نہیں بیسیوں قوانین اسمبلیوں میں ایسے سامنے آئے ہیں جن میں مسلم لیگ کے بڑے بڑے لیڈروں نے صراحۃً اسلامی احکام اور اسلامی تعلیمات کی مخالفت کی ہے،

انہی مفاسد کا سدّباب کرنے کے لیے دارالعلوم اور دوسرے مدارسِ عربیہ ہمارے اکابر نے قائم کیے تھے، (قدس اللہ اسرارہم) اسی لیے حضرت شیخ الہند قدس اللہ سرہ العزیز نے جمعیۃ علماء ہند کو قائم فرمایا تھا، چنانچہ ۱۹۱۹ء سے جمعیۃ علماء حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے بتلائے ہوئے راستے پر گامزن ہے، اور

اسلام اور مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے جدوجہد کر رہی ہے، چنانچہ پچھلے انتخابات میں جمعیۃ علماء نے اسی شرط پر مسلم لیگ کا ساتھ دیا تھا کہ وہ ہندوستان کی آزادی کے لیے جدوجہد کریں گے، جو تمام مفاسد کا تنہا علاج ہے، اور تمام مذہبی معاملات میں جمعیۃ علماء کی رائے کا اتباع کریں گے، لیکن جمعیۃ علماء کی کوششوں سے انتخابات میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد انھوں نے ان تمام وعدوں اور شرطوں کو پولیٹکل وعدے سمجھتے ہوئے نظر انداز کر دیا جو ہم سے کی گئی تھیں، اور نہ صرف جمعیۃ علماء ہند بلکہ تمام علمائے دین کے خلاف اعلانِ جنگ کر دیا،

متعدد مقامات پر مسٹر جناح اور مسلم لیگ کے دوسرے لیڈروں نے اپنی تقریروں میں اعلان کیا کہ ہم نے عوام کو علماء کی غلامی سے آزاد کر دیا ہے، ہم نے علماء کا اقتدار مٹا دیا ہے، اور یہ ہماری کامیابی کی اولین منزل ہے، یہ اعلان طبقۂ علماء کے خلاف ہی اعلانِ جنگ نہیں ہے بلکہ اسلام اور شریعتِ اسلامی کے خلاف اعلانِ جنگ ہے،

غور فرمائیے کہ علماء کوئی نسلی گروہ نہیں ہے جس کو مٹانے سے اسلام کو کوئی گزند نہیں پہنچے گا، بلکہ "عالم" تو وہی فرد کہلایا جائے گا جو اسلامی احکام اور شریعت سے باخبر ہے، اس کو مٹانے کے معنی تو یہی ہیں کہ اس طبقے کو مٹا دیا جائے جو دینی احکام سے واقفیت رکھتا ہے، اور قدم قدم پر ان بے مہار یورپ زدوں کو اُن کی بے راہ روی پر ٹوکتا رہتا ہے،

میری سمجھ میں نہیں آتا کہ علمائے مذہب کو فنا کے گھاٹ اتارنے کے بعد اسلام، شریعت اور مذہب کو کس طرح محفوظ رکھا جا سکتا ہے، مجھے سب سے زیادہ حیرت تو اس بات پر ہے کہ ان لوگوں کے اس قسم کے دعاوی کے باوجود دو چار علماء بھی آج ان کی تائید کس طرح کر رہے ہیں؟ بظاہر اس کے سوا کوئی وجہ سمجھ میں نہیں کہ ان حضرات

علمار کے پیش نظر ذوات ہیں، اس لیے وہ علمار کی مخالفت کے عام دعووں کو ذوات ہی تک محدود سمجھتے ہیں، یا ان کے سامنے مجبوریاں ہیں، اور یا وہ اسی طرح ان یورپ یورپ زدوں کا فریب کھا رہے ہیں جس طرح کل ہم کو فریب دیا گیا تھا، حالانکہ ان لوگوں کا صاف صاف اعلان ہے کہ ہمارے سوائے کوئی جماعت آٹھ کروڑ مسلمانوں کی طرف سے بولنے کا حق نہیں رکھتی، لیگ ہی تنہا وہ نمائندہ جماعت ہے جو مسلمانوں کی نمائندگی کر سکتی ہے، اس دعوے پر اس نے انتخابات کا مطالبہ کیا ہے، اور انتخابات میں کامیابی حاصل کر کے وہ اپنے دعوے کو ثابت کرنا چاہتی ہے، لیگ کے اس دعوے کا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنے سوائے مسلمانوں کی کسی جماعت کا وجود تسلیم نہیں کرتی، اور انتخابات میں لیگ کو رائے دینے کے معنی یہ ہیں کہ ہم بھی ان جماعتوں کے قتل کے محضر پر دستخط کرتے ہیں،

اسی لیے جمعیۃ علمار نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ وہ موجودہ انتخابات میں پوری قوت کے ساتھ اس چیز کو ثابت کرے کہ لیگ کے حلقے کے باہر دیندار مسلمان اپنا ایک مستقل وجود رکھتے ہیں، اور ان کی جماعتوں کو بھی مسلمانوں کے مذہبی و سیاسی مسائل کے متعلق اسی طرح بولنے کا حق ہے جس طرح لیگ کو ہے، اگر آج بھی وہ مصالح دینیہ و اسلامیہ موجود ہیں جن کے لیے حضرت شیخ الہند نور اللہ مرقدہٗ نے جمعیۃ علمار کی بنیاد رکھی تھی، اور اگر آج اس کی ضرورت ہے کہ مسلمانوں کے دیندار طبقے کی موجودگی کو ثابت کیا جائے تو ہم سب کے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ ان انتخابات میں جمعیۃ علمار کی ہر ممکن امداد کریں، اور لیگ کے اس دعوے "انا ولا غیری" کو غلط ثابت کر دیں، میرے ناقص خیال میں تو یہ مسئلہ موجودہ حالات دوسرے تمام مسائل سے زیادہ اہم ہے، اور میں اس کے لیے پوری بصیرت رکھتا ہوں ؎

مصلحت دید من آن است کہ یاراں ہمہ کار ؛ بگذارند و خم طرۂ یارے گیرند

مجھے نہیں معلوم کہ جناب والا میری رائے سے کہاں تک اتفاق فرماتے ہیں، تاہم یہ یقین ہے کہ اگر جناب والا اس کو موجودہ مسائل میں وقتی طور پر سب سے زیادہ اہم نہیں تو کم از کم اہم مسائل میں سے ضرور خیال فرماتے ہوں گے، اس لیے مؤدبا میری استدعا ہے کہ جناب والا جہاں تک ممکن ہو اس مہم میں جمعیۃ علماء کی امداد فرمائیں، جو دیندار طبقے کی طرف سے لیگ کے خلاف جنگ کرنے کا بیڑا اٹھا چکی ہے، پنجاب کی بعض اطلاعات سے معلوم ہوا ہے کہ جناب والا کے بعض متوسلین پنجاب میں اور خصوصاً جالندھر کے اطراف میں لیگ کی پُرزور حمایت کر رہے ہیں، اگر جناب اپنے متوسلین سے ایک عمومی اپیل فرمادیں کہ وہ ہر جگہ جمعیۃ علماء اور آزادی پسند جماعتوں احرار وغیرہ کی انتخابات میں امداد کریں، اور مسلم لیگ کا کسی طرح ساتھ نہ دیں تو یہ جمعیۃ علماء اور احرار وغیرہ کی بہت بڑی امداد ہوگی، جہاں پر جمعیۃ علماء کا نظام قائم نہیں ہے وہاں بھی لیگ کی مخالفت ضروری ہے، لیگ کے مقابلے میں دوسری جماعتوں کا ساتھ دینے سے بھی بالواسطہ جمعیۃ علماء ہی کی تائید ہوتی ہے، اور یہ ثابت ہوتا ہے کہ لیگ کے سوا مسلمانوں کی دوسری جماعتوں کا بھی وجود ہے،

جناب والا کے ملاحظہ کے لیے میں اپنا ایک عریضہ جو رائے دہندگان کے نام لکھا گیا ہے ارسالِ خدمت اقدس کر رہا ہوں[1] اس میں بالاجمال لیگ کے زعماء و قائدین کی بعض کارگزاریوں کا تذکرہ کیا گیا ہے، میں نے اس سلسلے میں بہت کچھ مواد فراہم کر دیا ہے، جو انشاء اللہ طبع ہونے پر وقتاً فوقتاً ارسال خدمتِ اقدس کروں گا[2]۔ واللہ الموفق

وہو یہدی السبیل　　　ننگِ اسلاف حسین احمد غفرلہ　　　۹ ذی الحجہ ۱۳۶۴ھ

---

[1] مسلم ووٹروں کی خدمت میں ... مکتوب گرامی" کی طرف اشارہ جو اس رسالے میں ضمیمۂ اولیٰ کے طور پر شامل ہے۔

[2] حضرتؒ نے جو مواد فراہم کیا تھا وہ رسالوں اور کتابچوں کی شکل میں شائع ہوا، ان میں سے خاص یہ ہیں: ۱۔ مسٹر جناح کا پُراسرار معمہ اور اس کا حل، ۲۔ مسلم لیگ کیا ہے؟ ۳۔ سِول میرج اور لیگ، ۴۔ شریعت بل اور لیگ، ۵۔ پاکستان کیا ہے؟ (دو حصے) ۶۔ کانگریس، مسلم لیگ اور جمعیۃ علماء کی سیاسی پوزیشن، ۷۔ مسلم لیگ کی آٹھ مسلم کش سیاسی غلطیاں، اس آخر الذکر رسالے کے ساتھ حضرت رائے پوریؒ کے نام یہ مکتوب بطور ضمیمہ شامل کیا جاتا ہے، (ا۔ س۔ ش)

ضمیمہ سوم :

# شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی کی تقریر

بجنور ۲۹ اکتوبر

حضرت مولانا حسین احمد مدنی نے یہاں جامع مسجد میں تقریر فرمائی،

حضرت مولانا نے شروع میں فرمایا:

انسانی زندگی کا سکون دو قسم کی بیماریوں سے تباہ ہو جاتا ہے، جسمانی بیماریوں سے اور روحانی بیماریوں سے، جسمانی بیماریوں کا علاج ڈاکٹر اور حکیم کرتے ہیں اور روحانی بیماریوں کے لیے خدا کے بھیجے ہوئے پیغمبر خاص رُوحانی قوت لے کر آتے ہیں، ڈاکٹر اور حکیم دوا اور پرہیز تجویز کرتے ہیں، مگر بہت سے انسان دوا اور پرہیز سے انکار کرتے ہیں، اسی طرح پیغمبر روحانی علاج تجویز کرتے ہیں، مگر انسانوں کی اکثریت اس کو ماننے سے انکار کر دیتی ہے، اُس وقت کو یاد کیجیے! جب آقائے مدینہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے تمہیں حق کی طرف بلایا، مگر تم نے اور تمہاری اکثریت نے حضور اقدس کا پیغام سننے سے انکار کر دیا، حملے کیے، پتھر برسائے اور ظلم وستم کے پہاڑ توڑے،

ہندوستان کے علمائے حق کی ہستی اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ وہ آقائے مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین اور حضورِ علم وحکمت کے پیغام رساں ہیں، ہم آج اس سبق کو دُہرا رہے ہیں جو ہمیں اپنے اکابر علمائے حق اور حضرت شیخ الہندؒ کی طرف سے ملا ہے، خواہ کچھ ہو ہم پوری قوت سے اُسے تمہارے کانوں تک پہنچاتے رہیں گے،

## مسٹر جناح کی تاریخی غلطیاں :

حضرت شیخ نے فرمایا :

میرا کام یہ نہیں ہے کہ میں مسٹر جناح کے ذاتی کیرکٹر اور شخصیت پر حملہ کروں، میں صرف ان کی سیاسی اور مذہبی غلطیوں کی تاریخ پیش کروں گا، مسٹر جناح نے ۱۹۳۶ء میں ہمیں بلایا، ہم سے شریفوں کی طرح معاہدہ کیا، ان کے تین وعدے تھے :

۱۔ وہ آزادی خواہ طاقتوں کی حمایت کریں گے،

۲۔ خود غرض سرکار پرستوں اور سرکاری عنصر کو مسلم لیگ سے نکال دیں گے،

۳۔ مذہبی معاملات میں ہر فیصلہ علمائے ہند کی رائے کے مطابق کریں گے، اور اگر وہ اس معاہدے کو پورا کرنے سے معذور رہے تو مسلم لیگ کو چھوڑ کر آزادی خواہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر کام کریں گے،

## مسٹر جناح کی معاہدہ شکنی :

زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ انھوں نے معاہدے کو توڑ دیا، اور یہ کہہ دیا کہ وہ معاہدے سیاسی تھے، آج مسٹر جناح آزادی کی جدوجہد کو پامال کر رہے ہیں، ان کے دائیں بائیں آگے پیچھے بڑے بڑے خطاب یافتہ سرکار پرست موجود ہیں، انھوں نے اسمبلی میں اسلامی شریعت کے احکام کو مٹایا، اور اُن بلوں کو برباد کر ڈالا جو علماء کے مشورے سے پیش کیے گئے تھے، انھوں نے اور ان کی پارٹی نے شریعت بل، خلع بل، قضا بل ایسے اہم شرعی مسئلوں میں کسی ایک عالم سے بھی فتویٰ نہیں لیا، اور اپنے انتخابی اعلان ۱۹۳۷ء کو بھی جھٹلا دیا، جب ہمیں یہ تحقیق ہو گیا کہ ہم سے ہر بات میں وعدہ خلافی کی گئی ہے تو ہم اسلام کے تحفظ، شرعی احکام کی بجا آوری اور آزادی کی جدوجہد کے لیے مسلم لیگ سے باہر آ گئے، حالانکہ یہی وہ مسلم لیگ تھی جس کے متعلق ۱۹۳۷ء کے بعد ہمارے نام ایک خط میں یہ لکھا گیا تھا کہ " تو نے تیس برس

کی مردہ مسلم لیگ کو زندہ کردیا۔

## شریعت کی پامالی:

حضرت مولانا نے سول میرج ایکٹ کے سلسلے میں گورنمنٹ انڈیا گزٹ کے تاریخی حوالے دے کر مسٹر جناح کی تقریر نقل فرمائی جس میں مسٹر جناح نے کہا تھا:

"اگر روشن خیال اور نئے تعلیم یافتہ مہذب ہندو مسلمان لڑکے اور لڑکیاں شادی کرنا چاہیں تو انھیں سول میرج کا حق ہونا چاہیے"

جب مسلمان ممبر قانون نے ان کو توجہ دلائی کہ ایسی شادیاں قرآن کے خلاف ہیں، تو مسٹر جناح نے کہا، یہ کوئی دلیل نہیں، قرآن کے خلاف قانون پاس ہوتے ہی رہتے ہیں، مسٹر جناح نے یہاں تک کہا کہ:

"مسلمانوں کی اکثریت کبھی میرے خلاف ہے، مگر اکثریت کا کسی بات پر اتفاق کرلینا اس امر کی دلیل نہیں کہ وہ بات حق ہے۔"

حضرت مولانا نے جب تاریخ وار سرکاری رپورٹوں سے حوالے دیئے تو عام مسلمان اپنی انگلیاں چبانے لگے۔

## سیاسی غلطی:

حضرت نے فرمایا:

مسلم لیگ اور مسٹر جناح کی تاریخ مذہبی اور سیاسی غلطیوں سے بھری ہوئی ہے، انھوں نے ۱۹۱۶ء میں مسلم اقلیت کے صوبوں کو مسلم اکثریت کے صوبوں پر قربان کیا، اور اب اقلیت کے صوبوں کے تین کروڑ مسلمانوں کو اکثریت کے صوبوں کے لیے موت کے گھاٹ پر پہنچایا جارہا ہے، یہی مسلم لیگی تھے جنھوں نے گول میز کانفرنس میں اقلیتوں سے معاملہ کرکے بنگالی کو یورپین پارٹی کے ہاتھ میں دیدیا، اور پنجاب کی مسلم اکثریت کو مجبور کردیا کہ وہ غیر مسلم اقلیت سے

مل کر حکومت کا کاروبار کرے ــــــ اگر آج اسلامی ہند کے بڑے صوبوں میں خالص مسلم اکثریت مفقود ہے اور مسلمان اقتدار سے محروم ہیں تو یہ مسٹر جناح اور مسلم لیگ کی سیاسی غلطیوں کا نتیجہ ہے، وہ جماعت جو بار بار غلطیاں کر چکی ہے آج پھر ایک بڑی غلطی پر اصرار کر رہی ہے، وہ لوگ جو پاکستان کے نعرے سے غلط فہمی میں پڑ جاتے ہیں اور اسلام اور اسلامی حکومت کے دعوے کرتے ہیں، انھیں مسٹر جناح کا یہ اعلان اپنے سامنے رکھنا چاہیے کہ:

"مسلم لیگ سیاسی جماعت ہے، اور پاکستان میں موجودہ طرز کی جمہوری حکومت ہوگی"

جس میں ہندو قریب برابر کی آبادی رکھیں گے، اس اسلامی حکومت میں کم و بیش مسلمانوں کے برابر ہندوؤں کا اقتدار ہوگا، اور مسلمانوں کو ہندوؤں سے وہی اتحاد و تعاون اور اشتراکِ عمل کرنا پڑے گا جس سے پاکستان کے حامی دامن بچا رہے ہیں،

حضرت مولانا نے فرمایا: ــــــ اس مرتبہ جمعیۃ علماء ہند کا مسلم پارلیمنٹری بورڈ اپنی ذمہ داری پر ایسے لوگوں کو اسمبلیوں اور کونسلوں میں بھیجے گا جو آزاد ہندوستان کے لیے جد و جہد کریں گے جس میں مسلمانوں کے صوبے مکمل آزاد ریاستوں کی صورت میں اپنی قسمت کے مالک ہوں گے، اور سیاسی اشتراکِ عمل کی بنیاد پر ترقی کریں گے، مرکز معمولی اختیارات کا مالک ہوگا، اس پر بھی صوبوں کو حقِ علیحدگی حاصل ہوگا، یہ لوگ کوئی ایسا قانون پاس نہیں کر سکیں گے جو اسلام اور اسلامی شریعت کے خلاف ہو؛

یہ ہے اصلی صورتِ حال، اگر آپ نے اس کے بعد بھی مسلم لیگ کے امیدواروں کو ووٹ دیا تو آپ ایسے غلط کار لوگوں کو ووٹ دیں گے جو اپنی ذات کے علاوہ کسی کے نمایندہ نہیں، ہم نے پیغام پہنچا دیا، اب عمل کرنا اور دنیا و آخرت کی جواب دہی کا خیال رکھنا آپ کا فرض ہے۔

(زمزم لاہور، ۲۹ اکتوبر سنہ ۱۹۴۵ء)

## مسلم لیگ کی جانب سے شریعت بل کی مخالفت

## اور

## ترمیمات کے ذریعے اس کے مقصد کو نقصان پہنچانے کی روداد

افادات

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

مجلسِ یادگارِ شیخ الاسلامؒ۔ پاکستان

کراچی

# حرفِ چند

مسلم لیگ کی تاریخ میں جو چیز سب سے نمایاں ہے وہ اسلامی شریعت کی مخالفت، استہزا اور توہین ہے۔ اس کے اصاغر و اکابر نہ صرف اپنی بداعمالیوں میں سب سے ممتاز تھے۔ وہ اسلامی شریعت کے نفاذ اور اسلامی تشخص کے قیام کی راہ کی بھی سب سے بڑی رکاوٹ تھے۔ اس سے آگے بڑھ کر سول میرج اور سارداا یکٹ کے دائرۂ اطلاق میں مسلمانوں کو لانے کا سبب بھی وہی بنے تھے۔ ان کی اسی بدخدمتی اور بے دینی کے تذکرے میں نہ صرف تاریخ کے سیکڑوں صفحات سیاہ ہیں بلکہ متعدد مستقل رسایل اور فتوے موجود ہیں۔

یہ کتابچہ شریعت بل کے بارے میں مسلم لیگ کے رویے اور بدخدمتی کے جواب میں ہے۔ اس میں شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی" کے افادات کو مولانا سید اصلح الحسینی مدرس دارالعلوم دیوبند نے مرتب کردیا تھا اور حسب فرمایش جناب ناظم صاحب دفتر مرکزیہ جمعیت علماے ہند، گلی قاسم جان۔ دہلی سے ۱۹۴۵ء یا ۱۹۴۶ء میں شایع ہوا تھا۔ مرتب کی حیثیت سے اس رسالے کے سرورق پر مولانا اصلح الحسینی کے نام کی صراحت موجود ہے۔

اس کی کسی دوسری اشاعت کا پتا نہیں چل سکا۔ اب اسے حضرت شیخ الاسلامؒ کے مقالات سیاسیہ کی تدوین کے ضمن شایع کیا جارہا ہے۔

ابوسلمان شاہ جہان پوری

۱۰/جون ۲۰۰۰ء

# شریعت بل اور لیگ

شریعت اُس خداوندی مجموعۂ قوانین اور طریقوں کا نام ہے جس پر مسلمان ہونے کا دار و مدار ہے، جو شخص شریعت کو مانتا ہے اور اس پر عمل پیرا ہے وہی مسلم سوسائٹی کا ممبر ہے، اور جو اس کو نہیں مانتا اور نہ عمل پیرا ہے بلکہ معاذ اللہ اس کو ناقص یا مقتضیات زمانہ کے غیر مطابق یا انسانی معاش و معاد کے لیے ناکافی سمجھتا ہے کسی رواج یا کسی انسانی قانون کو اس کے مقابلہ میں ترجیح دیتا ہے وہ درحقیقت اس سوسائٹی سے خارج ہے، وہ آقائے نامدار علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خاتم النبیین اور قرآن شریف کو خدا کی کتاب اور شریعتِ محمدیہ کو غیر منسوخ اور دائمی نہیں سمجھتا، یہ وہ اصولِ کلیہ ہیں جو کہ اس سوسائٹی کے اصولِ موضوعہ اور موقوف علیہ ہیں، علیٰ ہٰذا القیاس جو حضرات مذہب اور سیاست کو مسلمانوں کے لیے جُدا جُدا چیزیں قرار دیتے ہیں، اور لوتھر کی قائم مقامی کرتے ہوئے اسلامی شریعت میں بھی اس قسم کی تفریق ڈالتے ہیں وہ درحقیقت

| | |
|---|---|
| اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ط | "آج میں نے تمھارے لیے تمھارا دین مکمل کر دیا تمھارے اوپر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمھارے دین کے لیے اسلام کو پسند کر لیا"، |

---

لہ حضرت شیخ الاسلام کے یہ افادات مولانا اصلح الحسینی مدرس دارالعلوم دیوبند نے مرتب فرمائے تھے اور ناظم جمعیۃ العلماء ہند دہلی نے دتی پرنٹنگ ورکس دہلی سے کتابچہ کی شکل میں طبع کرا کے شائع کیے تھے، (ا۔س۔ش)

کے منکر ہیں، مسلمانوں نے اسی شریعت کو مضبوطی سے پکڑا تو ساری دنیا پر چھا گئے، بڑی سے بڑی طاقتیں ان کے مقابلہ سے عاجز آ کر ان کے قدموں پر گر پڑیں، مگر عیسائی مذہب ایسا نہیں ہے، عیسائیوں نے جب تک اپنے مذہب اور بائبل کی تعلیم کو نہیں چھوڑا وہ ترقی نہیں کر سکے، لوتھر کی رائے کلیسا کے متعلق صحیح مانی جا سکتی ہے، مگر مغرب زدوں کی یہ رائے شریعتِ محمدی اور مذہب اسلام کے متعلق کسی طرح نہیں مانی جا سکتی، تاریخ اور فلسفہ دونوں اس کی تکذیب کرتے ہیں، یورپ کے چوٹی کے فلاسفر اور سائنسداں اسلام کی ہمہ گیری اور اعلیٰ تعلیم کے سامنے انگشت بدنداں ہیں، ہم اگر اس پر مفصل تحریر اور شہادات پیش کریں تو نہایت زیادہ طول ہو جائے گا، اس پر بڑی بڑی کتابیں اور ضخیم ضخیم مجلدات لکھی جا چکی ہیں، بہرحال شریعتِ محمدی دنیا اور آخرت کی فلاح کی کفالت کرنے والی ہے، اور اسی کی تابعداری کی کمی کی بناء پر عالمِ اسلامی کی موجودہ زبوں حالی اور سابقہ مصائب پیش آئے،

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ الآیۃ۔

"اللہ تعالیٰ اپنی اُن نعمتوں میں جن کو اس نے کسی قوم کو دی ہیں تغیر اور تبدیلی پیدا نہیں کرتا جب تک کہ وہ خود اپنی حالتوں، خیالات اور ارادوں میں تبدیلی پیدا نہ کر دیں (اور خداوندی عہود کو کمزور نہ کر دیں)۔"

شریعت اور قرآن کے کسی حصّہ اور کسی آیت کو نہ ماننا اور اس سے انکار کر دینا یا غیر قابلِ عمل جاننا اسی طرح اسلامی سوسائٹی کے خلاف ہے جس طرح تمام قرآن اور تمام شریعت کو نہ ماننا،

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ

"کیا تم خدا کی کتاب کے کچھ حصہ کو مانتے

وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ، الآية | اور کچھ حصہ کا انکار کرتے ہو، جو ایسا کرے گا

اس کی سزا اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے کہ اس کی دنیا میں رسوائی ہو، اور قیامت میں سب سے زیادہ سخت عذاب میں مبتلا کر دیا جائے،،

بہر حال مسلمانوں کے لیے تمام شریعتِ محمدیہ کو قبول کرنا ضروری ہے، کسی حصہ کا انکار کرنا درست نہیں ہے، ہاں عمل میں حسبِ درجات احکام میں تفاوت ضروری ہو گا فرض، واجب، مستحب، مباح، مکروہ، حرام، سب کے سب اپنے اپنے درجہ کے موافق معمول بہا ہوں گے،

جب سے ہندوستان میں انگریزی اقتدار اور غلبہ ہوا ہے اسلامی احکام میں خلل اندازی روز بروز ترقی پذیر رہی، چنانچہ مختلف مقامات پر مسلمانوں کے پرسنل لا اور خصوصی قوانین پر بھی دست اندازی کی گئی، اور اربابِ ہوا و ہوس کی خواہشات کے موافق رواج کو انگریزی حکومت نے قانون یہ قرار دیا کہ وراثت اور تبنیت اور وصیت کے وہ احکام جو کہ آیاتِ قرآنیہ میں صراحۃً موجود ہیں یا احادیثِ صحیحہ میں وضاحت کے ساتھ ذکر کیے گئے ہیں رواج کے ذریعہ سے منسوخ قرار دیئے گئے ہیں، چنانچہ اودھ، فرنٹیر، پنجاب، کچھی میمن آف صوبہ بمبئی وغیرہ میں بھی رواج مسلمانوں میں قانون قرار دیا گیا، محمڈن لا اور شریعتِ اسلامیہ پر عمل نہیں کرایا گیا، صوبہ سرحد کے مسلمانوں کو اس پر تنبہ ہوا، اور انھوں نے رفارم ملنے کے بعد پوری جد و جہد کی، کہ رواج کے قانون کو بدل کر شریعت ایکٹ اور محمڈن لا کی صورت پیدا کی جائے، خود غرضوں اور اربابِ حوادث نے مخالفتیں کیں، تاکہ بیٹیوں، بہنوں وغیرہ کو میراث میں حصہ نہ ملے، متبنیٰ مثل حقیقی بیٹے کے جائیداد کا مالک ہو، وصیت تمام مال میں جاری ہو وغیرہ وغیرہ، مگر صوبہ سرحد کی اکثریت دینِ اسلام اور مذہب کی وفادار تھی اس نے پوری جد و جہد کی، چنانچہ جمعیۃ العلماء کی کوششیں کامیاب ہوئیں، اور سرمایہ دار اور باا

ہوا و ہوس کے خلاف شریعت ایکٹ وہاں پاس ہو کر نافذ ہو گیا، اس پر مسلمانانِ پنجاب وغیرہ کو بھی تنبہ ہوا، اور انھوں نے کوشش کی کہ تمام ہندوستان کے لیے ایسا ہی قانون پاس ہونا چاہیے، چنانچہ حافظ عبداللہ صاحب لائل پوری نے ۱۹۳۵ء میں شریعت بل کا مسودہ وائسرائے کی اسمبلی میں پیش کر دیا جس کی غرض مندرجہ ذیل دفعہ ۲ سے واضح ہوتی ہے،

**دفعہ ۲:** کسی متناقض رواج یا دستور کے تمام معاملات جس کے فریق مسلمان ہوں حسب شرعِ اسلامی طے کیے جائیں، یعنی تبنیت (متبنیٰ اور لے پالک بنانا) وصیت عورتوں کی جائداد حاصل کردہ بذریعہ وصیت، معاملات متعلقہ وراثت، عورتوں کی مخصوص بشمول ذاتی جائیداد جو کہ ان کو وراثۃً ملی ہے یا کسی معاہدہ یا ہبہ کے ذریعہ، یا کسی اور قانونی وجہ کی بناء پر ملی ہے، نکاح، فسخِ نکاح، بشمول طلاق، ایلاء، اظہار، لعان، خلع، اور مبارات، نان نفقہ، دَینِ مہر، ولایت، ہبہ، ٹرسٹ، اور جائیداد ٹرسٹ اور وقف کے،

اس پر مسٹر جناح نے اسلامی احکام و قوانین کے متعلق اپنی اُسی ذہنیت کو کام میں لاتے ہوئے جس کا انھوں نے ۱۹۱۲ء میں سِول میرج ایکٹ کے ترمیمی بل میں اظہار کیا تھا شریعت بل کے متعلق بھی تباہ کن رویہ اختیار کیا، آپ نے اس بل میں ایسی ترمیمات پیش کیں جنھوں نے اس کی اسلامی روح کو بالکل مجروح کر دیا،

۱۶ ستمبر ۱۹۳۷ء کو جب اس بل پر غور شروع ہوا تو مسٹر اینی[۹] نے متوجہ کیا، کہ بل اپنے محدود دائرہ سے جو کہ پیش کرنے والے اصحاب کے ذہن میں ہے متجاوز

---

[۹] یہ خیال رکھنا چاہیے کہ مسٹر اینی کانگریسی لیسر لیننن ہیں، نیز اگر مسلمان پھر اس پر متفق ہو جاتے تو پرسنل لاء اور مسلمانوں کے مخصوص قانون آنے کے باعث ہندو اکثریت کی مخالفت کارگر نہ ہو سکتی تھی، یہ اختلاف ایک حق ہوتا جس کی حفاظت نمائندہ تاج (وائسرائے) پر لازم ہوتی،

ہو رہا ہے، یہ بل ان عمومی قوانین کو جو ہندو اور مسلمانوں کے لیے نافذ ہیں ناقابلِ عمل بنا رہا ہے، یا کم از کم ان پر اثر انداز ہو رہا ہے، ایوان نے اس تحریک کو منظور کر لیا، اور اس کے پیشِ نظر ترمیمیں طلب کیں، مسٹر جناح نے بجائے اس کے کہ ایسی صورت پیش کرتے جس سے یہ قانون محرک کی تحریک کے بعد مسلمانوں کے مخصوص قوانین (پرسنل لا) تک محدود رہتا، ایک ایسی ترمیم پیش کی جس سے تحریک کی روح ہی ختم ہو گی، یعنی یہ کہ مسٹر جناح نے ترمیم پیش کی کہ دفعہ ۲ سے لفظ "قانون" نکال دیا جائے، مزید فرمایا کہ سنہ ۱۹۲۰ء میں کچھی میمنوں کے متعلق کونسل میں یہ پاس ہو چکا ہے کہ تبنیت، وصیت اور وہ جائیداد جو کہ وصیت سے ملی ہو ان میں رواج کے موافق فیصلے کیے جائیں گے، اس لیے ضروری ہے کہ اس مسودہ میں سے بھی یہ تینوں چیزیں مستثنیٰ کر دی جائیں، اس لیے لفظ بلا "وصیتی" لفظ "وراثت" کے بعد زائد کیا جائے، اور یہ تینوں امور بجائے لازمی کے اختیاری رکھے جائیں، اور اس بنا پر دفعہ ۲ سے ان تینوں کو نکال کر دفعہ ۳ جداگانہ بنائی جائے، اور اس کی رو سے اگر کوئی شخص اپنی مرضی سے چاہے تو اپنے لیے اور اپنے بچوں کے لیے آئندہ نسلوں کے اوپر امور متذکرہ بالا میں قانونِ شریعت نافذ کرا سکتا ہے، جس کا طریقہ دفعہ ۳ میں دیا گیا ہے، اس کو ایسا کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا،

دفعہ ۳ کی تفصیل حسب ذیل ہے:

دفعہ ۳، ضمن ج "وہ مقررہ فارم کے مطابق اس بات کا اقرار کر کے دے اور اس کو حاکم مقررہ کے سامنے پیش کرے جس میں اس بات کا اقرار ہو کہ وہ چاہتا ہے کہ اس دفعہ کا فائدہ حاصل کرے، تو اس اقرار کے بعد دفعہ ۲۔ آئندہ ایسے اقرار کرنے والے اور اس کے نابالغ بچوں اور آئندہ نسلوں پر اسی طرح عائد ہو گی، گویا کہ اس میں الفاظ تبنیت و

وصیت اور جائیداد جو بذریعہ وصیت دی گئی ہے وہ بھی شامل ہے"
لفظ "وراثت" کے ساتھ "بلا وصیتی" اس وجہ سے زائد کیا گیا کہ مسٹر جناح کی ترمیم کی رُو سے وصیت کرنے کا اختیار حسب رواج سابق مسلمانوں کے لیے رکھا گیا ہے جس کی تفصیل دفعہ ۳ میں معلوم ہو گئی،
غرضیکہ مسٹر جناح کی ترمیم اِن کی اور مسلم لیگ پارٹی کی زور آوری سے قبول کر لی گئی، اور شریعت ایکٹ ترمیمات مذکورہ کے ساتھ ۱۶ ستمبر ۱۹۳۷ء کو اسمبلی میں پاس کر دیا گیا، کیونکہ زرعی جائیدادوں اور خیرات اور خیراتی اور مذہبی اوقاف کے متعلق گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء نے اختیارات صرف صوبجاتی اسمبلیوں کو دیدیتے ہیں .... اس لیے یہ امور بھی ایکٹ سے مستثنیٰ قرار دیدیئے گئے تھے،

"مدینہ" اپنے آرٹیکل میں لکھتا ہے:
"اس مسودۂ قانون کا مقصد یہ تھا کہ ہندوستان بھر کے مسلمانوں کو نکاح وطلاق، خلع، مہر، وراثت، تقسیم جائیداد وغیرہ جیسے امور میں اسلامی فقہ اور قوانین شرعیہ کا پابند کیا جائے، اُس وقت تک یہ تمام معاملات مقامی رسم ورواج کے ماتحت طے کیے جاتے تھے جو بعض صریحًا اسلامی احکام کے منافی ہوتے تھے، تمام ہندوستان کے مسلمانوں میں سے اسی غیر شرعی طریقہ کو ختم کرنے اور ان کو شریعت حقّہ کا فرمانبردار بنانے کی مبارک نیت سے یہ قانون اسمبلی میں پیش کیا گیا تھا، اور کانگریس کے ہندو ممبروں نے بھی اس مسئلہ میں مسلمانوں کو اپنے تعاون اور اشتراک کا یقین دلایا تھا،
لیکن عین اس وقت جب کہ بل کی تیسری خواندگی بھی قریب الختم

تھی اور یہ بل پاس ہو کر قانون بننے والا تھا مسلم لیگ کے صدر اسلام اور اسلامی کلچر کے واحد محافظ قائدِ اعظم نے اُٹھ کر اس قانونِ شریعت کو پُرزے پُرزے کرنے میں اپنی تمام قانونی قابلیتیں صرف کر دیں، اور انتہائی ہوشیاری کے ساتھ چند ترمیمات پیش کر کے ان تمام کوششوں پر پانی پھیر دیا جو نیک نیت مسلمانوں نے اسلامی قانون کو مسلمانوں کے لیے پاس کرانے کے لیے کی تھیں،

مسٹر جناح کی اِن ترمیموں کا منشاء یہ تھا کہ اس قانون کو قانون نہ کہا جائے (جس کی پابندی ہر حال میں ضروری ہوتی ہے) بلکہ قواعد کے نام سے موسوم کیا جائے، جس کا حاصل یہ تھا کہ وہ تمام غیر اسلامی دفعات اور ضوابط جن پر اس وقت تک عملدرآمد ہو رہا تھا اور جو اس شریعت بل سے منسوخ ہونے والے تھے وہ سب بدستور باقی رہیں، اور کوئی قانون منسوخ نہ ہو، بلکہ جہاں کہیں شریعت بل اور ان قوانین میں کوئی اختلاف ہو تو شریعت بل کی دفعات کو نظر انداز کر دیا جائے، اور اس کے مقابلہ میں سابقہ غیر اسلامی قوانین ہی کو ترجیح دی جائے، اور انہی پر عمل درآمد کیا جائے، اور جب مسٹر جناح کو متنبہ کیا گیا کہ ان ترمیمات کی وجہ سے شریعت بل کا اصل مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے تو انھوں نے نہایت بے اعتنائی کے ساتھ یہ کہکر ٹال دیا کہ میں ایسی تجویز کی تائید کرنا پسند نہیں کرتا جو ناممکن العمل ہو خواہ مخواہ ہوا میں اُڑنا مجھے پسند نہیں ؛؛

(مدینہ بجنور نمبر ۷۰ جلد ۲۶، مورخہ ۲۵ ستمبر ۱۹۳۷ء)

مسٹر جناح کے اس ارشاد کے معنی کیا یہ نہیں ہیں کہ وہ ہندوستان میں ہر جگہ

یکسانیت کے ساتھ اسلامی قوانین کے رائج ہونے کو ناممکن العمل سمجھتے ہیں؟ کیا یہی وہ قرآنی احکام ہیں جن کو پاکستان میں جاری و نافذ کرنے کے لیے مسلم لیگی رہنما بے قرار ہیں؟ اور کیا یہی وہ اسلامی تہذیب و کلچر ہے جس کی حفاظت کے لیے پاکستان قائم کرنا ضروری ہے؟

غرض شریعت بل مسٹر جناح کی انہی ترمیموں کے ساتھ پاس ہوا اور اس کے پاس ہوجانے سے ہر شخص کو یہ اختیار باقی رہا کہ اس کا دل چاہے تو اس شرعی ضابطہ کو مانے اور اگر نہ چاہے تو اسی انگریزی شریعت پر عمل کرتا رہے، جو انگریزی حکومت نے اس کے لیے بنادی ہے،

اب مسلمانوں کو غور کرنا چاہیے کہ مسٹر جناح اور لیگ پارٹی کا یہ عمل شریعتِ اسلامیہ اور قرآن شریف و حدیث اور مذہبِ اسلام سے صریح بغاوت نہیں ہے تو اور کیا ہے؟ قرآن فرماتا ہے:۔

| | |
|---|---|
| وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَاءَكُمْ اَبْنَاءَكُمْ | "تمہارے منھ بولے بیٹوں کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے بیٹے نہیں کیا"، |

یعنی خداوندی قانون میں تمہاری حقیقی اولاد کی طرح نہیں ہیں،

| | |
|---|---|
| اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَائِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ، | "اُن منہ بولے بیٹوں کو ان کے اصلی باپ کے نام سے پکارا کرو، یہی اللہ تعالیٰ کے یہاں انصاف ہے"، |

مگر رواج ان کو حقیقی بیٹوں کا حق دلاتا ہے، وصیت کے متعلق جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات ہیں کہ:۔

۱۔ تہائی سے زیادہ نہ ہونی چاہیے،

۲۔ کسی وارث کے لیے وصیت نہ ہونی چاہیے، مگر رواج اس سب کو

مانتا اور چلاتا ہے، مالِ میراث خواہ وصیتی ہو یا اور کسی طرح کا حسبِ قرآن شریف سب میں وراثت چلتی ہے، مگر رواج اس سب میں مخالفت کرتا ہے، لیگ کا یہ فیصلہ صراحۃً خلافِ مذہبِ اسلام ہے، کچھی میمنوں نے اگر اسلام کے ساتھ بغاوت کا معاملہ کیا تھا تو ان حضرات کو ان کے ناجائز عمل کو مٹانا ضروری تھا، نہ یہ کہ اس ناجائز عمل کی وجہ سے خود ناجائز حرکت کے مرتکب ہو جائیں، اور قانون میں سے ان امور کو نکلوا دیں،

پھر یہ امر کہ شرط لگائی جائے کہ اگر کوئی شخص ان امور میں بھی شریعت کو نافذ کرنا چاہے تو انگریزی افسر کے سامنے اقرار کرے تب اس پر اور اس کی اولاد اور نسل پر شریعت کا حکم نافذ ہوگا، کیا یہ صراحۃً مذہب میں مداخلت نہیں کہ کسی شخص کا ترکہ وغیرہ حسبِ شریعتِ اسلامیہ جب تقسیم ہو سکتا ہے جب کہ وہ انگریزی افسر کے سامنے اقرار کر کے لکھوا دے ورنہ نہیں؟ اور پھر قانون کو اگر اختیاری غیر لازمی کیا جائے تو قانون بنوانے کی ضرورت ہی کیا رہتی ہے؟ یہی وجہ تھی کہ سر محمد یعقوب صاحب مرحوم نے فرمایا تھا کہ "ایک اسلامی قانون کی روح کچل گئی، افسوس!"

سنہ ۱۹۳۸ء میں حاجی عبدالرزاق صاحب نے کچھی میمنوں کے لیے یہ درخواست دے کر سنہ ۱۹۲۰ء کا قانون منسوخ کرالیا، اور ایسے کاغذات پیش کیے جن سے ثابت ہوتا تھا کہ کچھی میمنوں کی اکثریت شریعت ہی کو چاہتی ہے، رواج کی مخالف ہے، اس لیے مسٹر محمد احمد کاظمی نے ۱۰ر جنوری سنہ ۱۹۴۲ء میں شریعت مذکور کے لیے ایک ترمیمی بل پیش کیا، جس کا خلاصہ یہ تھا کہ شریعت ایکٹ میں تبنیت اور وصیت اور وصیتی مال کی وراثت کا استثناء مسٹر جناح نے اس بناء پر کرایا تھا کہ کچھی میمنوں کے لیے ان امور کا رواجی ہونا سنہ ۱۹۲۰ء میں پاس ہو چکا ہے، مگر اب چونکہ کچھی میمنوں

نے خود اس کو منسوخ کرالیا ہے تو یہ ترمیمات پیش کردہ مسٹر جناح بھی منسوخ ہو جانی چاہئیں، اور شریعت ایکٹ تمام مسلمانوں پر مندرجہ امور میں لازم ہونا چاہیے، مگر لیگ پارٹی نے موافقت نہ کی، بلکہ مسٹر جناح نے مندرجہ ذیل تقریر فرماکر ہمیشہ کے لیے اس بارہ میں سکوت اختیار کر لیا،

"میں اس ایوان کو مطلع کرنا چاہتا ہوں کہ یہ میری اطلاع ہے، اور یہ واقعہ بھی ہے کہ رضامندی کے طریقہ سے یعنی لوگوں کو رضامند کرنے کے طریقہ سے نصف سے زیادہ کچھی میمنوں نے اجازت کی درخواست دے کر شرعی قانون کے پابند ہو گئے ہیں، ہم کوئی چیز چھوڑنا نہیں چاہتے، ہم کو لوگوں کو ترغیب دینے کا طریقہ اختیار کرنا چاہیے، اس لیے ہم کو اس طریقہ کا تجربہ کرنا چاہیے جو بڑی حد تک کامیاب ہو چکا ہے لیکن اگر بالآخر ہم کو معلوم ہو کہ ترغیب دینے کا طریقہ کامیاب نہیں ہوتا، اور اس وقت ایوان کا یہ خیال ہو کہ تبنیت اور وصیت کے بارے میں بھی مسلم پرسنل لا نافذ کیا جائے تو ہم اس پر غور کریں گے۔"

(رپورٹ اسمبلی، ۱۶ ستمبر ۱۹۳۵ء)

اس کے بعد بھی مسٹر محمد احمد کاظمی نے بار بار توجہ دلائی کہ ان کی ۱۹۴۲ء والی ترمیم پاس کر دی جائے، مگر لیگ پارٹی کسی طرح آمادہ نہ ہوئی، تااینکہ ۱۹۴۵ء میں کاظمی صاحب نے ترمیم واپس لے لی،

مسلمانو! غور کرو کہ جن لیگیوں کو تم نے ووٹ دے کر اسمبلی میں اسلام کی خدمت اور ترقی کے لیے اور اپنی بہبودی و فلاح کی غرض سے بھیجا تھا وہ کس طرح شریعت اور مذہب کے ساتھ وہاں بغاوت کرتے ہیں، اور علی الاعلان یہ اسلام سوز کارروائیاں کی جاتی ہیں،

کیا ان امور کی موجودگی میں لیگی پارٹی اس امر کی مستحق ہے کہ اس کی امداد

کی جائے، اور اس کو ووٹ دیا جائے ؟

اور کیا وہ اسلام اور مسلمانوں کی نمائندہ تسلیم کی جا سکتی ہے ؟ اور اگر تم نے ان امور کو جانتے ہوئے ان کو ووٹ دیا تو کیا تم شریعت اور مذہب اسلام اور مسلمانوں کے حامی اور وفادار کہلائے جاؤ گے یا خائن اور غداروں کے معین و مددگار؟

سوچو اور سمجھو!

وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ

ہم نے جو کچھ لکھا ہے وہ اصلی واقعات ہیں، کوئی چیز بناوٹی نہیں ہے، مندرجہ حوالوں سے تحقیق کی جا سکتی ہے،

وَاللّٰهُ الْمُوَفِّقُ

---

افادات

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمتہ اللہ علیہ
(صدر جمعیت علماے ہند و صدر کل ہند مسلم پارلیمنٹری بورڈ)

جامع

ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہان پوری

ناشر

مجلسِ یادگارِ شیخ الاسلامؒ۔ پاکستان
کراچی

# سول میرج اور لیگ

# حرفے چند

حضرت شیخ الاسلام کا یہ مضمون اوّلاً اخبار زم زم - لاہور کی ۷؍نومبر، ۱۱؍اور ۱۵؍نومبر ۱۹۴۵ء تین اشاعتوں میں نکلا تھا۔ اور اسی زمانے میں ناظم جمعیت علماے ہند کی فرمایش کے مطابق دلی پرنٹنگ ورکس- دہلی میں چھپوا کر مرکزیہ جمعیت علماے ہند کے دفتر دہلی سے شایع کر دیا گیا تھا۔

جہاں تک مسلم لیگ کے صدر مسٹر محمد علی جناح کے خیالات کا تعلق ہے۔ ان کا ذکر متعدد جگہ آچکا ہے۔ ان میں کبھی کوئی فرق نہیں آیا۔ ان کا عمل بھی ان کے عقیدے کے مطابق ہی رہا۔

(۱) ۱۹۱۲ء میں بابو بھوپندر ناتھ باسو نے اسپیشل میرج بل پیش کیا تھا۔ اس پر جناح صاحب نے جو تقریر کی تھی، جس کا حوالہ اس مضمون میں حضرت شیخ الاسلام نے دیا تھا۔ وہ تقریر کراچی سے شایع ہو چکی ہے۔ (سلیکٹڈ ورکس آف قاید اعظم محمد علی جناح، مرتبہ سید شریف الدین پیرزادہ، ایسٹ اینڈ ویسٹ پبلشنگ کمیٹی۔ کراچی ۱۹۸۴ء، ص ۳۸-۳۵) اس تقریر کا ترجمہ اس رسالے میں بہ طور ضمیمہ شامل ہے۔

(۲) ۱۹۱۷ء میں جناح صاحب نے رتن بائی جناح سے خود سول میرج کی۔ ان کے خسر ڈنشا پیٹٹ نے ان پر اپنی بیٹی کے اغوا کا مقدمہ دایر کیا تھا۔ وہ اس مقدمہ میں رتی کے اس بیان پر کہ اسے مسٹر جناح نے نہیں، اس نے مسٹر جناح کو اغوا کیا تھا، بری قرار پائے، انھیں صرف تنبیہ کی گئی۔ رتی ۱۷؍برس کی نابالغ قرار پائی اور اسے اس کے والد کے ساتھ بھیج دیا گیا۔

ایم اے سلام نے اپنی تالیف ''قاید اعظم'' میں جو لکھا ہے:

''اپریل ۱۹۱۸ء میں آپ کی شادی سرڈین شا پیٹیٹ بمبئی کے متمول وممتاز پارسی کی لڑکی سے ہوئی تھی۔ بے شک اس وقت یہ شادی اسلامی اصول کے خلاف تھی، لیکن کچھ عرصہ بعد آپ کی بیوی نے اسلام قبول کر لیا اور مذہبی اصولوں پر کاربند رہیں۔''

اس اقتباس میں ۱۹۱۷ء کی سول میرج اور ۱۹۱۸ء میں اسلام قبول کرنا اور نکاح ہونا-
دو واقعے گڈمڈ ہو گئے ہیں۔ پہلے جملے میں ۱۹۱۷ء پڑھیے اور جان لیجیے کہ ''اسلامی اصول کے
خلاف'' یہ سول میرج کے قانون کے مطابق شادی ۱۹۱۷ء کا واقعہ تھا۔

اگلے سال ۱۹۱۸ء میں جب وہ بالغ ہوگئی تو اس کے اسلام لانے کا اعلان کیا گیا اور
شیعہ مذہب کے مطابق دونوں کی شادی ہوگئی جیسا کہ عام طور پر بیان کیا جاتا ہے۔

(۳) جب ان کی بیٹی جوان ہوئی تو اس نے اپنے شریک حیات کے لیے مسٹر واڈیا
ایک عیسائی نوجوان کو منتخب کیا تو مسٹر جناح نے اسے مشورہ دیا تھا کہ سیکڑوں مسلمان
نوجوانوں میں سے کسی نوجوان کو شادی کے لیے منتخب کر لے، بیٹی نے جواب دیا کہ جب
آپ نے میری ماں کو منتخب کیا تھا تو اس وقت بھی سیکڑوں مسلمان لڑکیاں موجود تھیں، آپ
نے ان میں سے کسی کو کیوں نہیں منتخب کر لیا تھا۔ قطع نظر اس سے کہ بیٹی کے اس بیان کا مفہوم
کیا ہے؟ بیٹی نے اسی عیسائی نوجوان کے ساتھ شادی کر لی اور خواہ جناح صاحب نے یہ
رشتہ پسند نہ کیا ہو، لیکن یہ محض افسانہ ہے کہ انھوں نے بیٹی کو عاق کر دیا تھا، یا اس سے قطع
تعلق کر لیا تھا۔ انھوں نے بیٹی کی شادی پر گل دستہ اور مبارک باد کا کارڈ بھیجا تھا، وہ ہمیشہ بیٹی
سے ملتے رہے تھے۔ اس کے ساتھ سیر و تفریح کے پروگرام بنائے تھے، فون اور خطوط سے
تعلق رکھا تھا اور وصیت کی تو وراثت میں اسے حصہ دیا تھا۔ یہ غلط ہے کہ وہ اپنی بیٹی سے کبھی
ناراض بھی ہوئے۔ وہ اس سے ہمیشہ خوش ہی رہے۔

غرضے کہ مسٹر محمد علی جناح کے عقیدہ و عمل میں کوئی تضاد نہ تھا۔ عقیدے کا تعلق دل
سے تھا، جب اس کے اظہار کا موقع آیا تو چھپایا نہیں اور جب عمل کا موقع ملا تو خلقِ خدا کے
خوف اور کسی کی ملامت کے خیال سے، اس سے باز نہ رہے۔ انھوں نے پہلے خود بھی سول
میرج کی، وہی ان کی واحد چہیتی بیٹی نے کیا اور اسی کا انھوں نے تمام ہندوستانیوں کے لیے
بہ شمول مسلمان کے قانون بنوانے کی کوشش کی۔ حضرت شیخ الاسلام کے اس رسالے میں
لیگ کی انھی کوششوں کا ذکر ہے۔

**ابوسلمان شاہ جہان پوری**

(۵، جولائی ۱۹۹۸ء)

# مقدمہ

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علیٰ سید المرسلین
وعلیٰ آلہٖ وصحبہٖ اجمعین ہ

اما بعد، اس زمانۂ پُر آشوب پُر فتن میں عالمِ اسلام اور مذہبِ اسلام پر جو عظیم الشان مصائب کے پہاڑ ٹوٹے ہوئے ہیں اُن کی تفصیل بیان کرنا نہ ان اوراق میں ممکن ہے اور نہ وقت مساعد ہے، مگر ایک انتہائی اور غیر معمولی مصیبت کی طرف مسلمانوں کو متوجہ کرنا ضروری سمجھ کر آگاہ کرنا چاہتا ہوں، یہ امر الیکشن کے ہی ضروریات اور وقتی امور میں سے نہیں ہے بلکہ ہمیشہ کے لیے اس پر توجہ کرنا اور تحفظ کے طریقوں پر کاربند ہونا ازبس لازم ہے،

اسلام کسی قبیلہ اور برادری کا نام نہیں ہے، نہ اسلام کسی قوم اور نسل یا رنگت اور جغرافیائی حدود کا نام ہے، وہ ایک مذہب اور آسمانی طریقہ کا نام ہے، جس میں سراسر خداوندی احکام اور حضرت خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاداتِ عالیہ کے سامنے سر جھکا دینا اور قلباً قالباً تابعدار بن جانا معتبر ہے، جو شخص ایسا نہیں ہے خواہ وہ بڑے سے بڑے خاندان کا کیوں نہ ہو مسلمان نہیں ہے، اور جو شخص ایسا ہے خواہ وہ کسی ملک کا اور گرے سے گری

نسل کا ہو وہ اسلامی شرافت اور عزت کا مالک ہے،

مسلمانوں کا رہبر اور رہنما اسلامی حیثیت سے صرف وہی شخص ہو سکتا ہے جو کہ اس خلعتِ فاخرہ کو زیبِ تن وجان کیے ہوئے ہو، ورنہ اسلام اور مسلمانوں کے لیے بے شمار خطرات کا سامنا ہو گا،

بدقسمتی سے اس زمانہ میں بہت سے ایسے لوگ اور جماعتیں جن کو مذہب اور دین سے دُور کا بھی واسطہ نہیں ہے اپنی چرب زبانی سے رہنما اور محافظ امتِ مسلمہ بن بیٹھے ہیں اور لوگ اُن کے دھوکہ میں آ کر اُنہی کو اپنا نجات دہندہ اور حقیقی رہبر سمجھنے لگے ہیں، دنیاوی امور میں تو اگر ایک ہانڈی یا مٹی کا برتن بھی خریدتے ہیں تو اس کو خوب ٹھونکتے اور بجاتے ہیں، مگر آج نمائندگی اور ترجمانی اور رہنمائی کے لیے نہ ایسے لوگوں کی عملی حالت کو دیکھا جاتا ہے نہ علمی کیفیت کو ٹٹولا جاتا ہے، نہ سیرت پر نظر ڈالی جاتی ہے، نہ صورت کا لحاظ کیا جاتا ہے، نہ اُن کی سابقہ زندگی کی تفتیش کی جاتی ہے، نہ ان کے عزائم قلبیہ کو عقل کی کسوٹی پر کسا جاتا ہے، صرف چرب زبانی اور زورِ قلم اور انگریزی تعلیم کو معیارِ رہنمائی قرار دیا جاتا ہے، الفاظ کی بھول بھلیاں میں عموماً ہندوستانی مسلمان پھنس کر رہ جاتے ہیں، لفظ "مسلم لیگ" کے سنہرے روپہلے الفاظ سے دھوکہ کھا کر اس کے فریفتہ ہو جاتے ہیں، ان کو خبر نہیں کہ اس جماعت پر قابض ہونے والے کون لوگ ہیں؟ کن کے قبضۂ اقتدار میں یہ جماعت ہے؟ ان کی سابقہ کارروائیاں کیا ہیں؟ اور ان کی موجودہ حالت کیا ہے؟ یہی چیزیں ہیں جن سے اُن کی حقیقت پہچانی جا سکتی ہے، اور یہ جانا جا سکتا ہے کہ آیا یہ لوگ رہبر ہیں یا رہزن؟ یہ تریاق ہیں یا بس کی گانٹھ؟ یہ چرواہے ہیں یا بھیڑیے؟

ہم مسلمانوں کی خیرخواہی کے لیے ارادہ کرتے ہیں کہ لیگ اور اس کے چوٹی کے سربرآوردہ لوگوں کی صحیح صحیح کیفیت مسلمانوں کے سامنے پیش کر کے ان کو متنبہ کریں کہ یہ جماعت اور اس کے ہائی کمانڈ تمہارے لیے ہرگز قابلِ اعتماد نہیں ہے، نہ وہ تمہارے مذہبی رہنما بننے کے

قابل ہیں اور نہ سیاسی، ان کی مذہبی اور سیاسی غداریاں کھلی کھلی سامنے رکھ رہے ہیں، تاکہ حق اور باطل متمیز ہو جائے، پھر اگر کوئی صحیح راہ پر نہ آئے تو وہ جانے اور اس کا کام،
اسی بنا پر ہم چھوٹے چھوٹے پمفلٹ اور رسالے پیش کرتے ہیں جن میں نہایت معتبر استدلالات سے کام لیا گیا ہے، پہلا نمبر "لیگ اور سول میرج" ہے جس میں لیگ کی مذہب اسلام اور قرآن سے دشمنی کو صاف طور پر دکھلایا گیا ہے مسلمانوں کو چاہیے کہ انصاف اور غور و فکر سے کام لیں، ہٹ دھرمی اور تعصب کو اس میں راہ نہ دیں، خود بھی گمراہی سے بچیں اور دوسروں کو بھی بچائیں،

# سول میرج

سول میرج (تمدنی شادی) جس کو قانونی شادی کہنا زیادہ موزوں ہے، کیونکہ یہ شرعی شادی نہیں بلکہ لامذہبوں اور بے دینوں کی صرف قانون کے زور سے شادی ہے، ہندوستان میں سنہ ۱۸۷۲ء سے یہ قانون نافذ ہے، اس کو اسپیشل میرج ایکٹ بھی کہتے ہیں، اس کی غرض اسی کے الفاظ میں حسب ذیل ہے:۔

"ہرگاہ کہ یہ مناسب ہے کہ ان لوگوں کے لیے شادی کا طریقہ مقرر کیا جائے جو عیسائی، یہودی، ہندو، مسلمان، پارسی، سکھ، یا جین مذہب کے پیرو نہیں ہیں، اور بعض شادیوں کو قانوناً جائز قرار دیا جائے، جن کا جواز مشتبہ ہے، اس لیے قانون ذیل بنایا جاتا ہے"

سنہ ۱۹۲۳ء میں اس ایکٹ میں ترمیم کی گئی، اور ہندو، بودھ، سکھ، جین مذہب کے ماننے والوں کو بعض حالات میں اس قانونی شادی کی اجازت دی گئی، مگر عیسائیوں، یہودیوں، مسلمانوں اور پارسیوں کو کسی حالت میں اس قانون کے ماتحت شادی کی اجازت نہیں دی گئی،

اس ایکٹ میں تحریر ہے کہ شادی سے پہلے فریقین نکاح اور تین گواہ لازماً ان شادیوں کے رجسٹرار کے سامنے ایک اعلان پر دستخط کریں گے، جو اس ایکٹ کے ضمیمہ (شیڈول) نمبر ۲ کے مطابق ہوگا، وہ اعلان مسلمانوں، عیسائیوں، پارسیوں، یہودیوں کے متعلق ۱۹۱۳ء کے بعد بھی حسبِ ذیل ہے :-

"میں فلاں شخص حسب ذیل اعلان کرتا ہوں :

(۱) میں اس وقت غیر شادی شدہ ہوں،

(۲) میں عیسائی، یہودی، ہندو، مسلم، پارسی، بودھ، سکھ یا جین مذہب کا پیرو نہیں ہوں،

(۳) میں اٹھارہ ۱۸ برس کی عمر حاصل کر چکا ہوں،

(۶) اگر میں جانتا ہوں کہ اس اعلان کا کوئی حصہ جھوٹ ہے اور اگر یہ بیان دیتے وقت میں یہ جانتا ہوں یا یقین کرتا ہوں کہ یہ جھوٹ ہے یا میں اسے سچ یقین نہ کرتا ہوں تو مجھے قید اور جرمانہ کی سزا ہو سکتی ہے"

یہی اعلان عورت کو بھی کرنا پڑتا ہے، البتہ عورت کے لیے بجائے ۱۸ کے ۱۴ سال کی عمر ہونی ضروری ہے، ہم نے دفعہ ۴ اور ۵ کو غیر ضروری ہونے کی وجہ سے حذف کر دیا ہے،

مولانا مظہر علی اظہر ناظم اعلیٰ احرار نے مسٹر جناح کی ۱۹۱۸ء میں ایک پارسی خاتون سر ڈنشا پٹیٹ بمبئی پارسی کی لڑکی سے ماتحت قانون سول میرج شادی ہوئی، اُن کی سوانح حیات صفحہ ۲۰ سے ثابت کی ہے، اسی جگہ سوانح حیات میں یہ بھی مذکور ہے کہ "بیشک یہ شادی اسلامی اصول کے خلاف تھی، لیکن کچھ عرصہ بعد آپ کی بیوی نے اسلام قبول کر لیا، اور مذہبی اصول پر کاربند رہیں"

یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ یہ شادی قانوناً بغیر تمام مذاہب سے تبری یعنی تمام مذاہب سے علیحدگی کا اعلان اور اس کے اقرار کے نہیں ہو سکتی تھی، لیگی پریس نے اس کے جواب میں بہت کچھ زور لگایا ہے، مگر باوجود ہر قسم کی کوششوں کے وہ اس میں ناکام رہا ہے کہ شادی کے وقت میں یا اس سے پہلے خاتون مذکور کا اسلام ثابت کر سکیں، اگرچہ مولانا مظہر علی صاحب موصوف اس میں بھی متأمل ہیں کہ خاتون موصوف کے اسلام کو قبول کیا جائے، وہ فرماتے ہیں کہ "مسٹر جناح کو بری کرنے کے لیے یہ افسانہ تراشا گیا ہے" لیکن اس امر کو تسلیم کر لینے میں ہم کوئی حرج نہیں سمجھتے کہ خاتونِ موصوف کا اسلام حسبِ ادعاء مصنفینِ سوانح تسلیم کر لیا جائے، مگر کسی شہادت سے اس کا پتہ آج تک نہیں نکالا جا سکا کہ خاتون موصوف نکاح اور شادی کے وقت یا اس سے پہلے مسلمان ہوئی تھیں،

مولانا مظہر علی موصوف کے اس اعتراض کا بھی کوئی جواب نہیں دیا جا سکا کہ مسٹر جناح نے نکاح کے وقت دیگر مذاہب سے تبری اور علیحدگی کا اعلان و اقرار کیا ہے جو کہ سول میرج کے لیے ضروری ہے،

اس پر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ "یہ تو مسٹر جناح کا ذاتی اور شخصی فعل ہے، سیاسی حیثیت اور مسلمانوں کی رہنمائی سے اس کا کوئی تعلق نہیں، سیاسیات اور قومی قیادت میں اس سے بحث کرنا بے موقع اور غلط ہے، ہم کو صرف ان کی رہنمائی اور پالیسی کو دیکھنا چاہیے"

اگرچہ یہ جواب قابلِ نظر اور غور ہے، تاہم بہت سے لوگ اسی کو صحیح سمجھتے ہیں اس لیے ہم ایک کھلی ہوئی اور واضح چیز پیش کرتے ہیں، جس کو کوئی ادنیٰ عقل والا بھی قابلِ واگذاشت نہیں کہہ سکتا، جو کہ سیاست ہی سے تعلق رکھتی ہے،

۲۶ر فروری ۱۹۱۲ء کو وائسرائے کی کونسل میں مسٹر بھوپندر ناتھ باسو

رسول میرج کے قانون مجریہ ۱۸۷۲ء کے متعلق ترمیم کا مسودہ پیش کرتے ہوئے) درخواست کرتے ہیں کہ اس کو منتخب کمیٹی کے سپرد کیا جائے تاکہ پاس ہوکر ملک میں نافذ ہو[1]، اس کی تائید کرتے ہوئے مسٹر جناح حسب ذیل تقریر کرتے ہیں:

"یقیناً اس کونسل میں ایک ہندو یا مسلمان نمائندہ کی حیثیت اس سبب سے بہت پُرخطر ہے کہ کثیر لوگوں کی رائے اس کے خلاف ہو، لیکن میری گزارش یہ ہے کہ ایک نمائندہ جو اپنی قوم کے متعلق کچھ فرائض رکھتا ہو کوئی وجہ نہیں کہ اپنے ذاتی عقیدہ کو بے خوفی کے ساتھ ظاہر کرنے سے احتراز کرے[2]، اس سے یہ نتیجہ لازم نہیں نکلتا کہ چونکہ اکثریت اس کے خلاف

---

[1] ترمیم کا حاصل یہ ہے کہ ہندو اور مسلمانوں کو اس قانون سے مستثنیٰ کر دیا جائے، یعنی قانوناً جائز قرار دیا جائے کہ بلا اعلان مذکورہ کے ہندو اور مسلمانوں کی شادی غیر ہندو اور غیر مسلمان سے جائز مانی جائیں۔

[2] کیا یہ خیانت اور غداری نہ ہوگی؟ اور کیا ایک نمائندہ اور ترجمان جس کو کسی جماعت نے اپنے دینی اور دنیوی مفاد کی ترجمانی کے لیے بھیجا ہو اپنی ذاتی رائے کو پیش کرتے ہوئے خلافِ جماعت یا خلافِ اکثریت فرستادگان اپنی ذاتی رائے سے قانون بنوانے کا اور وہ بھی ایسا قانون بنوانے کا جو کہ قرآن کی صریح نص کے خلاف ہو، مجاز ہو سکتا ہے؟ بالخصوص ایسی صورت میں کہ انتخاب جداگانہ ہو، اور گویا انتخاب کا مطلب ہی یہ ہو کہ مذہبی حیثیت سے مذہبی نقطۂ نظر کے بموجب نمائندگی کرے گا،

افسوس! کس قدر شرمناک دھوکہ ہے کہ ووٹ لینے کے وقت اسلام اور تحفظِ اسلام کا ڈھول پیٹا جائے، اور اسمبلیوں میں پہنچ کر احکامِ اسلام میں تحریف اور تبدیلی کی کوشش کی جائے۔ محمد میاںؒ

ہے، اس لیے وہی لوگ صحیح راستہ پر ہیں جن کی اکثریت[۱ے] ہے، اس کونسل کے کسی نمائندہ کو اگر اس بات کا یقین ہو کہ کوئی قانون ایسا ہے جو اس کے ملک اور قوم کے لیے مفید ہے تو اس کی تائید کرنی چاہیے ......

محترم رکن قانون (سر علی امام) نے کہا ہے کہ جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے قرآن (شریف) میں صاف احکام ہیں کہ ایک مسلمان، مسلمان عورت یا کتابیہ کے سوا کسی کے ساتھ شادی نہیں کر سکتا،

میں یہ تسلیم کر لوں گا کہ ان کا یہ بیان درست ہے، پھر کیا میں محترم رکن سے یہ دریافت کر سکتا ہوں کہ کیا اس ملک کی قانون سازی کی تاریخ میں یہ پہلا موقع ہے کہ اس کونسل کو قانون اسلامی اس لیے نظر انداز کرنا پڑا یا اس میں ترمیم کرنی پڑی تاکہ وہ مقتضیاتِ زمانہ کے مطابق ہو جائے، اس کونسل نے بہت سی حیثیتوں سے قانونِ اسلامی کو نظر انداز کیا، یا اس میں ترمیمات کی ہیں، مثلاً اسلامی قانونِ معاہدہ تسلیم نہیں کیا جاتا اسلامی قانونِ فوجداری جس پر انگریزی حکومت قائم ہونے کے بعد بھی عملدرآمد ہوتا رہا، اب کلیتہً منسوخ کر دیا گیا ہے، قانونِ شہادت جیسا کہ اسلامی قانون میں تھا اس ملک میں اب کہیں بھی نہیں پایا جاتا، اس سب پر بالا یہ کہ ابھی زمانۂ حال کا ایک قانون ہے یعنی سپیکس سوسائٹی ایکٹ نمبر ۲۱ سنہ ۱۸۵۰ء یا ذات کی رکاوٹ ہٹانے کا قانون[۲ے]،

---

[۱ے] اس سے ان لوگوں کو عبرت حاصل کرنا چاہیے جو کہ لیگ میں داخل ہونے کے لیے لزوم کے لیے یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ مسلمانوں کی اکثریت اس میں ہے، اور اسی لیے اس کو صحیح راستہ بتاتے ہیں،

[۲ے] یہ جملہ قوانین اس مستبد انگریزی حکومت نے بنائے ہیں جبکہ وہ مطلق العنانی کے ساتھ جو کچھ چاہتی تھی، کرتی تھی، مگر جبکہ کونسلیں قائم کی گئیں اور مسلمانوں اور ہندوؤں کے (باقی آئندہ صفحہ پر)

جس کی طرف میں اس کونسل کی توجہ اس بناء پر مبذول کروں گا کہ جیسے قرآن شریف میں کھلے ہوئے احکام موجود ہیں کہ مذہب تبدیل کرنے کی صورت میں تمام حقوقِ وراثت ساقط ہوجاتے ہیں ویسے ہی محترم رکن نے بتایا ہے کہ غیر مسلمہ سے شادی کی صورت میں بھی یہ حق ساقط ہوجاتا ہے[له]

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) نمائندے منتخب شدہ وہاں اس لیے بھیجے جانے لگے کہ اپنے منتخب کرنے والوں کی ترجمانی کرتے ہوئے ایسی باتیں قوانین میں نہ آنے دیں جو اُن کے مذہب اور زندگی کے لیے مضرت رساں ہوں اور ایسی باتیں پاس کریں جو اُن کی دینی اور دنیاوی بہبودی کا ذریعہ بنیں، اس وقت کا حال دوسرا ہوگیا، مسٹر جناح کو مسلمانانِ بمبئی نے نمائندہ بنایا تھا، ان کا فرض تھا کہ وہ بھیجنے والوں کی ترجمانی کرتے، اور ایسے قوانین کی آڑ نہ پکڑتے جو کہ انگریزوں نے اپنے استبداد سے خلافِ مذہب اور خلافِ قرآن و اسلام بنائے تھے، نیز یہ قوانینِ اسلام ہونے کی وجہ سے کسی طرح بھی قابلِ استدلال نہ تھے، بلکہ اگر کونسل میں بھی ایسے قوانین بنائے گئے ہوتے تو ان کو منسوخ کرنے یا ترمیم کرنے کا مطالبہ لازم تھا، بالخصوص جبکہ تمام یا اکثر مسلمان اس سے ناراض بھی تھے، ایسے وقت میں ایسا قانون بنانا جو کہ خلافِ قرآن اور خلافِ اسلام تھا، اور فقط مسٹر جناح کے مغربیت زدہ ضمیر کی آواز تھی کیا غداری اور خیانت نہیں تھی؟ کیا ایک غلطی دوسری غلطی کی دلیل اور نظیر ہوسکتی ہے؟

له یہ مسٹر جناح کی انتہائی غلطی ہے کہ مذہب تبدیل کرنے والے کے لیے محروم الارث ہونا قرآن شریف کا کھلا حکم بتاتے ہیں، بلاشک مرتد (مذہب تبدیل کرنے والا مسلمان) اسلامی احکام میں وراثت سے محروم ہوجاتا ہے، لیکن یہ حکم قرآن شریف کی صحیح آیت سے نہیں لیا گیا ہے، بلکہ اشاراتِ قرآنیہ اور دوسرے دلائلِ شرعیہ سے ثابت ہے،

علیٰ ہذا القیاس غیر کتابیہ سے شادی کرنے والے کو وراثت سے محروم قرار دینا بھی ان کی صاف و صریح غلطی ہے، وہ محروم الارث نہیں ہے، ہاں اس کی اولاد نکاح صحیح نہ ہونے کی بناء پر محروم الارث ہوگی،

مگر اب ایک مسلمان اپنا مذہب تبدیل کر سکتا ہے، اور پھر بھی اس کا حق وراثت زائل نہیں ہوتا، اور قرآن شریف میں جو حکم اس باب میں ہے وہ بالکل منسوخ ہو گیا ہے[1]، اور جہاں تک اس قانون کا تعلق ہے یہی دلیل ہندوؤں پر بھی چسپاں ہو گی، بشرطیکہ ایک اچھا اور مضبوط مقدمہ مرتب کیا جائے،

میں عرض کروں گا کہ یہ نظیریں ہیں جن کی ہم کو پیروی کرنا چاہیے، تاکہ مقتضیات زمانہ اور موجودہ ضروریات کا ہم ساتھ دے سکیں، جس کے لیے بہت سے نظائر خود اسلامی قانون موجود ہیں،

اس میں کوئی شبہہ نہیں کہ جہاں تک میں غور کرتا ہوں مسلمانوں اور ہندوؤں کے قوانین میں سے جن کو آپ بھی پیشِ نظر رکھیں ان کی وجہ سے بہت سی دقتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اگر ایک ہندو غیر ہندو سے یا ایک مسلمان غیر کتابیہ سے شادی کرے، لیکن کیا قانون سازی کے ذریعہ اس دِقت کو دور نہیں کیا جا سکتا؟ کیا اس معاملہ میں مجلسِ قانون ساز کی دخل دہی کے لیے مواد موجود نہیں ہے؟ جیسا کہ پہلے کہا جا چکا ہے یہ بالکل اختیاری قانون ہے جس میں ذرا بھی لزوم نہیں ہے، قانون ہرگز یہ نہیں کہتا کہ ہر مسلمان کو کسی غیر مسلمہ کے ساتھ یا ہر ہندو کو کسی غیر ہندو کے ساتھ شادی کرنی ہوگی اس لیے اگر کافی تعداد میں ایسے روشن خیال، تعلیمیافتہ اور ترقی پذیر... ہندوستانی موجود ہیں خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان یا پارسی، اور وہ ایسا طریقۂ شادی اختیار کرنا چاہتے ہیں جو زمانۂ حاضرہ کے احساسات سے

---

[1] قرآن شریف کے حکم کو منسوخ کرنے والی کوئی قوت نہیں ہے،

زیادہ مطابقت رکھتا ہو، تو کیوں اس طبقہ کو انصاف سے محروم[۵۱] رکھا جائے، جب کہ اس سے ہندوؤں یا مسلمانوں کو کسی قسم کا کوئی شدید نقصان پہونچنے کا احتمال نہیں ہے[۵۲]"

(گورنمنٹ آف انڈیا گزٹ شعبۂ قانون سازی صفحہ ۱۶۰، ۱۶۱)

(سوانح عمری مسٹر جناح، ص ۲۶۷) کے مندرجہ ذیل اقتباس کو ملاحظہ فرمائیے، جس کو مولانا ظفر الملک صاحب لکھنوی نے تحریر فرمایا ہے:۔

"سنہ ۱۹۰۹ء میں مسلمانانِ بمبئی کی جانب سے منتخب ہو کر مسٹر جناح وائسرائے کی کونسل کے ممبر ہوئے، جہاں سنہ ۱۹۱۲ء میں مسلمانوں کی رائے عامہ کے خلاف انھوں نے قانون شادی کے مسودہ قانون کی پُرزور تائید کی، اور علیگڈھ پارٹی کے خلاف مسٹر گوکھلے کی ابتدائی تعلیم کے مسودہ قانون کی بھی تائید کی، جس سے مسلمانانِ بمبئی ناراض ہو گئے، اور سنہ ۱۹۱۲ء کے انتخابات

---

۵۱ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر جناح کے نزدیک قرآنی احکام میں بے انصافی بھی ہے،

۵۲ یہ مسٹر جناح کی نفسیات سے ناواقفیت ہے، نفسیاتی نقطۂ نظر سے ایسے نکاح سے خاوند اور اس کی اولاد کو مذہبی حیثیت سے بہت سخت نقصان کا اندیشہ ہے، کیونکہ خوف شدید ہے کہ علاقۂ زوجیت کی استواری کہیں خاوند اور اس کے بچوں کو اسلام سے پھیر دے، اور تبدیلِ مذہب کی باعث بنجائے یا کم از کم ان کے اندر اسلامی عقائد اور اعمال میں تبدیلی یا کمزوری پیدا ہو جائے، بالخصوص جبکہ مسلمان عورتوں کا نکاح کسی غیر مسلم مرد سے ہو، اس وقت میں اس کے ارتداد کا خطرہ بہت زیادہ ہے، اور یہ خطرہ تمام دنیاوی خطرات سے بڑھا ہوا ہے، مسلمانوں کے نزدیک ایسا نقصان تمام دنیاوی نقصانوں سے بڑھا ہوا ہے اور یہ کوئی خیالی امر نہیں ہے، تاریخ میں ایسے بہت سے واقعات موجود ہیں، اسی لیے حضرت عمرؓ نے کتابیہ سے بھی نکاح کو منع فرمایا تھا،

میں ان کو کامیابی نہ ہوئی، مسٹر جناح نے تعلیمی مسودۂ مذکورہ پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا:

"جب میں شادی کے مسودۂ قانون پر اس سے پیشتر تقریر کر رہا تھا تو میں نے اعلانیہ آزادی کے ساتھ اسے تسلیم کیا تھا کہ قوم کی اکثریت اس مسودۂ قانون کے خلاف ہے، مگر میرے دلی معتقدات اس مسودہ کی... موافقت میں تھے، اور میں نے اپنا فرض تصور کیا کہ اس تجویز کی تائید کروں" (سوانح عمری مسٹر جناح، ص ۲۶۷)

حضرات یہ دونوں بیان کسی اخبار سے نہیں لیے گئے ہیں، بلکہ گورنمنٹی کاغذاتِ اسمبلی اور سوانح عمری سے لیے گئے ہیں، جس میں کسی فرو گذاشت اور تغیر و تبدیل کی گنجائش نہیں ہے، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مسٹر جناح قرآن شریف اور صریح احکامِ اسلامیہ کے متعلق کیا عقیدہ رکھتے ہیں، اور اسمبلیوں اور کونسلوں میں وہ کیسے قوانین پاس کرانا چاہتے ہیں، وہ نہ قرآن کو مسلمانوں کے لیے قانونِ ابدی سمجھتے ہیں اور نہ اس کو ہمیشہ کی مصالح اور مقتضیات کے موافق قرار دیتے ہیں، لیگ اور اس کے قائدین و ممبر مجالس قانون ساز میں مسلمانوں کی ترجمانی اور ان کے مذہب کی کیا اور کیسے تائید کریں گے؟ اس پر غور کرنا چاہیے اور روشنی حاصل کرنی چاہیے، کیا مسٹر عنایت اللہ مشرقی کے اُس قول کی اس سے پوری تائید نہیں ہوتی جو کہ انھوں نے لاہور کے بھرے مجمع میں بروز عید اسی ۴۵ء میں بیان کیا تھا کہ "مسٹر جناح نے مجھ سے کہا تھا کہ "قرآن تیرہ سو برس کی فرسودہ کتاب ہے، اب وہ قابلِ عمل نہیں ہے"

لیگی پریس نے اس کی تکذیب میں بہت کچھ شور و شغب کیا، مگر کیا کوئی شخص اس واضح تقریر کی جو کہ مستند اور یقینی ہے تکذیب کرنے کی ہمت رکھتا ہے؟

ہم مسلمانوں سے پوچھتے ہیں کہ ایسی کیفیت ظاہر ہو جانے کے بعد بھی وہ اپنے لیے جائز اور صحیح سمجھتے ہیں کہ وہ ایسے شخص کو اپنا قائدِ اعظم اور سردار بنائیں یا اس کی تائید کریں یا اس کو ووٹ دیں؟ مسلمانوں کو غور کرنا چاہیئے کہ وہ کہاں جا رہے ہیں؟ اور کیا وہ اپنی اور اسلام کی اسی حالت میں اور ایسی جماعت میں آبیاری کر رہے ہیں یا اسلام کی کشتی کو ڈبونے کی تیاری کرتے ہوئے اس کا سامان بہم پہنچا رہے ہیں؟

ہم اس کا فیصلہ مسلمانوں کی دیانت اور غیرت پر چھوڑتے ہیں، ہر شخص اپنے دین و مذہب کا ذمہ دار ہے، اور ہم جمعیۃ علماءِ اسلام کو بھی متنبہ کرتے ہیں کہ وہ جاگیں، اور تائید مسلم لیگ میں جو قدم اٹھا رہے ہیں اس پر غائرانہ نظر ڈالیں، اور اپنے اور مسلم قوم و مذہب کے لیے نجات کی صورتیں نکالیں، والی اللہ المشتکی،

## جمعیۃ العلماء کی شاندار خدمات

سول میرج ایکٹ کی ترمیم کے متعلق اس وقت مسٹر جناح اور بھوپندرا ناتھ باسو کو کوئی کامیابی نہیں ہوئی، اس لیے کہ کونسل کے بقیہ ممبران موافق نہیں ہوئے، اور ترمیم گر گئی[۱]، اس کے بعد کئی مرتبہ اس میں ترمیمیں پیش کی گئیں، مگر سوائے ۱۹۲۳ء کے کسی وقت میں بھی کوئی کامیابی نہیں ہوئی، ۱۹۲۳ء میں ہندوؤں کی مختلف پارٹیوں جین بودھ، سکھ وغیرہ کا استثناء کر دیا گیا،

اس کے بعد ۹ر فروری ۱۹۲۸ء کو مسٹر ہری سنگھ گور نے اسپیشل میرج بل ایوان میں پیش کیا جس کی مختصر روئداد بحوالہ انڈین کوارٹرلی (سہ ماہی) رجسٹر ۱۹۲۸ء صفحہ ۲۵۰، جلد اول، ۲۲ر مارچ ۱۹۲۸ء اسپیشل میرج ایکٹ (ترمیمی بل) حسب ذیل ہے:

---

[۱] یعنی قانون بدستور سابق ان لوگوں کے لیے رہا جو عیسائی، یہودی، ہندو، مسلمان، پارسی، بسکھ، یا جین مذہب کے پیرو نہ ہوں،

اس بل کے سلسلہ میں سر یامین صاحب کی تقریر بھی اس قابل ہے کہ اس کو باور کیا جائے، بالخصوص آپ کا یہ نکتہ قابلِ یادداشت ہے کہ آپنے اس بل کے متعلق فرمایا کہ یہ بل غیر اسلامی نہیں ہے،

## مختصر روئداد:

سر ہری سنگھ گور نے تجویز پیش کی کہ ان کے اسپیشل میرج ایکٹ (ترمیمی) بل کو سلیکٹ کمیٹی کے سپرد کر دیا جائے،

سر ہری سنگھ نے اپنے اس اقدام کی تاریخ بیان کی اور کہا کہ سر ہنری مین نے ۱۸۶۸ء میں یہ تجویز پیش کی تھی کہ کونسل ایک ایسا غیر مذہبی قانون شادی کے لیے بنادے جس سے تمام ہندوستانی رعایا مستفید ہو، اس وقت سے ملک کے لیے سول میرج کے قانون کی متعدد بار کوشش کی جا چکی ہے، اس کے ابتدائی اقدامات نے جو ۱۹۲۳ء میں نافذ ہوئے، ہندو، جین، سکھ اور بودھ مذہب والوں کے لیے آپس میں شادی کو جائز کر دیا،[۵۱]

ہنری مین کے بل نے ایوان کے سامنے یہ پیش کیا تھا کہ تمام شادیوں کو بغیر ذات پات، رنگ و نسل کا لحاظ کیے ہوئے جائز قرار دیا جائے، آج ہندوستان کو سخت دشواری پیش آرہی ہے، کیونکہ فریقین برٹش سول میرج کے ماتحت صرف ہندستان کے باہر شادی کر سکتے ہیں، اگر یہ بل پاس ہو گیا تو ہندوستان سے فرقہ وارانہ جذبہ ختم ہو جائے گا، اور ہندوستان متحد ہو کر ایک قوم ہو جائے گا،

مسٹر انوار العظیم نے کہا کہ اس بل کے ذریعہ ہمارے اعتقادات کو کچلا جا رہا ہے، اس لیے مسلمانوں کو اس سے مستثنیٰ کر دیا جائے۔

---

[۵۱] یعنی ان کے لیے حق ہو گیا کہ اپنے مذہب کی پیروی سے انکار اور برأت کیے بغیر سول میرج ایکٹ کے مطابق نکاح کر سکتے ہیں،

# مسٹر یامین کی تقریر

مسٹر یامین نے کہا :-

"یہ بل غیر اسلامی نہیں[1] ہے، ذات پات کی بندش کو جڑ سے اکھاڑ دینا اور دو محبت کرنے والوں کے لیے اتحاد کا بلا لحاظ ذات پات کوئی راستہ مہیا کرنا ایک اخلاقی عظیم کارنامہ[2] ہے، اور آزادیِ ہند کا حل، اکبر نے جو ایک بہت بڑا قومی شخص تھا اس کی مثال پیش کر دی، مگر افسوس! ہندوستان نے جو ذات پات سے مغلوب تھا اس کی تقلید نہیں کی"

یہ کہتے ہوئے مسٹر یامین نے بل کے مشتہر کرنے کی حمایت کی (کوارٹرلی رجسٹر ۱۹۲۸ء) اس کے بعد ۱۹۳۲ء میں پھر یہ بل پیش کیا گیا، اور خواہش کی گئی کہ جس طرح ۱۹۲۳ء میں سول میرج کے قانون ... میں ترمیم کر کے ہندوؤں کے مختلف فرقوں بدھ، جینی، سکھ وغیرہ کا استثناء کر دیا گیا ہے، مسلمانوں، عیسائیوں وغیرہ کا بھی استثناء کر دیا جائے[3]، یا یہ قانون منسوخ ہی کر دیا جائے، مگر جمعیۃ علماء ہند نے ایسی کوشش کی کہ جس سے یہ ترمیم پاس نہ ہو سکی، اس کو رسالہ (جمعیۃ العلماء کیا ہے؟) کے صفحہ ۱۲ (ایڈیشن سوم) پر مندرجہ ذیل الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے:

---

[1] مسٹر یامین کا یہ فتویٰ اُس طرزِ عمل کا ایک نمونہ ہے جو حفاظتِ کلچر اور واحد نمائندگی کے دعویدار اسمبلی میں اختیار کرتے ہیں، کیوں نہ ہو جب ملت کے واحد نمائندہ ہیں، تو کسی کی کیا مجال کہ دم مارے،

[2] معاذ اللہ! اسلامی حکم غیر اخلاقی ہے، کیا یہی ہیں اسلامی کلچر کے محافظ؟ افسوس صد افسوس

[3] یعنی ان کے لیے قانوناً جائز قرار دیا جائے، کہ وہ اپنے مذہب سے برأت کیے بغیر آپس میں نکاح کر سکیں،

"۱۹۳۲ء میں مرکزی اسمبلی میں مسلم اور غیر مسلم شادی بیاہ کے قانون کا مسودہ پیش ہوا، اس باطل مسودہ کی مخالفت پر مسلمانوں کی کسی انجمن نے توجہ نہیں کی، عین وقت پر جمعیۃ علماء ہند کے ارکان کو جب اطلاع ہوئی تو فوراً اس مسودۂ قانون پر اسلامی نقطۂ نظر سے تبصرہ کیا گیا، اور اس تبصرہ کو اخبار "الجمعیۃ" میں چھاپ کر تمام سرکاری اور غیر سرکاری ممبروں کے پاس خصوصیت سے بھیجا گیا، اور بعض مسلم ممبروں کو آمادہ کیا گیا کہ وہ اس مسودہ کی مخالفت کریں، مسودہ کی خواندگی کے دن مرکزی اسمبلی میں جمعیۃ العلماء کی طرف سے خصوصیت کے ساتھ نگرانی رکھی گئی، چنانچہ الحمد للہ کہ مسودہ بھی واپس لے لیا گیا، اور مسلمانانِ ہند ایک بے پناہ فتنہ سے محفوظ رہے"

آج تعزیراتِ ہند میں یہ قانون بجنسہٖ موجود ہے، اور مسلمانوں، ہندوؤں عیسائیوں، یہودیوں کے لیے اپنے مذہب کے نہ ماننے اور پابند نہ ہونے کا اقرار کیے بغیر قانوناً ایسی شادی جرم قرار دی جاتی ہے، قریبی زمانہ میں مسٹر جناح کی صاحبزادی کی شادی بھی اسی قانون کے ماتحت ایک عیسائی سے ہوئی جس کا واقعہ طشت از بام ہو چکا ہے،

سیاسی حیثیت سے بھی اس قانون کی بہت زیادہ اہمیت ہے، اگر ایسا نہ ہوتا تو یقیناً بہت سی ریاستیں اور تعلقے آج انگریزوں کے ہاتھ میں ہوتے، عیش پرست نواب اور تعلقہ دار یوربین لیڈیوں پر مائل ہو کر نکاح کرتے اور ان کی اولاد انگریز بنتی، اور علاقہ مسلمانوں اور ہندوؤں سے نکل کر انگریزی اقتدار میں ورانتاً علانیہ آجاتے، جیسا کہ تواریخ اس کے بہت سے شواہد پیش کر رہی ہیں، جس طرح مذہب اور قرآن کی دشمنی لیگ کے ہائی کمانڈ کے ان واقعات سے زمانہ سابق میں ظاہر ہوتی ہی، آج بھی وہی حالت ہے، جس کو ہم اگلے پمفلٹ (لیگ اور شریعت بل) میں ظاہر کریں گے،

# قرآن کے احکام

قرآن شریف میں اس کے متعلق غیر مبہم الفاظ میں ممنوع ہونے کے احکام موجود ہیں، سورۂ بقرہ میں فرمایا گیا ہے:

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۚ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ۚ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ۗ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ؁

(ترجمہ) "اور مشرک عورتوں سے جب تک وہ ایمان نہ لائیں تم نکاح نہ کرو، ایماندار باندی آزاد مشرکہ عورت سے بہتر ہے، اگرچہ تم کو پسند ہو، اور کسی مسلمان عورت کا نکاح تم کسی مشرک مرد سے مت کرو جب تک وہ ایمان نہ لائے، غلام مومن آزاد مشرک سے بہتر ہے، اگرچہ تم کو پسند ہو، یہ سب (مشرک اور مشرکہ) دوزخ کی طرف بلاتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ جنت کی طرف بلاتا ہے، اور لوگوں کے لیے آئین بیان کرتا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں"

سورۂ ممتحنہ میں ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ۖ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۖ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ۖ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ۖ (الآیہ)

(ترجمہ) "اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مومن عورتیں ہجرت کرتی ہوئی آئیں تو ان کا امتحان لو، اللہ تعالیٰ ان کے ایمان سے بخوبی واقف ہے، اگر تم

ان کو بعد امتحان جانو کہ وہ ایمان والی ہیں تو کافروں کی طرف ان کو نہ لوٹاؤ، نہ وہ کافر مردوں کے لیے حلال ہیں اور نہ کافر مرد اُن کے لیے حلال"

اسی سورۃ میں ہے: وَلَا تُمْسِكُوا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ (کافر عورتوں کی عصمت کو اپنے قبضہ میں مت لاؤ)

خلاصہ یہ ہے کہ قرآن شریف میں نہایت صریح اور کھلے طریقہ پر غیر مسلم عورتوں سے علاوہ کتابیہ کے ہمیشہ کے لیے نکاح کو منع کیا گیا ہے، اور اسی طرح غیر مسلم مردوں سے مسلمان عورتوں کے نکاح کو مطلقاً منع کیا گیا ہے،

مسلمانوں کے پختہ اور اٹل عقیدہ میں قرآن شریف اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اللہ تعالیٰ تمام چیزوں کا ازل سے ابد تک جاننے والا ہے، اس کے احکام قرآنیہ ہمیشہ کے لیے ہیں، اس کی تعلیمات منسوخ نہیں ہو سکتیں، کسی دوسرے کو مجال نہیں کہ اس کو منسوخ کر سکے، نہ کسی زمانہ میں اس کے خلاف کوئی حکم عدل و انصاف ہو سکتا ہے، جو کچھ قرآن میں ہے وہی انصاف ہے، وہی ہر زمانہ میں مصالحِ انسانیہ کے موافق ہوگا،

جاہل اور بے دین لوگ اپنی ناواقفیت اور غلط فہمی اور نفس پرستی کی بنا پر غلط کاریوں میں مبتلا ہو کر خداوندی احکام کو ٹھکرا دیتے ہیں، ایسے لوگوں سے بچنا ضروری ہے، نہ یہ کہ اُن کی امداد اور اعانت کی جائے، اور تقویت پہنچا کر ملّتِ اسلامیہ اور مذہب کو نقصان پہنچایا جائے، فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ

مرادِ ما نصیحت بود و گفتیم
حوالت با خدا کردیم و رفتیم

ننگِ اسلاف
حسین احمد غفرلہٗ

# اسپیشل میرج بل

آنریبل ایم، اے جناح کی ایک تقریر جو انھوں نے مرکزی دستور ساز کونسل (امپیریل لیجسلیٹو کونسل) میں ۲۶ر فروری ۱۹۱۲ء کو بابو بھوپندر ناتھ باسو کے پیش کردہ اسپیشل میرج بل پر کی تھی :-

---

جناب عالی: یہ بل جن اہم امور کا حامل ہے وہ انتہائی مشکل ہیں، اور مجھے یقین ہے کہ اس کے بارے میں ملک میں دو متضاد آراء ہوں گی، اس کے بارے میں حکومت کا جو موقف میرے خیال میں ہے یہی ہے کہ کوئی اقدام جو انسانی بنیادوں پر ضروری ہو، یا جس اقدام کے بارے میں واضح اکثریت پورے ملک میں موجود ہو اسے حکومت قبول کرے، جہاں تک میری رسائی ہے میں دیکھتا ہوں کہ یہ معیار ہر ایک کو منصفانہ اور جائز محسوس ہوگا، آنرایبل ہوم ممبر کا کہنا ہے کہ اس بل کی حمایت میں واضح اکثریت نہیں ہے، میں اس سے اختلاف نہیں کرتا، یہ بات قطعی ہے کہ اس اقدام کی حمایت میں واضح اکثریت موجود نہیں، آنرایبل ہوم ممبر نے دوسرا اصول یعنی انسانیت کے لیے سودمند ہونا بتلایا ہے، اس کے بارے میں انھوں نے واضح کیس نہیں بنایا ہے،

میں کونسل پر واضح کرتا ہوں کہ میں نے تمام آنرایبل کی اراکین کی تقریریں بشمول آنرایبل لا ممبر اور آنریبل ہوم ممبر کی تقاریر کہ جنھوں نے اس اصول کی مخالفت کی ہے غور سے سُنی ہیں، کسی رکن نے اس تجویز کو اصول قانون و معدلت (EQUITY)

کے خلاف نہیں سمجھا ہے، اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا کہ اصولِ قانون، اگر اس لفظ کو حقیقی معنوں میں لیا جائے تو اس کی حمایت کرتا ہے، لیکن کیا اس حقیقت سے انکار کیا جا سکتا ہے کہ تعلیم یافتہ اور روشن خیال افراد کا ایک طبقہ موجود ہے جو درست طور پر سمجھتا ہے کہ ان کو ضمیر کی آزادی سے محروم کر کے ان کے ساتھ سخت ترین ناانصافی کی گئی ہے، کیا اس حقیقت سے انکار ممکن ہے؟ میں کہتا ہوں کہ اس سے انکار ممکن نہیں،

جب اصولِ قانون و معدلت اس کے حامی ہیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ حکومت کو یہ اقدام (MEASURE) قبول نہیں کرنا چاہیے، بلاشبہ اس معاملے میں ہر رکن کونسل کی پوزیشن، خواہ وہ ہندو ہو، خواہ مسلمان پریشان کن ہے، کیونکہ قدامت پرستانہ رائے اس کے خلاف ہے، لیکن یہ کوئی اہم سبب نہیں ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے خیالات کو کھل کر پیش کرنے سے قاصر رہے، اگر اکثریت اس کے خلاف ہے تو ضروری نہیں کہ وہ صحیح بھی ہو، اگر کونسل کا ہر رکن ذہنی طور پر باور کرتا ہے کہ کوئی اقدام ( ) ملک اور قوم کے لیے مفید ہے تو اسے چاہیے کہ وہ اس کی حمایت کرے،

اب ہمیں اس بل کے مثبت پہلوؤں (MERITS) پر غور کرنا چاہیے:

(۱) میں پہلے آنرایبل لا ممبر (سر علی امام) کے پیش کردہ نکات پر بات کروں گا، آنرایبل لا ممبر نے کہا ہے کہ "جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے اس بارے میں قرآن میں صریح حکم موجود ہے کہ کوئی مسلمان کتابیہ کے سوا کسی (غیر مسلمہ) سے شادی نہیں کر سکتا" یقیناً یہ بات صحیح ہے، کیا میں آنرایبل لا ممبر سے پوچھ سکتا ہوں کہ کیا ملک کی قانون سازی کی تاریخ میں یہ کوئی پہلا موقع ہے کہ کونسل کا اجلاس مسلم لا کو منسوخ کرنے نظر انداز کرنے (OVER RIDE) یا بمقتضائے وقت اس میں ترمیم کرنے کے

لیے بلایا گیا ہے ! کونسل نے متعدد موقعوں پر مسلم لا کو منسوخ (OVERRIDE) کیا ہے، مثال کے طور پر مسلم لا یا شرعی قانون کے مطابق اب "معاہدہ" تسلیم نہیں کیا جاتا مسلم پرسنل لا (اسلامی قانونِ فوجداری) جو برٹش اقتدار کے بعد بھی رائج رہا تھا، اب مکمل طور پر منسوخ کر دیا گیا ہے، مسلمانوں کے قانونِ شہادت کا اس ملک میں اب کوئی وجود نہیں، ان سب سے بڑھکر حالیہ قانون جسے (EXLOCI ACT XXI C. 1850) یا دوسرے لفظوں میں (CAST DISABILTIES REMOVAL ACT) کہا جاتا ہے (تنسیخ قانونِ شرعی کی) واضح مثال ہے،

میں کونسل کو توجہ دلاؤں گا کہ یہ وہی قانون ہے کہ جس کے خلاف قرآن میں صاف حکم موجود ہے کہ کسی مسلمان کے مرتد ہو جانے پر اس کا حق وراثت ضبط ہو جاتا ہے، اس کا حوالہ آنرایبل لا ممبر نے شادی کے قانون کے ضمن میں دیا، لیکن اس کو بھی ایک قانون کے ذریعہ منسوخ کیا جا چکا ہے، اب اگر ایک مسلمان اپنا مذہب (اسلام) تبدیل کر دے اور مرتد ہو جائے تب بھی وہ وراثت میں اپنے حق سے محروم نہیں ہوتا،

قانون کے ذریعہ مسلمانوں کی شریعت کو بُری طرح مسترد کیا گیا ہے، ایسی ہی صورت ہندوؤں کے بارے میں ہے، کیا یہ سب سابقہ نظائر نہیں ہیں؟ جو ہمارے سامنے ہیں، میں کہتا ہوں کہ زمانہ کی ضرورتوں اور تقاضوں کا ساتھ دینے کے لیے ان نظائر کی پیروی ہونی چاہیے، اس کی گنجائش محمڈن لا اور قانون سازی میں ہے،

آنرایبل لا ممبر نے یہ بھی کہا کہ یہ عیسائیوں کے شادی کے قانون سے متصادم ہے، اس لیے اس سے بڑی پیچیدگیاں پیدا ہوں گی، آنرایبل محرک نے بل پیش کرتے ہوئے عیسائیوں کی شادی کے بارے میں قانون کو فراموش کر دیا ہے، میں نے

حال ہی میں اس قانون کا مطالعہ نہیں کیا ہے، لیکن میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ اس سے ناقابلِ عبور دشواریوں کا سامنا نہیں ہوگا، اس معاملہ پر سلیکٹ کمیٹی غور کر سکتی ہے، جہاں تک مجھے یاد ہے میں کہہ سکتا ہوں کہ ۱۸۷۲ء کا ایکٹ III جب کونسل میں لایا گیا تھا تو عیسائیوں کو اس سے الگ رکھا گیا تھا، وہ ایکٹ ایک خاص طبقہ برہمنوں کے لیے مخصوص تھا، عیسائی طبقہ کے مسائل سے نمٹنے کے لیے اسی سال کرسچین میرج ایکٹ ۱۸۷۲/۷×۷ء بنایا گیا، اب فرض کریں کہ اس بل سے اختلاف اور تضاد پیدا ہوتا ہے اور اس سے مشکلات میں اضافہ ہوتا ہے حالانکہ یہ صرف تفاصیل کا معاملہ ہے اصول کا نہیں، تو یہ سلیکٹ کمیٹی اس مسئلہ کو بآسانی حل کر سکتی ہے کہ ایکٹ ۷×۷/ ۱۸۷۲ء اور کونسل کے سامنے پیش کردہ بل کے درمیان اختلاف کو کس طرح دور کیا جائے، اس لیے میرے خیال میں یہ بڑی رکاوٹ نہیں ہے بلکہ معمولی اور چھوٹی سی دشواری ہے،

میں ہندوؤں کے مذہبی قوانین اور مسلمانوں کے مذہبی قوانین کے بارے میں مشکل ہی سے کچھ کہہ سکتا ہوں، کیونکہ میں نہ تو سنسکرت جانتا ہوں نہ عربی، لیکن آپ ہندو قانون کو لیں یا مسلم قانون (اسلامی شریعت) کو، دونوں صورتوں میں ہندو کے غیر ہندو (مسلمان عورت) سے اور مسلمان کے غیر کتابیہ (ہندو عورت) سے شادی کی راہ میں بڑی رکاوٹیں موجود پائیں گے، لیکن یہ قانون سازی کا اختیاری عمل ہے، لازمی نہیں، قانون یہ نہیں کہتا کہ ہر مسلمان کو غیر مسلم (ہندو عورت) سے اور ہر ہندو کو غیر ہندو (مسلمان عورت) سے ہی شادی کرنا چاہیے، یہاں ملک میں ایک بڑی اکثریت روشن خیال، تعلیم یافتہ اور ترقی یافتہ ہندوستانیوں کی ہے، جن میں ہندو، مسلمان اور پارسی شامل ہیں، اگر وہ شادی کے موجودہ سسٹم کو جدید تہذیب اور موجودہ خیالات کے مطابق ڈھالنا چاہیں جو ہندو لا یا مسلم لا کے لیے شدید دھچکے کا

باعث نہ ہو تو ان کو انصاف سے کیوں محروم رکھا جائے ؛ آنرایبل لا ممبر اور دیگر اراکین نے کہا ہے کہ اس سے ہندو اور مسلم سوسائٹی کو دھچکا لگے گا، اس سے سوسائٹی میں ایک انقلاب درآئے گا، لیکن آخر کیوں ؟ کیا جانشینی اور وراثت کے معاملات کی وجہ سے؟ کیا طلاق کے قانون کی وجہ سے ؟ جانشینی اور وراثت کے معاملہ کو لیں، کونسل میں موجود وکلاء صاحبان جانتے ہیں (غالباً میرا یہ قیاس درست ہے) کہ باپ مسلمان ہو اور ماں ہندو یا اس کے برخلاف ہو تو باپ کے انتقال کے بعد اگر اس نے جائیداد چھوڑی ہے تو مسلمان باپ ہونے کی صورت میں مسلم لا کے مطابق تقسیم ہوگی، اس نکتہ پر کوئی جھگڑا ممکن نہیں، بالکل اسی طرح اگر باپ ہندو ہو جس نے غیر ہندو سے شادی کی ہو تب بھی ہندو پرسنل لا کے نفاذ کو رد نہیں کیا جا سکتا، اور اس کے ورثہ سے اسی قانون کے مطابق حصہ ملے گا، شادی کے معاملہ میں باور کیا جاتا ہے کہ اولاد باپ کے مذہب کی حامل ہوگی، بشرطیکہ ایک خاص عمر کو پہنچنے کے بعد وہ اس کے برخلاف اعلان کرے، دشواری ایسی صورت میں پیدا ہوگی کہ اولاد باپ کے عقیدے اور قانون کے برخلاف ہونے کا اعلان کردے، اس صورت میں یہ تصفیہ کرنا مشکل ہوگا کہ کس قانون کے ذریعہ جائیداد تقسیم ہو، میرے خیال میں اس کا حل پہلے ہی ہندوستانی قانونِ وراثت کے ذریعہ سامنے آچکا ہے،

میرے خیال میں مسٹر ستیا راؤ نے کہا تھا کہ ۱۸۷۲ء کا ایکٹ III جب منظور ہوا اس وقت بھی ناقص سمجھا گیا تھا، کیونکہ اس میں جانشینی اور وراثت کے امور کے بارے میں کوئی وضاحت نہیں تھی، میرے خیال میں انھیں دانشمندانہ طور پر چھوڑ دیا گیا تھا، غالباً اس وقت وہ ان مسائل پر غور کرنا ہی نہیں چاہتے تھے، جہاں تک ان مسائل کے بارے میں میں سمجھا ہوں اُن پر ہندوستانی قانونِ وراثت (INDIA SUCCESSION ACT) کا اطلاق ہوتا ہے، یہ تمام ہندوستانیوں کے

وراثت کے امور کا احاطہ کرتا ہے، سوائے ان کے جن کو مستثنیٰ کر دیا گیا ہے، اس ایکٹ سے ہندو، مسلمان اور بدھ مستثنیٰ رکھے گئے ہیں،

بہر حال جو لوگ خاص عمر کو پہنچنے کے بعد کسی ایسے عقیدے کا اعلان کریں جو ہندو ہو، نہ مسلم، نہ بدھ، ان کی جائیداد کا تصفیہ ہندوستانی قانونِ وراثت کے تحت ہو سکتا ہے، اس لیے میں کونسل کو باور کراتا ہوں کہ وراثت کے معاملہ میں کوئی دشواری نہ ہوگی، جو بات قانونِ وراثت میں الجھن کا باعث ہے وہ اور کچھ نہیں بلکہ قوانین میں تضادات کی صورت ہے، جو اُن تمام متمدّن ملکوں میں پائی جاتی ہے جہاں قانون سازی کے کئی سسٹم ایک ساتھ رائج ہیں، جہاں ایک سسٹم میں زندگی گذارنے والا دوسرے سسٹم کے معاملات سے دوچار ہوتا ہے، یہ حال ہندوستان میں متعدد مسائل میں درپیش ہے،

جہاں تک طلاق کا تعلق ہے مسٹر باسو نے پہلے ہی ان کے بارے میں اظہارِ خیال کر دیا ہے، میں اُسے دُہرانا نہیں چاہتا، طلاق کے معاملہ میں جوڈیشنل اتھارٹی ملک میں موجود ہیں، ہندو لا میں رواج کے مطابق طلاق ہوتی ہے، اس سلسلہ میں عدالتوں کے متعدد فیصلے موجود ہیں، اس لیے طلاق کا سوال ہندو لا کے لیے نیا نہیں ہے، اہم سوال یہ ہے کہ آپ کسی شخص کے یک زوجگی کی خواہش کی کیوں نفی کرنا چاہتے ہیں؟ آپ اس شخص کی خواہش کی کیوں نفی کرنا چاہتے ہیں جو انتہائی متمدّن اصولوں کی پابندی کرتے ہوئے ازدواجی زندگی گذارنا چاہتا ہے،

میں کہتا ہوں صورتِ حال بلاشبہ مشکل ہے، لیکن حکومت ہمیشہ اصولوں پر کاربند رہی ہے، اور اصول یہ رہا ہے کہ اگر اصول قانون و معدلت کسی طبقہ کے حق میں ہیں تو اس کی مدد کرنی چاہیے، اور موجودہ صورتِ حال میں اگر حکومت

سمجھتی ہے کہ اصولِ قانون اور معدلت کے تحت کسی طبقہ کی مدد کی جاسکتی ہے تو اسے مدد کرنا چاہیے، جب کہ اس سے کسی دوسرے کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہو، نہ کہ کسی خاص سسٹم کی پیروی کرنے والوں پر اس سے زد پڑے، کہا جاتا ہے کہ اس کی وجہ سے عمومی مخالفت (                    ) ہوگی، حکومت نے بارہا ایسی وقتی نوعیت کے اقدامات کیے ہیں جن کے بارے میں کسی سے مشورت بھی نہیں کی گئی، موجودہ معاملہ میں کم از کم ایک مضبوط اقلیت ——— دانشور اقلیت ——— تو تائید میں ہے، اس لیے موجودہ صورتِ حال میں کونسل سے یہ درخواست کرنا کچھ زیادہ نہیں کہ وہ بل کو سلیکٹ کمیٹی کے حوالے کردے تاکہ وہ اس پر رپورٹ دے۔

## پاکستان اسکیم کی تاریخ، پس منظر اور اس کے مالہ و ما علیہ

پر

## تحقیق و تنقید کی ایک نظر

(حصہ اول)

رشحاتِ فکر و تحقیق

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

مجلسِ یادگارِ شیخ الاسلامؒ۔ پاکستان

کراچی

# پیش لفظ

پاکستان کیا ہے؟ یہ آج کا موضوع نہیں، ماضی کی ایک داستان ہے، اس میں تحریکِ پاکستان کے پس منظر اور تحریک کے رہنماؤں کے بیانات کی روشنی میں اس کے مقاصد اور طرزِ حکومت میں نظر ڈالی گئی ہے، نیز ہندوستان کے سیاسی مسئلے کے حل کے طور پر وقت کے سیاسی حالات، استعمار کے عزائم، پاکستان کے وجود میں آنے والے ہندوستانی علاقوں کی مخصوص آبادی، مسلم اور غیر مسلم آبادی کے تناسب، مختلف اقوام کے سماجی، معاشی، اقتصادی حالات کے فرق کی روشنی میں مستقبل کے بارے میں پیشینگوئی کی گئی ہے، اور پاکستان کے قیام کے بعد ہندوستان میں رہ جانے والے مسلمانوں کی سیاسی و سماجی حیثیت کے بارے میں اظہارِ خیال کیا گیا ہے،

یہ جو کچھ ہے پاکستان کے وجود میں آنے سے دو، پونے دو برس پہلے کے خیالات ہیں، ان کا تعلق پاکستان کے تصور سے ہے نہ کہ اس کے بعد میں قائم ہونے والے وجود سے! جن خیالات کا بھی اظہار کیا گیا ہے ان کی بنیاد ٹھوس تاریخی حقائق، وسیع مطالعے اور گرد و پیش کے حالات کے گہرے مشاہدے پر ہے،

اس کی دوسری خوبی یہ ہے کہ اس کے ایک ایک جملے اور پارے سے حضرت مؤلف کے حقیقت پسندانہ اندازِ فکر، سیاسی بصیرت اور فراستِ ایمانی کا اظہار

ہوتا ہے، اور اگرچہ ہم یہاں حضرت مؤلف کے روحانی مقام کے حوالے سے قارئینِ محترم کی رائے کو متاثر کرنا نہیں چاہتے، لیکن اس کو کیا کیا جائے جب ہم اس رسالے کے آخری ورق کے مطالعے سے فارغ ہوتے ہیں اور پاکستان کی پچاس تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں، اور اس کے بانیوں کے دعاوی کی روشنی میں پاکستان کے حسین خواب کی تعبیر اور جمہوریت، اخلاق، تہذیب، انسانیت، نظام حکومتِ اسلامی کی پامالی کو دیکھتے ہیں تو کانپ اُٹھتے ہیں، اور بیساختہ ہماری زبان سے نکلتا ہے ع

قلندر ہر چہ گوید دیدہ گوید

اب اگر قارئینِ محترم چاہیں تو اس تحریر میں حضرت مؤلف کے اظہارات و بیانات کو حضرت کی کمال درجہ سیاسی بصیرت سمجھیں، فراستِ ایمانی قرار دیں، یا پھر خاکسار کے ہمخیال اور اس رائے سے متفق ہوجائیں کہ یہ بیانات صرف سیاسی بصیرت اور کمال درجہ گہری نظر و تدبّر ہی پر مبنی نہیں، بلکہ اس سے اونچے درجے کی چیز ہیں، اور ان کا اظہار روحانیت کے ایک خاص مقام سے کیا گیا تھا اور افکار کی تالیف میں محض ایک سیاستداں اور مدبّر کا دماغ ہی کارفرما نہ تھا بلکہ حضرت مؤلف ولایت کے اس مقام پر فائز تھے جو ہر عالم و متقی کے نصیب میں بھی نہیں ہوتا، حضرت اس مقام سے جو کچھ دیکھ رہے تھے وہ ہر صاحبِ مقام بھی نہیں دیکھ سکتا تھا، یہی وجہ ہے کہ جب ہم حضرت کے ان افادات کو پڑھتے ہیں اور گذشتہ پچاس ساٹھ برس میں پیش آنے والے واقعات کو دیکھتے ہیں تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ حضرت محض تاریخی مطالعے اور گرد و پیش کے حالات و واقعات کے مشاہدے و تجربے کے بعد نتائج نہیں نکال رہے ہیں بلکہ مستقبل ایک کھلی کتاب کے مانند ان کے سامنے ہے، اور وہ اس کے مقدرات پڑھ کر سُنا رہے ہیں،

حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی کا یہ مقالہ "پاکستان کیا ہے؟"

دو حصوں میں کتابچے کی شکل میں دسمبر ۱۹۴۵ء کے آخری ہفتے میں شائع ہوا تھا، ایک مقالہ الگ الگ دو حصوں میں چھپنے کی وجہ یہ تھی کہ ملک میں صوبائی اور مرکزی اسمبلیوں کے انتخابات کا ہنگامہ برپا تھا، حضرت شیخ الاسلام شب و روز مصروف اور مسلسل سفر میں تھے، تصنیف و تالیف کے لیے نہ فرصت تھی نہ اطمینان، حضرت کے قلم سے جو نکل گیا وہ کرامت تھی، اگر عام مصنفین کی طرح فرصتِ تصنیف، مہلتِ صلاح و نظرِ ثانی اور خاص اہتمام اشاعت کی جستجو کی جاتی، تو وقت گزر جاتا اور ضرورت باقی نہ رہتی، اس لیے جتنا حصہ تیار ہوا اسے ایک کتابچے کی صورت میں چھاپ دیا،

مقالے کا پہلا حصہ ۱۱ر محرم ۱۳۶۵ھ (۲۱ر دسمبر ۱۹۴۵ء) کو تیار ہوا، فوراً کتابت کرائی گئی، اور چھاپ دیا گیا، دوسرا حصہ ۲۶ر دسمبر کی شب کو ۲ بجے اختتام کو پہنچا تھا اور آئندہ ایک دو روز میں اسے بھی شائع کر دیا گیا، دونوں حصے دلی پرنٹنگ ورکس دہلی میں چھپے تھے، اور ناظم جمعیۃ علماء ہند نے شائع کیے تھے، دونوں حصے جیسے قلم برداشتہ لکھے تھے چھپ کر عوام کے سامنے آگئے، نہ ان کے مطالب کی ترتیب پر غور کرنے کا موقع ملا نہ زبان و بیان کی آرائش و زیبائش کی مہلت تھی، اگر فرصت و فراغت سے لکھنے کا موقع ملتا تو یقیناً اس کی جامعیت اور ترتیب مطالب اور زبان و بیان اور آرائشِ اسلوب کا عالم بھی کچھ اور ہوتا لیکن جو کچھ ہے نقص تحریر و بیان ہے وہ بھی میرا ہے،

اب اس تاریخی دستاویز کو شائع کیا جا رہا ہے، تو دونوں حصے یکجا کر دیے گئے ہیں، اگرچہ اس مقالے میں پاکستانی فارمولے کے نقائص بہ تفصیل زیر بحث آگئے ہیں، لیکن یہ بحث پورے مقالے میں پھیلی ہوئی تھی، لیکن "کشفِ حقیقت" میں حضرت مؤلف نے "پاکستانی فارمولے کے نقائص" کے

عنوان سے بہ تفصیل ایک جگہ نہایت مربوط، بہت معلومات افزا، حقیقت افروز اور فکر انگیز بحث فرمائی تھی، اس بحث کی افادیت کے بیش نظر اسے بھی اس مقالے کا حصہ بنا دیا ہے،

یہ مقالہ ایک تاریخی دستاویز کی حیثیت رکھتا ہے، تحریکِ پاکستان کا دور گزر چکا ہے، پاکستان کے قیام پر اکیاون [۵۱] سال کی مدت گزر چکی ہے، وقت کے مورّخ کے سامنے تاریخ سیاست کا ایک اہم موضوع نمایاں ہو گیا ہے، ہندوستان اور پاکستان کی تحریک اور تاریخ آزادی پر لکھنے والا کوئی مورّخ اس کے پس منظر اور اس دور کے حالات و واقعات کو نظر انداز کر کے ایک جامع اور مکمل تاریخ نویسی کا دعویٰ نہیں کر سکتا، حضرت شیخ الاسلام کا یہ تاریخی مقالہ تاریخ کے معلم، تاریخ کے محقق..... اور مورخ کی بہت رہنمائی کرے گا، اور تاریخ کی ایک اہم دستاویز کی حیثیت سے مطالعہ و نظر، تصنیف و تالیف اور محققین کے ہر موقع پر ان کے سامنے رہے گا،

ابو سلمان شاہجہانپوری

۱۳؍ جون سنہ ۱۹۹۸ء

# بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ وکفیٰ وسلامٌ علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ ۔

اما بعد! اس زمانہ میں پاکستان کے متعلق بہت زیادہ شور و غوغا ہے، اور اس کو اس قدر اہمیت دی جارہی ہے کہ اسی کو مدارِ الیکشن قرار دیا جاتا ہے، اور اسی کے نام پر ووٹ طلب کیا جارہا ہے، اور اسی کو زعمائے لیگ مسلمانانِ ہند کی جملہ مشکلات کا حل بتلا رہے ہیں، اخباروں اور پمفلٹوں کے صفحات، اس کے محاسن اور قبائح سے بھرے جارہے ہیں، پلیٹ فارموں اور جلسوں میں اس پر دھواں دھار تقریریں ہورہی ہیں، ہمیں بھی انہی وجوہ سے غور و خوض کی ضرورت پیش آئی، مگر باوجود جد و جہد بلیغ اس کی تریاقیت ہماری سمجھ میں نہیں آئی، بلکہ اس کے برعکس اس میں ہم نے مسلم اکثریت والے صوبوں اور مسلم اقلیت والے دونوں کے مسلمانوں کے لیے نقصان اور ضرر کو ہی غالب پایا، اپنی تفتیش اور اطلاعات کی بناء پر جو کچھ ہم کو معلومات حاصل ہوئی ہیں ان کو پیش کرنا ہم نے ضروری سمجھا ہے،

ناظرین سے ہماری درخواست یہ ہے کہ مندرجہ ذیل امور پر ٹھنڈے دل سے غور فرمائیں، محض جذبات کی رَو میں نہ بہیں، سب سے پہلے ہم ضروری سمجھتے ہیں کہ اس کا منبع تلاش کریں، اور اس کے بعد دیگر امورِ ضروریہ پر نظر ڈالیں، لیکن منبع کی سُراغ رسانی سے پہلے بطور تمہید ہم چند ضروری باتیں عرض کرنا واجب سمجھتے ہیں،

۱۔ موجودہ زمانہ میں شہنشاہیتوں اور حکومتوں کا مدار بہ نسبت حکمداری و سیاست، اقتصادیات اور اس کے ذرائع و اقسام پر زیادہ تر منحصر ہے، تجارت

اور اس کے لوازم، صنعت اور اس کے شعبے اور ذرائع بہت زیادہ پیش نظر رہتے ہیں، معادن اور اس کے محاصل وانواع سب سے زیادہ ملحوظ نظر ہوتے ہیں، یوروپین اقوام اور ان کے ہمسروں کی نقل وحرکت اور افریقہ وایشیا وغیرہ میں حکمرداری اور آمد ورفت اسی بنا پر شروع ہوئی، اور اب بھی انہی امور کی بنا پر جنگہائے عظیمہ ظہور پذیر ہوئیں،

برطانوی اقوام کا ہندوستان میں آنا اور قدم جمانا اسی وسیلہ سے ہوا، پہلے پہل تو ان کی سوداگری پھیری والوں کی طرح رہی، پھر رفتہ رفتہ دوکانداری کا طریقہ اختیار کیا، اور یہ دور سنہ ۱۶۰۰ء سے تقریباً سنہ ۱۷۰۰ء تک رہا، اس کے بعد ان کی باقاعدہ کمپنی بن گئی، اور جو تاجر علیحدہ علیحدہ کاروبار کرتے تھے اور جن کی مقدار سو تک پہنچتی تھی سب کی مشترک جماعت بنادی گئی، جس کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے نام سے موسوم کیا گیا، اس نے باقاعدہ مراکز قائم کیے، کوٹھیاں کھولیں، مختلف سواحل پر قلعے بنائے، ایجنسیاں قائم کیں، مختلف حیلوں سے، نوابوں، راجاؤں، بادشاہوں کے درباروں میں رسوخ حاصل کیا، سند یحییٹ اور امتیازات خاصہ تجاریہ یکے بعد دیگرے لیتے ہوئے ایسے ایسے خود غرضی کے قوانین تجارت بنائے کہ جن میں نہ تہذیب تھی نہ انسانیت، اور بقول ولیم ڈگبی ننگے طور سے ہندوستان پر تجارتی تسلط قائم کر دیا، اور تجارتی لوٹ کھسوٹ اس طرح جاری کر دی کہ ہندوستان ادھمؤا ہو کر رہ گیا، یہ دور سنہ ۱۷۰۰ء سے سنہ ۱۷۵۷ء تک رہا،

اس کے بعد پلاسی کی جنگ ہوئی اور خونخوار ڈاکوؤں کی جماعت بنکر جابرانہ تسلط قائم کر دیا، اور ہر خزانہ اور دولت پر اپنا قبضہ جما کر انگلستان کو منتقل کر دیا، اس زمانہ میں تجارتِ ظالمانہ سے بھی لوٹ کھسوٹ ہوتی تھی، اور حکومتِ جابرانہ سے بھی برابر ڈاکہ زنی جاری رہی، یہی وہ زمانہ ہے جس میں علانیہ طور سے ہندوستان سے دولت کے دریا انگلستان کو بہتے رہے، جیسا کہ لارڈ میکالے کہتا ہے "ہندوستان کے بیشمار خزانے اسی زمانہ میں انگلستان کو منتقل ہوئے"،

یہ تسلط ۱۷۵۷ء سے ۱۸۳۲ء تک رہا، اس کے بعد تسلط بذریعہ پوسٹ قائم کیا گیا
ایسٹ انڈیا کمپنی خالص بادشاہ بن گئی، اس نے قانونی بادشاہت قائم کے من مانی
خود غرضی کے قوانینِ حکومت ایسے میٹھے الفاظ میں بنائے جن میں خوش معاملگی کا دکھاوا
ہوتا رہا اور ہندوستانی قوم اور ان کے اموال وغیرہ کو از سرتاپا اپنی اغراض کے بھینٹ
چڑھانا جاری رہا، ڈگبی لکھتا ہے :-

"مگر اس میں شک نہیں کہ آج بھی ہندوستان کو اس سے زیادہ
شرمناک طور پر لوٹا جا رہا ہے جتنا اس سے پہلے کبھی نہیں لوٹا گیا تھا،
ہماری حکومت کی باریک چابک اب آہنی زنجیر بن گئی ہے، کلائیو اور ہسٹنگس
کی لوٹ اس نکاس کے سامنے، ہیچ ہے، جو کہ ایک ملک کا خون بہا کر دوسرے
ملک کو مالامال کر رہا ہے"

اپنے ملک کی صنعت بڑھانے کے لیے ہندوستانی صنعت کا گلا گھونٹا، ہندوستانی
تجارت کو فنا کیا، معادن پر قبضہ لیا، زراعت پر بھاری بھاری ٹیکس لگائے، اپنے
ملک کی مصنوعات کو محفوظ کرنے اور ترقی دینے کے لیے انگلستان میں ہندوستانی
مصنوعات پر (راموئی تجارت کا فلسفہ دکھاتے ہوئے) بھاری بھاری ٹیکس لگائے، ادھر
ہندوستان میں صناعوں اور کاریگروں پر مالی اور جسمی تشددات عمل میں لائے گئے
تا اینکہ ہندوستان کا مال باہر جانا بھی بند ہو گیا، اور صنعت پیشہ قومیں کاروبار چھوڑنے پر
مجبور کر دی گئیں،

پھر فری ٹریڈ کا گیت گایا گیا، اور بغیر محصول یا نہایت قلیل محصول سے انگلستان
کی مصنوعات ہندوستان میں داخل کی گئیں، اور ہر ہر منڈی میں ریلوں کے ذریعہ سے
انگلستان کا مال بانٹ دیا گیا، معمولی معمولی گرانی پر لوگ بھوکے مرنے لگے، اسی وجہ سے
صرف ایک صدی میں ۱۸۰۰ء سے ۱۹۰۰ء تک ہندوستان میں اکتیس (۳۱) قحط پڑے

اور تقریبًا چار کروڑ ہندوستانی صرف بھوک کی وجہ سے موت کی نذر ہو گئے، انگلستان ہی کی بنی ہوئی چیزیں ہندوستان کے ہر ہر بازار میں پٹی پڑی نظر آنے لگیں، انگلستان کے باشندے نہ صرف امیر بن گئے بلکہ زراعت وغیرہ چھوڑ کر صنعت اور تجارت میں منہمک ہو گئے، انگلستان کی مصنوعات کا فی صدی چونسٹھ حصہ ہندوستان میں کھپنے لگا، سنہ ۱۹۲۸ء میں صرف کپڑے اور سوت کی قیمت میں اسی کروڑ روپیہ انگلستان کو گیا،

الغرض برطانویوں کی عیش پرستی اور خوش حالی کا بڑا مدار ہندوستان میں اُن کی مصنوعات کی کھپت پر ہے، یہ تمام دنیا کی منڈیوں میں سب سے بڑی منڈی برطانیہ کے ہاتھ میں ہے، جرمنی اور جاپان نے جب اس منڈی پر حریصانہ نگاہ ڈالنی شروع کی تو جنگِ عظیم کے شعلے لپٹ مارنے لگے،

(۲) علاوہ تجارت پر قبضہ جما لینے اور ہندوستانی صنعت اور تجارت کو فنا کر دینے کے ہندوستان کے تمام ان عہدوں اور حکومت کے تمام شعبوں کو جنکو انگریز قبول کر سکتا تھا اپنے قبضہ میں کیا گیا، اور ان کی اتنی بھاری بھاری تنخواہیں مقرر کی گئیں کہ دنیا میں بڑے سے بڑے متموّل ملکوں میں کہیں نہیں پائی جاتیں، فوجی اعلیٰ عہدوں سے ہندوستانیوں کو بالکل محروم کر دیا گیا، اور ان انگریزوں کی جو کہ چند دنوں یہاں ملازمت کرتے ہیں وہ وہ تنخواہیں ہندوستان کے خزانہ سے مقرر کی گئی ہیں جو کہ امریکہ، انگلینڈ، جاپان، جرمنی وغیرہ کہیں بھی نہ تھیں، حتیٰ کہ معمولی انگریزی سپاہی کے لیے بھی ہندوستان کے خزانہ پر اتنا صرفہ ڈالا گیا جو کہ ہندوستان چار پانچ سپاہی پر بھی نہیں پڑتا، مسٹر مانٹیگو نے سنہ ۱۹۱۹ء میں ہاؤس آف کامنس میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ ایک ہندوستانی سپاہی پر سالانہ چار سو گیارہ (۴۱۱) روپیہ خرچ ہوتا ہے اور ایک برطانوی سپاہی پر ایک ہزار نو سو اکہتر (۱۹۷۱) روپیہ سالانہ خرچ ہوتا ہے، ہندوستان کے ڈیفنس کے لیے کم از کم

پچاس ساٹھ ہزار سپاہی انگلینڈ کے باشندے یعنی گورے لازم قرار دیئے گئے،
الغرض اس طریقہ سے سول اور فوجی ملازمین کی پنشنوں میں بقول اے، جی ولسن آف انویسٹوری ریویو تین کروڑ پونڈ سالانہ ہندوستان سے وصول ہو کر انگلستان جاتا رہا، نیز ہندوستان میں انگریز ملازمین کی تنخواہوں کا پس انداز بقول ایگنس اسمڈلے (ماڈرن ریویو) تین کروڑ پونڈ سالانہ یعنی پینتالیس کروڑ روپیہ سالانہ جاتا رہا،

اسی طرح انڈیا آفس لندن کے مصارف، ہندوستان پر قومی قرضہ کا سود، ریلوں، نہروں، معدنوں، جہازوں، کارخانوں وغیرہ میں جو روپیہ انگریزوں کا لگا ہوا ہے اور جس کی مقدار سنہ ۱۹۱۳ء تک ۳۵ ارب پونڈ تھی، اس کا سالانہ منافع پینتیس کروڑ پونڈ تھا، یہ اور اسی قسم کے دیگر طریقے دولت کھینچنے کے وہ غیر معمولی سیلاب بدولت ہیں جن کی نظیر تمام دنیا میں نہیں ملتی، اسی بناء پر منٹگمری مارٹن سنہ ۱۸۳۸ء میں لکھتا ہے:

"اگر دولت کا ایسا مسلسل اور روز افزوں سیلاب انگلستان سے ہونے لگے تو ایک ہی دن میں وہ بھی محتاج ہو جائے، پھر خیال فرمایئے کہ ہندوستان پر اس کا کیا اثر پڑے گا جہاں معمولی مزدور کو دو یا تین پنس روزانہ ملتی ہے"

ڈبلیو ایس بلنٹ کہتا ہے:

"میں ہندوستان کے مالیہ کے اسرار بہترین استادوں سے حاصل کر رہا ہوں، اور یہ استاد گورنمنٹ کے سکریٹری اور کمشنر وغیرہ ہیں، میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اگر ہم اسی طرح ہندوستان کو ترقی دیتے رہے تو ایک دن وہ آئے گا جبکہ ہندوستانی آپس میں ایک دوسرے کو کھانے

لگیں گے، کیونکہ ان کے پاس کھانے کے لیے سوائے اپنے ابنائے جنس کے
کچھ بھی باقی نہ رہے گا،،

**الغرض** اس بے شمار لوٹ کھسوٹ سے اگرچہ ہندوستان موت کے گھاٹ اتر گیا مگر انگلستان کی خوش حالی، عیاشی، سرمایہ داری روزافزوں ترقی ہی کرتی رہی اور اس کی سرمایہ اور دولت کی بھوک روزافزوں بڑھتی ہی رہی، جس طرح درندے کے اگر انسان کا خون منہ کو لگ جاتا ہے تو وہ کبھی بھی انسانی خونخواری سے سیر نہیں ہوتا اور ہر کس و ناکس کو دیکھ کر اس کی آگ بھڑک اٹھتی ہے، یہی حال برطانویوں کا بہ نسبت ہندوستان ہو گیا ہے،

سنڈے ٹائمز آف لندن ۲۵ مارچ ۱۹۳۰ء لکھتا ہے:

"ہمیں صاف طور پر اس بات کو واضح کر دینا چاہیے کہ انگریز ہندوستان میں بحالیِ صحت کی غرض سے مقیم نہیں ہیں، بلکہ ان کا مقصد روپیہ پیدا کرنا ہے، ہم ہندوستان کو نہیں چھوڑ سکتے، اس لیے کہ ایسا کرنا ہمارے مفاد اور مصلحت کے سراسر خلاف ہے، ہندوستان میں رہنا اور اپنا مقصد حاصل کرنا ہمارا فرض ہے۔"

سر ولیم جوائنسن ہکیس ہوم سکریٹری انگلستان کہتا ہے:

"ہم نے ہندوستان ہندوستانیوں کی بھلائی کے لیے فتح نہیں کیا، اور ہم ہندوستان میں ہندوستانیوں کی بھلائی کے لیے نہیں ہیں"

(تیج دہلی، مورخہ ۲۵ اکتوبر ۱۹۳۰ء)

**الغرض** جس لوٹ اور کھسوٹ کی لالچ سے انگریز یہاں آئے تھے اور جس کے وہ دو تین صدی سے عادی ہو گئے ہیں، اور جس کے بغیر ان کو مستقبل کی زندگی نہایت بھیانک اور خطرناک معلوم ہو رہی ہے وہ ہندوستان کی آزادی کو ہر وقت میں

انتہائی پریشانیوں میں مبتلا رکھتی ہے، اور طرح طرح کی اسکیمیں اپنے مفاد اور مقصد کے لیے تیار کراتی رہتی ہے،

(۳) رُوئے زمین پر صرف دو ملک ہندوستان اور چین عظیم الشان تعداد والے ہیں، جو کہ اپنا مثیل نہیں رکھتے، آج جبکہ دس دس بارہ کروڑ نفوس والے ملک جرمنی، امریکہ، روس جو کہ ہندوستان کی تقریباً ایک ایک تہائی یا اس سے کم آبادی والے ممالک ہیں اس قدر قوت دار بن گئے ہیں کہ برطانوی شہنشاہیت کو ہر وقت دھمکاتے رہتے ہیں، اور دنیا کو الٹی میٹم اور دعوتِ جنگ دینے سے نہیں جھجکتے تو یورپین اقوام بالخصوص برطانیہ کو ضرور یہ عظیم الشان خطرہ پیش رہتا ہے کہ اگر چین اور ہندوستان ہر ایک آزاد اور متحدہ قومیت کا مالک اور قوی ہو گیا تو یقیناً تمام روئے زمین پر چھا جائے گا، اور نہ صرف ہماری نوآبادیات پر قابض ہو جائے گا یا ان کو ہمارے اقتدار سے باہر کر کے آزاد کرا دے گا بلکہ قوی خطرہ ہے کہ وہ ہمارے سابقہ سیاہ کارناموں اور گذشتہ وحشیانہ بربریتوں کا بدلہ بھی لے اور کوشش کرے کہ انگلستان وغیرہ کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑ کر بے دست و پا کر دے، بالخصوص اس وجہ سے کہ ہر دو جنگ عظیم میں ہندوستانی سپاہیوں کی جفاکشی اور بہادری یورپین اقوام کے مقابلہ میں تمام دُوَلِ یورپ کے سپاہیوں سے زیادہ اور اعلیٰ ثابت ہوئی، جیسا کہ برطانیہ کے بڑے بڑے جرنیلوں اور فوجی اور سول افسروں بلکہ برطانیہ کے وزراء نے پُرزور اعتراف کرتے ہوئے شکریہ ادا کیا، خود لارڈ ویول موجودہ وائسرائے کہتے ہیں کہ: "ہم نے یہ جنگ ہندوستان کے سپاہیوں اور ہندوستان کے مال سے جیتی ہے"۔ اس لیے یہ خطرہ اور بھی زیادہ قوی ہو جاتا ہے، اور یہ صحیح بھی ہے کہ اگر ہندوستانی اقوام اور سپاہیوں کو منظم طریقہ پر جملہ اسلحہ جات مل جائیں اور ان کی فوجی تعلیم مکمل ہو جائے، اور قابل جرنیل کے ماتحت باقاعدہ جنگ جاری کی جائے تو کسی یورپین قوم سے ٹکرانے میں

کم نہیں رہ سکتے بلکہ ہر مخالف پر غالب آسکتے ہیں، اور یہی بڑی وجہ ہے کہ ان دونوں ملکوں کو ہر طرح کمزور کرنے کی پالیسی مدتوں سے جاری ہے، اور اب یہی امر پیشِ نظر ہو رہا ہے اور کم از کم یہ خطرہ تو ہر وقت سامنے رہتا ہی ہے کہ ہندوستانیوں کا معمولی سا جذبۂ قومیت بھی ہماری اقتصادی شہنشاہیت کی بربادی کا نہایت زبردست ذریعہ ہے، پروفیسر سیلے ایکسپینشن آف انگلینڈ میں لکھتا ہے:

"اگر ہندوستان میں متحدہ قومیت کا کمزور جذبہ بھی پیدا ہو جائے اور اس میں اجنبیوں کے نکالنے کی کوئی عملی روح نہ بھی ہو بلکہ صرف اس قدر احساس ہو جائے کہ اجنبی حکومت سے اتحادِ عمل ہندوستانیوں کے لیے شرمناک ہے، تو اس وقت سے ہماری شہنشاہیت کا خاتمہ ہو جائیگا، کیونکہ ہم درحقیقت ہندوستان کے فاتح نہیں ہیں، اور اس پر فاتحانہ حکمرانی نہیں کر سکتے، اگر ہم اس طرح کی حکومت کرنا بھی چاہیں گے، تو اقتصادی طور پر قطعاً برباد ہو جائیں گے"

(تنظیم جلد ۶ نمبر ۱۵، ۲۸ اگست ۱۹۲۸ء)

اور یہی وجہ ہے کہ حامیانِ برطانیہ دانستہ یا نادانستہ متحدہ قومیت پر انتہائی درجہ چراغ پا ہو رہے ہیں، اور بہت زبردست پروپیگنڈا اس کے خلاف جاری کیے ہوئے ہیں، چونکہ برطانوی اقتدار کی بربادی کے لیے یہ ایٹم بم یا اس سے بھی زیادہ قوی ہتھیار ہے، اس لیے ہر انگریز کو اس کے خلاف پروپیگنڈا کرنا اور کروانا اشد ضروری معلوم ہوتا ہے۔ ہمارے ہندوستانی بھائی بالخصوص مسلمان بالکل بھولے بھالے اور سیاسیات سے بالکل ناواقف ہیں، اور وہ لوگ جو سیاسی میدان میں اُترے ہوئے بھی ہیں انگریز کے سامنے ابھی طفلِ مکتب ہیں، وہ فوری انگریزوں کے جھکے میں بہت جلد آجاتے ہیں، اور کہنے لگتے ہیں کہ مسلمان غیر مسلم اور مشرک کا ہم قوم کس طرح ہو سکتا ہے؟ اور اس پر

طرح طرح کے شرعی اور غیر شرعی، وہمی اور رواجی استدلالات قائم کر کے عوام کو متنفر کرنے لگتے ہیں، حالانکہ سرسید مرحوم اس بارے میں بہت آگے بڑھے ہوئے ہیں' فرماتے ہیں:

"قوم کا اطلاق ایک ملک کے رہنے والوں پر ہوتا ہے، یاد رکھو کہ ہندو اور مسلمان ایک مذہبی لفظ ہے، ورنہ ہندو مسلمان اور عیسائی بھی جو اس ملک کے رہنے والے ہیں' اس اعتبار سے سب ایک قوم ہیں، جب یہ سب گروہ ایک قوم کہے جاتے ہیں تو ان سب کو ملکی فائدہ میں جو ان سب کا ملک کہلاتا ہے ایک ہونا چاہیے، اب وہ زمانہ نہیں ہے کہ صرف مذہب کے خیال سے ایک ملک کے باشندے دو قومیں مانی جائیں"

(مجموعہ لکچرز سرسید صفحہ ۱۶۷)

دوسرے موقع پر آپ نے فرمایا:۔

"جس طرح اور قوم کے لوگ ہندو کہلاتے ہیں اسی طرح مسلمان بھی ہندو یعنی ہندوستان کے رہنے والے کہلائے جاتے ہیں"

(سرسید کے آخری مضامین، صفحہ ۵۵)

سفر پنجاب میں ہندوؤں کو خطاب کرتے وقت فرمایا:

"آپ نے جو لفظ اپنے لیے ہندو کا استعمال فرمایا ہے وہ میری رائے میں درست نہیں، کیونکہ "ہندو" میری رائے میں کسی مذہب کا نام نہیں ہے، بلکہ ہر ایک شخص ہندوستان کا رہنے والا اپنے تئیں ہندو کہہ سکتا ہے، پس مجھے نہایت افسوس ہے کہ آپ مجھ کو باوجود اس کے کہ میں ہندوستان کا رہنے والا ہوں "ہندو" نہیں کہتے" (سفرنامہ پنجاب سرسید صفحہ ۱۳۹، روشن مستقبل، صفحہ ۲۷۱ و ۲۷۲)۔

پس بقول سرسید مرحوم اگر قوم بمعنی نیشن لیا جائے جو کہ اہل یورپ کی اصطلاح

ہی، تو یقینی طور پر تمام ہندوستان کے باشندے ایک قوم ہیں، ہندوستانیت کا وصف سب میں مشترک ہے، مفاد سبھوں کا مشترک ہے، غیر ہندوستانی جہاں کہیں بھی ہیں ان تمام ہندوستانیوں کو اپنے سے غیر اور اجنبی محسوس کرتے ہیں، خواہ ہندوستانی مسلمان ہو یا سکھ یا ہندو یا پارسی سیاحان ممالک اور واردین ہندوستان، امریکنوں، جاپانیوں، چینیوں، انگریزوں، فرانسیسیوں وغیرہ سے پوچھو اور دیکھو وہ مذہبی تفرقہ کو محسوس بھی نہیں کرتے، بلکہ سب کو ہندوستانی قوم سمجھتے اور کہتے ہیں، یہی امور نیشن کی تعریف میں یورپین اصطلاح میں معتبر ہیں،

(دیکھو انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس)

اور اگر عربی، فارسی، اردو اصطلاح اور عرف کو دیکھیں یا قرآنی شہادتوں کا لحاظ کریں تو اسبابِ قومیت صرف مذہب میں منحصر نہیں ہوتے، کبھی متحدہ قومیت جغرافی حدود اور وطنیت سے ہوتی ہے، تو کبھی نسل کی حیثیت سے، کبھی پیشہ کی حیثیت سے، اور کبھی رنگت وغیرہ وغیرہ سے، قرآن شریف میں نسلی یا وطنی اسباب کی بنا پر بار بار کفار کو انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین کا ہم قوم قرار دیا گیا ہے،

بہر حال یہ تین امور مذکورہ بالا برطانویوں اور بالخصوص ٹوریوں کو ہمیشہ ہندوستان کی آزادی سے پریشان رکھتے ہیں، انگریز اگرچہ سب کے سب اپنی قوم اور شہنشاہیت کے خیر خواہ اور فدائی ہیں، مگر ان میں نیک دل اور انصاف پسند بھی ہیں، جو کہ وعدوں کو وفا کرنا، بندگانِ خداوندی کے ساتھ انسانیت کا برتاؤ کرنا، سب کے ساتھ حق اور انصاف کرنا، اور ان کو فطری حقوق دینا وغیرہ ضروری سمجھتے ہیں، مگر تمام قوم برطانیہ میں سب سے گرے ہوئے اور اپنی اغراض کے دیوانے اور دوسری اقوام کی حق تلفی کے حریص و مجنون، اپنی شہنشاہیت کے ہر جائز اور ناجائز عمل اور قول کے شدید ترین حامی یہی ٹوری ہیں، یہ کنسرویٹو پارٹی (قدامت پسندوں) سے بھی زیادہ گرے ہوئے

لوگ ہیں، ان کا ہمیشہ سے نظریہ یہی رہا ہے کہ ہندوستان کو ذرہ برابر بھی آزادی نہ دی جائے، اور ذمہ داران برطانیہ نے بین الاقوامی (انٹرنیشنل) یا سیاسی (پولیٹیکل) یا انصافی مجبوریوں سے جو جو اعلانات مختلف اوقات میں آزادیٔ کامل یا نیم آزادی یا انسانی اور فطری حقوق کے متعلق ہندوستانیوں کے لیے کیے ہیں ان کو کبھی بھی بروئے ایفاء نہ آنے دیں، اور جس طرح بھی ممکن ہو ٹال مٹول کرتے ہوئے اپنے استبداد اور جبروت و تشدد سے ہندوستان کی لوٹ کھسوٹ قائم اور جاری رکھیں، اور اس کے لیے طرح طرح کے بہانے گھڑتے رہیں،

کوئن وکٹوریہ اور دیگر ذمہ داران برطانیہ کے اعلانات اور وعدوں کو نئے نئے لباس میں ڈھالتے ہوئے آج تک برطانیہ نے سامراج انہی کی بدولت قائم رکھا، کنیڈا، آسٹریلیا، ساؤتھ افریقہ، کیپ کالونی، آئرلینڈ، ماریشش، فیجی، نیوزی لینڈ وغیرہ وغیرہ کو حقوق وکٹوریہ کے اعلان کے بعد اور پہلے دیئے گئے، اور دیئے جاتے رہے مگر ایک ہندوستان ہے کہ تقریباً تمام انسانی حقوق سے آج تک محروم ہے، اور جو کچھ معمولی حقوق دیئے بھی گئے ہیں وہ نہایت ناقص اور نکمے ہیں،

دیگر عرصہ سے چونکہ ہندوستانیوں میں روز بروز بیداری پیدا ہوتی جا رہی ہے، ادھر مظلومیت مظلومیت کا آوازہ امریکہ، روس، جاپان، چین اور دیگر ممالک میں بکثرت پھیل چکا ہے، اس لیے ان کو نظر آنے لگا ہے کہ اب ہندوستان مثل سابق غلام نہیں رہ سکتا، لہٰذا ہندوستانی خون چوسنے اور اپنے ہر ہر مفاد کو قائم رکھنے اور جاری کرنے کے لیے نئی نئی اسکیمیں عرصہ سے سوچی گئیں، اور سوچی جا رہی ہیں، انہی میں سے یہ اسکیم پاکستان بھی ہے، جو کہ ٹوریان برطانیہ کی جھیل "مان سرور" سے نکلتی ہے، ۱۹۳۱ء میں جبکہ ہندوستانی ڈیلی گیٹ انگلستان میں دوسری راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں گئے ہوئے تھے یا جانے والے تھے، مسلم نمائندوں وغیرہ کے دماغ میں یہی

ندا ڈالی ہے، اور وہ اس زمانہ میں آکسفورڈ اور کیمبرج میں شائع ہو کر ہندوستانی مسلم اسٹوڈنٹس کو مسحور کرتی ہے، مسلمانوں کے وہ نمائندے جو کہ لیگ اور مسلم کانفرنس کی نمائندگی کے واسطے بھیجے گئے تھے ان ٹوری جادوگروں سے مسحور ہو کر ان کے دامن میں پناہ گزین ہوتے ہیں، اور جو کچھ نہ کرنا چاہیے تھا کر بیٹھتے ہیں، اور مسلمانانِ ہند کو ان ٹوری جادوگروں کے قدموں پر بھینٹ چڑھا دیتے ہیں،

چنانچہ مدینہ بجنور یکم فروری ۱۹۳۲ء جلد ۲۱ نمبر ۹ میں لکھتا ہے:

"لیکن ان سب سے زیادہ مکروہ طرزِ عمل ان تعاونیانِ کرام کا یہ تھا کہ جب گاندھی جی نے مسلمانوں کے چودہ کے چودہ مطالبات منظور کرنے پر آمادگی کا اظہار کر دیا تو ان احمق اور فریب خوردہ حضرات نے اچھوتوں کی حمایت کا بیڑا اٹھا لیا، حالانکہ ہندوستان سے وہ صرف یہ عہد کر کے چلے تھے کہ وہ مسلمانوں کے مطالبات کی تکمیل کرائیں گے، ان سے کسی شخص نے یہ نہیں کہا تھا کہ وہ اچھوتوں کے حقوق کے محافظ بھی بن جائیں، ان کا دعویٰ حقوقِ مسلمین کے تحفظ کا تھا، اور ان کا ہرگز یہ حق نہ تھا کہ وہ اپنے کمزور اور بودے کندھوں پر دنیا بھر کی اقوام کے تحفظ کا بوجھ بار کر لیں، اس کے معنی تو اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتے کہ انھوں نے دانستہ اسلامی حقوق کی راہ میں روڑے اٹکائے، اس احمقانہ طرزِ عمل کی جو قیمت اُن کو ملی وہ ان کے طرز سے بھی زیادہ شرمناک ہے، وہ یورپینوں کے ہاتھوں بک گئے، اور ایک ایسے محضرِ غلامی پر دستخط کر دیئے جس میں اپنے مطالبات کا تو گلا گھونٹ ہی دیا گیا تھا، مقصدِ آزادیِ وطن کو کو بھی پامال کر دیا، اور غیر ملکیوں کو تجارتی استیلاء اور زائد از حقوق آبادی دیدیئے گئے، اور مسلمانوں کے لیے چند نشستیں، چند ملازمتیں اور

چند اعزاز قبول کر لیے، ارباب حقوق کا طرزِ عمل شروع سے آخر تک عدم تدبر، تنگ نظری، غیر سیاست دانی، دل و دماغ کی بے مائگی اور خلاف ورزی عہد و مسلک کی ایک نہایت المناک مثال پیش کرتا ہے" الخ"

مندرجہ ذیل شہادتیں ملاحظہ ہوں:

مدینہ بجنور ۹ر اگست ۱۹۳۱ء جلد ۲۰ نمبر ۵۶ صفحہ ۲:

"ہم کو اسٹیٹسمین، پایونیر، اور دوسرے خالص اسلامی جرائد نے یہ بشارتِ کبریٰ سنائی ہے کہ دس کروڑ کے خالص اسلامی سرمایہ سے ایک تجارتی کمپنی قائم کی گئی ہے، جو ہندوستان کے تجارتی مصالح کو ترقی دیگی، اس کمپنی کا نام ایسٹ اینڈ ویسٹ کارپوریشن لمیٹڈ ہے، صدر دفتر دہلی ہوگا، اسٹیٹسمین اور دیگر اینگلو انڈین اخبارات اس مسلم کمپنی کا نہایت شاندار الفاظ میں خیر مقدم کر چکے ہیں"

اس کے بعد دوسری شہادت ملاحظہ ہو:

مدینہ بجنور ۲۱ر اگست ۱۹۳۱ء جلد ۲۰ نمبر ۵۹ صفحہ ۴:

"گذشتہ اخبار میں ہم نے یہ خبر لکھی تھی کہ ہز ہائنس سر آغا خاں ایک کروڑ روپیہ کے سرمایہ سے بدیشی پارچہ کو فروغ دینے کی غرض سے ایک کمپنی قائم کرنے والے ہیں، اخبار الامان سے اب معلوم ہوا ہے کہ نہ صرف ہز ہائنس سر آغا خاں نے بلکہ ملا سیف الدین طاہر صاحب بوہرا قوم کے مقتدا اور اسمبلی اور کونسل آف اسٹیٹ کے اکثر ممبروں نے دس کروڑ روپے کے سرمایہ سے ایک کمپنی قائم کی ہے، جس کا صدر دفتر دہلی ہوگا، اس کمپنی کے قیام کا اصل محرک کون ہے اور اس کے اصلی مقاصد کیا ہیں، اس کے صحیح حالات اب تک صیغۂ راز میں ہیں، تاہم اس کے

قیام پر اس خط سے کسی قدر روشنی پڑتی ہے جو مسٹر بلوڈن جج ممالک متحدہ نے کسی مستفسر کے جواب میں لندن بھیجا تھا، اور اتفاقاً سنڈے گرافک کے ہاتھ پڑ جانے سے شائع ہو گیا، اور اسی غرض سے ہم اس خط کا متن درج ذیل کرتے ہیں:

"مدت سے ہندوستان کی صورتِ حالات قابو سے باہر ہو رہی ہے، ہم نیم پارلیمنٹری حکومت کا حتمی وعدہ کر چکے ہیں، جو برطانوی افسروں کے بغیر نہیں چل سکتی، برطانوی افسر زیادہ عرصہ تک نہیں رہیں گے، سول سروس کے تمام شعبے یہاں تک ہندوستانیوں سے بھر دیئے گئے ہیں یا بھرے جا رہے ہیں کہ آئندہ چند سال میں ان میں ڈھونڈے سے بھی انگریز کا نام نہیں ملے گا، میں ان حالات میں ہندوستان کے مسئلہ کا ایک ہی حل دیکھتا ہوں، کہ اسے ہندو اور مسلمان حصوں میں تقسیم کر دیا جائے، آئرلینڈ میں کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کا تنازعہ ختم کرنے کے لیے ۳۵ سال کی مسلسل پارلیمنٹری جنگ کے بعد ایسا ہی کرنا پڑا تھا، ہندوؤں نے ہمیں ہندوستان کے ساتھ کاروبار کرنے سے روک دیا ہے، اب ہمیں مالیہ معاف کر دینا پڑا ہے، تاکہ کاشتکار زندہ رہ سکیں، یہ ایک نہایت ہی یاس انگیز صورتِ حالات ہے، اور اس کا ایک ہی علاج ہے، کہ اس تعفن کو پھیلنے سے پہلے روکا جائے، اور قدرتی تقسیم کے مطابق ملک کے حصے کر دیئے جائیں، اگر ہندو کاروبار تجارت نہیں کرنے دیں گے تو بمبئی کی جگہ کراچی شہر تجارتی بندرگاہ کا کام دے سکتا ہے، ہم چاہتے ہیں کہ مزید ۲۵ یا ۳۰ سال کے لیے ہندوستان پر ہمارا اثر و اقتدار قائم رہے، اب برطانوی حکومت کے پرانے طریق کار کی طرف

عود کرنا ناممکن ہے، ہمارے پاس اب کارکن اصحاب موجود نہیں ہیں، اب ہم دورِ ماضی کو قائم نہیں کر سکتے، نیز ہم نے اپنا کام بھی کر لیا ہے، کیونکہ ہندوستان میں ریلیں اور نہریں وغیرہ قائم کی ہیں، اب اسے ایسا طرزِ حکومت دیدو جو اس کے لیے موزوں اور قدرتی ہو، لیکن جب تک ہندوستان میں ہمارا اثر و اقتدار قائم ہے ہمیں تحریک مقاطعہ کو پورے زور سے روکنا چاہیے، خوں ریزی کو روکنے اور دقیانوسی ہندو سسٹم کا سدِ باب کرنے کے لیے ہمیں کراچی اور دہلی سے کام شروع کرنا چاہیے، جہاں دنیا کی ایک بڑی مسلم طاقت قائم ہوگی، ہم خواہ کچھ کریں یہ ہو کر رہے گا، پھر کیا وجہ ہے کہ ہم اسے جلد از جلد معرضِ عمل میں نہ لائیں، اور اس کے ساتھ سب سے پہلے تاجرانہ تعلقات کیوں نہ قائم کریں، جب بحر قزوین اور بحیرۂ روم کی طرف وسیع ملکوں کا خیال جائے تو بڑے بڑے امکانات نظر آتے ہیں۔"

مدینہ بجنور ۹ ستمبر ۱۹۳۱ء جلد ۲۰ نمبر ۶۹ میں بمبئی کرانیکل کے خاص نامہ نگار مقیم لندن کا مقالہ مندرجۂ ذیل الفاظ میں نقل کیا گیا ہے:

"ہندوستان کو "ہندو ہندوستان" اور "مسلم ہندوستان" میں تقسیم کرنے کی پوری کوشش کی جارہی ہے تاکہ اس کے بعد ہمیشہ ہندوستان میں جھگڑا ہوتا رہے۔"

مسز جان گنتھر امریکن "کامن سینس" امریکی اخبار میں طویل مقالہ لکھتی ہے، جس کا اقتباس مندرجہ ذیل ہے:

"اس برطانوی جناح باہمی کھیل کا نتیجہ "پاکستان" کی صورت میں نمودار ہوا ہے، اور یہ ہندوستان میں مسلمانوں کی دو علیحدہ خیالی ریاستوں کا نام ہے، جن کے درمیان باقی تمام ہندوستان پولینڈ کے کاریڈور

(ملانے والے راستہ) کی طرح رہے گا، ابھی تک تو ذمہ دار مسلمانوں نے اس کی مخالفت کی ہے، لیکن اگر اس اسکیم پر عمل کیا گیا تو ہندوستان میں بھی بلقان بن جائے گا، جہاں خانہ جنگیوں کا غیر مختتم سلسلہ شروع ہو جائیگا،،

(مدینہ، مورخہ ۹ر جون ۱۹۴۳ء جلد ۳۲ نمبر ۴۳)

مندرجہ بالا شہادتوں سے مندرجہ ذیل امور معلوم ہوئے:

(الف) پاکستان اور تقسیم ہندوستان (مسلم ہندوستان اور ہندو ہندوستان) لاہور کے لیگ کے اجلاس ۱۹۴۰ء کی پیداوار نہیں ہے، بلکہ ۱۹۳۱ء یا اس سے پہلے کی پیداوار ہے، ہاں! ہندوستان میں اس کی شہرت لیگ کے اس اجلاس سے ہوئی ہے، اگرچہ سر اقبال مرحوم نے الہ آباد کے اجلاس لیگ میں دسمبر ۱۹۳۰ء میں بھی اس کا تذکرہ مختصراً اپنے خطبہ میں کیا تھا، مگر اس کو کسی نے بھی درخور اعتناء نہیں سمجھا، اور ہنٹر کمیٹی کے سامنے بھی اس کا تذکرہ بعض لوگوں نے کیا تھا، مگر اس کو عملی حیثیت سے ناقابلِ انتظامِ سلطنت کہہ کر رد کر دیا گیا تھا،

(ب) چودھری رحمت علی صاحب جنھوں نے ۱۹۳۲ء میں پاکستان کے متعلق بنام پاکستان نیشنل موومنٹ اور ڈاکٹر عبداللطیف صاحب حیدرآبادی اور دوسرے مصنفین سب کے سب اسی چشمہ سے مستفید ہونے والے ہیں، جس کا منبع ٹوری انگریزوں نے ۱۹۳۱ء میں یا اس سے پہلے بنایا تھا، اور جس کو اواخر ۱۹۳۱ء میں لندن میں نشوونما کی نوبت آئی،

(ج) یہ اسکیم تقسیم ہندوستان اور علاقہ جات ہندو ہندوستان اور مسلم ہندوستان کسی مسلمان ہندوستانی دماغ سے نہیں ہوئی ہے اور نہ لیگی دماغ سے اس کا ظہور ہوا ہے، بلکہ اس کا ظہور اور خروج برطانوی اور ٹوری دماغوں کا رہینِ منت ہے، اگرچہ بعد کو لوگوں نے اس کو بے سمجھی سے اپنا لیا ہے ہ

کارِ زلفِ تست مشک افشانی اما عاشقاں
از غلط تہمت بآہوئے ختن بنہادہ اند

(د) یہ ہندوستان کی تقسیم صرف برطانوی مفاد کی خاطر کی گئی ہے، کیونکہ ہندو برطانوی مصنوعات اور اس کی تجارت کا بائیکاٹ اور مقاطعہ کر رہا تھا، اور اس اسکیم کو حسبِ قوت زیادہ تر مؤثر بنانا چاہتا تھا، تا اینکہ اس کی نیت یہ ہو کہ پردیسی مصنوعات کو یک قلم ہندوستان میں نہ آنے دے، اور بمبئی مدراس وغیرہ سے ایسے مصنوعات کا داخلہ اور تجارت بند کردے یا اُن پر اتنا بھاری ٹیکس لگا دے جو باہر کی مصنوعات کو یہاں کی مصنوعات سے بہت زیادہ گراں کردے، جیسا کہ انگلستان نے ہندوستانی مصنوعات اور تجارت سے کیا تھا، یہ اسکیم یقیناً ہندوستان کے عوام کی زندگی اور بھلائی کے لیے اشد ضروری ہے،

(ھ) سنہ ۱۹۳۱ء میں مسلم نمائندوں کے لندن جانے سے پہلے یا بعد میں کوئی خفیہ پیکٹ ہوا ہے یا ہونا قرار پایا ہے جس میں مسلم نمائندوں کی طرف سے اطمینان حاصل کیا گیا ہے کہ وہ مسلم ہندوستان (پاکستان) میں برطانوی مصنوعات اور ان کی تجارت کو برقرار رکھیں گے، اور اپنے ساحلی بندرگاہوں کراچی اور کلکتہ کو برطانیہ کی تجارت گاہ بنائیں گے،

اینول رجسٹر سنہ ۱۹۳۱ء صفحہ ۶۱ میں ہے:

"لندن کے بعض نمائندوں نے اشارہ کیا تھا کہ ان لوگوں (فرقہ وار لیڈروں) نے برطانیہ کے ٹوری لیڈروں سے خفیہ سازش کر لی تھی جن میں ممتاز ٹوری لیڈر لارڈ لائڈ، لارڈ بنفورڈ اور لارڈ سڈنہم اور دوسرے لوگ تھے"

نیز ریوٹر یکم نومبر سنہ ۱۹۳۱ء کو تار دیتا ہے:

"معلوم ہوا ہے کہ مسلمانوں نے کانگریس کے تحفظات سے اختلاف کا اظہار کیا ہے، اس سلسلہ میں یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ مسلمانوں نے قدامت پسند انگریزوں سے بھی خفیہ معاہدہ کیا ہے کہ وہ مسلمانوں سے تحفظات منظور کرالیں گے، جو برطانوی اقتدار کو قائم رکھیں گے، اور کنزرویٹو انگریز مسلم مطالبات کی حمایت کریں گے۔"

(مدینہ، بجنور، ۵ نومبر ۱۹۳۱ء جلد ۲ نمبر ۷۹)

نیز اخبار بمبئی کرانیکل کا خاص نامہ نگار مقیم لندن خبر دیتا ہے:

"شہنشاہیت پرست برطانوی مدبرین کو جب گاندھی جی کے نرم رویہ سے گاندھی جی اور والیانِ ریاست کو لڑانے میں ناکامی ہوئی تو اب وہ مسلمانوں کو اپنے مقصد کا آلۂ کار بنا رہے ہیں، انھوں نے مسلمان مندوبین کو اس لیے متحد کرلیا ہے کہ وہ کامل آزادی کے حصول میں گاندھی جی کی کوششوں کو ناکام کردیں۔" (مدینہ، بجنور، ۲۸ ستمبر ۱۹۳۱ء جلد ۲۰ نمبر ۶۹)

(و) پاکستان کا بنانا اور اس کی تجویز، کانگریسی حکومت کے قیام اور اس کے مظالم مشہور رہ سے پہلے ہی قرار پاچکی ہے، مظالم کانگریس کو اس کا باعث قرار دینا محض عوام کو بھڑکانے کے لیے ہے، کانگریس کی حکومت ۱۹۳۶ء کے اواخر میں شروع ہوتی ہے، اور پاکستان کی پیدائش ۱۹۳۱ء یا اس سے پہلے ہوتی ہے، اور اس کا ظہور بلکہ اس کا پروپیگنڈا ۱۹۳۳ء سے جاری ہوجاتا ہے، چنانچہ انسائیکلوپیڈیا آف اسلام سپلیمنٹ نمبر ۴ صفحہ ۱۷۴ الیڈن ۱۹۳۷ء مقالہ (ایس، وی، پاکستان) میں ہے:

"پاکستان صوبوں کے اسماء سے حروف تہجی لے کر بنایا گیا ہے، پنجاب سے "پ" شمال مغربی صوبہ سے (جس کے رہنے والے خصوصاً افغان ہیں) "الف" کشمیر سے "کاف" سندھ سے "سین" اور بلوچستان سے "تان" ان خطوں کا

نام ۱۹۳۳ء میں چودھری رحمت علی بانیِ پاکستان نیشنل مومنٹ نے پاکستان تجویز کیا، الخ، اور اس پر لاہور ٹریبیون ۱۲ اکتوبر ۱۹۳۵ء اور لاہور اسٹرن ٹائمز ۱۰ جون ۱۹۳۴ء اور اسٹیٹسمین دہلی مورخہ ۳ اگست ۱۹۳۳ء میں مفصل بحث اور تنقید ہوئی، اور اس تجویز کو حکومتِ برطانیہ اور ان صوبوں کے ہندوؤں کے لیے خطرناک دکھلایا گیا'' (دیکھو انسائیکلوپیڈیا مذکور)

(ز) مسلم اقلیت کے صوبوں کے مظالم کو اس کا سبب قرار دینا اگر وہ پایۂ ثبوت کو پہونچیں بھی تو بھی خلافِ عقل اور خلافِ سیاست ہے،

(اولاً) اگر ان مظالم کے سبب سے پاکستان بنایا جا رہا ہے تو انھی صوبوں میں مستقبل کے تحفظ کی کوئی راہ نکالی جاتی نہ یہ کہ وہ صوبے اس کی وجہ سے اور خطرہ میں ڈال دیئے جائیں، اور مسلم اکثریت والے صوبوں کے تحفظ پر زور دیا جائے،

(ثانیاً) اگر واقع میں یہ اسباب ہو سکتے ہیں تو یہ امر ممکنہ بعد الوقوع ہی، پاکستان کی اسکیم تو پہلے ہی سے بن چکی ہے، اور اپنے منبع سے روانہ ہو کر زعمار لیگ اور مسلم کانفرنس کے قلوب میں جاگزین ہو چکی تھی،

(ثالثاً) یہ مظالم بطور ڈھونگ فرضی بنائے گئے ہیں، یا قصداً ان کو اٹھوایا گیا ہی، تاکہ عوام کے جذبات کو ابھارا جائے، اور اپنی سابقہ غداری یا غلطی پر پردہ ڈال دیا جائے، اور کانگریس کو بدنام کیا جائے، تاکہ اور لوگوں میں تنفر پیدا ہو، ان مظالم کے اثبات کے لیے بابو راجندر پرشاد، مولانا ابوالکلام آزاد، پنڈت جواہر لال نہرو اثبات تحقیق کا مطالبہ بذریعہ چیف جسٹس اور ججانِ فیڈرل کورٹ وغیرہ بار بار کر چکے ہیں، مگر مسٹر جناح وغیرہ نے رائل کمیشن پر ہی محوّل کر دیا، اور پھر کوئی وزنی اور موثر عمل اس کے لیے کرنے سے قاصر رہے،

مسز جان گنتھر اپنے آرٹیکل میں لکھتی ہے:

"۱۹۳۸ء کا واقعہ ہے میں اور میرے شوہر مسٹر جان گنتھر دونوں نے ہندوستان میں مسلم لیگ کے لیڈر مسٹر جناح سے تین گھنٹہ تک لنچ کے موقع پر گفتگو کی، ہم نے ان سے پوچھا کہ آپ ہمیں کوئی واضح اور قطعی مثال اُن شکایتوں کی بتایئے جو انڈین نیشنل کانگریس سے مسلمانوں کو ہیں، مگر وہ کوئی مثال پیش نہ کر سکے، ۱۹۴۰ء میں سر اسٹیفورڈ کرپس نے بھی اُن سے یہی سوال کیا، لیکن اس وقت انھوں نے جواب دیا اور ایک شکایت بیان کی، کرپس صاحب نے ذاتی طور پر تحقیق کرنے کا اظہار کیا تھا، مگر جب بعد کو انھوں نے نیویارک میں اس کی اطلاع دی تو اس میں انھیں کوئی اصلیت نظر نہیں آئی، اس کے بعد ستمبر ۱۹۴۲ء میں ہربرٹ میتھوز نے لکھا کہ مسلم لیڈر (انھوں نے مسٹر جناح کا نام نہیں لیا) کہتے ہیں کہ وہ جہنم سے نکلے ہیں، جناح انتہائی چالاک اور خشک قانون داں آدمی ہیں، کبھی وہ انڈین نیشنل کانگریس کے سرگرم بحثی قسم کے ممبر تھے، مگر پھر انھیں اپنی نجی خواہشات اور حوصلہ مندیوں کے لیے برطانویوں کے پیش کردہ مواقع میں بہ نسبت ایثار پیشہ کانگریس کے زیادہ ترقی نظر آئی، مگر پان اسلام ازم کی تمام بحث و گفتگو کے باوجود وہ ایک اچھے ہندوستانی، قوم پرور اور محبِ وطن انسان ہیں، اگر برطانوی ان کے ساتھ کھیل رہے ہیں تو وہ بھی برطانویوں کے ساتھ کھیل رہے ہیں۔" (مدینہ، بجنور، ۹ جون ۱۹۴۳ء)

پروفیسر کیپلینڈ (جن کو آکسفورڈ یونیورسٹی کی طرف سے ۱۹۴۱ء میں ہندوستان کے مسائل کی تحقیق کے لیے بھیجا گیا تھا اور وہ تحقیقات ختم کرنے کے بعد سر اسٹیفورڈ کرپس کے عملۂ مشیران کے رکن ہو گئے تھے) اپنی یادداشت کے ساتویں باب ڈسٹرسٹ اور ڈسیونین میں لکھتے ہیں:

"پیرپور رپورٹ میں مندرجہ اور دیگر داستانہائے مظالم جو کانگریس وزارتوں کی طرف منسوب کیے گئے ہیں کوئی وزن نہیں رکھتے، میں نے مسٹر جناح سے ان کے سلسلہ میں جس قدر گفتگو کی میں سمجھتا ہوں وہ ان کو یا کانگریس کی اسلام دشمن روش کو نہیں ثابت کر سکے"۔

(ج) یہ اسکیم اس لیے بنائی گئی ہے کہ برطانوی اقتدار ہمیشہ تمام ہندوستان پر یا کم از کم مسلم ہندوستان (پاکستان) پر قائم رہے، ہمیشہ سے یہی اصول برطانیہ کا ہندوستان پر قبضہ کرنے میں کرتا ہے، اور یہی اصول اب تک اس کی حکومت کی بقا میں کار آمد ہوا، یعنی ڈیوائڈ اینڈ رول (لڑاؤ اور حکومت کرو) اگر دو ٹکڑے ہندوستان کے ہو جائیں گے تو برطانیہ کو آپس میں لڑانے اور پھر چودھری بن کر اُن کے تحفظ کے بہانے سے حکومت کرنے کا موقع ہاتھ آئے گا، مگر ایک فیڈریشن ہونے کے وقت میں ہندوستان برطانیہ سے بالکل بے نیاز ہوگا، جس سے صلح کرے گا یا جنگ کرے گا وہ بیرونی طاقت ہوگی، اس میں برطانیہ کی چودھراہٹ کی ضرورت نہ ہوگی، نہ امن و امان کے بہانہ سے اس کو مداخلت کرنے کا موقع ہوگا،

ڈاکٹر سر اقبال مرحوم اپنے خطبۂ اجلاس لاہور ۱۹۳۲ء میں فرماتے ہیں کہ:۔

"لیکن حکومتِ برطانیہ کا موجودہ رویہ مظہر ہے کہ وہ ہندوستان میں غیر جانبدار ثالث کی حیثیت سے عامل رہنے کی صلاحیت نہیں رکھتی، اور بالواسطہ گویا ہندوستانی اقوام یعنی ہندوؤں اور مسلمانوں کو ایک قسم کی خانہ جنگی کی طرف لے جا رہی ہے، جو محض اس غرض سے انگریزوں نے اختیار کر رکھی ہے، کہ ہندوستان میں اپنی پوزیشن کو سہولت کے ساتھ قائم رکھ سکیں"۔

چنانچہ مسٹر جناح کا مندرجہ ذیل بیان اس پر بخوبی روشنی ڈالتا ہے، نئی دہلی

۲۹ رفروری ۱۹۴۴ء نیوز کرانیکل لندن کی دعوت پر مسٹر جناح نے پاکستان کے مسئلہ پر مندرجہ ذیل بیان دیا ہے:۔

"اگر برطانوی حکومت ملک کو دو ٹکڑے کردے تو تھوڑے عرصہ کے بعد جو ۳ ماہ سے زیادہ نہ ہوگا ہندو لیڈر خاموش ہوجائیں گے، اور جب تک دونوں ٹکڑے آپس میں امن سے نہ رہیں تب تک برطانوی حکومت کا فوجی اور خارجی کنٹرول ضروری ہے، اس صورت میں مصر کی طرح کم ازکم ہم اندرونی طور پر تو آزاد ہوں گے، آج بھی اصولاً پانچ صوبوں میں پاکستانی حکومتیں مسلم لیگ کے ماتحت قائم ہیں، اور ہندو وزیر ان میں کام کر رہے ہیں، پاکستان کی قائمی میں ۳/۴ ملک ہندوؤں کے زیر اثر ہوگا، اور ۱/۴ مسلمانوں کے، نیز پاکستان کے قائم ہونے سے دائمی امن کی امید ہے"

(مدینہ، بجنور، نمبر ۱۷، جلد ۳۳، مورخہ ۵ رمارچ ۱۹۴۴ء)

اسی بیان پر ڈاکٹر عبداللطیف صاحب حیدرآبادی جو کہ پاکستان کے بہت بڑے حامی ہیں اور اس کے متعلق مفصل کتاب لکھنے والے ہیں، اور ایک عرصہ تک لیگ کے ذمہ دار عہدہ دار رہے ہیں، فرماتے ہیں:

حیدرآباد، ۴ رمارچ ۱۹۴۴ء ڈاکٹر سید عبداللطیف صاحب نے مسٹر جناح کے اس بیان پر تبصرہ کرتے ہوئے جو انھوں نے نیوز کرانیکل کے نمائندہ کو دیا ہے فرمایا کہ:

"اب مسلمانوں کو دیکھنا چاہیے کہ ان کے قائد اعظم ان کو کدھر لیے جارہے ہیں؟ میں ابتدا ہی سے جانتا تھا کہ مسٹر جناح پاکستان کے لیے سنجیدہ نہیں ہیں، اب انھوں نے ظاہر کر دیا ہے کہ وہ قطعی آزاد پاکستان کے

خواہشمند نہیں ہیں، وہ والیِ ملک کے بغیر ایک ایسی ریاست کے خواہشمند ہیں، اور چاہتے ہیں کہ زیر سایۂ برطانیہ ایک طویل مدت میں یہ علاقے مصر کی حقیقت تک پہونچ جائیں جو قانونی طور پر تو آزاد ہیں مگر اپنے ہر کام میں برطانیہ کے چشم وابرو کا منتظر ہے، انھوں نے کراچی میں "تقسیم کرو اور ہندوستان سے چلے جاؤ" کا نعرہ لگایا تھا، مگر اب وہ کہہ رہے ہیں کہ اس سے ان کا مقصد "تقسیم کرو اور رہو" تھا، وہ چاہتے ہیں کہ برطانوی طاقت ہندوستان اور پاکستان دونوں جگہ رہے، اور دفاع وخارجی مسائل کی مالک بنی رہے یہ ہے مسٹر جناح کی آئینی ترقی کے متعلق نظریہ، کیا کوئی انگریز اس کے لیے ان کا شکریہ ادا کرے گا، میرے خیال میں برطانوی رجعت بھی اس پالیسی پر افسوس ظاہر کریں گے، برطانیہ نے کرپس اسکیم کی رُو سے وعدہ کیا ہے کہ جنگ کے بعد ہندوستان کو متحدہ طور پر یا علاقوں کی تقسیم کے بعد مکمل طور پر آزادی حاصل ہوجائے گی، بجائے اس کے کہ مسٹر جناح اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے دوسری جماعتوں سے اتحاد کرتے، وہ موجودہ غلامی پر ہی قانع ہیں، کیا مسلم لیگ کے عام ممبران اس روش کی تائید کریں گے"

(اجمل، بمبئی، جلد ۱۷، ۶ مارچ ۱۹۴۴ء)

مسٹر جینا اور ڈاکٹر عبد اللطیف کے اسی بیان کے متعلق "مدینہ" لکھتا ہے:

"مسٹر جناح کے پاکستان کی آزادی کا تصور بقول ڈاکٹر عبد اللطیف اس سے آگے نہیں بڑھتا کہ رفتہ رفتہ وہ مصر کی موجودہ حیثیت کو پہونچ جائے، اور مصر کی موجودہ حیثیت کیا ہے؟ مسٹر دلکی جیسے ہوشمند اور باخبر سیاست داں کی زبان سے سُنیے، آپ نے اپنی مشہور تازہ تصنیف "ایک دنیا" میں لکھا ہے کہ مصر تمام عملی اغراض کے لیے برطانوی سفیر

سرمائلس لیمپس کا محتاج ہے، اس کی رضامندی کے بغیر کچھ نہیں کرسکتا، مسٹر جناح چاہتے ہیں کہ ہندوستان اور پاکستان بھی اسی بالادستی کی نعمت سے بہرہ مند ہوں"

(مدینہ، ۱۳ مارچ ۱۹۴۴ء نمبر ۱۹، جلد ۳۳)

اجمل، بمبئی، مورخہ ۷ مارچ ۱۹۴۴ء اپنے ایڈیٹوریل میں حسب ذیل بیان دیتا ہے:

"مسلمانوں کے لیے لمحۂ فکریہ! مسلم لیگ کے قائدِ اعظم مسٹر جینا نے لندن اخبار نیوز کرانیکل کے نمائندے کو جو رجعت پسندانہ بیان دیا ہے ہم اس سے قبل تبصرہ کرچکے ہیں، اس بیان نے پاکستان کے بارے میں مسٹر جینا اور انہی کے ساتھ پوری مسلم لیگ کی (کیونکہ اس کے کرتا دھرتا مسٹر جینا ہی ہیں) پوزیشن کو حد درجہ مضحکہ خیز بنا دیا ہے، اور درحقیقت انھیں بے نقاب کردیا ہے، اس وقت ہمارے سامنے اس بیان پر ڈاکٹر سید عبداللطیف صاحب کی تنقید ہے، جو انھوں نے اسی بیان سے متاثر ہوکر کی ہے، ڈاکٹر سید عبداللطیف اُن لوگوں میں نہیں ہیں جنھیں پاکستان کا مخالف کہا جاسکے، بلکہ وہ تو اس بات کے مدعی بھی ہیں کہ پاکستان کا خیال انہی نے پہلے پیش کیا، اور کلچرل یا تہذیبی منطقوں میں ہندوستان کے متعلق ایک اسکیم کے تحت وہ مرتب بھی ہیں، جسے انھوں نے اپنی ایک تصنیف میں پیش بھی کیا ہے، جب ایک ایسا شخص بھی مسٹر جینا کے طرزِ عمل پر اتنی سخت تنقید کرتا ہے جتنی کہ ڈاکٹر صاحب موصوف نے کی ہے تو اسے محض سیاسی مخالفت کی بنا قرار دے کر نظرانداز نہیں کیا جاسکتا، ڈاکٹر سید عبداللطیف صاحب نے جو باتیں کہی ہیں وہ حقیقت

پر مبنی ہیں، انھوں نے جو اعتراضات مسٹر جینا پر کیے ہیں وہ مسٹر جینا کے بیان کی روشنی میں
حرف بحرف صحیح ہیں، ڈاکٹر لطیف صاحب کہتے ہیں کہ مسٹر جینا نے
کراچی میں نہایت بلند آہنگی سے یہ مطالبہ کیا تھا کہ انگریز ہندوستان
کو تقسیم کر کے یہاں سے چلے جائیں، مگر اس سے ان کا مقصد وہ نہیں
تھا جو اِن الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے، بلکہ ان کا مقصد اس کے خلاف یہ
تھا کہ انگریز ہندوستان کو ہندو مسلمانوں میں تقسیم کریں اور پھر
یہاں رہیں، اور رہیں بھی تو اس طرح پر کہ مسٹر جینا اور ان کی لیگ کے
مجوزہ پاکستان اور ہندوؤں کے قبضہ کے ہندوستان دونوں پر انگریز
ہی مسلط رہیں، کیونکہ فوج اور امور خارجہ پر انہی کا قبضہ رہے،
نیز ان دونوں ریاستوں کے (جنھیں ممکن ہے کہ مسٹر جناح اور ان کے
ساتھی اپنا جی خوش کرنے کے لیے آزاد ریاستیں کہیں) چودھری بنے
رہیں، اور جبتک ان دونوں کے ایسے تعلقات اس طرح پر طے نہ پا جائیں
جس سے انگریز بھی مطمئن ہوں، انگریزوں کی ہندوستان میں مداخلت
کا سلسلہ جاری رہے،

یہ باتیں ڈاکٹر عبداللطیف نے اپنی طرف سے مسٹر جینا کی طرف
منسوب نہیں کی ہیں، نہ ہم اس میں اضافہ اپنی طرف سے کر رہے ہیں،
بلکہ یہ باتیں پوری وضاحت کے ساتھ مسٹر جینا کے بیان میں صاف
الفاظ موجود ہیں، اس بیان نے واضح کر دیا کہ مسٹر جینا کے ذہن میں
ہندوستان کی آزادی کا یا تو سرے سے تصور ہی نہیں ہے، یا اگر ہے
تو وہ ایسی آزادی ہے جس سے کوئی خوددار ہندوستانی خواہ وہ متحدہ
ہندوستان کا حامی ہو خواہ تقسیم ہند یعنی پاکستان کا، یہی نہیں کہ مطمئن

نہیں ہو سکتا بلکہ بلاشک و شبہہ مضطرب اور پریشان ہوگا، مسٹر جینا نے اپنے اس بیان میں وہ بات کہی ہے جو رجعت پسند انگریز بھی کم از کم اپنے مُنہ سے نہیں کہتا خواہ اس کی نیت میں کتنا ہی فتور کیوں نہ ہو ایسی حالت میں ڈاکٹر عبداللطیف صاحب یہ کہنے میں قطعاً حق بجانب ہیں کہ مسٹر جینا کی اِس روش کو دیکھتے ہوئے یہ ماننا پڑے گا کہ وہ پاکستان کے بارے میں کبھی سنجیدہ تھے ہی نہیں، وہ جو چیز چاہتے تھے یا ان کا دماغ جو چاہتا تھا وہ کوئی آزاد اسلامی ریاست یا اسی کے ساتھ جیسا کہ وہ اکثر کہا کرتے تھے غیر پاکستانی علاقوں کی آزاد ہندوستانی ریاست نہ تھی بلکہ وہ انگریز کی غلامی میں ایسی ریاستوں کا خواب دیکھ رہے ہیں جن کی حیثیت تقریباً وہی ہو جو ہندوستانی ریاستوں کی ہے، اور ایک مدتِ مدید کے بعد بھی (جس کا فیصلہ یاد رہے کہ انگریز ہی کرے گا) ان کی حیثیت مصر کی ہو جائے جسے باوجود اپنی آزادی کے ہر کام میں برطانیہ کے اشارۂ چشم و ابرو کا منتظر رہنا پڑتا ہے،

بہرحال ایک لحاظ سے بہت اچھا ہوا کہ مسٹر جینا نے سالہا سال کے بعد پہلی بار صفائی کے ساتھ بتا دیا کہ پاکستان کے متعلق ان کا اپنا تخیل کیا ہے، اب مسلمانوں کو عام طور پر اور خاص طور پر اُن مسلم لیگی حضرات کو جو مسٹر جینا کی ہر بات پر آمنّا و صدّقنا کا نعرہ بلند کرنے کے عادی بن گئے ہیں سوچنا چاہیے کہ مسٹر جینا انھیں کدھرے جا رہے ہیں، کیا یہی وہ چیز ہے کہ ہندوستان کے دس کروڑ مسلمانوں کا منتہائے نظر ہونی چاہیے، اور کیا مسلم لیگ کی وہ نشاۃِ ثانیہ جس کے راگ الاپتے مسلم لیگی حضرات کی زبانیں نہیں تھکتیں اسی مقصدِ عظیم کے لیے ہے، اگر اس کا جواب اثبات میں

ہو تو ہمیں اس پوری تنظیم اور اس کے مقصد دونوں پر فاتحہ پڑھ دینا چاہیے
اور اسی کے ساتھ یہ بھی کہہ دینا چاہیے کہ اگر ہندوستان کے دس کروڑ..
مسلمان اب بھی اسی چکر میں رہیں جس میں مسٹر جینا اور ان کے ساتھی
انھیں رکھنا چاہتے ہیں تو ان کا بس اللہ ہی حافظ ہے، کیونکہ اس کا نتیجہ
سوائے اس کے کچھ نہیں ہو سکتا کہ مسلمان خود بھی برطانیہ کا غلام بنا رہے
اور اپنے ساتھ اپنے دوسرے کروڑوں ہم وطنوں کو بھی غلامی پر مجبور
کرے"

ہمیں امید ہے کہ مسلم لیگیوں کا سنجیدہ طبقہ اس مسئلہ پر ٹھنڈے
دل سے غور کرے گا اور سوچے گا کہ آخر وہ ان چیزوں کو کب تک برداشت کریں گے،
خیر مسلم لیگی خواہ کچھ سوچیں اور کچھ کریں، ہمیں تو یہ محسوس ہو رہا ہے کہ مسلمانانِ ہند
کی زندگی میں وہ نفسیاتی گھڑی اب قریب آتی جاتی ہے جب حالات انھیں اس
بات پر مجبور کریں گے کہ وہ اپنے طرزِ عمل پر نظرثانی کریں اور اس میں تبدیلی کریں،

(ط) برطانیہ کے یہ ٹوری حضرات اس طریقہ سے ہندوستان کو کمزور کر دینا
چاہتے ہیں، اور یہ چاہتے ہیں کہ اس میں اتنی طاقت نہ پیدا ہو کہ وہ انگلستان اور
دیگر یورپین ممالک کو آنکھیں دکھانے لگے اور ان کا حلیف بن جائے، تقسیم کی شکل
میں اول تو اس کو داخلی جھگڑوں میں مبتلا ہونا پڑے گا، اور پھر دونوں ٹکڑوں
(پاکستان اور ہندوستان) کے آپس کے جھگڑوں میں پھنس جانا پڑیگا، ہاں! اگر اس کا مرکز صرف
ایک ہی ہو جائے تو یقیناً تھوڑی ہی مدت میں وہ ایسی عظیم الشان طاقت
بن سکتا ہے جس کا مقابلہ بآسانی کوئی یورپین طاقت بھی نہ کر سکے گی، چنانچہ نیوز
کرانیکل لندن کے نمائندے نے اپنے سوالات میں مندرجہ ذیل الفاظ کہے تھے:

(سوال) "لیکن یہ کس طرح ایک پسندیدہ صورت ہو سکتی ہے کہ ملک کو

دو حصوں میں تقسیم کرکے کمزور کر دیا جائے جس سے وہ بیرونی حملوں کا شکار ہو۔"

نیز ایک سوال حسبِ ذیل تھا:

"لیکن خانہ جنگی ہونا یقینی ہے، آپ ایک ہندوستانی السٹر قائم کریں گے جس پر آگے چل کر ہندو لوگ متحدہ ہندوستان کے نام پر ممکن ہے کہ حملہ کریں۔"

نیز ایک سوال یہ تھا کہ:

"اگر اس وقت انگریزوں نے یہ عذر کرکے ہندوستان کو چھوڑنے سے انکار کر دیا کہ ہندو اور مسلمانوں کے تعلقات اس قدر اچھے نہیں ہیں کہ وہ ہمسایہ کے طور پر رہ سکیں تو پھر کیا ہوگا؟"

نمائندہ نیوز کرانیکل کے سوالات میں یہ تینوں سوالات واقعات کی روشنی میں ہیں اور نہایت صحیح ہیں، مسٹر جناح کے جوابات ہرگز اطمینان بخش نہیں ہیں اور نہ واقعات اور حقائق پر مبنی ہیں، چنانچہ پہلے سوال کے جواب میں فرماتے ہیں:

"میں یہ تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہوں کہ ہندوستان کو جبری طور پر متحد رکھ کر زیادہ محفوظ بنایا جاسکتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ اس صورت میں اس کے بیرونی حملوں کا شکار ہونے کے زیادہ امکانات ہیں، کیونکہ ہندو مسلمان کبھی ایک نہیں ہوں گے، بلکہ ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ دست و گریبان رہیں گے، ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان کوئی ایسا سمجھوتہ ناممکن ہے جس سے مسلمان ہندوؤں کے ساتھ بطور ایک وحدت کے یا ایک وفاق کے اندر رہنے پر تیار ہوسکیں، نیوفاؤنڈلینڈ سے مکمل آزادی کا وعدہ کیا گیا ہے، اگر یہ مختصر سا ملک کناڈا کے قریب

ہوتے ہوئے بھی علیحدہ اپنے پیروں پر کھڑا ہو سکتا ہے تو یقیناً پاکستان بھی جس کی آبادی سات آٹھ کروڑ یعنی برطانیہ کی آبادی سے دوگنی ہے تنہا ترقی کی منزل پر آگے بڑھ سکتا ہے "

(راجمل، بمبئی، ۲ر مارچ ۱۹۴۴ء)

تعجب کی بات ہے کہ مسٹر جینا کس طرح اس جواب میں تاریخ اور واقعات اور صحیح امکانات پر ڈھول ڈال رہے ہیں۔ یہودیوں اور عیسائیوں کی تاریخ اٹھاکر دیکھیے کس طرح قرنہا قرن ان میں خوں ریزی اور دشمنی کے انتہائی درجہ کے مظاہرات ہوتے رہے ہیں، مگر کیا برطانیہ اور امریکہ میں یہودی قوم اپنے اعلیٰ پیمانے کے سرمایہ اور خوش حالی کے ساتھ کامن ویلتھ میں بسر نہیں کر رہی ہے؟ اور کیا وہ اعلیٰ سے اعلیٰ عہدے حاصل کر کے مانٹیگو اور ریڈنگ وغیرہ کی صورت میں برٹش ایمپائر کی امداد و اعانت نہیں کر رہے ہیں؟ کینڈا، اور جنوبی امریکہ کے بسنے والے مختلف نسلوں اور مختلف اقوام و مذہب والے نہیں ہیں؟ اگر یہ سب ایک وفاق میں شریک ہو سکتے ہیں حالانکہ زمانہ ہائے سابقہ اور لاحقہ میں اُن میں سخت عداوتیں ظہور پذیر رہی ہیں، تو کیا ہندوستان کے باشندے مستقبلِ قریب میں ہندوستانی کامن ویلتھ (دولتِ مشترکہ) کے اجزاء نہیں ہو سکتے؟

سرکیشیا اور قفقاسیہ کے جراکیہ جارجیا کے داغستانی وغیرہ اور صحراء روس اور سائیبیریا کے قزق (کاسک) اور... شہروں کے بسنے والے قازانی یہ وہ بہادر مسلمان قومیں ہیں جن کی اور صرف انہی کی مدد سے متحدہ روس کو کامیابی جرمن کے مقابلہ میں ہوئی ہے، یہ سب اپنے اپنے صوبوں کی داخلی آزادی کے ساتھ ساتھ روسی کامن ویلتھ اور متحدہ حکومت میں داخل اور شریک ہیں، حالانکہ زمانہ ہائے سابقہ میں جو جو خوں ریزیاں اور جنگ وجدال آپس میں پیش آئے ہیں ان سے تاریخ کے صفحات

بھرے ہوئے ہیں،

خود ہندوستان میں انگریزوں سے پہلے مغلیہ دولتِ مشترکہ اور وفاق ہند اور مسلمان ریاستوں میں ہر دو قومیں انتہائی اتفاق اور اتحاد کے ساتھ صدیوں تک گذر بسر کرتی رہی ہیں، ڈبلیو، ایم ٹارانس اپنی کتاب "ایشیا میں شہنشاہیت" میں لکھتا ہے:

"سیواجی کو متعصب اور سلطان ٹیپو کو کٹر مذہبی کہا جاتا ہے، لیکن جس وقت ہم نے جنوبی ہند کی ریاستوں میں دخیل ہونا شروع کیا ان کے یہاں اس قسم کے مذہبی تنفر کا نام تک نہ تھا جس طرح انگلستان اور یورپ کے تقریباً سب حصّوں میں مخلوق کو تباہ کرنا روا رکھا جاتا تھا، جب آئرلینڈ میں کوئی رومن کیتھولک نہ اپنے بزرگوں کی جاگیر کا حقدار سمجھا جاتا تھا نہ فوج کا افسر ہوتا تھا، جبکہ سویڈن میں سوائے لوتھر کے معتقدین کے اور کسی عقیدہ کا کوئی شخص ملازم نہیں ہوسکتا تھا، ٹھیک اُس وقت ہندوستان کے اندر ہر شہر اور شاہی دربار میں ہندو مسلمان عزت اور سرمایہ کمانے میں اور ایک دوسرے سے بازی لے جانے میں آزاد تھے۔"

لارڈ ولیم بنٹنگ انگلستان میں ایک کمیٹی کے روبرو ۱۸۸۲ء میں بیان دیتے ہوئے کہتا ہے:

"بہت سی باتوں میں اسلامی حکومتیں انگریزی رواج سے کہیں بہتر تھیں، مسلمان اس ملک میں آباد ہو گئے تھے جسے انھوں نے فتح کیا تھا، وہ ہندوستانی باشندوں میں گھل مل گئے، ان میں بیاہ شادی کرنے لگے، مسلمانوں نے ہندوستانی غیر مسلموں کو ہر قسم کے حقوق دیئے، اور فاتح و مفتوح کے مذاق، دلچسپی اور ہمدردی میں یکسانیت تھی، کوئی

فرقہ نہ تھا، بخلاف اس کے انگریزی پالیسی اس کے برعکس ہے، اب سرد مہری، خود غرضی اور بے پروائی ہے، جس میں ایک طرف تو قوت کا آہنی پنجہ حکمران ہے، اور دوسری طرف ہر چیز پر اپنا قبضہ ہے، اور ہندوستانیوں کو کوئی دخل نہیں ''

(الانصار، نمبر ۲۲ جلد ۲، مورخہ ۱۶ر جون سنہ ۱۹۲۸ء)

(ماخوذ از فارورڈ کلکتہ)

اسی طرح سرجان مینارڈ اور دوسرے مورخ لکھتے ہیں:

''یہ منافرت انگریزوں کی پیدا کی ہوئی ہے، اور انہی کی خواہش اور پالیسی کے موافق لیگ بھی پر زور کوشش کر رہی ہے، یقیناً اگر انگریزی راج کا یہاں سے خاتمہ ہو جائے اور زعمائے لیگ اپنی اس غلط پالیسی کو چھوڑ کر اتفاق و اتحاد کی دن رات کوشش کرنے لگیں تو حالت بہت جلد بدل سکتی ہے، جیسا کہ تحریکِ خلافت کے وقت میں مشاہدہ ہو رہا تھا، اگر گورنمنٹی طاقتیں اپنی باطنی قوتوں کو استعمال نہ کریں تو یقیناً نہایت زیادہ ہم آہنگی اور خوشگواری قائم ہو جاتی ''

اور اگر واقعیت وہی تسلیم کرلی جائے جو کہ مسٹر جناح ارشاد فرماتے ہیں تو پھر پاکستان کے ہر دو حصوں میں بھی کبھی امن و سکون نہ ہوگا، اور نہ وہاں مسلم حکومت قائم رہ سکے گی، وہاں کی چالیس فی صدی بلکہ اس سے بھی زیادہ غیر مسلم آبادی مسلمانوں سے ہمیشہ دست بگریباں رہے گی، اور حکومت کو تنگی کے ناچ نچاتی رہے گی، بالخصوص اس وجہ سے کہ وہ سرمایہ دار، زمیندار اور عام مسلمانوں سے بہت منظم اور تعلیمیافتہ ہے، مسلمان عموماً مفلوک الحال اور ہندوؤں اور سکھوں کے مقروض اور محتاج اور رعایا ہیں، اور حسبِ تصریح تنظیم امرتسر ۱۴ر جون سنہ ۱۹۲۸ء اُن پر قرضہ نوّے کروڑ

روپیہ ہے جس کا سود تقریباً ۵ اکروڑ روپیہ ان کو دینا پڑتا ہے، قرضہ کا سب سے بڑا حصہ کاشتکار مسلمانوں پر ہی ہے، اور قرض خواہ عموماً غیر مسلم مہاجن ہیں،

دوسرے سوال کے جواب میں مسٹر جینا ارشاد فرماتے ہیں:

"مجھے اس سے اتفاق نہیں ہے، نئے آئین کے تحت مختلف پیدا ہونے والے معاملات کو سلجھانے اور طے کرنے کے لیے ایک درمیانی دَور ہوگا جس کے دوران میں امورِ خارجہ اور فوجی معاملات برطانیہ کے ہاتھ میں رہیں گے، اس درمیانی دَور کی مدت کیا ہوگی، اس کا انحصار اس امر پر ہوگا کہ کس رفتار سے ہندو اور مسلمان نیز انگریز اپنے کو نئے آئین کے تحت ڈھالتے ہیں، بالآخر ہندو اور مسلمان دونوں برطانیہ کے ساتھ معاہدہ کرلیں گے جس طرح مصر نے اپنی آزادی حاصل کرنے کے بعد برطانیہ کے ساتھ معاہدہ کیا ہے۔" (اجمل بمبئی، ۲ر مارچ ۴۴ء)

اس جواب میں جو غلط کاری مسٹر جناح نے کی ہے، اس کی تفصیل ڈاکٹر عبداللطیف صاحب کے بیان اور اجمل اور مدینہ بجنور کی توضیحات میں آچکی ہے، مگر ہم ایک واضح چیز یہاں انصاری دہلی روزانہ، مورخہ ۹ر مارچ ۴۴ء کے ایڈیٹوریل سے نقل کرنا ضروری سمجھتے ہیں، وہ کہتا ہے:

"لیکن سوال یہ ہے کہ اس درمیانی دور میں برطانیہ ہندوستان کے ان دونوں حصوں کو کیوں نہ ایسی پوزیشن میں ڈال دے گا کہ وہ کبھی بھی آزاد نظامِ حکومت کو سنبھالنے کے قابل نہ ہوسکیں، اگر اس امکان سے انکار نہیں کیا جاسکتا تو کیا مسٹر جناح کی اس تجویز کا مطلب برطانیہ کو یہ صلاح دینا نہیں ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے متحدہ ہوکر ہندوستان کی آزادی کی تحریک اٹھانے کے امکانات کو پاش پاش کر ڈالنے کے لیے

ہندوستان کو ہندو ہندوستان اور مسلم ہندوستان میں تقسیم کرے، اور الگ الگ اُن کی پوزیشن کو کمزور کرکے ہندوستان کو قیامت تک غلام بنائے رکھے، نیوز کرانیکل کے نامہ نگار کو بھی مسٹر جناح کی اس تجویز کو سُنکر یہی بات سوجھی تھی جو ہم نے واضح کی ہے، چنانچہ اس نے مسٹر جناح سے دریافت کیا کہ اگر اس وقت انگریز یہ عذر کرکے ہندوستان کو چھوڑنے سے انکار کردے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے تعلقات اس قدر اچھے نہیں ہیں کہ وہ ہمسایہ کی حیثیت سے اچھی طرح رہ سکیں، تو پھر کیا ہوگا؟ مسٹر جناح کو اس کی کچھ فکر نہیں ہے کہ اُس وقت کیا ہوگا اور برطانیہ ہندو اور مسلمانوں کو الگ الگ غلامی کے پھندے میں لٹکائے رہے گا، اُنہیں تو صرف یہ فکر ہے کہ کسی طرح مسلم صوبوں پر مسلم لیگیوں کا راج ہو جائے"

اخبار مذکور کا یہ کہنا بالکل واقعی اور صحیح ہے، برطانوی قوم بالخصوص ٹوریوں اور قدامت پسندوں کی ذہنیت اور ان کے آئے دن کے بیانات اور ارادے اور اعمال اسی کی شہادت دیتے ہیں، سابقہ تجربات صراحتاً اس کے دلائل اور براہین تو یہ ہیں،

تیسرے سوال کا جواب مسٹر جینا نے حسبِ ذیل ارشاد فرمایا ہے:

"ایسا ہو سکتا ہے، لیکن اس کا امکان نہیں ہی، بہر حال اس صورت میں بھی ہمیں اس سے زیادہ آزادی حاصل رہے گی، جو اس وقت ہے، ایک جداگانہ قوم اور ایک ڈومنین کی حیثیت سے ہمارے لیے موجودہ تعطل کے مقابلہ میں اس وقت اس کے زیادہ مواقع و امکانات ہوں گے کہ ہم میں اور برطانیہ میں معاہدہ ہو جائے"

مسٹر جناح نے یہ دعویٰ تو کر دیا کہ اس کا امکان نہیں ہے، مگر اس کی کوئی دلیل ذکر نہیں فرمائی، انگریزوں کے اس قسم کے کارنامے تاریخی صفحات پر اس قدر مرقوم

ہیں کہ ان کے گنوانے کے لیے دفاتر چاہئیں، تعجب ہے کہ مسٹر جینا ان تمام معاملات سے چشم پوشی فرما رہے ہیں، ایڈورڈ گرے، لائڈ جارج، مسٹر چرچل اور دیگر وزرار برطانیہ کی تواریخ دیکھیے، اور مسٹر جینا کی ناواقفیت یا نسیان کی داد دیجیے، اس قسم کی ڈپلومیسیاں ساحرین برطانیہ کے بائیں ہاتھ کے کھیلوں میں سے ہیں،

ہم کو اس وقت میں مولانا محمد علی صاحب مرحوم کا مقولہ یاد آتا ہے، انھوں نے متعدد مرتبہ ذکر فرمایا جبکہ وہ خلافت ڈیپوٹیشن میں انگلستان کو جا رہے تھے تو پیرس میں بھی گذرے، اور وہاں کے ایک مشہور و معروف سیاسی شخص سے ملاقات کی، اثنار ذکر میں انگریزوں کی ڈپلومیسی اور فریب کا تذکرہ آیا، تو اس نے کہا کہ "میں اور میری قوم (فرنچ) ہمیشہ یہ عہد کرتے ہیں کہ آئندہ انگریزوں کے فریب میں نہ آئیں گے، مگر تھوڑے ہی دنوں کے بعد میں اور میری قوم دیکھتے ہیں کہ پھر ان کے فریب میں پھنس گئے ہیں"...

تعجب ہے کہ دنیا کی آزمودہ کار پالیٹکس کی ماہرین قومیں تو ان کے دجل اور فریب کا اتنے زور و شور سے اقرار کریں، اور مسٹر جناح جو صرف قانون کے نہایت خشک ماہر ہیں (بقول مسز جان گنتھر) اس کے امکان کا بلا دلیل انکار کریں، جے کیر ہارڈی تو کہتا ہے کہ جب تک دنیا میں ڈپلومیٹک آفس موجود ہے دنیا میں امن و امان قائم نہیں ہو سکتا، اور مسٹر جناح فرماتے ہیں کہ اس کا امکان نہیں ہے، اٹلانٹک چارٹر اور ایسی ایسی سیکڑوں چیزیں موجود ہیں، اور مسٹر جناح سب سے چشم پوشی فرما رہے ہیں یا دانستہ سب کی آنکھوں میں دھول ڈال رہے ہیں،

ان کی دوسری باتوں کا جواب ڈاکٹر عبداللطیف اور اجمل کے آرٹیکل میں آچکا ہے، اعادہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے،

روزنامہ انصاری مورخہ ۹ر مارچ ۱۹۴۴ء کہتا ہے اور صحیح کہتا ہے:۔

"مسٹر جناح کو نہ تو ہندوستان کی آزادی کی پرواہ ہے اور نہ آپ کو

مسلمانوں کی آزادی کی فکر ہے، بلکہ اس وقت تو آپ کو صرف اس بات کی دُھن ہے کہ کسی نہ کسی طرح انگریز ہندوستان کے دو ٹکڑے کرکے ایک ٹکڑے پر مسلم لیگ کا راج قائم کرادیں[۱]" اور اپنی سنگینوں سے اس مسلم لیگی راج کی حفاظت کرتے رہیں، مسلمانوں کو مسٹر جناح کے اس تازہ اظہارِ خیال کی روشنی میں مسلم لیگ کے مطالبۂ پاکستان کے سیاسی ڈھونگ کو غور سے دیکھنا چاہیے کہ یہ مسلمانوں کی آزادی کا مطالبہ ہے یا انھیں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے غلام بنوانے اور ہندوستان کی دوسری قوموں سے برسرِ پیکار رکھنے کی ترکیب ہے۔"

(ی) مسٹر پلیوڈن کے خط سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان ملعون مفادات اور منحوس خود غرضیوں کی بناء پر ٹوری اور رجعت پسند انگریزوں نے مصمم ارادہ تقسیمِ ہندوستان کر کے مسلم لیگی اور مسلم کانفرنسی لیڈروں سے بخت وپز کرلی ہے، وہ کہتا ہے کہ خواہ ہم کچھ کریں یہ ہو کر رہے گا، پھر کیا وجہ ہے کہ ہم اسے جلد از جلد معرضِ عمل میں نہ لائیں، اور اس کے ساتھ سب سے پہلے تاجرانہ تعلقات کیوں نہ قائم کریں، یہ قول صاف اس امر پر روشنی ڈالتا ہے اور اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مسئلہ تقسیمِ ہندوستان صرف انگریزوں کا نکالا ہوا ہے، مسلمانوں کو بیوقوف بنا کر اپنا اُلّو سیدھا کیا جارہا ہے، افسوس ہے کہ مسلمان دھوکہ میں پڑے ہوئے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ انگریز اس کی تائید وحمایت میں پورا زور لگا رہے ہیں،

مسٹر چمن لال ستیلواڈ کا وہ بیان جو کہ انھوں نے امریکہ سے واپسی ۱۵ر جنوری سنہ ۱۹۴۵ء میں کراچی میں دیا تھا اس امر پر پوری روشنی ڈالتا ہے، اس کا اقتباس حسبِ ذیل ہے:

---

[۱] جس کے پریذیڈنٹ غالباً مسٹر جیناہی ہوں گے ۱۲۔ منہ

"امریکہ کا برطانوی سفارت خانہ پاکستان کے حق میں انگلینڈ میں پمفلٹ وغیرہ لٹریچر چھپواتا ہے، اور اسے ہوائی جہازوں کے ذریعہ امریکہ میں مفت تقسیم کرنے کی خاطر بھیجا جاتا ہے، اس کے علاوہ امریکہ میں ایک مسلم لیگ بھی کھولی گئی ہے، مسٹر احمد اس کے انچارج ہیں، برطانوی سفارت خانہ کی طرف سے انھیں تنخواہ دی جاتی ہے"

(روزنامہ ملاپ، مورخہ ۱۶ر جنوری ۴۵ء جلد ۲۲ نمبر ۲۴۴ از ریڈیو)

ہندوستان میں برطانوی حکام کی لیگ کی غیر معمولی حمایت اور سرپرستی اس کی شہادات عادلہ ہیں، جو کہ ہر ایک غور کرنے والے پر مخفی نہیں ہیں،

نیو اسٹیٹسمین اینڈ نیشن لندن مورخہ ۱۴ر دسمبر سنہ ۱۹۴۰ء لکھتا ہے :-

"یہ اشکال اس وجہ سے پیدا ہوا کہ لارڈ لنلتھگو نے مسلم لیگ کو ہندوستان کے تمام مسلمانوں کی واحد نمائندہ جماعت تسلیم کرلیا، مسلم لیگ ایک طاقتور جماعت ہے، اور اس کو مسٹر جناح کی رہنمائی حاصل ہے، جو ایک قابل اور سرگرم لیڈر ہیں، لیکن اس کو پنجاب، سندھ اور سرحد کے صوبوں میں بھی جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے کوئی مقبولیت حاصل نہیں، اور اگر اس وقت کچھ ہو بھی گئی ہے تو کل تک نہیں تھی صوبجاتی اسمبلیوں کے انتخابات میں مسلم خلقہ ہائے انتخاب سے جو ممبر منتخب ہو کر آئے ان میں مسلم لیگ کے ٹکٹ پر کامیاب ہونے والوں کی تعداد چوتھائی سے بھی کم تھی، اس کا دعویٰ ہے کہ اب کچھ مہینوں سے اس کے ممبروں کی تعداد بہت زیادہ بڑھ گئی ہے، یہ بالکل صحیح ہو سکتا ہے، کیوں کہ وائسرائے کی ممتاز سرپرستی کی وجہ سے کانگریس کے بعد یہ ملک کی سب سے بڑی سیاسی جماعت بن گئی ہے، ہم نے مسٹر جناح کی انتہا پسندانہ روش

کو ہندوستان کی مسلمان آبادی کی جس کو ہم تسلیم کرتے ہیں اصل رائے سمجھنا شروع کر دیا ہے، اور مسٹر جناح اور دوسری ہندوستانی جماعتوں کے نظریوں میں جن میں دوسری مسلم جماعتیں بھی شامل ہیں اتحاد و اتفاق کا ہونا ممکن نہیں۔" (مدینہ بجنور، نمبر ۸ اجلد ۳۰، مورخہ ۱۳ مارچ ۱۹۴۱ء)

اسی بیان میں وہ آگے چل کر لکھتا ہے:

"یہ مخلصانہ پیشکش ہو کہ صلح کے بعد ہندوستان کو درجۂ نوآبادیات عطا کر دیا جائے گا تو ہمیں اس قسم کا کوئی قدم اٹھانا پڑے گا لیکن اگر ہم مسٹر جناح کو محض اپنا آلۂ کار بنا رہے ہیں جو ہر وقت بھونڈے اور ناکارہ عہدنامہ کو بھر کر ہمیں اخلاقی ذمہ داری سے سبکدوش کرنے کے لیے تیار ہیں تو ہم ایسا نہیں کریں گے، اگر ہمارے متعلق یہ شبہات بڑھتے رہے اور ہم نے ان کے دور کرنے کی کوشش نہیں کی کہ ہم تقسیم کرو اور حکومت کرو کا پرانا کھیل کھیل رہے ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم مستقبل قریب ہی میں ہندوستان کو کھو بیٹھنے کا خطرہ مول لے رہے ہیں۔"

بہر حال یہ پاکستان کا ڈھونگ برطانیہ کی منحوس تجویز ہے، جو کہ ٹوریوں کے دماغوں کی جھیل مانسرور سے بطور چشمہ نکلتی ہے، اور آہستہ آہستہ چلتی ہوئی بڑھ کر موجیں مارنے والے دریا کی صورت ۱۹۴۰ء سے اختیار کر لیتی ہے، جس میں فریب دے کر ہندوستانیوں اور بالخصوص مسلمانوں کو نہایت بے دردی کے ساتھ لوٹنا اور برباد کرنا اور ہر طرح سے اپنا اُلّو سیدھا کرنا مقصود ہے، اور جس کو نہایت چالاکی کے ساتھ بہت ہی خوش رنگ میٹھے شربت کی صورت میں زہر ہلاہل کو پلایا جا رہا ہے۔

یہ فتنہ آدمی کی خانہ ویرانی کو کیا کم ہے ٭ ہوئے تم دوست جس کے دشمن اس کا آسماں کیوں ہو؟

لارڈ لنلتھگو اور لارڈ ویول وغیرہ کا اس تقسیم کے خلاف کرنا اگر دانستہ ہے اور یقیناً ایسا ہی ہے تو یہ بھی انگریزی سیاسی چال ہے، جس سے ہندوستانی مسلمانوں کا اصرار روز افزوں ترقی کرے گا، اَلْاِنْسَانُ حَرِیْصٌ عَلیٰ مَا مُنِعَ، اور آخر میں خود انگریز اپنے عظیم الشان احسانوں کو جتلاتے ہوئے مسلمانوں سے کہے گا کہ ہم تو نہیں چاہتے تھے، مگر کیا کریں تم لوگ مجبور کر رہے ہو تو ہم تم کو یہ چیز دیدیتے ہیں، اور ہندو سے کہے گا کہ ہم تو ہندوستان کی تقسیم کے خلاف ہی ہیں، ہم تو متحدہ ہندوستان ہی کو تم سبھوں کے لیے مناسب سمجھتے تھے، مگر تمھارے وطنی بھائی مسلمانوں نے ہم کو مجبور کر دیا ہے، ہم کو تو سبھوں کی خاطر داری کرنی ہے، بادلِ ناخواستہ ہم اس تقسیمِ ملک کو منظور کرتے ہیں، تم کو اپنے وطنی بھائیوں کی ہٹ اور ان کی خواہشوں کا احترام کرنا چاہیے، اس کو ٹھکرانا نہ چاہیے، امریکہ اور روس وغیرہ دیگر ممالک کے سامنے بھی اپنی معصومیت اظہار کرے گا، کہ ہم کیا کریں ہم نے تو بہت سمجھایا مگر مسلمان نہ مانے، اس لیے بمجبوری ہم نے تقسیم کر دیا،

اس طرح سب کو خوش کر کے اپنی اغراض مکمل طور سے پوری حاصل کی جائیں گی، اور بوجھ مسلمانوں کے سر پر رکھ دیا جائے گا، ایسے اعمال انگریزی سیاست اور اس کی چالوں میں روزانہ ظہور پذیر ہوتے رہے ہیں، آج نیا کھیل نہیں ہے، مسلمانوں کو غور کرنا چاہیے،

اور ممکن ہو کہ لارڈ لنلتھگو اور لارڈ ویول کی یہ مخالفت نادانستہ ہو، اور وہ ان کارروائیوں سے جو ٹوری اور قدامت پسند کنسرویٹو پارٹی نے یہاں پہلے سے جاری کی ہیں ان سے واقف نہ ہوں، ـــــــــ بہرحال مسلمانوں کو اپنے مستقبل پر اور انگریزی مفاد پر ٹھنڈے دل سے غور کرنا ضروری ہے،

# تقسیمِ ہندوستان میں اجمالی طور پر خطرات کا ہجوم

ہم اس جگہ تقسیم کے متعلق ان خطرات کو اجمالی طور پر ظاہر کر دینا چاہتے ہیں جو کہ خود لیگ کے ذمہ دار اور سمجھدار ممبر نے وفاقِ عرب پر روشنی ڈالتے ہوئے ذکر کیے ہیں، اور جن کو اجمل بمبئی نے نہایت وضاحت کے ساتھ پیش کیا ہے، یہ خطرات نہ تو معمولی ہیں، اور نہ صرف رائے اور وہمیات ہیں بلکہ واقعات ہیں، جن کو غور و خوض کے ساتھ دیکھنا اشد ضروری ہے،

(روزنامہ اجمل، بمبئی مورخہ ۲۰ جولائی ۱۹۴۴ء)

"مسٹر عبدالرحمٰن صدیقی بنگال کے ایک ممتاز مسلم لیگی لیڈر ہیں، وہ انگریزی زبان کا ایک مسلم لیگی روزنامہ "مارننگ نیوز" نکالتے ہیں، اس اخبار کی اشاعت مورخہ ۱۶ جولائی میں اتحادِ عرب پر تبصرہ کرتے ہوئے صدیقی صاحب ایک عجیب بات لکھ گئے ہیں، جسے آج ہم ناظرین کے سامنے پیش کرنا چاہتے ہیں، اور یہ بتلانا چاہتے ہیں کہ وہی لوگ جو محض ہندوؤں کی ضد میں پاکستان یا تقسیم ہند کے قائل ہیں خود اپنے دل کی گہرائیوں میں تقسیم یا اتحاد کے متعلق کیا نظریہ رکھتے ہیں،

صدیقی صاحب لکھتے ہیں:۔

"اگر چھوٹی اور کمزور قومیں بڑی اور طاقتور قوموں کی دراز دستیوں سے بچنا چاہتی ہیں تو ان کو آپس میں ضم ہو کر بڑے گروہ یا وفاق بنانا ہوں گے، نسل، مذہب یا جغرافیائی حدود کی بنا پر تقسیم کا خیال انیسویں صدی کے یورپ کے سیاسی فلسفہ کی تخلیق ہے، اور اب یہ تجربہ کی بنا پر تباہ کن ثابت ہو چکا ہے، بلجیم اپنی کمزوری کا مزہ چکھ چکا، زیکوسلوواکیہ خوشحالی

سے دور رہا، اور یوگوسلافیہ بھی امن حاصل نہ کر سکا، اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ چھوٹی قومیں ظلم اور دراز دستیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتیں "!

یہ ہے مسلم لیگ کے ایک ممتاز رکن اور لیگ کی مجلسِ عاملہ کے ایک سابق ممبر کا خیال، مارننگ نیوز کی یہ رائے ضرور اس قابل ہے کہ اس پر مسلم لیگی حضرات غور کریں اس لیے کہ اس میں ایک ایسے مسئلہ کی طرف توجہ دلائی گئی ہے جو جوش کی دھاندلی میں مسلمان قوم کو غلط راستے پر لیے جارہا ہے، اور جس پر چل کر قوم بڑے مصائب میں مبتلا ہو سکتی ہے، یہ صحیح ہے کہ پاکستان اور اسلامی حکومت کے نعرے بڑے دلفریب معلوم ہوتے ہیں، یہ بھی سچ ہے کہ دو اسلامی حکومتوں کے قیام کا تخیل عام مسلمانوں میں ایک خاص قسم کا سرور اور جوش پیدا کر دیتا ہے، اور یہ بھی سچ سہی کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں کافی اختلافات ہیں، مگر اس کے باوجود بھی یہ ہرگز صحیح نہیں ہے کہ محض ہندوؤں کی تنگ دلی سے شاکی ہو کر ہم ایسی غلطی کر بیٹھیں جو مستقبل میں ہمارے لیے تباہ کن اور ملت کے لیے باعثِ بربادی بنے،

یہ بالکل واضح ہے کہ بنگال اور پنجاب کی حکومتیں اتنی طاقت ور نہیں ہوں گی کہ وہ بیرونی حکومتوں کی سازباز اور ان کی دراز دستیوں کا مقابلہ کر سکیں، اس لیے یہ ہو سکتا ہے کہ کہ ہم ہندوؤں سے تو مفروضہ آزادی حاصل کر لیں، مگر اس مفروضہ آزادی کے بدلہ میں غیر ملکی حکومتوں کی ویسی ہی غلامی میں مبتلا ہو جائیں جیسی کہ آج ہمارے سروں پر نافذ ہے، اگر ایسا ہوا تو یہ بدترین بدقسمتی ہو گی، اس لیے ہمارا فرض ہے کہ ہم معاملات کو محض ہندو دشمنی کی عینک سے نہ دیکھیں، بلکہ پاکستان کے سوال پر سنجیدگی سے غور کر کے یہ فیصلہ کریں کہ آیا یہ پاکستانی حکومتیں خود ہمارے لیے باعثِ رحمت ثابت ہو سکیں گی یا نہیں؟ آیا یہ اپنے تحفظ کا مناسب بندوبست کر سکیں گی یا نہیں؟ آیا یہ اتنی طاقتور ہوں گی یا نہیں کہ بین الاقوامی سیاست میں اپنا وقار قائم رکھ سکیں،

اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو دانائی کا اقتضاء یہ ہی کہ مسلم اکثریت کے صوبوں کے لیے ماتحت اختیارات حاصل کر کے متحدہ ہندوستان وفاق میں شامل رکھا جائے، اور بجائے علیحدہ ہو کر دوسروں کے غلام بننے کے ہندوؤں سے مل کر نہ صرف اپنی آزادی باقی رکھی جائے بلکہ متحدہ ہندوستان کے وسائل سے فائدہ اٹھاتے ہوئے خود ملت اسلامیہ کی اس طرح اندرونی اصلاح کی جائے کہ وہ زندہ اور طاقتور قوم محسوس ہونے لگے،

مارننگ نیوز کا یہ بیان صحیح ہے کہ اب دنیا تقسیم اور علیحدگی کی مہمل سیاسی پالیسی کو چھوڑتی جارہی ہے، اس لیے مسلسل تجربات نے ثابت کر دیا ہے کہ اس تنازع للبقاء کی دنیا میں صرف طاقتور زندہ رہ سکتے ہیں، کمزور چاہے وہ کتنے ہی حق پر وہ کیوں نہ ہوں زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں رکھتے،

مان لیجیے کہ قیام پاکستان کے لیے اچھے دلائل موجود ہیں مگر کیا یہ اچھے اور خوبصورت دلائل جاپان کو بنگال پر اور روس کو پنجاب و سرحد پر حریصانہ نگاہیں ڈالنے سے باز رکھ سکتے ہیں؟ کیا آزادی وانصاف کے تمام الفاظ ملک گیری کے آرزومندوں کو پاکستان کے کمزور ممالک کی تسخیر کے ارادوں سے باز رکھ سکتے ہیں، اگر کوئی اس معاملہ میں دیانتداری کا ذرا بھی شبہہ رکھتا ہے تو وہ بیوقوفوں کی جنت کا ساکن ہے، اس دنیا میں جہاں حق کے مقابلہ میں طاقت کا راج ہے، پاکستانی حکومتیں محض اس بنیاد پر زندہ نہیں رہ سکتیں کہ مسلمانوں کو آزاد رہنے کا حق ہے، اور بحیثیت ایک علیحدہ قوم کے ان کو ضرور آزاد رہنا چاہیے، مسلم لیگ مذہب کی بنیادوں پر عمل تقسیم کی طالب ہی، تمدن، تہذیب اور زبان کی بنیادوں پر تقسیم کا مطالبہ نہیں کیا گیا ہی، ورنہ جہاں تک تہذیب و تمدن کا تعلق ہے اگر اس کی بنیادوں پر ہندوستان کو تقسیم کیا جائے تو ہندوستان بے شمار ٹکڑوں میں منقسم ہو کر رہ جائے گا، کمیونسٹ حضرات البتہ جس تقسیم کے قائل ہیں وہ تہذیب و تمدن اور زبان کی بنیادوں پر ہو گی، مگر

مسلم لیگ اس کی طالب نہیں ہے، وہ مذہب کی بنیاد پر تقسیم کی طالب ہے، اور یہی وجہ ہے کہ وہ ان علاقوں کے لیے حقِ علیحدگی طلب کرتی ہے، جن میں مسلمان اکثریت میں ہیں،

مارننگ نیوز نے اپنے مذکورہ مضمون میں سچ کہا ہے کہ اس وقت جبکہ اقوامِ عالم کو ایک دوسرے سے قریب تر لانے کے لیے قوموں کی گروہ بندی کرنے اور بالآخر ایک بین الاقوامی وفاق تیار کرنے کی کوششیں جاری ہیں، مذہب اور نسل کی بنیاد پر علیحدگی کا مطالبہ نہ صرف مہمل بلکہ تباہ کن ہے،

چونکہ رسالہ طویل ہو گیا ہے اس لیے ہم مندرجہ بالا مضمون پر اس حصہ کو ختم کرنا ضروری سمجھتے ہیں، اب دوسرے حصہ میں انشاء اللہ پاکستان کے متعلق تفصیلی بحث کریں گے،

ننگِ اسلاف
حسین احمد غفرلہٗ
۱۱ر محرم الحرام سنہ ۶۵ھ

## پاکستان اسکیم کی تاریخ، پس منظر اور اس کے مالہ وماعلیہ

پر

## تحقیق وتنقید کی ایک نظر

(حصہ دوم)

نتائجِ فکر وتحقیق

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

مجلسِ یادگارِ شیخ الاسلامؒ ۔ پاکستان

کراچی

# حرفے چند

حضرت مدظلہ العالی نے اپنے تمام مشاغل اور روز و شب کے سفر اور دوروں کے طویل سلسلہ میں ۲۶ ر دسمبر ۱۹۴۵ء کے ۲ بجے شب تک ان صفحات کو قلمبند فرمایا، اس طوالت کے باوجود پاکستان کے مختلف گوشے تشنہ رہ گئے، مگر چونکہ ۲۷ ر دسمبر کو ۵ بجے ہوائی جہاز کے ذریعہ حضرت موصوف صوبۂ آسام کے دورے کے لیے تشریف لے جارہے تھے، اور اس کے بعد مسلسل دوروں کا پروگرام تھا، اور انتخابی مقاصد کے پیش نظر زیادہ تاخیر مناسب نہیں تھی، لہٰذا اس ناتمام مضمون پر ہی اکتفا کیا گیا اور اسی کو شائع کیا جارہا ہے،

بہرحال جن گوشوں پر روشنی پڑسکی ہے وہ اپنی افادیت کے لحاظ سے مکمل ہیں، ہمیں توقع ہے کہ مسلمان اس انتخاب کی نزاکت اور اہمیت کو سامنے رکھتے ہوئے سنجیدگی کے ساتھ اس مضمون کا مطالعہ کریں گے اور ٹھنڈے دل سے غور فرما کر جمعیۃ علماء ہند کے فیصلہ کی تائید فرمائیں گے، جس کا حاصل یہ ہے کہ ہر ایک صوبہ مکمل طور پر آزاد ہو، جملہ اختیارات صوبہ کو حاصل ہوں، اور اپنی آزاد مرضی سے تمام صوبے ایک مرکز بنائیں، مرکز کو صرف وہی اختیارات دیئے جائیں، جن پر تمام صوبے متفق ہوں، باقی جملہ مصرحہ اور غیر مصرحہ اختیارات صوبوں کے ہوں، ملاحظہ ہو جمعیۃ علماء ہند کا فیصلہ،

محمد میاں عفی عنہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

## حصہ دوم

# پاکستان کیا ہے؟

## پاکستان کا مفہوم اور اُس کے حدود:

پاکستان کے مفہوم کے متعلق اب تک مختلف تفصیلات آئی ہیں۔ اجلاس لاہور سنہ ۱۹۴۰ء میں جو قرار داد پاس ہوئی تھی اور جسے پاکستان کی بنیاد قرار دیا جا سکتا ہے اس کے الفاظ حسب ذیل تھے:

"مسلم لیگ کی یہ پختہ رائے ہے کہ کوئی دستورِ حکومت بغیر اس کے کہ وہ ذیل کے اصولوں پر مبنی ہو نہ قابلِ عمل ہو سکتا ہے اور نہ مسلمانوں کے لیے قابلِ قبول:

یہ کہ جغرافیائی حیثیت سے متصل وحدتوں کی ایسے علاقوں میں حد بندی کر دی جائے جو اس طرح بنائے جائیں اور ان میں ضرورت کے مطابق ایسی سرحدی تبدیلیاں کی جائیں کہ وہ رقبے جہاں مسلمانوں کی عددی اکثریت ہے، مثلاً ہندوستان کے شمال مغربی اور مشرقی منطقے ایک مستقل ریاست بن جائیں، اور اس ریاست کے اجزاء ترکیبی اندرونی طرز پر خود مختار اور مطلق العنان ہوں،

۲۔ یہ کہ ان علاقوں اور منطقوں کے اجزاء ترکیبی میں اقلیتوں کے مذہبی، ثقافتی، اقتصادی، سیاسی، انتظامی اور دوسرے حقوق و مفاد کے تحفظ کے لیے آئین میں معتدل اور مؤثر اور واجب التعمیل تحفظات درج کیے جائیں، اور نیز ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں جہاں مسلمانوں کی تعداد کم ہے مسلمانوں کے لیے اور نیز دوسری اقلیتوں کے لیے ایسی معقول و مؤثر اور واجب التعمیل تحفظات معیّن طور پر دستور میں شامل کر دیے جائیں جن سے ان کے مذہبی، ثقافتی و اقتصادی، سیاسی اور دوسرے حقوق و مفاد کی حفاظت ہو جائے،

یہ اجلاس ورکنگ کمیٹی کو یہ اختیار دیتا ہے کہ دستور کی ایک اسکیم مرتب کرے، جو اُن بنیادی اصولوں پر مبنی ہو، اور وہ اس قسم کی ہو کہ اس میں یہ گنجائش ہو کہ ان علاقوں کو اس قسم کے اختیارات مل جائیں جیسے دفاع، امور خارجہ، رسل و رسائل، کروڑ گیری، اور نیز ایسے ہی دوسرے امور جو ضروری ہوں۔" (اجمل، ۳۰ مئی ۱۹۴۴ء)

مذکورہ بالا ریزولیوشن سے معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان کے لیے صوبوں کی پرانی حدود نہ ہوں گی، بلکہ نئی حدود جو کہ مذکورہ بالا اصولوں کے مطابق ہوں مقرر کی جائیں گی، پنجاب اور بنگال اور آسام کے وہ اضلاع جن میں مسلمان غیر مسلموں سے اقلیت میں ہیں وہ خارج کر دیے جائیں گے، نیز لیگ کی ورکنگ کمیٹی دستور کی کوئی مفصل اسکیم بنائے گی، مگر آج تک ہمارے سامنے ورکنگ کمیٹی کی کوئی نئی اسکیم نہیں آئی، شخصی آراء اور اسکیمیں بہت آئیں جن میں آپس کے اختلافات کے علاوہ ان شروط کے مطابق عددی اکثریت بھی بسا اوقات نہیں پائی جاتی، مثلاً ڈاکٹر عبد اللطیف صاحب نے مختلف تہذیبی اصول کو معیارِ تقسیم قرار دیا ہے، جو کہ ان اصولوں سے علیحدہ

ایک اصول ہے، چنانچہ روزنامہ "حقیقت" لکھنؤ اپنی اشاعت مورخہ ۵ ستمبر ۱۹۴۵ء جلد ۵ نمبر ۲۱۴ میں بعنوان "پاکستان یا چیستان" لکھتا ہے:

"کراچی میں مسٹر جناح نے ایک پریس کانفرنس کی، جس میں ہندو مسلم اخبارات کے ایڈیٹر شریک تھے، اس کانفرنس میں ایک مسلمان اخبار نویس نے مسٹر جناح سے خواہش کی کہ وہ پاکستان کی تعریف کریں کہ یہ کیا چیز ہے؟ اور اس کی کیا صورت ہوگی؟ مسٹر جناح نے جواب میں کہا کہ مجھے پاکستان کی وضاحت کرنے کے لیے کچھ وقت درکار ہے، تاکہ میں اس کا پوری طرح مطالعہ کر سکوں، لیکن ایڈیٹروں کی طرف سے مسلسل مطالبہ کیا گیا کہ وہ پاکستان سمجھائیں کہ وہ کیا چیز ہوگی؟ جب مسٹر جناح سے اور کوئی جواب نہ بن پڑا تو انھوں نے کہا کہ جو رسالے اور مضامین اب تک پاکستان کی تائید میں شائع ہو چکے ہیں اُن کو پڑھ لو، ایک اور مسلمان اخبار نویس نے کہا کہ میں نے سب مضامین اور رسالے پاکستان کے متعلق پڑھے ہیں، لیکن میری سمجھ میں کچھ نہیں آیا بلکہ میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ پاکستان کے معنی مسلمانوں کی خودکشی کے ہیں، یہ جواب سُن کر مسٹر جناح ناراض ہو گئے، اور انھوں نے کہا کہ اب وہ اس مسئلہ میں مزید گفتگو کرنا نہیں چاہتے"۔

ایڈیٹر "حقیقت" کہتا ہے "لیجیے راہبر خود راستہ سے ناواقف ہے، وہ دوسروں کی رہبری کیا کرے گا"، اس مضمون سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ خود مسٹر جناح کے ذہن میں ۵ ستمبر ۱۹۴۵ء تک کوئی مکمل حقیقت اور تحدید موجود نہ تھی،

نواب زادہ لیاقت علی خاں صاحب جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم لیگ ۲۴ ستمبر ۱۹۴۵ء کو علیگڈھ میں تقریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"مجھے ایک بار پھر پاکستان کی تشریح کر لینے دیجیے، پاکستان سے مقصود

یہ ہو کہ اُن علاقوں میں جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے آزاد اور خود مختار حکومتیں قائم کی جائیں، لوگ پوچھتے ہیں کہ پاکستان کی حدودِ اربعہ کیا ہونگی؟ میں ایک بار پھر اس پلیٹ فارم سے اعلان کرتا ہوں کہ پاکستان کی حدودِ اربعہ کی بنیاد وہی ہوگی جو ابھی صوبۂ پنجاب، سرحد، بنگال، بلوچستان، اور آسام کی حدودِ اربعہ ہیں۔"

اس عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ نواب زادہ ان صوبوں کے قدیم انگریزی حدود ہی اختیار فرماتے ہیں، اگرچہ اُن میں ایسے متعدد منطقے ہیں جن میں مسلمان بہت تھوڑی اقلیت رکھتے ہیں، جیسے صوبۂ آسام کا مشرقی شمالی حصہ، یعنی برہمپتر ویلی اور پہاڑی حصہ وغیرہ، یا پنجاب کے مشرقی اور بنگال کے مغربی منطقے، یا سکھوں کی اکثریت والے اضلاعِ پنجاب،

حریت مورخہ ۱۸ ر نومبر ۱۹۴۵ء صفحہ ۸ کالم ۳ میں لکھتا ہے:

"مسٹر جینا سے بار بار مطالبہ کیا گیا کہ وہ پاکستان کی تشریح کریں لیکن وہ نہ منھ سے بولتے تھے اور نہ سر سے کھیلتے تھے، لیکن جب ایک امریکن نامہ نگار نے ان سے انٹرویو کیا تو انھوں نے کہا کہ "پاکستان شمال مغربی سرحدی صوبہ، بلوچستان، سندھ، پنجاب اور بنگال، جس میں بندرگاہِ کلکتہ اور اس کے اردگرد کے صنعتی علاقے بھی شامل ہیں، اور آسام کے صوبوں پر مشتمل ہوگا، پاکستان کا آئین سیاسی طور پر بالکل جمہوری ہوگا، بڑی بڑی صنعتیں اور عوام کو فائدہ پہنچانے والی سروسیں سوشلسٹ اصولوں پر قومی ہوں گی، تمام صوبوں اور ان سے متعلق تمام ریاستوں کو داخلی آزادی حاصل ہوگی، پاکستان دو بڑے حصوں یعنی شمال مغربی اور شمال مشرقی پر مشتمل ہوگا، لیکن وہ بحیثیت عمومی ایک ہی بلاک کہلائے گا، اس کے قدرتی ذرائع اور اس کی آبادی اتنی کافی ہوگی کہ اسے دنیا کی

ایک طاقت بنا سکے، مجموعی آبادی تقریباً دس کروڑ ہوگی، کوئی وجہ نہیں کہ اس کے قدرتی وسائل سے فائدہ نہ اٹھایا جائے، یا اسے دنیا کی بڑی طاقت نہ بنایا جائے، انگلستان کی آبادی ۲ ½ کروڑ سے زائد نہیں، پھر بھی وہ دنیا کا بہت بڑا ملک بن گیا ہے۔"

اس سے پہلے، ار اکتوبر ۱۹۴۵ء کو مسٹر جناح نے کوئٹہ میں تقریر کرتے ہوئے مندرجہ ذیل الفاظ فرمائے:۔

"بہرحال ہمارا مطالبۂ پاکستان بالکل واضح ہے، یعنی وہ علاقے جہاں مسلمان عددی اکثریت رکھتے ہیں انھیں آزاد خود مختار ملکوں کی شکل میں مجتمع کر دیا جائے، جن میں ہر واحدہ ترکیبی خود مختار اور کامل الاقتدار ہوگا، اور جن میں اقلیتوں کو ان کے مذہبی، معاشرتی، اقتصادی، سیاسی اور انتظامی حقوق کے لیے مؤثر آئینی تحفظات دیے جائیں گے، ہمارا مطالبہ بالکل واضح ہے، اور انصاف کے معیار پر پورا اترے گا۔"

(انجام، ۲۰ر اکتوبر ۱۹۴۵ء ج ۱۶ ۰۰۰ نمبر ۲۶۸)
(وحدت، ۳۰ر اکتوبر ۱۹۴۵ء ج ۱۷، نمبر ۲۱۳)

اس بیان میں صوبوں کی تعیین اور تفصیل ایسی نہیں ہے جیسی کہ ۸ ر نومبر کے بیان میں ہے، مگر اس میں بھی یہ تفصیل نہیں ہے کہ ان صوبوں کی تحدید اسی نہج پر ہوگی جو انگریزی گورنمنٹ نے رکھی ہے یا اس میں سے وہ منطقے جو کہ غیر مسلم اکثریت رکھنے والے ہیں، خارج کیے جائیں گے یا نہیں؟ البتہ ڈاکٹر اقبال مرحوم کا وہ بیان جو کہ الٰہ آباد کے اجلاس میں ۱۹۳۰ء میں انھوں نے اپنے خطبہ میں دیا تھا وہ ان قطعوں کو صاف الفاظ میں مستثنیٰ فرماتے ہیں، مندرجۂ ذیل الفاظ ملاحظہ ہوں:

"اس تجویز کو نہرو کمیٹی کے سامنے بھی پیش کیا گیا ہے، انھوں نے اس بنا پر

رَد کر دیا کہ اس پر عمل کرنے سے ایک نا قابلِ انتظام سلطنت ظہور پذیر ہو گی، یہ صحیح ہے جہاں تک کہ رقبہ کا تعلق ہے لیکن آبادی کے لحاظ سے ہندوستان کے بعض موجودہ صوبوں سے کمتر ہو گی، لیکن اگر انبالہ ڈویژن اور بعض دیگر غیر اسلامی اضلاع کو الگ کر دیا جائے تو اس کی وسعت بھی کم ہو جائے گی اور مسلم آبادی کا عنصر اور بھی بڑھ جائے گا، اور اس طرح غیر مسلم اقلیتوں کو مزید مؤثر سیاسی مراعات دینے کا موقع بھی میسّر ہو گا"۔

ان تمام اقوال میں کشمیر کا کوئی تذکرہ موجود نہیں ہے، مگر چودھری رحمت علی صاحب بانیِ پاکستان نیشنل موومنٹ سنہ ۱۹۳۳ء میں کشمیر کو بھی اس میں داخل فرماتے ہوئے پاکستان کی وجہ تسمیہ میں حرف کاف کو کشمیر ہی میں سے لیتے ہیں، ظاہر ہے کہ مسلم آبادی کی وہاں پر خصوصی اور غیر معمولی اکثریت اس کی مقتضی بھی ہے، اگرچہ لیگی حضرات اس سے ساکت یا مخالف معلوم ہوتے ہیں،

بہرحال پاکستان کی حدود کی تعیین محتاج تنقیح ضرور ہے، اقوال مختلف ہیں، کوئی قابلِ اطمینان صورت ابھی تک سامنے نہیں آئی ہے، اگر آبادی کی اکثریت کو ہی بناءِ تقسیم قرار دیا جاتا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ غیر مسلم اکثریت والے اضلاع کو مجبور کیا جائے کہ وہ حقِ خود اختیاری اور حقِ انفصال سے رو کے جائیں، اور اپنی مرضی کے مطابق جس مرکز سے چاہیں تعلق نہ رکھیں، اور اگر تحدیداتِ برطانیہ کو اس کا موجب قرار دیا جاتا ہے تو اس کی معقولیت میں یقیناً کلام ہے، بالخصوص لاہور والی تجویز کی روشنی میں،

## پاکستان کا طرزِ حکومت!

پاکستان کے طرزِ حکومت کے متعلق بھی بہت سی چہ میگوئیاں کی گئی ہیں، عام مسلمانوں کو بہکانے کے لیے اور ان کی ہمدردیاں حاصل کرنے کے لیے صرف عام لیگیوں نے نہیں بلکہ خواص نے بھی کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا ہے، جیسا موقع دیکھتے ہیں لیسا

کہنے لگتے ہیں،

(۱) نواب اسمٰعیل خان صاحب میرٹھی ممبر آل انڈیا ورکنگ کمیٹی و معزز عہدہ دار اور صدر یوپی مسلم لیگ نے ۹ر نومبر ۱۹۴۵ء کو الٰہ آباد میں علماء کرام و ربانیین سے دستگیری کی استدعا کرتے ہوئے فرمایا:

"مسلم لیگ کا نصب العین پاکستان ہے، اور لیگ اس پر تلی ہوئی ہے کہ اس سرزمین میں اسلام کی سیاسی بنیادوں پر شریعت مطہرہ کی حکومت قائم کردے" (منشور، ۱۱ر نومبر ۱۹۴۵ء صفحہ ۶ کالم ۱)

(۲) میاں بشیر احمد صاحب ممبر ورکنگ کمیٹی آل انڈیا مسلم لیگ نے دسمبر ۱۹۴۲ء میں اعلان کیا کہ:

"پاکستانی طرزِ حکومت خلفاء راشدین کی حکومت کے مطابق ہوگا"

(مدینہ، یکم جنوری ۱۹۴۳ء)

(۳) احمد آباد میں تقریر کرتے ہوئے مسٹر جناح نے حسب ذیل ارشاد فرمایا:

"اقلیت کے صوبہ والوں (مسلمانوں) پر جو گذرتی ہے گذر جانے دو، لیکن آؤ ہم اپنے اُن بھائیوں کو آزاد کرادیں جو اکثریت کے صوبوں میں ہیں تاکہ وہ شریعتِ اسلامی کے مطابق وہاں آزاد حکومت قائم کرسکیں"

(پاکستان نمبر "ایمان" لاہور ۲۸ر فروری ۱۹۴۱ء)

یہ بیانات نہایت ہی خوش کن اور امید افزا ہیں، کاش! یہ واقعیت کا کوئی درجہ رکھتے، مگر ہم جب لیگ کے ہائی کمانڈ کی زندگی اور اخلاق و عقائد کا معمولی درجہ پر بھی معائنہ کرتے ہیں تو بدیہی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب اُن کا ڈھونگ ہے جس کے وہ ہمیشہ سے عادی ہیں، خود مسٹر جناح کے اعلانات اور جنرل سکریٹری نواب زادہ لیاقت علی خان صاحب اور ڈان (جو کہ لیگ کا آرگن ہے) کی تحریریں اس کی صراحۃً

تکذیب کرتی ہیں اور بتلاتی ہیں کہ کسی مخفی حقیقت یا پوشیدہ اغراض کی پردہ داری کے لیے ایسے اعلانات کیے جا رہے ہیں، خود مسٹر جناح نے بمبئی کے ایک اجتماع میں فرمایا کہ:

"پاکستان کا دستور اساسی پاکستانی عوام مرتب کریں گے اور تمام اقلیتوں کو حکومت میں نمائندگی دی جائے گی"

(زمیندار لاہور، مورخہ ۱۰ر نومبر ۱۹۴۵ء)

احمد آباد میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ:

"پاکستان کی حکومت جمہوری ہوگی، اور سارا نظم و نسق عوام کے نمائندوں کے ہاتھوں میں ہوگا" (انجام، مورخہ ۲۷ر اگست ۱۹۴۵ء)

نمائندہ نیوز کرانیکل کو بیان دیتے ہوئے مسٹر جناح نے فرمایا:

"پاکستان کی حکومت (یورپین) جمہوریت کے طریقہ پر ہوگی، ہندو اور مسلمان اپنی اپنی آبادی اور مردم شماری کی حیثیت سے رائے شماری کرکے فیصلہ صادر کریں گے، اور وزارتوں اور لیجسلیچر میں سب حصہ دار ہوں گے" (شہباز لاہور، مورخہ ۲۷ر اکتوبر ۱۹۴۵ء بحوالہ ڈان)

میاں بشیر احمد صاحب [illegible]ن ورکنگ کمیٹی آل انڈیا مسلم لیگ، ۲ر نومبر ۱۹۴۵ء کو لاہور کے جلسۂ عام میں [illegible]یر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

"ہمارے قائد اعظم بار بار کہہ چکے [illegible]ں کہ پاکستان میں بلا لحاظ مذہب عوام کی حکومت ہوگی، پاکستان میں [illegible]وں اور سکھوں کو برابری اور آزادی دی جائے گی"

۸ر نومبر ۱۹۴۵ء کو بمبئی میں ایسوسی ایٹڈ پریس آف امریکہ کو بیان دیتے ہوئے مسٹر جناح نے فرمایا کہ:

"پاکستان ایک جمہوری حکومت ہوگی، اور مجھے امید ہے کہ پاکستان کی بڑی بڑی صنعتیں اور کارخانے سوشلسٹ اصول پر قوم کے قبضہ میں دیدیئے جائیں گے۔" (منشور ۱۱ر نومبر ۱۹۴۵ء صہ ۳ کالم ۲)

(انجام، ۱۲ر نومبر ۱۹۴۵ء صہ ۱ کالم ۴)

علی گڈھ یونیورسٹی میں نواب زادہ لیاقت علی خاں صاحب نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ:

"ہم سے سوال کیا جاتا ہے کہ پاکستان کا دستور اساسی کیا ہوگا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ پاکستان ایک جمہوری سٹیٹ ہوگا، اور اس کے دستورِ اساسی کی تشکیل اُن علاقوں کے باشندگان بتوسط ایک منتخب کردہ مجلس دستورِ اساسی خود ہی کریں گے، ہر چیز اظہر من الشمس ہے۔"

(عصرِ جدید کلکتہ، مورخہ ۲۶ر ستمبر ۱۹۴۵ء بحوالہ ڈان ۲۵ر ستمبر ۱۹۴۵ء صہ ۶ کالم ۱)

شہباز لاہور، مورخہ ۲۷ر اکتوبر ۱۹۴۵ء لکھتا ہے کہ:

"لیگ کا ذمہ دار سرکاری ترجمان ڈان لکھتا ہے کہ مسٹر جناح نے ہمیشہ کہا ہے کہ پاکستان کوئی دینی و مذہبی حکومت ہرگز نہ ہوگی، بلکہ خالصاً ایک دنیوی حکومت ہوگی، اور مسلمانوں کی حکومتِ الٰہیہ کے نظریہ سے اس کا کوئی تعلق نہ ہوگا، جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ پاکستان کو عالمگیر اسلامی قومیت (پین اسلام ازم) سے کوئی دُور کا بھی واسطہ ہے اُن سے مسٹر جناح کو ہرگز اتفاق نہیں۔"

ڈان، ۹ر ستمبر ۱۹۴۵ء لکھتا ہے کہ:

"مسٹر جناح نے ہمیشہ پاکستان کو ایک دنیاوی سٹیٹ قرار دیا ہے، اور اس خیال کی ہمیشہ سختی سے مخالفت کی ہے کہ اس میں مسلمانوں کی

حکومتِ الٰہیہ قائم ہوگی، جو لوگ پاکستان کو پان اسلام ازم (اتحادِ اسلامی) کے مرادف قرار دیتے ہیں وہ اتحاد کے دشمن ہیں "

مدینہ بجنور مورخہ ۲۱ نومبر سنہ ۱۹۴۶ء نمبر ۹۴ جلد ۳۳ لکھتا ہے کہ:

"اخبار آیمان" نے مسلم لیگ کے ترجمان ڈان کے ایک مراسلہ کا حوالہ . . . دیتے ہوئے لکھا ہے کہ:

"پاکستان میں مذہبی حکومت یا مسلم راج نہ ہوگا . . . کیونکہ مذہبی حکومت صرف وہاں قائم ہوسکتی ہے جہاں ایک ہی مذہب کے سو فیصدی لوگ ہوں، یا اتنی فوجی طاقت ہو کہ وہ غیر مذہب والوں کو مجبور کر کے مطیع کر سکے "

پھر یہی بزرگ مذہبی حکومت کے مفاسد بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

" اگر پاکستان میں مذہبی حکومت بنا دی گئی تو اُس سے عوام کی ترقی رُک جائے گی، طبقات کی تفریق کا سلسلہ جاری رہے گا، انسان کی اجتماعی اور اقتصادی نجات کی راہ بند ہوجائے گی، مذہبی حکومت کے بیشتر مسلمان ہوں گے اور وہ قابل نہیں ہیں، ہندو صوبوں کے مسلمانوں پر ظلم و ستم ہونے لگیں گے، اس سے ہندوستان میں خانہ جنگی کی آگ بھڑک اُٹھے گی "

مندرجہ بالا شہادتوں اور اعلانات پر ناظرین غور فرمائیں، اور اُن لوگوں کی ذہنیتوں پر ماتم کریں، جو کہ اس خیال میں مست ہیں کہ پاکستان میں اسلامی راج یا شریعت کی حکومت یا خلفاءِ راشدین کی حکومت کا نمونہ ہوگا، یا مذہبی اقتدار اسلامی قائم ہوگا، ظاہر ہے کہ وہ دستور اساسی جو کہ ۶۰ یا ۵۸ فی صدی مسلمان اور چالیس یا ۴۲ فی صدی غیر مسلم مرتب کریں گے کیا وہ شرعی دستور ہوگا؟ شریعت مرتب

نہیں کی جاتی، وہ خداوندی قانون مرتب شدہ ہے، اس میں کسی کو ترمیم کرنے کا حق نہیں ہے، شرعی حکومت میں فقط تنفیذ اور اجراء ہوتا ہے، یہاں اس کا سوال ہی نہیں ہے،

شرعی حکومت کو تو لیگ اور اس کا ترجمان ڈان انتہائی درجہ کی ذلیل اور ناکارہ قرار دیتا ہے، جن لوگوں کی یہ ذہنیت ہو اور جو مسلمانوں کو ناقابل جانتے ہوں وہ کیا مسلمانوں کے ہاتھ میں حکومتِ پاکستان عطاء فرمائیں گے، کیا وہ غیر مسلموں کے ہاتھ میں تمام اقتدار نہ سونپیں گے؟ یہی بات تھی کہ جس کی وجہ سے مسٹر جناح نے میثاقِ ملی میں (سنہ ۱۹۱۶ء) میں اکثریت والے صوبوں بنگال اور پنجاب میں آبادی کے تناسب سے سیٹیں نہیں دینے دیں، پنجاب کو ۵۶ فیصدی سے ۵۰ فیصدی اور بنگال کو ۵۳ فی صدی سے ۴۰ فی صدی نشستیں دلوائیں، اور جب سنہ ۱۹۲۰ء میں ریفارم اسکیم گورنمنٹ نے دینی چاہی، اور بنگال کے متعلق آبادی سے اس قدر کم سیٹوں کا اعتراض اٹھایا تو مسٹر جناح اور ان کے ہمنواؤں نے اعتراضات کر کے گورنمنٹ پر زور دیا کہ وہ اکثریت والے صوبوں میں میثاقِ ملی پر ہی عمل کرے، چنانچہ ۲۴ر جنوری سنہ ۱۹۲۵ء کو دہلی کے جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اکثریت والے صوبوں کے مسلمان باشندے ناقابل ہیں اُن کو انعام نہیں ملنا چاہیے، صریح الفاظ حسبِ ذیل ہیں:

"میثاقِ لکھنؤ کس طرح وجود میں آیا، پنجاب اور بنگال میں مسلمان اکثریت میں تھے، بنگال میں ۵۶ فی صدی تھے اور پنجاب میں ۵۴ فی صدی تھے" (نوٹ: انڈین کوارٹرلی سنہ ۲۵ء میں یہی اعداد ہیں، نہ معلوم مسٹر جناح بھولے یا مطبع نے غلطی کی) مسلمانوں کی عام پستی دیکھ کر یہ دلیل بیان کی جاتی تھی کہ اگر مسلمانوں کو آبادی کے تناسب سے حکومت میں حصہ دیا گیا

تو ایسا ہی ہے جیسے کہ اس کو اس کی جہالت اور نا اہلیت پر انعام دیا جائے
جب پارلیمنٹ میں ریفارم بل پر بحث ہوئی تو گورنمنٹ آف انڈیا نے
بنگال کی نشستوں کے بارے میں میثاقِ لکھنؤ کی مخالفت میں ایک تحریر
بھیجی، کیونکہ اس میثاق کی رُو سے بنگال کی ۵۶ فی صدی آبادی کو ۴۰ فی
صدی نشستیں ملی تھیں، لیکن ہندو اور مسلمان قابلِ تعریف طریقہ پر
میثاقِ لکھنؤ پر اڑے رہے، اور جوائنٹ پارلیمنٹری کمیٹی نے بھی اسی
میثاق کی تصدیق کر دی "

(دیکھو انڈین کوارٹرلی رجسٹر ۱۹۲۵ء جلد ۱ ص ۶۸)

مسٹر جناح ۵ ستمبر ۱۹۳۱ء میں ایک ایٹ ہوم کے سلسلے میں تقریر کرتے
ہوئے فرماتے ہیں:

"حکومت ایسی چیز نہیں کہ ہر کس و ناکس کے سپرد کر دی جائے،
حکومت کو پہلے سے چند ضروری امور کے متعلق غور کر لینا چاہیے مثلاً
انسان اتنے متمدن ہو جائیں، اور اس محبت اور پیار سے رہنے سہنے
لگیں کہ انتہائی مشکلات اور نہایت برے حالات کے وقت بھی در پیش
مسائل کو خود حل کرنے کی اہلیت رکھتے ہوں "

(مدینہ، بجنور، ۹ ستمبر ۱۹۳۱ء جلد ۲۰ نمبر ۶۴ ص ۶)

الحاصل مسٹر جناح کے نزدیک اب بھی اکثریت والے صوبوں کے مسلمان
نااہل ہیں، اُن کو حکومت بالخصوص مذہبی حکومت نہیں دی جا سکتی، اور غالباً اُن کے
نزدیک یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ ڈان کے دفتر میں غیر مسلموں ہی کی اکثریت ہے
چنانچہ ۵ جولائی ۱۹۴۳ء کے اخبار مدینہ نے شائع کیا ہے کہ ڈان کے تیرہ ۱۳ ملازمین
میں سے صرف تین ۳ ملازم مسلمان ہیں، باقی دس ۱۰ غیر مسلم ہیں، ڈان کے عملہ کا خرچ

ماہوار تین ہزار دو سو نوے روپے ہے، اس میں سے دو ہزار آٹھ سو بیس روپے غیر مسلموں پر خرچ ہوتا ہے،

کیا یہ ذہنیت اور یہ عمل مسلمانوں کے لیے قابلِ عبرت اور قابلِ غور نہیں ہے؟ بہر حال یہ خیال باندھنا کہ مسٹر جناح اور لیگ کے زعماء پاکستان میں اسلامی اور مذہبی حکومت قائم کریں گے، ایک خیال باطل ہے، یہ حضرات تو اس کے انتہائی مخالف ہیں، اور اگر ایسی حکومت قائم ہوتی بھی ہو گی تو جان توڑ کوشش کر کے اس کو قائم نہ ہونے دیں گے، قاضی بل کے متعلق اسمبلی کی رپورٹ ملاحظہ کیجیے:

"پاکستان کی حکومت یوروپین طریقہ پر ڈیمو کریسی (جمہوری) حکومت ہو گی، جس میں پریزیڈنٹ کیبنٹ اور لیجسلیچر کا تابع محض ہو گا، بیشک وہ مسلم لیگی ہو سکتا ہے مگر صرف اُس وقت تک کہ جب لیگ پارٹی کے ممبر اکثریت میں ہوں، اور ہاؤس کی اکثریت اس کو منتخب کرے، اور اگر کوئی مخلوط پارٹی اکثریت میں آگئی اور اس نے غیر مسلم کو منتخب کر دیا تو مسلمان پریزیڈنٹ بھی نہ ہو گا۔"

بہر حال یہ حکومت خلفاء راشدین کے طرز کی حکومت تو درکنار خلفاء بنی امیہ یا بنی العباس کے طرز کی بھی حکومت نہ ہو گی، بلکہ بادشاہانِ مغلیہ کی سی حکومت بھی نہ ہو گی، اس کو اسلامی حکومت کہنا صرف اسی طرح ہو گا جس طرح کاغذ اور مٹی کے گھوڑے کو گھوڑا کہا جائے، آج بھی سر خضر حیات خاں اور سر ناظم الدین اور سر غلام حسین ہدایت اللہ اور سر سعد اللہ کی حکومتوں کو اسلامی حکومت کہہ سکتے ہیں، چنانچہ نیوز کرانیکل لندن کے نمائندہ کے سامنے مسٹر جناح نے اسی قسم کے کلماتِ فخریہ ذکر کیے ہیں، اگر اسلامی حکومت کے یہی معنی ہیں تو اس قدر جد و جہد فضول اور بے معنی اور لا حاصل ہے، بالخصوص اس طریقہ پر جو مسٹر جناح نے

نیوز کرانیکل لندن کے نمائندہ کے سامنے بیان کیا ہے کہ پاکستان پر غیر معین زمانہ تک انگریزی فوجی اقتدار اور خارجہ پالیسی قائم رہنا ضروری ہے، جیسا کہ ہم نے پہلے ذکر کیا ہے کہ اس کے معنی تو ہندوستان کی دائمی غلامی کے ہیں، خلاصہ یہ ہے کہ اس کو اسلامی حکومت سمجھنا اور کہنا محض دھوکا ہی دھوکا ہے،

## پاکستان کے محاسن اور دلائل ؛

پاکستان کے محاسن اور ضرورت کے متعلق بہت سے دلائل پیش کیے جاتے ہیں، جن میں سے عام معروف اور مشہور دلیل جو کہ روزمرہ پلیٹ فارم اور پریس میں عام طور پر بیان کی جاتی ہے ہندوؤں کے مظالم اور تنگدلیوں کی داستانیں ہیں، جن کو سرکاری دفتروں کے ملازمین اور ان کے اعزہ و احباب آئے دن پیش کیا کرتے ہیں، اور بیشتر حالات میں ان کی صحت سے انکار بھی نہیں کیا جا سکتا، مگر کیا پاکستان سے اس کا معالجہ ہو گا یا نہیں، اور آیا اس کا اصلی سبب ہندو ہی ہے یا کوئی اور ہے ؟ مندرجہ ذیل دفعات ملاحظہ ہوں:

(الف) انگریزوں نے ہندوستانیوں میں نفاق ڈلوانے اور فرقہ وارانہ نفرت پھیلانے کا سب سے بڑا ذریعہ ملازمتوں اور نوکریوں کو بنایا ہے، جس پر اُن کے نزدیک انگریزی حکومت کا آج تک مدار ہے،

سنہ ۱۸۲۱ء میں کازلے ٹیکس کے نام سے کسی انگریز افسر نے ایشیاٹک جرنل میں ایک مضمون دیا تھا، وہ لکھتا ہے کہ :

"ہندوستان میں ہماری حکومت کے ہر صیغہ کو خواہ وہ خارجی تعلقات سے واسطہ رکھتا ہو یا عدالتی اور حربی نظم و نسق سے یہ اصول ہمیشہ مدِ نظر رکھنا چاہیے کہ تفرقہ ڈال دو اور حکمرانی کرو، (حکومت خود اختیاری ص ۵۱ و ۵۲)

اسی قسم کے بیانات لارڈ الفنسٹن گورنر بمبئی اور سر جان میلکم وغیرہ کے بھی ہیں،

چنانچہ ان شعبہائے حکومت اور دفتروں میں یہ طریقہ نہایت شد و مد سے جاری کیا گیا "حکومت خود اختیاری" ص ۶۳ میں ہے:

"بہرحال ملک کے لوگوں کی ایک کثیر جماعت ادنیٰ نوکریوں کی تلاش میں حیران و سرگرداں پھرتی رہتی ہے، اور جن لوگوں کو ملازمتیں مل جاتی ہیں وہ دفتروں میں پہنچ کر دوسرے فرقہ والوں کو تنگ کرتے ہیں، آگے بڑھنے میں مزاحمتیں پیدا کرتے ہیں، جن کی تفصیلات میں اخبارات کے کالم پُر ہوتے ہیں، اور ان مضامین سے جو سمیّت پیدا ہوتی ہے وہ تمام ملک میں پھیل کر مختلف فرقوں میں بحثیں پیدا کرتی ہے، اور انہیں ملک کے اہم امور میں متحد ہونے نہیں دیتی، جس سے رجعت پسند جماعت کا منشا پورا ہوتا ہے، اور ناظرین کو یہ معلوم ہو کر تعجب ہوگا کہ یہ تمام فضیحتے ہندوستان کی ایک نہایت قلیل تعداد سے متعلق ہیں، کیونکہ ہر قسم کے ملازمت پیشہ لوگوں کی تعداد اس میں صرف ۷ ر فیصدی یعنی ایک فی صدی سے بھی کم ہے، (اگرچہ اس زمانہ میں کچھ بڑھ کر ۳ ر ا تک پہنچ گئی ہے) اور اگر ٹاؤن ایریاؤں کے ممبروں سے لے کر اسمبلی کے ممبروں تک کی تعداد کو بھی اس میں شامل کر لیا جائے تو فی صدی ڈیڑھ یا دو سے زیادہ نہیں ہوتی، اس قدر قلیل التعداد لوگوں کے باہمی اختلافات کا اثر ہندوستان کے دوسرے نفع بخش پیشوں پر بھی پڑتا ہے، جن میں ملک کی آبادی زیادہ مصروف ہے، اور اگر غور سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ملک کی عام ہوا مکدّر ہونے کی ابتدا، ملازمتوں اور دفاتر سے ہوئی، جو تعلیم یافتہ اور خواندہ لوگوں کے ذریعہ ہر شعبۂ زندگی تک پہنچ گئی"۔

چونکہ انگریزی حکومت نے اپنے اقتدار حاصل کرنے کے وقت ہی سے ہندوستان

کے باشندوں کے ذرائع آمدنی کو مثلاً صنعت و تجارت کو (جو کہ ہندوستان میں بہت بڑے پیمانہ پر تھیں) اور بڑی بڑی تنخواہ والی ملازمتوں کو اور تمام کثیر المنفعت پیشوں اور شعبوں کو اپنے قبضہ میں کرکے ہندوستانیوں پر ان کے دروازے بند کر دیئے (جیسا کہ مسٹر اینڈریو سنیم نے سیمور کمیٹی کے سامنے شہادت دیتے ہوئے اور دوسرے مشہور انگریزوں نے دوسرے موقعوں پر اس کا اقرار کیا ہے) لہٰذا مجبوراً ہندوستانی زراعت یا ملازمت کی طرف جھک گئے، پھر زراعت پر لگان اور مالگزاری کا اس قدر بوجھ ڈال دیا گیا کہ حسب ضرورت نفع حاصل کرکے خاندان والوں کی پرورش کرنا نہایت مشکل ہو گیا، اور سلسلۂ ملازمت میں وہ تمام عہدے جو بآسانی انگریز قبول کر سکتا تھا صرف یورپ والوں کے لیے مخصوص کر دیئے گئے، لہٰذا یہ میدان بھی محدود سے محدود تر اور تنگ سے تنگ تر ہو گیا، صرف نیچے کے عہدے اور تھوڑی تنخواہ والی ملازمتیں ہندوستانیوں کے پلّہ پڑیں، اور پھر نرخوں کی گرانی نے ان تھوڑی تنخواہوں کو اور بھی ناکافی کر دیا،

بہرحال اس نتیجہ بدحالی نے بھوکے ہندوستانیوں کو باہمی آویزش، آپس کی رقابت، حسد، اور عداوت پر مجبور کر دیا، تمام اعلیٰ قابلیتیں اور بہترین اخلاق فاقہ مستی کی نذر ہو گئے، دانستہ یا نادانستہ کمزور اخلاق، پست ہمتی، بزدلی اور نہایت ذلیل کیریکٹر اُن کا شیوہ ہو گیا، پردیسی آقاؤں کی خوشامد، چاپلوسی، دین و دنیا کی ہر ایک متاع کو ان کی خوشنودی پر قربان کر دینا، مصالحِ ملک و ملت کو ان کے قدموں پر بھینٹ چڑھا دینا، اُن کا چارۂ کار اور اُن کی پریشانیوں کا درمان بن گیا جس سے برطانوی سامراجی مفاد روزافزوں ترقی پذیر ہو گیا، ملک کی بربادی اور غلامی کی زنجیریں مضبوط ہو گئیں، افلاس اور قحط انتہاء درجہ کو پہنچ گیا، آپس کے نفاق نے وہ ترقی کی کہ اس کی نظیر ہندوستان میں کسی زمانہ میں نہیں ملتی،

(ب) مسلمان اپنی حکومت کے زمانہ میں ذہنی، دماغی، علمی اور سیاسی غرض ہر قسم کی قابلیت میں ہندوستان کی دوسری قوموں سے فائق تھے، حتیٰ کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے دورِ حکومت میں بھی ان کی قابلیت سب سے فائق تسلیم کی جاتی تھی، چنانچہ مسٹر ہنری ہیرنگٹن طامس جو کہ بنگال سروس کا پنشنر تھا، اپنے رسالہ "بغاوت ہند اور ہماری آئندہ پالیسی" کے صفحہ ۱۳ تا ۱۷ میں حسبِ ذیل لکھتا ہے:

"عزم، تعلیم اور ذہنی صلاحیت کے اعتبار سے مسلمان ہندوؤں سے کہیں زیادہ فائق ہیں، اور نسبتاً ہندو ان کے سامنے طفلِ مکتب معلوم ہوتے ہیں، علاوہ اس کے مسلمانوں میں کارگذاری کی اہمیت زیادہ ہوتی ہے، جس کی وجہ سے سرکاری ملازمتیں زیادہ تر انہی کو ملتی ہیں، اس طرح اُن کو سرکاری کاموں اور ملکی مصالح سے واقفیت کا موقع ملا اور ان کی رائے کو وقعت حاصل ہو گئی"۔

ڈبلیو، ڈبلیو ہنٹر ایل، ایل، ڈی، آئی، سی، ایس بنگال اپنی کتاب "ہمارے ہندوستانی مسلمان" میں کہتا ہے:

"حقیقت یہ ہے کہ جب یہ ملک ہمارے قبضہ میں آیا تو مسلمان ہی سب سے اعلیٰ قوم تھی، وہ دِل کی مضبوطی اور بازوؤں کی توانائی ہی میں برتر نہ تھے، بلکہ سیاسیات اور حکمت عملی کے علم میں بھی سب سے افضل تھے، لیکن اس کے باوجود مسلمانوں پر حکومت کی ملازمتوں کا دروازہ بالکل بند ہے، غیر سرکاری ذرائع زندگی میں بھی انھیں کوئی نمایاں جگہ حاصل نہیں"۔

(ترجمہ ڈاکٹر صادق حسین، ص ۲۳۷)

صفحہ ۲۳۶ میں کہتا ہے:

"ایک صدی قبل حکومت کے تمام ذمہ دار عہدوں پر مسلمانوں کا

مکمل قبضہ تھا، ہندو محض شکریہ کے ساتھ ان چند ٹکڑوں کو قبول کر لیتے
... جو اُن کے سابق فاتح اپنے دستر خوان سے ان کی طرف پھینک دیتے تھے،
اور انگریزوں کی حیثیت چند ایک گماشتوں اور کلرکوں کی تھی، ........
تمام نظامِ حکومت میں اس قوم کا تناسب جو آج سے ایک صدی پہلے
ساری حکومت کی اجارہ دار تھی کم ہوتے ہوتے ایک اور تیئس رہ گیا ہے،
اور وہ بھی اُن گزیٹڈ ملازمتوں میں ہے جہاں تناسب کا خاص طور پر خیال
رکھا جاتا ہے، پریزیڈنسی شہر کے دفتر کی معمولی ملازمتوں میں مسلمانوں کا
حصہ تقریباً معدوم ہو چکا ہے، ابھی پچھلے ہی دنوں ایک بہت بڑے محکمہ کے
متعلق معلوم ہوا کہ وہاں ایک شخص بھی ایسا نہیں جو مسلمانوں کی زبان
پڑھ سکے، دراصل کلکتہ کے سرکاری دفتر میں مسلمان اب اس سے بڑھکر اور کوئی
امید بھی نہیں رکھ سکتے کہ قُلی اور چپڑاسی، دواتوں میں سیاہی ڈالنے والا
یا قلموں کو ٹھیک کرنے والے کے سوائے کوئی اور ملازمت حاصل
کر سکیں، کیا ہندو ہمیشہ مسلمانوں سے بہتر ثابت ہوتے ہیں؟ کیا ان کو
صرف ایک ایسے غیر جانبدار ماحول کی تلاش تھی جس میں رہ کر مسلمانوں کو
اس دوڑ میں پیچھے چھوڑ جائیں، کیا مسلمانوں کے پاس سرکاری ملازمتوں
کے علاوہ اپنی زندگی کو بہتر بنانے کے دوسرے ذرائع بکثرت موجود ہیں
اس لیے وہ سرکاری ملازمتوں سے بے اعتنائی اور ہندوؤں کے لیے اس
میدان کو کھلا چھوڑ دیتے ہیں ''

خلاصہ یہ کہ انگریزوں نے مسلمانوں کو تمام عہدوں سے آہستہ آہستہ نکالا،
اور یہی پالیسی ہر قسم کے شعبہائے حکومت میں جاری کی، اور انگریزوں اور ہندوؤں کو
اس قدر ابھارا کہ تقریباً مسلمانوں کا نام و نشان عہدہائے حکومت سے مٹا دیا، سر ولیم ہنٹر

کہتا ہے :

"مسلمان ۱۸۷۱ء تک سلطنت کی طرف سے دبائے گئے، اور اُن پر ہندوؤں کو غالب کیا گیا،،

لارڈ النبرا گورنر جنرل ہند اپنی ایک چٹھی ۱۸۴۳ء میں ڈیوک آف ولنگٹن کو لکھتے ہوئے مندرجہ ذیل الفاظ لکھتا ہے :

"میں اس عقیدہ سے چشم پوشی نہیں کر سکتا کہ مسلمانوں کی قوم اصولاً ہماری دشمن ہے، اس لیے ہماری حقیقی پالیسی یہ ہے کہ ہم ہندوؤں کی رضاجوئی کرتے رہیں ،، (ان ہیپی انڈیا ص ۳۹۹، حکومتِ خوداختیاری ص ۵۴)

لارڈ میکالے کہتا ہے :

"کلایو کسی مسلمان کو بنگال کے محکمۂ انتظامی کا سردار بنانے کے بہت خلاف تھا،، (روشن مستقبل، صفحہ ۱۴۳)

انگریزوں کی مسلمانوں سے دشمنی کی یہ پالیسی ملازمتوں اور دیگر ذرائع آمدنی میں برابر جاری رہی، تا آنکہ وہ تقریباً فنا کے گھاٹ اتار دیئے گئے، ڈبلیو ہنٹر کہتا ہے :

"لیکن اب یہ حال ہے کہ سرکاری ملازمتوں سے کہیں زیادہ سختی کے ساتھ مسلمانوں پر قانون کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے، بنگال میں ہزمیجسٹی کے ہائیکورٹ آف جوڈیکیچر میں دو ہندو جج ہیں اور مسلمان ایک بھی نہیں ہے، اِس زمانہ میں اینگلو انڈین اور ہندو اس بات کا گمان بھی نہیں کر سکتے کہ ہائی کورٹ کے جج کبھی اس قوم میں سے مقرر کیے جائیں گے جو تمام عدالتی محکموں پر قابض تھی، جب میں نے پچھلی دفعہ ۱۸۶۹ء میں اعداد و شمار جمع کیے تھے تو ان کا تناسب حسب ذیل تھا :

(اعداد و شمار اگلے صفحہ پر)

| نام عہدہ | انگریز | ہندو | مسلمان |
|---|---|---|---|
| سرکاری وقانونی افسر | ۴ | ۲ | - |
| ہائی کورٹ کے وہ ملازم جو ایسے بڑے عہدیدار تھے کہ ان کا نام شائع کیا جائے، | ۱۴ | ۷ | - |
| بیرسٹر | ۰ | ۳ | - |

اسی طرح مصنفِ مذکور نے وکلاء، اور دوسرے ملازمین مسلمانوں کے ساتھ بے انصافی اور ان کو روندکر فنا کردینے کے اعمال دکھلائے ہیں، جن کو دیکھ کر دل پارہ پارہ ہو جاتا ہے، صفحہ ۲۴۲ میں لکھتا ہے:

"مسلمانانِ بنگال کے پرائیویٹ خطوط اور اخباری مضامین سے زیادہ کوئی شے قابلِ رحم میری نظر سے نہیں گذری، کچھ مدت ہوئی کلکتہ کے ایک فارسی اخبار (دوربین جولائی ۱۸۶۹ء) نے لکھا تھا کہ "آہستہ آہستہ مسلمانوں سے ہر قسم کی ملازمت خواہ وہ چھوٹی ہو یا بڑی چھینی جارہی ہے، اور دوسری قوموں کو دی جارہی ہے، خصوصاً ہندوؤں کو، حکومت اپنی تمام رعایا کو برابر سمجھنے پر مجبور ہے، لیکن وقت ایسا آگیا ہے کہ وہ اپنے گزٹ میں اس بات کا خاص طور پر اعلان کرتی ہے کہ مسلمانوں کو سرکاری نوکری نہیں دی جائے گی، ابھی ابھی سُندربن کے کمشنر کے دفتر میں چند اسامیاں خالی ہوئی تھیں، اُس افسر نے سرکاری گزٹ میں اشتہار دیتے ہوئے صاف صاف لکھ دیا تھا کہ یہ ملازمتیں سوائے ہندوؤں کے اور کسی کو نہیں ملیں گی۔"

پھر مصنف مذکور (ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر) نے مسلمانانِ اڑیسہ کی اس درخواست کی نقل پیش کی ہے جو انھوں نے کمشنر کو لکھی تھی، مندرجہ ذیل الفاظ ملاحظہ ہوں:-

ہز میجسٹی ملکۂ معظمہ کی وفادار رعایا ہونے کی حیثیت سے ہم یقین رکھتے ہیں کہ سرکاری ملازمتوں میں ہمارا بھی مساویانہ حق ہے، اگر سچ پوچھیے تو اوڑیسہ کے مسلمانوں کو روز بروز تباہ کیا جارہا ہے، اور ان کے سربلند ہونے کی کوئی امید نہیں، مسلمان اعلیٰ خاندانوں سے تعلق رکھتے ہیں لیکن اب بالکل نادار ہیں، اور ہمارا کوئی بھی پرسانِ حال نہیں، اب ہماری حالت ماہیِ بے آب کی طرح ہو رہی ہے، مسلمانوں کی اس ابترِ حالت کو ہم جناب عالی کے حضور میں پیش کرنے کی جرأت کر رہے ہیں، اس یقین کے ساتھ کہ جناب عالی ہی اُڑیسہ کے ڈویژن میں ہزمیجسٹی ملکۂ معظمہ کے واحد نمائندہ ہیں،

ہمیں امید ہے کہ نسل و رنگ کے امتیاز سے بالا ہو کر ہر قوم کے ساتھ یکساں سلوک کیا جائے گا، اپنی سابقہ سرکاری ملازمتوں کے چھن جانے سے ہم اس قدر مایوس ہو چکے ہیں کہ صمیمِ قلب سے دنیا کے دور دراز گوشوں کا رُخ کرنے کے لیے تیار ہیں، ہم ہمالیہ کی برفانی چوٹیوں پر چڑھنے کے لیے مستعد ہیں، ہم سائبیریا کے بے آب و گیاہ حصّوں میں مارے مارے پھرنے کے لیے آمادہ ہیں، بشرطیکہ ہمیں یقین دلا دیا جائے کہ ایسا کرنے سے ہمیں دس شلنگ (۵ روپیہ) ہفتہ کی ملازمت سے سرفراز فرمایا جائے گا،، (ص ۲۴۳، ۲۴۴)

ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر مصنف مذکور الصدر اس کے بعد کہتا ہے کہ:

”آخر اس کی وجہ کیا ہے کہ مسلمانوں پر اس طرح سرکاری ملازمتوں اور تسلیم شدہ پیشوں کا دروازہ بند کر دیا گیا ہے، بنگال کے مسلمانوں میں ذہانت کی کمی نہیں، اور غربت کی خلش اُن کو اس بات پر ہر وقت

اُکساتی رہتی ہے کہ وہ اپنی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے کچھ نہ کچھ ضرور کریں"
صفحہ ۲۴۶ میں لکھتا ہے:

"انگریزوں کے ہندوستان پر قابض ہونے سے پہلے وہ ملک کی سیاسی ہی نہیں بلکہ دماغی قوت بھی تسلیم کیے جاتے تھے، پھر اُس ہندوستانی مدبر کے الفاظ میں جو اُن سے بخوبی واقف تھا کہ اُن کا تعلیمی نظام اگرچہ اس نظامِ تعلیم کے مقابلہ میں کم درجہ پر ہے جسے ہم نے رائج کیا ہے لیکن پھر بھی اس کو حقارت کی نظر سے دیکھنا غلطی ہے، کیونکہ وہ اعلیٰ سے اعلیٰ دماغی تعلیم وتربیت کا اہل تھا، اس کی بنیادیں بالکل ہی ناقص اصولوں پر نہ تھیں، گو اُن کے پڑھانے کا طریقہ بہت پُرانا تھا، لیکن یقینی طور پر وہ ہر اُس طریقہ سے برتر تھا جو اُس وقت ہندوستان میں رائج تھا، مسلمان اس طریقۂ تعلیم سے اعلیٰ قابلیت اور دنیاوی برتری حاصل کرتے، اور پھر یہی اور صرف یہی ایک واسطہ تھا جس کے ذریعہ ہندو اپنے ملک کی حکومت میں کم سے کم حصہ لینے کی صلاحیت پیدا کر سکتے تھے، (مسٹر ای سی بیکلے سی، ایس آئی)، ہم اپنے دورِ حکومت کے پچھلے پچھتر سالوں میں انتظام ملک کی خاطر اسی طریقۂ تعلیم سے متواتر فائدہ اٹھاتے رہے، گو اس دوران میں ہم نے اپنا طریقۂ تعلیم بھی رائج کرنا شروع کر دیا تھا، پھر جوں ہی ایک نسل اس نئے طریقہ کے ماتحت پیدا ہوگئی ہم نے مسلمانوں کے پُرانے طریقہ کو خیر باد کہہ دیا جس سے مسلمان نوجوانوں پر ہر قسم کی سرکاری زندگی کا دروازہ بند ہو گیا"

صفحہ ۲۱۲ پر لکھتا ہے کہ:-

"لیکن اس میں شک نہیں کہ بڑے افسروں سے لے کر چھوٹے افسروں تک

(موجودہ وائسرائے سے زیادہ کسی نے بھی مسلمانوں کے ساتھ ناانصافیوں پر زیادہ غور نہیں کیا) ہر شخص کو یقین ہوگیا ہے کہ ہم نے ملکہ کی مسلمان رعایا کے حقوق پورے نہیں کیے، اور ہندوستان کی آبادی کا ایک بڑا حصہ جس کی تعداد تین کروڑ کے لگ بھگ ہے، اپنے آپ کو برطانوی حکومت کے ماتحت تباہ و برباد ہوتا دیکھ رہا ہے، اس کو شکایت ہے کہ جو لوگ کل تک اس ملک کے فاتح اور حکمران تھے، آج نانِ جویں کے رُوکھے سوکھے ٹکڑوں کو بھی ترس رہے ہیں، اس کے جواب میں یہ کہنا کہ یہ سب کچھ نتیجہ ہے ان کے اپنے انحطاط کا، عذرِ گناہ بدتر از گناہ کا مصداق ہوگا، کیونکہ ان کا انحطاط بھی تو تو ہماری ہی سیاسی غفلت اور لاپروائی سے مترتب ہوا جبتک اس ملک کی عنانِ حکومت ہمارے ہاتھ نہیں آئی تھی تب بھی مسلمانوں کا یہی مذہب تھا، وہ ایسا ہی کھانا کھاتے، اور جملہ ضروریاتِ زندگی میں ویسا ہی طرزِ بود و ماند رکھتے تھے، جیسا کہ اس زمانہ میں، وہ اب بھی وقتاً فوقتاً اپنے احساسِ قومیت اور جنگی اولوالعزمیوں کا مظاہرہ کرتے رہتے ہیں، بااین ہمہ یہ وہ قوم ہے جسے برطانوی حکومت کے ماتحت تباہ و برباد کردیا گیا ہے۔"

صفحہ ۲۱۴ پر لکھتا ہے:

"انھیں یہ رنج نہیں کہ حکومت کی نوازشوں سے حسبِ دستورِ سابق انھیں کوئی حصہ نہیں ملتا، بلکہ یہ کہ وہ اس سے بتدریج خارج کیے جارہے ہیں، وہ اس بات کا گلہ نہیں کرتے کہ اب زندگی کی دوڑ میں انھیں ہندوؤں کا مقابلہ درپیش ہے، انھیں گلہ ہے تو یہ کہ اور کہیں نہیں تو کم از کم بنگال میں ان کے لیے عرصۂ حیات تنگ ہوچکا ہے،

مختصراً یوں کہیے کہ یہ وہ قوم ہے جس کی روایات بہت شاندار ہیں، مگر جس کا اس کے باوجود کوئی مستقبل نہیں، اگر اس قوم کی تعداد تین کروڑ ہی تو یہ محض اس قوم کے لیے ہی نہیں بلکہ اس کے حاکموں کے لیے بھی ایک بہت ہی اہم سوال ہے۔"

ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر موصوف جنوبی بنگال کے مسلمانوں کے اعلیٰ خاندانوں کی دلخراش بربادی اور افلاس میں انگریزوں کے مبتلا کردینے کے مفصّل احوال لکھ کر صفحہ ۲۲۰ میں مندرجہ ذیل عبارت لکھتا ہے:

"میں نے بنگال کے مسلمان نوابوں اور کاشتکاروں کے حالات ذرا وضاحت سے بیان کیے ہیں، تاکہ انگریزوں کے سامنے ان لوگوں کا نقشہ کھینچ دوں جن کی شکایات کا بیان اس باب میں کیا جائے گا، میں یہ بتلاؤں کہ میرے بیانات کا تعلق جنوبی بنگال سے ہے، کیونکہ یہ وہ صوبہ ہے جسے میں اچھی طرح جانتا ہوں اور جہاں تک مجھے علم ہے مسلمانوں نے برطانوی حکومت کے ماتحت سب سے زیادہ یہیں نقصان اٹھایا ہے، پھر اگر میں دوسروں کو یہ یقین دلاؤں اور خود میرا بھی خیال ہو کہ یہ بیانات تمام مسلمانانِ ہند پر راست آتے ہیں تو مجھے اس پر معاف فرمایا جائے۔"

صفحہ ۲۲۱ میں لکھتا ہے:

"آج سے ڈیڑھ سو سال پہلے بنگال کے خاندانی مسلمانوں کے لیے ناممکن تھا کہ وہ غریب ہوں، لیکن آجکل یہ ناممکن ہے کہ وہ بدستور امیر رہیں۔"

الغرض برطانوی پالیسی ہمیشہ سے اسلام دشمنی اور مسلمانوں کو ہر طرح کمزور اور نادار بنانے کی رہی ہے، اور بالخصوص ملازمتوں اور دفتروں سے ان کو ہر طرح نکالا گیا ہے، ابتداء میں وہ ہر صیغۂ ملازمت میں اور ہر دفتر میں چھائے ہوئے تھے، مگر

اس مسلم کُش پالیسی کی بنا پر ان کو فوجی، مالی، قانونی، تعلیمی اور دیگر جملہ صیغوں سے آہستہ آہستہ نکالا گیا، حتیٰ کہ ۱۸۷۱ء تک اعلیٰ عہدوں سے وہ تقریباً صفر رہ گئے، اور ادنیٰ عہدوں میں بھی برائے نام ان کا وجود رہا،

اس کے بعد صرف زبانی جمع خرچ سے اُن کی اشک شوئی کی جانے لگی، اور بمنزلہ نمک ان کو کہیں کہیں کچھ عہدے دیئے گئے، مگر کیا فائدہ جبکہ مسلمانوں کو ہر طرح فنا کے گھاٹ اتار دیا گیا، اور دوسری اقوام ہندوؤں، عیسائیوں، اینگلو انڈین کو تقریباً ایک صدی تک اُبھارا جا چکا، وہ زمینیں جو تعلیم گاہوں کے لیے وقف تھیں، اور جن کی مقدار تمام صوبہ کی چوتھائی کے قریب تھی وہ سب ضبط کر لی گئیں، آفسوں کے دروازے علانیہ طور پر اعلانات کے ذریعے سے بند ہو گئے، بیکاری اور غربت افلاس کی وجہ سے استعدادیں فنا ہو گئیں،

غرض جبکہ مسلمان ہر طرح پس چکے تو زبانی جمع خرچ یا بالفرض واقعی ہمدردی سے کیا فائدہ ہو سکتا ہے؟ ان معاملات پر پوری طرح ڈبلیو ڈبلیو ہنٹر نے اپنی کتاب "ہمارے ہندوستانی مسلمان" کے باب چہارم صفحہ ۲۰۴ سے ۲۹۴ تک روشنی ڈالی ہے، بخوفِ طوالت ہم زیادہ نہیں لکھتے، یہی معاملہ پنجاب اور دوسرے صوبوں میں جاری کیا گیا، (دیکھو روشن مستقبل فصل چہارم سرکاری تعلیم اور ملازمت میں مسلمانوں کی پسماندگی، ص ۱۴۴، ایڈیشن ۴)

ہم نے اس باب میں قدرے تفصیل اس وجہ سے کی ہے کہ عموماً مسلمان ملازمتوں کے جھگڑوں اور حق تلفیوں وغیرہ کو ہندوؤں ہی کا قصور اور ان کی تنگ دلی اور تعصب قرار دیتے ہیں، اور حقیقۃ الامر کی طرف آنکھ نہیں اٹھاتے، حالانکہ پہلے بھی اور آج بھی یہ سب انگریزوں اور ان کی ملعون پالیسی کا کیا ہوا ہے، حقیقت میں وہی مسلمانوں کے ہر طرح برباد کرنے والے ہیں، اور ہر شعبۂ زندگی میں ہندوؤں کو مسلمانوں پر تفوق

دینے اوران سے مسلمانوں کو کچلولنے والے ہیں، انہی دفاتر میں انگلوانڈین اور ہندوستانی عیسائی بھی ہیں، مگراُن کو کوئی ہندو ملازم خواہ کتنا ہی بڑا عہدہ کیوں نہ رکھتا ہو کسی طرح تنگ نہیں کرسکتا، اور نہ پیچھے ہٹا سکتا ہے،

اس سے ہمارا مطلب یہ نہیں ہے کہ موجودہ کشمکش اور آزاروہ واقعات میں برادرانِ وطن کی تنگدلیوں اوران کے متعصبانہ منحوس جذبات کا کوئی دخل نہیں ہے، یقیناً ہے، مگر وہ اس میں بمنزلۂ آلات اور ہتھیار ہیں، حقیقت میں قصور اربابِ عقل کے ہاں تلوار چلانے والے کا ہے تلوار کا نہیں ہے،

بلکہ ہمارا مطلب یہ ہے کہ اس قسم کی حق تلفیاں پاکستان سے دُور نہیں ہوسکتیں، ہردو حلقہ ہائے پاکستان میں غیر مسلم اقلیت اس قدر مؤثر اور قوی ہے کہ وہ اپنا فطری اور انسانی حق ہی نہیں بلکہ اس سے بدرجہا زائد حاصل کرسکے گی، جیسا کہ بنگال میں مشاہدہ ہے، کہ یوروپین گروپ اور اینگلوانڈینس اور عیسائیوں نے اپنے حق سے پچیس گنا سے زائد حاصل کر رکھا ہے، اور اکتیس سے زائد سیٹیں حاصل کررکھی ہیں، حالانکہ آبادی میں وہ ایک فی صدی بھی نہیں ہیں، پنجاب میں سکھ آبادی کی حیثیت سے ۱۱ فی صدی ہیں مگر حقِ رائے دہندگی ۲۴ فی صدی اور نشستیں ۳۰ فی صدی ہیں، جو کہ باعتبار اوسط ہندوؤں سے بدرجہا زیادہ ہے، ہندوؤں کی آبادی ۳۳ فی صدی ہے، مگر حقِ رائے دہندگی ۳۲ اور نشستیں ۳۰ فی صدی رکھتے ہیں، ڈسٹرکٹ بورڈوں میں باعتبار آبادی اور رائے دہی ۱۴۱ کے مستحق تھے مگر ان کو (۱۸۶) حاصل ہوا،

بہرحال پاکستان قائم ہوجانے کے بعد وہ اپنی مؤثرہ اور زوردار حالت کی بنا پر اپنی آبادی سے زیادہ سیٹیں لیجسلیچر میں، ملازمتوں میں اور دیگر صیغوں میں ضرور حاصل کرلیں گے، اور اگر بالفرض یہ چیزیں تناسبِ آبادی کی ہی حیثیت سے دی گئیں تو موجودہ احوال سے صرف پانچ یا چھ فی صدی کی زیادتی ہوگی، مگر اس کے

برعکس اقلیت والے صوبوں کو انتہائی تکالیف کا سامنا ہو جائے گا، ان کا نتیجہ جاتا رہے گا ان کو جو جو چیزیں تناسب آبادی سے زیادہ ملی ہوئی ہیں وہ سب چھن جائیں گی، اُن کی .... اقلیت اس قدر کمزور اور قلیل التعداد ہے کہ کسی چیز کو منوانے کی طاقت نہ رکھے گی اور نہ کچھ حاصل کر سکے گی،

(ج) مسٹر جناح اور زعمارِ لیگ پاکستان میں مسلمانوں کو اعلیٰ عہدے اور بالائی اختیارات ہرگز نہ دیں گے، کیونکہ ان کا عقیدہ ہے کہ مسلمان نااہل ہیں، اور حکومت نااہلوں کو ہرگز نہ ملنی چاہیے، ڈان کہتا ہے: " مذہبی حکومت کے بیشتر مسلمان ہوں گے اور وہ قابل نہیں ہیں" (مدینہ ۲۱ نومبر سنہ ۱۹۴۴ء بحوالہ ایمان)

۵ ستمبر سنہ ۱۹۳۱ء کو ایک ایٹ ہوم کے سلسلہ میں تقریر کرتے ہوئے مسٹر جناح نے فرمایا:

" حکومت ایسی چیز نہیں ہے کہ ہر کس وناکس کے سپرد کر دی جائے، حکومت کو پہلے سے چند ضروری امور کے متعلق غور کر لینا چاہیے مثلاً انسان اتنے متمدن ہو جائیں اور اس محبت اور پیار سے رہنے سہنے لگیں کہ انتہائی مشکلات اور نہایت بُرے حالات میں بھی درپیش مسائل کو خود حل کرنے کی اہلیت رکھتے ہوں "

(مدینہ، بجنور، ۹ ستمبر سنہ ۱۹۳۱ء جلد ۲۰ نمبر ۶۸ صفحہ)

اور اسی بناء پر انھوں نے اکثریت والے صوبوں کو سنہ ۱۹۱۶ء میں آبادی کے تناسب سے سیٹیں نہیں دیں، بلکہ دونوں صوبوں میں سیٹیں گھٹا دیں، اور سنہ ۱۹۲۰ء میں جبکہ گورنمنٹ نے حسب آبادی سیٹیں دینی چاہیں تو پُرزور طریقہ پر گورنمنٹ سے اسی کمی کو منوایا، چنانچہ مسٹر جناح سنہ ۱۹۲۵ء میں دہلی میں تقریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"میثاقِ لکھنؤ کس طرح وجود میں آیا، پنجاب اور بنگال میں مسلمان اکثریت میں تھے، بنگال میں ۵۶ فی صدی تھے اور پنجاب میں ۵۴ فی صدی، مسلمانوں کی عام پستی دیکھ کر یہ دلیل بیان کی جاتی تھی کہ اگر مسلمانوں کو آبادی کے تناسب سے حکومت میں حصّہ دیا گیا تو ایسا ہی ہے جیسے کہ اس کو اس کی جہالت اور نا اہلیت پر انعام دیا جائے"!

پھر فرماتے ہیں کہ:

"جب یہ طے ہو گیا کہ نا اہلیت پر انعام نہ دیا جائے تو اس پر معاملہ طے ہو گیا کہ پنجاب کے مسلمانوں کو ۵۰ فیصدی اور بنگال کے مسلمانوں کو ۴۰ فیصدی نشستیں دی جائیں، جب پارلیمنٹ میں ریفارم بل پر بحث ہوئی تو گورنمنٹ آف انڈیا نے بنگال کی نشستوں کے بارے میں میثاقِ لکھنؤ کی مخالفت میں ایک تحریر بھیجی، کیونکہ اس میثاق کی رُو سے بنگال کی ۵۶ فیصدی آبادی کو صرف ۴۰ نشستیں ملی تھیں، لیکن ہندو اور مسلمان قابلِ تعریف طریقہ پر میثاقِ لکھنؤ پر اڑے رہے، اور جوائنٹ پارلیمنٹری کمیٹی نے بھی اس کی تصدیق کر دی"!

(انڈین کوارٹرلی (سہ ماہی) رجسٹر ۱۹۲۵ء جلد ۱ صفحہ ۶۸)

جو خیال زعمائے لیگ کا پہلے سے مسلمانوں کے متعلق تھا آج بھی ان کا یہی عمل اور خیال ہے، ڈان اخبار کے عملہ کے متعلق مندرجہ ذیل تفصیل ملاحظہ کیجیے:

(نقشہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

# ڈان کا پاکستان

| نام | عہدہ | مذہب | مشاہرہ |
|---|---|---|---|
| جوزف پوتھن | چیف ایڈیٹر | عیسائی | ۱۲۵۰ |
| پی ابراہیم | اسسٹنٹ ایڈیٹر | 〃 | ۴۵ |
| مسٹر شرما | نیوز ایڈیٹر | ہندو | ۲۰۰ |
| مسٹر راؤ | سب ایڈیٹر | 〃 | ۱۵۰ |
| مسٹر سلہری | سب ایڈیٹر | قادیانی | ۱۰۰ |
| مسٹر بیگ | . | مسلمان | ۱۰۰ |
| مسٹر واسو | کارٹونسٹ | ہندو | ۲۰۰ |
| مسٹر جونز | سب ایڈیٹر | یہودی | ۱۰۰ |
| مسٹر شکلا | پی اے ایڈیٹر | ہندو | ۹۰ |
| مسٹر نیلکنٹھ | ٹائپسٹ | ہندو | ۸۰ |
| مسٹر دوگل | نائب مہتمم اشتہارات | ہندو | ۱۰۰ |
| مسٹر ضیار | کلرک | مسلمان | ۷۰ |
| مسٹر محمود | جنرل منیجر | مسلمان | ۳۰۰ |

صیغہ اشتہارات کے جنرل منیجر محمد حسین چونکہ مسلمان تھے اس لیے ان کو علیحدگی پر مجبور کیا گیا، ماہانہ خرچ ۳۲۹۰ روپے ہے، اس میں سے مسلمانوں کو ۴۷۰ روپے دیا جاتا ہے، تیرہ ۱۳ ملازمین میں سے تین مسلمان ہیں باقی غیر مسلم ہیں، ان کو ۲۸۲۰ روپے دیا جاتا ہے۔"

(مدینہ بجنور، مورخہ ۵ جولائی ۱۹۴۳ء)

اسی طرح لیگی وزارتوں نے سرحد، سندھ، آسام، بنگال وغیرہ میں بڑے بڑے ذمہ داری کے کام ہندوؤں بالخصوص مہاسبھائیوں کے سپرد کیے، مندرجہ ذیل بیان ملاحظہ فرمائیے، جو کہ "سرحد کی لیگی وزارت" کے عنوان سے مدینہ بجنور ۹ر اکتوبر ۱۹۴۵ء، نمبر ۴۷، جلد ۳۴ میں شائع ہوا ہے:

"پشاور، ۴ر اکتوبر، آغا مظفر شاہ نے ایک پبلک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے فرمایا کہ سابقہ پاکستانی وزارت کی فضیلت یہ ہے کہ اس کے عہدِ حکومت میں کپڑے کا ٹھیکہ رائے بہادر رچپا رام کو دیا گیا، پشاور کے کپڑے کا ٹھیکہ بابو حکم چند کھنہ کے حصہ میں آیا، گیہوں کا ٹھیکہ رائے صاحب اجرج لال کو ملا، پھلوں کا ٹھیکہ رائے صاحب امرناتھ چہرہ کو ملا، اسی طرح گڑ کی سپلائی بھی انہی رائے صاحب اور چینی کا تمام معاملہ دھرم سنگھ رام سنگھ کے سپرد کیا گیا، ہندو دشمنی کے اعلان کے ساتھ ہندو پروری کی وجہ یہ تھی کہ وہ اندرونی نفع جو مطلوب تھا کسی مسلمان سے حاصل نہ ہو سکتا تھا۔"

مدینہ بجنور لیگ کے مشہور اخبار "خلافت" بمبئی کے ایک نوٹ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"معاصر خلافت بھی لیگ کے سرگرم حامیوں میں سے ہے، اس لیے اپنی سابقہ اشاعت میں مسلم لیگ سے سخت شکایت کی ہے کہ وہ ہندو سبھا جیسی مسلم کش اور معاند جماعت کے ساتھ تعاون کر رہی ہے۔"

معاصر مذکور رقم طراز ہے:

"ہمیں اس بات پر ہمیشہ تعجب رہا ہے کہ مسلم لیگ وزارتوں کے معاملہ میں مہاسبھائیوں کے ساتھ تعاون کیوں کر رہی ہے؟ جبکہ یہ حقیقت آفتاب نصف النہار کی طرح روشن ہے کہ مہاسبھائی مسلمانوں کے بدترین قسم کے

دشمن ہیں، اور ان سے مسلمانوں کے لیے نقصان کے سوا کوئی فائدہ ہو ہی نہیں سکتا، وزارت سازی میں مسلم لیگ ان کے ساتھ تعاون کر کے اپنی آستین میں سانپ پال رہی ہے، جو نہ معلوم کس وقت کاٹ لے، اسی طرح مسلم لیگ مہاسبھا کے اثر کو بھی بڑھا رہی ہے، اور یہ صورتِ حال مسلمانوں کے لیے مفید نہیں ہو سکتی، مسلم لیگ کا فرض ہے کہ وہ مہاسبھائیوں کے ساتھ جن کا راستہ ہمارے راستہ کے بالکل اُلٹا جاتا ہے کسی قیمت پر بھی تعاون نہ کرے، وزارتوں سے مسلم صوبوں اور مسلم سیاست کو تھوڑا سا فائدہ اور معمولی طاقت ضرور حاصل ہو سکتی ہے، لیکن یہ فائدہ اور طاقت اتنی اہمیت نہیں رکھتی کہ اس کی وجہ سے دشمنوں کے ساتھ تعاون کیا جائے اور ان لوگوں کی امداد حاصل کی جائے، جن کے اصول سے ہمارے اصول اسی طرح مختلف ہیں جس طرح دن سے رات، مسلم لیگ کو اپنی پالیسی پر نظرِ ثانی کرنی چاہیے، ہم اس حقیقت کو فراموش نہیں کر سکتے کہ وزارتیں ہرگز اس قدر ضروری اور مفید چیز نہیں کہ ان کی وجہ سے مسلم مفاد کو ذرا سی بھی ٹھیس لگائی جائے، حکومت سے اگر کوئی یہ توقع رکھے کہ وہ اس وجہ سے کہ ہم نے اس کے آڑے وقت میں وزارتیں بنا کر اس کا کام ہلکا کیا تھا ہمارے ساتھ کوئی رعایت کرے گی، تو یہ کھلی سے تیل نکالنے اور ریگستان میں کنواں کھودنے کے مرادف ہو گا"

سطور بالا میں خلافت نے شکوہ اور فہمائش کا جو انداز اختیار کیا ہے وہ سر تا سر نیک فہمی اور خوش عقیدگی پر مبنی ہے، وہ پوری دردمندی اور اخلاص کے ساتھ موجودہ روشِ بد کے نتائجِ بد کی طرف اشارے کر کے قائدینِ لیگ کو متنبہ کر رہا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس دردمندی کے مظاہرہ کے ساتھ حیرت واستعجاب کا جو

اظہار کیا گیا ہے اس میں لیگ کے قائدین کے عمل و اعتقاد کی تکذیب و تغلیط کے ساتھ لیگ کے رہنمائے اعظم کی قیادت کی مذمت کے پہلو بھی پوری طرح نمایاں ہو گئے ہیں، اور زبانِ قلم نے عام لیگی مسلمانوں کے قلب کی بے ساختہ ترجمانی کر کے لیگ کے چہرے کے خد و خال کو بڑی حد تک عریاں کر دیا ہے،

اب سوال صرف یہ ہے کہ کیا مسلم لیگ کے قائدینِ کرام اس حسنِ ظن کے مستحق ہیں جو خلافت نے قائم کر رکھا ہے یا نہیں؟ اگر کوئی شخص یہ باور کر سکتا ہے کہ ہندو مہاسبھا ملک کی سیاسی جماعتوں میں قابلِ وقعت جماعت ہے اور اس کا نصب العین و نظام العمل مسلمانوں کے ساتھ عناد و نفرت پر مبنی نہیں ہے تو بلاشبہ لیگ کے رہنماؤں کے متعلق بھی حسنِ ظن سے کام لیا جا سکتا ہے، لیکن بحالاتِ موجودہ جبکہ یہ حقیقت بالکل عالم آشکارا ہے کہ لیگ اور مہاسبھا دونوں میں مقاصد کے لحاظ سے بعد المشرقین ہے، اور مہاسبھا کا فلسفۂ حیات صرف یہ ہے کہ وہ ملک کے کونہ کونہ میں ہندو مسلم منافرت کی آگ مشتعل کرتی رہے، تو لیگ کے صدر اور مہاسبھا کے پردھان کے ایسے "گٹھ جوڑ" کو جیسا کہ آجکل نظر آرہا ہے کوئی باشعور انسان شبہہ سے بالاتر نہیں سمجھ سکتا، بلکہ اگر ذرا گہری نظر سے دیکھا جائے تو یہ حقیقت صاف نظر آسکتی ہے کہ دونوں جماعتیں متضاد دعووں کے باوجود اجنبی اقتدار کے سامنے باہم سجدہ ریز اسی لیے نظر آتی ہیں کہ ان کا باطن ایک ہے، اور یہ تمام ہنگامہ و شور اور اختلاف و عناد کسی تیسری پارٹی کے مقاصد کو پورا کرنے کے لیے ہے، کیا خلافت "عالمِ حیرت" سے "عالمِ ہوش" میں آنے کی جرأت کر سکتا ہے؟ (مدینہ بجنور، ۲۱ جولائی ۱۹۴۰ء، جلد ۳۲ نمبر ۵۳، صفحہ ۲)

اس موقع پر مدینہ، مورخہ یکم اپریل ۱۹۴۰ء جلد ۲۹ نمبر ۲۳ صفحہ ۷، کی مندرجہ ذیل اطلاع بھی خاص اہمیت رکھتی ہے:

"سندھ کے ہندوؤں نے مسلم لیگ سے ۲۱ مطالبے کیے تھے، جس کو لیگ نے

منظور کیا، اور نتیجہ کے طور پر مسلم لیگ کی وزارت وجود میں آئی، ہم ذیل میں چار مطالبے درج ذیل کرتے ہیں:

(الف) (مطالبہ نمبر ۲) مفصلات میں زائد پولیس کافی تعداد میں رکھی جائے، چونکہ محکمۂ پولیس میں ہندو کم ہیں، اس لیے ایسا انتظام کیا جائے کہ اس محکمہ میں ان کی اقلیت کی نمائندگی چالیس فی صدی ہو،

(ب) (مطالبہ نمبر ۱۳) اقلیت کے فرقوں کے جو افسر ایڈیشنل پولیس اور مالیات کے محکمہ میں ہیں، انھیں مفصلات میں کثیر تعداد میں مقرر کیا جائے، اور چالیس فی صدی جگہیں ان کے قبضہ میں ہوں، ضروری تبدیلیاں فوراً کی جائیں،

(ج) (مطالبہ نمبر ۱۸) اقلیتوں کے تمام جائز مفاد کا تحفظ کیا جائے، پبلک ملازمتوں میں اقلیتوں کی نمائندگی چالیس فی صدی ہو،

(د) (مطالبہ نمبر ۲۱) لوکل جماعتوں، میونسپل بورڈ، ڈسٹرکٹ بورڈ وغیرہ میں مشترکہ انتخاب جاری کیا جائے"۔ (اخبار مدینہ، مذکور الصدر)

مختصر یہ کہ ایک طرف اندرونی طور پر مختلف عناصر جو پوری طرح قوی اور منظم، دوسری جانب برطانیہ کے سامراجی اغراض کا خونخوار دیو، مزید براں تحریکِ پاکستان کے ذریعہ سے لازمی اور فطری طور پر ہندو اور مسلمانوں کا دوامی نزاع اور منافرت، یہ وہ تمام چیزیں ہیں جن کی موجودگی میں پاکستان کو ایک انصاف پسند انسان کسی طرح بھی مفید نہیں سمجھ سکتا، سندھ اور بنگال میں وزارتوں کا عدمِ استقلال ایک نمایاں دلیل ہے، گذشتہ دور میں ان صوبوں کی وزارتوں میں آئے دن تبدیلیوں کا باعث کیا ہے؟

اس قسم کی وزارتوں کا نفرت انگیز پہلو یہ ہے کہ یہ ہندوؤں یا سرکاری

گورنروں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنی رہیں گی، بنگال میں ہیبت ناک قحط، جس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں مل سکتی، صوبہ سندھ میں حروں کا قتلِ عام، پنجاب میں بے پناہ فوجی بھرتی، اور خاکساروں پر گولیوں کی بارش، لیگی وزارت کے مبارک دور میں ہوئی، کیا انگریزوں کے ہاتھ میں کٹھ پتلی بنے رہنے کا کوئی ثبوت اس سے نمایاں اور بھی ہو سکتا ہے؟

اِن انسانیت سوز اور رسوائے عالم ہنگاموں کے وقت یہ وزارتیں مستعفی کیوں نہیں ہو گئیں؟ مگر استعفاء تو درکنار، ایک طرف یہ خونچکاں واقعات ظہور پذیر ہو رہے تھے اور دوسری جانب مسٹر جناح فخر و ناز کر رہے تھے کہ ہندوستان کے پانچ صوبوں میں لیگ کی وزارتیں قائم ہیں، ـــــ اور ان تمام درندگیوں کو دیکھتے ہوئے یہ جاہ پسند انسان وزارت کے پامال ٹاٹ کا پیوند بنے ہوئے تھے،

ننگِ اسلاف
حسین احمد غفرلہٗ

# ضروری تنبیہ

## متحدہ قومیت کی توضیح وتفسیر

اس رسالہ میں بھی دو ایک جگہ "متحدہ قومیت" کا لفظ آیا ہے، عیب جو، ہنر پوش نگاہیں یقیناً اس مضمون کی تمام خوبیوں کو نظر انداز کر کے متحدہ قومیت کو غلط معنیٰ پہنائیں گی، اور غلط پروپیگنڈہ کریں گی، لہٰذا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم متحدہ قومیت کے متعلق خود حضرت شیخ الاسلام مدظلہ العالی کی تصریحات بھی اس موقع پر درج کریں حضرت موصوف اپنی مشہور تصنیف "متحدہ قومیت اور اسلام" میں تحریر فرماتے ہیں :۔

### قومیت متحدہ کے مجوزہ معنیٰ!

ہماری مراد قومیت متحدہ سے اس جگہ وہی قومیت متحدہ ہے، جس کی بنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ مدینہ میں ڈالی تھی، یعنی ہندوستان کے باشندے خواہ کسی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں بحیثیت ہندوستانی اور متحد الوطن ہونے کے ایک قوم ہو جائیں، اور اس پردیسی قوم سے جو کہ وطنی اور مشترک مفاد سے محروم کرتی ہوئی سب کو فنا کر رہی ہے جنگ کر کے اپنے حقوق حاصل کریں، کوئی مذہب والا کسی دوسرے سے کسی مذہبی امر میں تعرض نہ کرے، بلکہ ہندوستان میں بسنے والی تمام قومیں اپنے مذہبی اعتقادات، اخلاق، اعمال میں آزاد رہیں، اپنے مذہبی رسم ورواج، مذہبی اعمال واخلاق پر آزادی کے ساتھ عمل پیرا رہیں، اور جہاں تک ان کا مذہب اجازت دیتا ہے امن وامان قائم رکھتے ہوئے اپنی اپنی نشر واشاعت بھی کرتے رہیں، اپنا اپنا پرسنل لا۔ اور کلچر (تہذیب) کو محفوظ رکھیں، نہ کوئی اقلیت کسی دوسری اقلیت یا

اکثریت سے ان امور میں دست و گریبان ہو اور نہ اکثریت اس کی جد وجہد کرے کہ اقلیتوں کو اپنے اندر ہضم کر لے" (متحدہ قومیت مطبوعہ کمال پریس، صفحہ ۵۳ و ۵۴)

اس کے بعد جونپور کے سالانہ اجلاس کے خطبۂ صدارت میں جمعیۃ علماء ہند کے صدر کی حیثیت سے حضرت مولانا نے تصریح فرمادی تھی کہ:

"ہم باشندگانِ ہندوستان بحیثیت ہندوستانی ہونے کے ایک اشتراک رکھتے ہیں جو کہ اختلافِ مذاہب اور اختلافِ تہذیب کے ساتھ ہر حال میں باقی رہتا ہے، جس طرح ہماری صورتوں کے اختلاف، ذاتوں اور صنعتوں کے تباین، رنگتوں اور قامتوں کے افتراقات سے ہماری مشترکہ انسانیت میں فرق نہیں آتا، اسی طرح ہمارے مذہبی اور تہذیبی اختلافات ہمارے وطنی اشتراک میں خلل انداز نہیں ہیں، ہم سب وطنی حیثیت سے ہندوستانی ہیں اور وطنی منافع کے حصول اور مضرات کے ازالہ کا فکر اور اس کے لیے جد وجہد مسلمانوں کا بھی اسی طرح فریضہ ہے جس طرح دوسری ملتوں اور غیر مسلم قوموں کا ـــــ اس کے لیے سب کو مل کر پوری طرح کوشش کرنی از بس ضروری ہے، اگر آگ لگنے کے وقت گاؤں کے تمام باشندے مل کر آگ نہ بجھائیں گے، سیلاب آنے کے وقت گاؤں کے تمام بسنے والے بند نہ باندھیں گے تو تمام گاؤں برباد ہو جائے گا، اور سب ہی کے لیے زندگی وبال ہو جائے گی، اسی طرح ایک ملک کے باشندوں کا فرض ہے خواہ وہ ہندو ہوں، یا مسلمان، سکھ ہوں یا پارسی کہ ملک پر جب کوئی عام مصیبت پڑ جائے تو مشترکہ قوت سے اس کے دور کرنے کی جد وجہد کریں، اس اشتراک وطنی کے فرائض سب پر یکساں عائد ہوتے ہیں، مذاہب کے انقلاب سے اس میں رکاوٹ یا کمزوری نہیں ہوتی، ہر ایک اپنے مذہب پر پوری طرح قائم رہ کر ایسے فرائض کو انجام دے سکتا ہے، یہی اشتراک میونسپل بورڈوں، ڈسٹرکٹ بورڈوں

کونسلوں اور اسمبلیوں میں پایا جاتا ہے، اور مختلف المذاہب ممبر فرائض شہر یا ضلع یا صوبہ یا ملک کو انجام دیتے ہیں، اور اس کو ضروری سمجھتے ہیں، یہی معنیٰ اس جگہ "متحدہ قومیت" کے ہیں،

اس کے علاوہ دوسرے معانی جو لوگ سمجھ رہے ہیں وہ غلط اور ناجائز ہیں اس معنیٰ کی بنا پر کانگریس کے فنڈامینٹل میں ہر مذہب اور ہر تہذیب اور ہر زبان و رسم و رواج کے تحفظ کا التزام کیا ہے، دھوکہ نہ کھانا چاہیے، اور بیوقوفوں کی بات پر نہ جانا چاہیے، اس کے خلاف یورپین لوگ، قومیت متحدہ کے معنی جو مراد لیتے ہوں، اور جو کانگریسی افراد انفرادی طور پر کانگریس کے فنڈامینٹل کے مفہوم کے خلاف معانی بیان کرتے ہیں اُن سے یقیناً جمعیتہ العلماء بیزار ہے، اور تبرّی کرنے والی ہے"

(خطبۂ صدارت، اجلاس جونپور)

هٰذَا وَاٰخِرُ دَعْوَانَا
اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ط

# ہندوستان — ہمارا وطن!

## مذہبی حیثیت اور تاریخی عظمت پر ایک نظر

مؤلفہ

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ

ناشر

مجلسِ یادگارِ شیخ الاسلامؒ ۔ پاکستان

کراچی

# ہندوستان- ہماراوطن!

| فہرست | | صفحہ |
|---|---|---|
| مقدمہ: | | ۲۵۱ |
| ہندوستان- حضرت شیخ الاسلام کی نظر میں | ایم ایم جلالی | ۲۵۱ |
| ہندوستان ہمارا ہے | شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ | ۲۵۶ |
| ہندوستان کی تاریخی عظمت اور موجودہ حالات | شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ | ۲۶۳ |
| ہندوستان کی قسمت پلٹ گئی | | ۲۶۴ |
| ہندوستان کے مصائب | | ۲۶۶ |
| ہندوستانی خون کا انعام | | ۲۶۷ |
| مصائب کی وجہ | | ۲۶۸ |
| نااتفاقی کی نحوست | | ۲۶۹ |
| مذہبی آزادی اور ہندوستان کی آزادی کی اہمیت | | ۲۷۱ |
| دکن مقدمہ کیوں کر آزاد ہوں؟ | | ۲۷۳ |
| جان کی حفاظت کیوں کر ہو؟ | | ۲۷۴ |
| مصائب کا سرچشمہ | | ۲۷۵ |
| مصائب کا خاتمہ کیوں کر ہو؟ | | ۲۷۶ |
| سوراج کے لیے ترک حوالات کی ضرورت | | ۲۷۷ |
| ضمیمہ اول: ۱۔ افاداتِ علامہ اقبال | | ۲۷۹ |
| ترانۂ ہندی | | ۲۷۹ |
| ہندوستانی بچوں کا قومی گیت | | ۲۸۰ |
| ضمیمہ دوم: ۲۔ افاداتِ مولانا عبید اللہ سندھی | | ۲۸۱ |
| ہماراوطن- ہندوستان اور اس کی دو خوبیاں | | |

مقدمہ :

# ہندوستان

## حضرت شیخ الاسلام کی نظر میں

جناب ایم ایم جلالی

---

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی مجموعۂ کمالات تھی، وہ نہ صرف دنیائے اسلام کے واجب التسلیم رہنما، علم حدیث وفقہ، ادب و معانی، فلسفہ و منطق کے زبردست اور متبحر عالم تھے، بلکہ ہر ملک و ہر قوم کی تاریخ انھیں از بر تھی، یہی وجہ ہے کہ وہ سارے ہندوستان کے لیے بہ یک وقت بلا تفریق و امتیازِ مذہب و ملل محبوب ترین رہبرِ اعظم تھے،

حضرت نے آزادی وطن کی خاطر جو قربانیاں پیش کیں، اور جس اولوالعزمی اور فراخ دلی سے اہلِ ہند کو بدیشی راج کے پنجوں سے چھڑانے کی تگ و دو کی، وہ ہندوستان کی جنگِ آزادی کی تاریخ میں جلی حرفوں سے لکھی جائیں گی، ہر قوم، ہر جماعت اور ہر فرد و بشر کو اس کا اعتراف ہے کہ حضرت جنگِ آزادی کی صفِ اول کے رہبرِ اعظم تھے، وہ آزادی کا آفتاب تھے، انھوں نے اپنی زندگی کو ملک کی آزادی کے لیے وقف کر دیا تھا،

حضرت کو سرزمینِ ہند سے قلبی محبت تھی، فطری اُنس تھا، حضرت کا نظریۂ حب الوطنی دنیا کی تمام قوموں سے ممتاز تھا، وہ ہندوستان کو صحیح معنوں میں

اپنا وطن تسلیم کرتے تھے، ہندوستان اور پاکستان کے سوال نے جب بہت سے مسلمانوں کو باندازِ دگر مشتعل کیا، اور مسلم لیگ کے نام پر ملک کے گوشہ گوشہ میں تقسیم ہند کے ولولے پیدا کیے، وہ ایسا نازک وقت تھا کہ کانگریس نے بھی تقسیم ہند کی قرارداد منظور کرلی، مگر یہ حضرت مولانا مدنی رحمۃ اللہ علیہ کا ہی جذبۂ حب الوطنی تھا کہ آپ نے اس پر اپنی رضامندی ظاہر نہیں کی، مہاتما گاندھی اور پنڈت جواہر لال نہرو جیسے مدبرینِ اعظم نے مولاناؒ کی حب الوطنی پر اظہارِ تعجب آفریں کیا، یہ انہی کا عطیہ ہے کہ آج تک مسلمانوں کے قلوب میں ہندوستان کی عظمت ومحبت دوسری قوموں کے مقابلے میں بدرجہا زیادہ راسخ ہے، مولانا ہندوستان کو مسلمانوں کے قدیم ترین وطن ہونے پر یقین کامل رکھتے تھے،

جب مطالبۂ پاکستان کا اختراع کیا گیا اور مسلمانوں کو انتقالِ وطن کی تلقین کی جانے لگی تو مولانا رشد وہدایت کی شمع لے کر ان مسلمانوں پر مسلط ہوگئے جن کی گمراہ کُن قیادت نے قتل وخون اور غارت گری کا باب کھول کر مسلم عوام کو قعرِ ذلت میں پھینکنے کا تہیہ کیا تھا، مولانا کی اعجاز بیانی وبلیغ الاثری نے حب الوطنی کا صحیح جذبہ قلوبِ عوام میں راسخ کیا، حضرتؒ نے ایک جگہ ارشاد فرمایا ہے:

"ہندوستان کی عظمت وفضیلت جو قرآن واحادیث اور مورخینِ اسلام کی روایات سے ثابت ہے، ان کے زیر نظر مسلمان ایک لمحے کے لیے بھی ہندوستان سے بیگانگی اختیار نہیں کرسکتا، وہ سرزمین جو خلیفۃ اللہ کا سب سے پہلا مہبط ہو، جو انسانیت کا سب سے پہلا دار الخلافہ ہو، جو سرزمین آفتابِ نبوت کا سب سے پہلا مشرق بن چکا ہو، جس بقعۂ مبارک پر روح القدس کا سب سے پہلے نزول ہوچکا ہو وہی سرزمین مسلمانوں کا اصلی پاکستان ہے۔"

یہ الفاظ اکثر حضرت اپنی تقاریر وارشادات میں فرمایا کرتے تھے، حضرت کو جو محبت سرزمینِ ہند سے تھی وہ آخر تک رہی، آزادی سے پہلے اور آزادی کے بعد یکساں طور پر حب الوطنی کا جذبہ حضرت کے دل میں باقی رہا، کانگریس میں حضرت کی شمولیت، آزادی کی تحریکوں میں آپ کی جانبازانہ شرکت ان کے جذبۂ حب الوطنی کی آئینہ دار ہے،

مولانا کے نزدیک ہندوستان کے باشندوں میں صرف مسلمانوں کا حق ہے کہ وہ اس ملک کو اپنا قدیم ترین آبائی وطن کہہ سکیں، مولانا نے اپنی اس تصنیف میں جو "ہمارا ہندوستان" اور اس کے فضائل" کے عنوان سے جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے ۱۹۴۵ء میں شائع کی گئی تھی اس کے دلائل یہ بیان کیے ہیں:

۱۔ سب سے پہلے انسان اور ہم سب کے مورثِ اعلیٰ حضرت آدم علیہ السلام جو مسلمانوں کے سب سے پہلے پیغمبر ہیں اسی سرزمین پر تشریف لائے،

۲۔ توسیعِ نسلِ انسانی کا آغاز سب سے پہلے اسی سرزمین پر نور اسلام سے ہوا،

۳۔ اس کے علاوہ صدیوں تک پیغمبروں کا سلسلہ اسی سرزمین میں جاری رہا،

۴۔ اور حضرت شیث؏ اور نوح؏ وغیرہ نے صدیوں تک اسی سرزمین پر نعرۂ توحید بلند کیا، جیسے جمہور مورخین مانتے ہیں۔

انہی وجوہ کی بنا پر حضرتؒ نے ہمیشہ مسلمانوں کو ترغیب دی کہ وہ ہندوستان کی سرزمین سے محبت کریں، یہ ان کا پاکیزہ وطن ہے، انھوں نے بسا اوقات ارشاد فرمایا:

"ہو سکتا ہے کہ غیر مسلم ہندوستانی بآسانی ایک وطن سے منتقل ہو کر دوسرے وطن کو چلے جائیں، مگر مسلمانانِ ہندوستان کو یہاں سے منتقل ہونا از بس مشکل ہے، نہ وہ اپنی مساجد سے بیگانگی اختیار کر سکتے ہیں، نہ اپنے مقابر سے، نہ اپنی زمینوں سے، نہ اپنے گھر بار سے، اور نہ اُن میں استطاعت ہی ہے"

سرزمینِ ہندوستان ہی میں وہ مقدس سرزمین ہے جہاں رشد و ہدایتِ خداوندی، معرفتِ قربِ الٰہی و نجاتِ اخروی اور فوز و فلاحِ ابدی کے استحصال کے لیے انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام سے عہد و پیمان ہوا، سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ و السلام کا وہ نورِ مقدس جو سب سے پہلے پیدا کیا گیا تھا حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صلب مقدس سے منتقل ہو کر اپنے اپنے زمانے کے بہترین آباء اور بہترین امہات کے ذریعہ سے جملہ منازل طے کرتا ہوا افقِ مکہ سے طلوع ہوا، اس لحاظ سے بجا طور پر حضرت رحؒ نے فرمایا:

"نورِ محمدیؐ اور افضلِ سرمدی کا سب سے پہلا مطلع ارضِ ہند اور اور سب سے آخری مشرقِ حجاز ہے"

الغرض مذہبی، سیاسی، مُلکی، وطنی ہر حیثیت سے سرزمینِ ہندوستان مسلمانوں کے لیے واجب الاحترام ہے، اور یہی وہ نظریہ ہے جس نے حضرت شیخؒ کی ذاتِ پاک صفات کو حیاتِ ابدی بخشی،

وہ کبھی کشمکش اور تذبذب میں نہیں رہے، انھوں نے جس مسلک کو اپنایا قرآن و حدیث کی روشنی میں اس کی صداقت کا جائزہ لیا، اور مستقل مزاجی سے اس پر چلے، اور عوام کو اس پر چلنے کی ہدایت کی، ایسے دورِ کشمکش میں بھی آپ نے جذبہ حب الوطنی کو اپنے دل میں برقرار رکھا، جب کہ کانگریس ہی کے کچھ فرقہ پرست

ذہنیت والوں نے آپ کے دل کو ٹھیس پہنچائی، انھوں نے اپنا راستہ کبھی نہیں بدلا، اور کانگریس کا ساتھ آخر تک نہ چھوڑا، اصول کی پابندی، راست بازی، صداقت، عدل وانصاف کے موڑ پر بڑے بڑے رہنما کترا گئے، مگر آپ نے کبھی صحیح راستہ سے رُوگردانی نہیں اختیار فرمائی، وہ اسی سرزمینِ مقدس پر پیدا ہوئے، اسی سرزمینِ ہند کے مایۂ ناز اور قابلِ فخر رہنما بنے، اسی سرزمین کی محبت اور عظمت کا جذبہ لے کر زندگی کے بیش قیمت اوقات گزار دیئے، اور آخر میں اسی سرزمین میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہم سے پردہ فرما گئے، خدا ان کے نقوش پر چلنے کی توفیق عنایت فرمائے، آمین ثم آمین ؛

# ہندوستان ہمارا ہے

ہندوستان کی بسنے والی قوموں میں صرف مسلمان ایسی اقوام قدیمہ میں سے ہیں جن کا مذہب اور عقیدہ یہ ہے کہ وہ حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں، اور انسانی نشو و نما فقط حضرت آدم علیہ السلام سے ہوا ہے، یہی قرآن کی تعلیم ہے، باقی اقوام ہندیہ اس کی قائل نہیں ہیں،

اسلامی کتابیں یہ بتاتی ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام ہندوستان ہی میں اتارے گئے، اور یہاں ہی انھوں نے سکونت کی، اور یہاں ہی سے ان کی نسل دنیا میں پھیلی، اور اسی وجہ سے انسانوں کو آدمی کہا جاتا ہے، چنانچہ "سبحۃ المرجان فی تاریخ ہندوستان" میں متعدد روایات اس کے متعلق مذکور ہیں، بائبل میں بھی اس کے حصۂ عہد قدیم میں یہی ذکر کیا گیا ہے، تفسیر ابن کثیر جلد اول صفحہ ۸۰ میں ہے:

"ونزل آدم بالهند ونزل معه الحجر الاسود وقبضة من ورق الجنة فبثه بالهند فنبتت شجرة الطيب فانما اصل ما يجاء به من الطيب من الهند من قبضة الورق اللتى هبط بها آدم وانما قبضها اسفى على الجنة حين اخرج منها، قال عمران بن عيينه من عطاء بن السائب عن سعيد بن جبير عن ابن عباس قال اهبط آدم بدحنا ارض الهند" الخ

سبحۃ المرجان میں حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کا یہاں پھیلنا اور کھیتی

وغیرہ کرنا مذکور ہے، بنا بریں اسلامی روایات اور تعلیمات کے مطابق آبائی وطن عہدِ قدیم سے ہندوستان مسلمانوں ہی کا ہوگا، جو لوگ انسانی اور اپنی نسل کو ایسا نہیں مانتے وہ اس دعوے کے مستحق نہیں ہیں، اور مسلمانوں کے لیے اس کو اپنا وطن قدیم سمجھنا ضروری ہے۔

حسبِ تعلیماتِ اسلامیہ اور تصریحاتِ قرآنیہ جتنے پیغمبر اور ان کے جانشین دنیا میں ہوئے ہیں سب کا مذہب اسلام ہی تھا، حضرت آدم علیہ السلام اور ان کی اولاد بھی اسلام کے پیرو تھے " وَمَا كَانَ النَّاسُ إِلَّا أُمَّةً وَاحِدَةً " (سورۂ یونس، ع ۲) " كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ " الآیۃ (سورۂ بقرہ، ع ۲۶) اور اس کے بعد جب تفرقے ہوئے تو جہاں جہاں بھی انسانی نسلیں تھیں وہاں پیغمبر اور ان کے سچّے جانشین بھیجے گئے، " وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ " (سورۂ رعد، ع ۲) " وَإِنْ مِّنْ أُمَّةٍ إِلَّا خَلَا فِيهَا " (سورۂ فاطر، ع ۳) اور سچّے پیغمبر اور ان کے سچّے جانشین سب کے سب دینِ اسلام ہی رکھتے تھے، " شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا " الآیۃ (شوریٰ، ع ۲) " إِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْإِسْلَامُ " وغیرہ آیات واحادیث بکثرت اس مضمون پر دلالت کرتی ہیں، اس لیے ضروری ہے کہ ہندوستان میں بھی قبل زمانہ خاتم النبیین حضرت محمد علیہ السلام انبیاء آئے ہوں، چنانچہ اولیاء اللہ نے ہندوستان میں مختلف مقامات پر انبیاء علیہم السلام کی قبریں بطور کشف و الہام اور روحی ملاقات سے معلوم کی ہیں، حضرت مجدد الف ثانی اور مرزا مظہر جانجاناں رحمۃ اللہ علیہما اور دیگر بزرگوں کی تصانیف میں اس کی تصریحات موجود ہیں، مگر جس طرح عیسائیوں اور یہودیوں نے تحریف وغیرہ کر کے شرک اور کفر وغیرہ اختیار کر لیا، اسی طرح ہندوؤں نے بھی اختیار کیا، چنانچہ مرزا مظہر جانِ جاناں رحمۃ اللہ علیہ اس کی تفصیل اپنے بعض مکتوبات میں پوری طرح فرماتے ہیں،

خلاصہ یہ کہ قدیم زمانہ سے یہ ملک بھی مذہبِ اسلام کا گہوارہ رہا ہے، لہٰذا

صحیح اور یقیناً صحیح ہے کہ بحیثیت مذہب ابتدار سے ہی یہ ملک اسلام کا وطن ہے،
مسلمانوں کے سوا جو قومیں ہندوستان میں سکونت پذیر چلی آتی ہیں،
وہ عموماً اپنے مُردوں کو جلا ڈالتی ہیں، اوران کی راکھ کو دریا میں بہادیتی ہیں، یا پارسی
اپنے مُردوں کو پرندوں کو کھلا دیتے ہیں، بخلاف مسلمانوں کے کہ وہ اپنے مُردوں کو
زمین میں دفن کرتے ہیں، اس لیے مسلمانوں کی سکونت جسمانی اس زمین میں زندگی
میں بھی مثل دیگر اقوام رہی اور مرنے کے بعد بھی ان کی سکونت یہاں ہی رہی، اُنکی
قبریں محفوظ رکھی جاتی ہیں، مسلمانوں کا عقیدہ ہے کہ قیامت میں ان ہی قبروں سے
اُن کے مُردے اٹھیں گے، اور جو اجزار جسم کے قبر میں مٹی ہوگئے تھے انہی اجزار سے
ان کا جسم پھر بنایا جائے گا، لہٰذا مسلمانوں کی سکونت جسمانی اس سرزمین میں قیامت
تک کے لیے ہے، بخلاف دوسری جلانے والی یا پرندوں کو کھلانے والی قوموں
کے کہ ان کی سکونت جسمانی صرف دنیاوی زندگی تک کے لیے ہے اور بس، اسی وجہ
سے ان کے اسلاف کا کوئی نام ونشان کسی جگہ پایا نہیں جاتا، اور مسلمانوں کے
قبرستان، روضے، قبے، زیارت گاہیں وغیرہ وغیرہ ہر جگہ موجود ہیں، اور مسلمان
ان کی حفاظت اور عظمت ضروری سمجھتے ہیں،

غیر مسلموں کا عقیدہ ہے کہ مرنے کے بعد روحیں تناسخ (آواگون) کے ذریعہ
سے جزار اور سزا بھگتتی ہیں، اس لیے وہ کسی دوسرے جون (قالب) میں ڈال دی
جاتی ہیں، خواہ وہ انسانی ہوں (اگر عمل اچھے تھے) خواہ وہ حیوانی یا نباتی یا
حشرات الارض وغیرہ کا ہو (اگر عمل خراب تھے) پھر اگر انسان بنایا گیا تو کوئی خصوصیت
نہیں کہ وہ ہندوستان ہی میں پھر پیدا ہو، افریقہ، امریکہ، یورپ، آسٹریلیا وغیرہ
جہاں بھی پرماتما چاہے اُس کو اس کے عمل کے مناسب بھیج دے، غرضیکہ مرنے
کے ساتھ ہی اس کی روح کا تعلق جسم اور اس کے اجزار سے بھی بالکلیہ منقطع

ہو جاتا ہے، نیز اس کے گاؤں، شہر، دیس، قوم، جاتی وغیرہ سب سے منقطع ہو جاتا ہے، بخلاف مسلمانوں کے کہ وہ تناسخ کے قائل نہیں ہیں، اُن کے نزدیک روح کا تعلق جسمِ انسانی کے ساتھ صرف ایک دفعہ ہوتا ہے، موت کے بعد وہ برزخ میں محفوظ کر دی جاتی ہے، اور اپنے اعمال کی سزا اور جزاء کا کچھ حصّہ وہاں بھی حاصل کرتی رہتی ہے، اس کا نہایت ضعیف تعلق اپنے بدن اور اس کے اجزاء، اور اپنی قبر، وطن، برادری، اولاد وغیرہ سے رہتا ہے،

یہ تعلق اگرچہ ایک درجہ میں نہیں ہوتا، مگر تاہم کسی نہ کسی درجہ میں تفاوت کے ساتھ باقی رہتا ہے، اور اسی تعلق سے قیامت میں یہ روح اسی قبر پہ پہنچے گی، اور اس کے اجزاءِ سابقہ کا جسم بنے گا، اور وہ اس میں حلول کر کے پھر زندگیِ جسمانی حاصل کرے گی، جس طرح ہم اگر دنیا میں اپنے گھر اور اہل و عیال کو چھوڑ کر دوسری جگہ چلے جاتے ہیں تو ہمارا تعلق اپنوں، اپنے گھروں اور بستیوں کے ساتھ کچھ نہ کچھ رہتا ہے، ایسا ہی یا اس سے زائد تعلق مرنے کے بعد روحوں کو بھی سب سے رہتا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ اسلام میں قبروں کی زیارت کرنے اور اصحابِ قبور کو سلام کرنے اور ان کو دعا اور ایصالِ ثواب وغیرہ کرنے کا حکم ہوا، نیز حکم ہوا کہ لوگ اپنے اسلاف اور عام مؤمنین کی قبروں کی زیارت کرتے ہوئے دنیا کی بے ثباتی پر عبرت کے آنسو بہائیں، اور گذرے ہوئے لوگوں کے لیے دعائیں کریں، یہ چیز ان مرگھٹوں میں کہاں نصیب ہو سکتی ہے، جہاں باقی ماندہ راکھ کو بھی دریا بہا کر لے گئے، اور سمندروں کے نذر کر چکے، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب رحمۃ اللہ علیہ تفسیرِ عزیزی پارۂ عم صفحہ ۵۰ پر فرماتے ہیں:

”نیز در سوختن بآتش تفریقِ اجزاءے بدن میّت است کہ بسبب آں علاقۂ روح از بدن انقطاعِ کلی می پذیرد و آثار ایں عالم باں

روح کمتر می رسد و کیفیاتِ آں روح بایں عالم کمتر سرایت می کند و در دفن کردن چوں اجزائے بدن بتمامہ یکجا می باشند علاقہ روح بابدن از راہ نظر و عنایت بحال می ماند و توجہ روح بزائرین مستانسین و مستفیدین بسہولت می شود کہ بسبب تعینِ مکان بدن گویا مکانِ روح ہم متعین است، و آثار ایں عالم از صدقات و فاتحہ ہا و تلاوت قرآن مجید چوں دراں بقعہ کہ مدفن بدن اوست واقع شود بسہولت نافع می شود پس سوختن گویا روح رابے مکان کردن ست و دفن کردن گویا مسکنے برائے روح ساختن، بنا برایں است کہ از اولیاء مدفونین و دیگر صلحائے مؤمنین انتفاع و استفادہ جاری ست، و آنہا را افادہ و اعانت نیز متصور بخلاف مردہ ہائے سوختہ کہ ایں چیزہا اصلا نسبت بآنہا دراہلِ مذہب آنہا نیز واقع نیست بالجملہ طریق قبر و دفن نعمتے ست عظیم درحقِ آدمی"۔

خلاصہ یہ کہ قبر روحوں اور اہلِ دنیا کے لیے ریڈیو اور آلہ مکبر الصوت (لاؤڈ اسپیکر) کے صندوق اور تار ہوائی لاسلکی اور ٹیلیگراف اور ٹیلیفون کے آفس کی طرح ہے، جس میں ایک درجہ تعلق ہر دو طرف سے رہتا ہے، اور اس تعلق ہی کی وجہ سے افادہ اور استفادہ ہوتا رہتا ہے، اگرچہ وہ تعلق دنیاوی تعلق سے بہت کمزور بھی ہو اور ممکن ہے کہ بعض وجوہ سے قوی بھی ہو،

خلاصہ یہ کہ مسلمانوں کو مرنے کے بعد بھی اس ملک اور اس کی زمینوں کے ساتھ روحانی تعلق اس قدر قوی اور باقی رہتا ہے کہ دوسری قوموں اور مذاہب میں نہیں پایا جاتا، اور وہ قومیں اپنی مذہبی حیثیت سے اس قابل بھی نہیں ہیں، لہٰذا یقیناً مسلمانوں کو ہی حق ہے کہ وہ ہندوستان کو اپنا وطن اور سب سے

زیادہ اپنا وطن سمجھیں،

اسلامی تعلیم اور عقائد کی حیثیت سے ایک وقت آنے والا ہے جب کہ تمام انسان پھر زندہ کیے جائیں گے، اور ان کے اجسام کے جو اجزا متفرق ہو کر مٹی وغیرہ میں مل گئے تھے جمع کیے جائیں گے، اور جسم بن کر اسی روح کو اس میں داخل کیا جائے گا اور اس جسم کے ساتھ وہ محشر میں اور جنت میں جائیں گے،

اس لیے وہ وطن جس میں وہ پرورش پاتے تھے جیسے کہ دنیاوی زندگی نفع اٹھانے اور ہر قسم کی حاجتوں کا مرکز تھا، مرنے کے بعد بھی ایک درجہ تک نفع اٹھانے اور احتیاج کا مرکز رہے گا، اور اس کی اس مٹی سے جو کہ بعد از دفن قبرستان میں دوسری مٹی سے مل گئی تھی نفع اٹھائے گا، بخلاف دوسرے باشندگانِ ہند کے کہ وہ ایسا اعتقاد نہیں رکھتے، اُن کے اعتقاد میں ان کی روحیں دوسری مٹی سے بنے ہوئے جسموں میں داخل ہو کر ان جسموں سے تعلق قائم کرتی ہیں، اور ان کی پرورش میں سرگرم ہو کر پہلے اجزا جسمانیہ سے بالکل بیگانہ ہو جاتی ہیں، کبھی ہندوستان میں، کبھی چین میں، کبھی جاپان میں، کبھی انگلینڈ میں، کبھی فرانس میں، کبھی انسان میں، کبھی حیوان میں،

؎ وفاداری مجو از بلبلانِ چشم ؏ کہ ہر دم بر گلے دیگر سرایند

جس طرح آرین، سِتھین، یونانی، مصری، منگول وغیرہ قومیں ہندوستان میں آکر بسیں، اور انھوں نے یہاں کھیتیاں کیں، باغ لگائے، مکان بنائے، بود و باش اختیار کی، اسی طرح مسلمانوں نے بھی یہاں پہنچ کر یہ اعمال وطنیہ اختیار کیے، کسی کو ہزار برس، کسی کو نو سو، کسی کو آٹھ سو برس یا کم و بیش ہو گئے، پشتہا پشت یہاں گذر گئیں، اس لیے دنیاوی زندگی اور اس کے لوازم کی حیثیت سے مسلمان کسی قوم سے پیچھے نہیں ہیں، بالخصوص وہ اقوام جو کہ پہلے سے بھی ہندوستان کی باشندہ ہیں، مذہب اسلام کی حقانیت دیکھ کر پہلے مذہب کو چھوڑ کر اسلام کی

حلقہ بگوش ہوتی ہیں (اور وہی عنصر آج مسلمانانِ ہند میں غالب ہے) لہٰذا کسی دوسری قوم کو حق نہیں کہ وہ آج یہ دعویٰ کرے کہ ہندوستان مسلمانوں کا وطن نہیں ہے صرف ہمارا وطن ہے، ہندوستان کی بہبود میں جس طرح دوسری قوموں کی… بہبودی ہے اسی طرح مسلمانانِ ہند کی بھی بہبودی ہے، لہٰذا یقیناً اس حیثیت سے بھی ہندوستان کے مسلمانوں کا یہ وطن عزیز اور پیارا ہے، نہ مسلمان اس کو چھوڑ کر کہیں دوسری جگہ جا سکتے ہیں نہ جائیں گے، اور نہ کوئی دوسرا وطن ان کو اپنے آغوش میں لے سکتا ہے، نو کروڑ مسلمانوں کو یہاں ہی رہنا اور یہاں ہی اپنی نسل اور طریقہ کو پھیلانا اور امن و امان کی زندگی چلانا ہے، رہا یہ امر کہ پھر مسلمان دوسرے ملکوں کے مسلمانوں سے کیوں تعلقات رکھتے ہیں اور ان کی مصیبتوں پر بلبلا اُٹھتے ہیں؟ تو یہ اس روحانی تعلق کی بناء پر ہے جو کہ اتحاد اور توافقِ مذہب کی بناء پر دوسری جگہ کے مسلمانوں سے پیدا ہوا ہے، اور جس کی تعلیم بھی روحانی ترقی کرتی ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ دوسری قوموں کو ساؤتھ افریقہ، فیجی، ماریشس، ایسٹ افریقہ وغیرہ کے اُن ہندوستانیوں سے ہوتا ہے جو کہ ان ملکوں میں بود و باش کیے ہوئے ہیں، اگر وہاں پر کسی قسم کے مظالم ان ہندوستانیوں پر ہوتے ہیں تو ہندوستان کی بسنے والی قوموں میں بے کلی پیدا ہو جاتی ہے یہ امر مسلمانانِ ہند کو ہندوستانی وطنیت اور اس سے پیار و محبت سے بیگانہ نہیں بناتا،

امورِ مذکورۂ بالا کی بناء پر ممکن ہے کہ غیر مسلم ہندوستانی بآسانی ایک وطن سے منتقل ہو کر دوسرے وطن میں چلے جائیں، مگر مسلمانانِ ہندوستان کو یہاں سے منتقل ہونا از بس مشکل ہے، نہ وہ اپنی مساجد سے بیگانگی اختیار کر سکتے ہیں، نہ اپنے مقابر سے، نہ اپنی زمینوں سے اور نہ اپنے گھر بار سے اور نہ اُن میں اس قدر استطاعت ہے[لہ]

---

لہ یہ مقالہ پہلی بار ماہنامہ "زندگی" الٰہ آباد کے شمارہ بابت ماہ مارچ ۱۹۴۶ء میں شائع ہوا تھا، بعدہٗ کتابچہ کی صورت میں چھپا تھا۔ (س۔ش)

# ہندوستان کی تاریخی عظمت اور موجودہ حالت

یہی وہ ہندوستان ہے جو کہ اطرافِ عالم کو اپنی صنعتوں اور تجارتوں سے مالامال کرتا تھا، وہ دوسروں سے مستغنی اور دوسرے اس کے محتاج تھے، ابتدائے دنیا سے لے کر سو برس پہلے تک ہندوستان کی تاریخ ہر حیثیت سے نہایت روشن و زریں نظر آتی ہے، وہ فقط انسانیت ہی کا معدن نہ تھا بلکہ تمدنی شعبوں کی شاخیں بھی یہاں سے پھیلیں، وہ تمدن آج تک آسمان پر ایک ایسا روشن ستارہ نظر آتا ہے جس کی نظیر مغرب میں تو درکنار مشرق کے کسی خطے میں بھی نظر نہیں آتی، ہندوستان اس قدر متمدن تھا جب کہ سارا عالم وحشی تھا، وہ عالم و فاضل تھا جب کہ طبقاتِ زمین میں جہل کی آندھیاں چل رہی تھیں، وہ سیر تھا جبکہ ساری دنیا بھوکی تھی، علم ہندسہ اور حساب جو کہ ترقی اور تمدن کا اکیلا مدار ہے، کیا اسی کا جملہ عالم کو عطیہ نہیں ہے؟ علمِ حکمت (ویدک) اور نجوم کیا اس کا مایۂ ناز نہیں ہے؟ علمِ سیاستِ ملوک کیا اس کا وہ خزانہ نہیں ہے جس کے لیے بادشاہانِ فارس مدتوں سرگرداں رہے ہیں، علمِ موسیقی، حکمت، صناعی میں کیا اس کا جھنڈا تمام ملکوں کے جھنڈوں سے سربلند نہیں رہا؟ ان علوم میں کیا وہ اپنے گردونواح کے ملکوں کا پیشرو نہیں تھا؟ اسلام کا چمکدار اور روشن آفتاب جبکہ ہندوستان پر پرتو افگن ہوا تو اس نے ہندوستان کے قدیمی کمالات میں کسی قسم کی کمی نہیں کی، بلکہ عرب و عجم اور روم و ترک کے اُن کمالات کا اضافہ کر دیا جن کی ہوا ہندوستان کو اس وقت تک نہ لگی تھی، ہندوستان

فطری طور پر نہایت سمجھدار دماغ، نہایت ذکی طبیعت، نہایت گہری فکر، نہایت شعور والا قلب، نہایت صبر والا جسم رکھنے والا بنایا گیا تھا، اس کا اعتدالِ ہوائی اس کے تفاخر کا گواہ اور اس کا مرکزِ انسانی ہونا اس کی فوقیت کا شاہد ہے، یہی وجہ ہے کہ مدتوں تک یورپ نے اس طرف اپنی ہمتوں کو متوجہ کیا، اور سالہا سال تک ہزار ہا قسم کی اس فکر میں مصائب جھیلیں، وہ کونسا بادشاہ ہے جس کی عنانِ خواہش اس ملک کی طرف اس کے قدرتی کمالات کی وجہ سے متوجہ نہیں رہی؟ اور وہ کونسی قوم ہے جس نے ہندوستان کے فرطِ عشق و محبت میں اس کے حُسنِ خداداد کی بنا پر داغِ رنج والم نہیں کھائے؟ کونسی چیز دنیا میں موجود ہے کہ ہمارا پیارا وطن اس کا گنجینہ نہ ہو؟ اور کونسا کمال ہے جو دیگر اقوام میں اقامت پذیر ہوا ہو اور ہندوستانی قومیں اس سے عاجز رہی ہوں؟ شاہانِ ہند کا اپنے آپ کو "شاہجہاں" ملقب کرنا اور مورخین کا اس کو ربع مسکوں قرار دینا آخر کس بنا پر ہے؟ فطرت نے جیسے کہ اس کو ادار امسٹر جیسی مادی چوٹی روئے زمین کے جملہ پہاڑوں سے بلند تر عطا فرمائی، اُسی طرح اس کو روحانی اور اخلاقی کمالات کے وہ دریلیے ذخار اور زرخیزی اور جغرافیائی محاسن کے ایسے وسیع سبزہ زار عطا کیے کہ کوئی ملک اور کوئی اقلیم اس کے سامنے گردن نہیں اٹھا سکتی، ہندوستان کے ہر ہر ذرے اور ہر ہر پتے سے اس کے تفوق کی دلیلیں اور اس کے کمالات کے شواہد ملتے ہیں،

## ہندوستان کی قسمت پلٹ گئی:

وہ ایک اکیلا ملک ہے کہ وحشت اور درندگی کے بدنما دھبے سے اپنے دامن کو ہمیشہ پاک وصاف دکھلا سکتا ہے، وہ تنہا ایسی تاریخ رکھتا ہے جو کہ اس کی تمام گذشتہ عمر میں تمدن کے چمکنے والے آفتاب کی صاف اور تیز روشنی ڈال رہی ہے، مگر افسوس! کہ بدقسمتی سے اس آخری صدی میں اس کا نہ گہنے والا آفتاب زرد ہو گیا،

اور نہ چھپنے والا ستارہ اس طرح غروب ہو گیا کہ یورپ کی تہذیب اور مغربی انصاف نے اس کو ایک ایسے گہرے مگر تاریک گڑھے میں ڈھکیل دیا جس کی گہرائی اور تاریکی کی کوئی حد و نہایت نہیں، برطانیہ کے مسیحا صفت ڈاکٹروں نے اس کو بزعم خود ایسی زندہ کرنے والی دوائیں دیں کہ قیامت آجائے مگر اس کو حرکت کرنا تو درکنار چھینک کی بھی طاقت نہیں رہی، کل کی جملہ وحشی اقوام آج تختِ آزادی پر جلوہ افروز ہو کر دادِ زندگی دے رہی ہیں، مگر ہندوستان میں آزادی کی قابلیت ہی پیدا نہیں ہوئی،

بڑے بڑے انگریزی ڈاکٹر ۱۸۵۸ء میں بلکہ اس سے پہلے سے اس کا نہایت جانفشانی سے اس کا معالجہ کرتے ہوئے اس کو صحیح و سالم کرنا چاہتے ہیں مگر وہ شفایاب ہونے ہی پر نہیں آتا، اس کو ہر طرح بیدار کرتے ہیں مگر وہ کروٹ ہی نہیں بدلتا، وہ ملک جن کو ابتدائے آفرینشِ دنیا سے آج تک آزادی کی جھلک اور خودمختاری کی مہک بھی نہ پہنچی تھی آج وہ کوسِ لمن الملک الیوم بجا رہے ہیں، وہ قومیں جن کے جہل، وحشت، درندگی، دنائتِ طبع، رذالتِ اخلاق وغیرہ پر آج تک مشرقی اور مغربی تاریخیں اور ہزارہا وقائع شہادت دے رہے ہیں، وہ خودمختاری اور استقلال کے مستحق اور لائق بتائے جاتے ہیں، ان پر کسی قسم کی سیادت کا جائزہ رکھنا یورپ کی نظروں میں غیر قابلِ عفو گناہ ہے، مگر وہ ہندوستان جس نے ابتدائے دنیا سے آج تک اپنا ذاتی فرماں روا ہونا اور مستقل نظم و نسق بتاتے ہوئے اقوامِ عالم کا استاد ہونا صفحاتِ تاریخ میں ثابت کر دیا ہو، اس کو غلامی اور دریوزہ گری کی سخت سے سخت آہنی زنجیروں میں جکڑنا عین تہذیب و عدالت ہے، اس کے لیے خیالِ آزادی گناہ، لفظ استقلال حرام، اظہارِ استحقاقِ حریت گناہِ کبیرہ اور کوششِ خودمختاری بدترین بغاوت ہے، وہ اگر کسی زنجیرِ غلامی کے حلقے کی وسعت کا خواب بھی دیکھ لے یا اس کی توسیع کی خواہش ظاہر کرے تو سزائے قید بامشقت یا پھانسی کا مستحق قرار دیا جائے،

حضرات! یہ ہے یورپ کی اصلاح اس کی اقوام ضعیفہ کی آزاد پسندی، اس کی انسانیت کی ماہیت، اس کی اقوام عالم کی ہمدردی، اس کی بنی نوع انسانی کی حمیت،

## ہندوستان کے مصائب:

وہ ہندوستان جو کچھ دنوں پہلے فقط اپنے ملک کو ہی نہیں بلکہ سیکڑوں ملکوں کو جامہائے گوناگوں سے مزین کرتا تھا، اس کی تجارت پارچہ ایشیائی، افریقی اور یورپین ممالک میں بڑے زور شور سے جاری تھی، آج وہ ایسا محتاج و دریوزہ گر یورپین حکمت عملیوں اور مغربی اصلاحی اسکیموں کے ذریعے سے بنا دیا گیا ہے کہ فقط سوتی کپڑوں کے لیے تقریباً ساٹھ کروڑ روپیہ سالانہ اس کو انگلینڈ بھیجنا پڑتا ہے، وہ ہندوستان جو کہ اپنی پیداوار سے اپنے بچوں کی وسیع پیمانے پر پرورش کرتا ہوا دوسرے ممالک کو بھی پالتا تھا، آج اس کے بچوں کو روٹی کا ٹکڑا ملنا مشکل ہو گیا ہے، روزانہ قحط کا دور دورہ ہے، کروڑوں ہندوستانی نژاد بھوک کی وجہ سے غیر ممالک میں ٹھوکریں کھاتے پھرتے ہیں، نہ اُن کا کوئی وہاں پُرسانِ حال ہے نہ خبر گیراں، آج ہندوستان کی بدولت مغربی قومیں اونچے اونچے محلوں اور نرم نرم گدّوں پر آرام کر رہی ہیں مگر ہندوستان کے بچوں کو صرف چارپائیاں بھی نصیب نہیں ہوتیں، آج یوروپین امتیں تہ بتہ مزین کپڑوں اور آٹھ آٹھ نو نو وقت ہندوستان کے اموال سے روزانہ پیٹ بھرتی ہیں، مگر ہندوستان کی اولاد کے بدن پر نہ چیتھڑا ہے نہ جیب میں دمڑی ہے، ایک وقت اگر سوکھی روٹی نصیب ہوئی تو دوسرے وقت فاقہ کی تیاری ہے،

وہ ہندوستان جس میں غیر قومیں اپنا خون بہاتی تھیں آج اس کے پوتوں کا بے حساب خون غیر قوموں کے فوائد کے لیے ہر ہر ملک میں بہایا جاتا ہے، وہ ہندوستان جس میں گنجینۂ زر و مال رہتا تھا آج وہ گنجینۂ فقر و مسکنت ہے، وہ ہندوستان جو اپنی آبادی، قومی، ملکی، صناعتی، علمی، اخلاقی جملہ حیثیتوں سے استحقاقِ خود مختاری سب سے اول

رکھتا تھا آج اس کی غلامی کے شکنجے اور زیادہ سخت کرنے کے لیے ابدالآباد تک کی فکریں کی جا رہی ہیں، جبرالٹر، مالٹا، عدن وغیرہ پر قبضہ کیا جاتا ہے، بحری سیادت اور بحری حکومت اپنے لیے مخصوص کی جاتی ہے، مصر کو دبایا جاتا ہے، عراق دبوچا جاتا ہے، فلسطین شکار کیا جاتا ہے، ایران ذبح کیا جاتا ہے، خلافت ٹرکی کا شیرازہ بکھیرا جاتا ہے، ممالکِ سوڈانیہ وعربیہ کی قوت پاش پاش کی جاتی ہے، یہ کس وجہ سے؟ فقط بنی نوعِ انسانی کی خیر خواہی، امم ضعیفہ کی آزادی، عالم میں اصلاح وصلاح، امن وامان پسندی، عدل وانصاف گستری کی بناء پر ہی سب کچھ کیا جاتا ہے،

## ہندوستانی خون کا انعام:

اے ہندوستان! تیرے ننھے ننھے لاکھوں بچّے کا خون فرانس کے میدانوں میں، اطالیہ کے پہاڑوں میں، سالونیکا کے مرغزاروں میں، درّہ دانیال کی چٹانوں میں، صحرائے سینا اور سوئز وسوریہ کے ریگستانوں میں، عدن اور یمن کے سنگلاخوں میں، عراق وایران کی خندقوں میں اور سبزہ زاروں میں، مشرقی ومغربی افریقہ کی جرمنی آبادیوں میں، ایشیائے کوچک اور قفقازیہ کے برفستانوں میں، بحر اسود اور احمر اور ابیض کے سواحل میں بہایا جاتا ہے، اُن پر گولی اور گولوں کی بارش ہوتی ہے، مصائب کے شکار ہوتے ہوئے کروڑوں جاں بلب ہو رہے ہیں، مگر تجھ کو اس کے بدلے میں کیا ملتا ہے؟ فقط یہی کہ تیری بچیوں کا بیوہ ہونا، تیری اولاد کا یتیم وبرباد ہونا، تجھ پر طوقِ غلامی کا کڑا ہونا، رولٹ بل کا پاس ہونا، مارشل لا کا جاری ہونا، پنجاب میں سنگین مظالم کا منتشر ہونا، جلیانوالا باغ میں مشین گنوں کا مینھ برسانا، تیری اولادِ اطفال پر مظالم وعصمت دری وبے آبروئی کی بوچھار کرنا، تیری رہی سہی آزادی کو سلب کرنا، تجھ پر طرح طرح کے ٹیکسوں کا عائد کرنا، تجھ کو قسم قسم کی بغاوت کے نئے نئے پھندوں میں پھنسانا، تجھ کو اقوامِ عالم میں بدنام کرنا، تیری دکھ کی کہانیوں پر کان

نہ دھرنا، تیری شکایات پر ظالموں اور جابروں کے بجائے سزا کے تحسین کرنا اور آفریں دینا، ان کی امداد کرنا وغیرہ وغیرہ،

## مصائب کی وجہ:

اے حضرات! آخر یہ ہر قسم کے پہاڑ ہم پر کیوں ٹوٹے ہیں؟ کبھی... آپ نے اپنے اذہان کو اس طرف متوجہ کیا؟ کبھی آپ نے اس پر غور فرمایا؟ اگر ذرا بھی آپ توجہ فرماتے تو سمجھ میں آجاتا کہ یہ سب کچھ ہماری نااتفاقی کا نتیجہ ہے، اگر ہم ساڑھے تینتیس کروڑ مرد وزن، چھوٹے بڑے، ہندو، مسلمان ایک ہو جائیں تو بڑی سے بڑی قوت ہم پر ظلم و شدائد کی بارش نہیں برسا سکتی، گولیاں اور توپ کے گولے تو درکنار بجلی جیسی قوی چیز بھی اس ریگ کے تودے میں نفوذ نہیں کر سکتی، جس کے ضعیف و ناچیز ذرات مجتمع ہو کر ایک دوسرے پر جاں نثاری کر رہے ہوں،

ہم کو اس اتفاق میں مذہبی مداخلتوں کی ہرگز ضرورت نہیں، اور نہ یہ کوئی عاقل متدین گوارا کر سکتا ہے، ہم کو محض ملکی اور سیاسی امور میں ایک کو دوسرے پر جاں نثاری کرنے کی ضرورت ہے، ہمارے سامنے اس کی سیکڑوں نظیریں موجود ہیں، ورنہ جانیے فقط یورپ کو دیکھ لیجیے، آج لندن، فرانس، روس، یونان وغیرہ میں عیسائی اور یہودی دونوں بستے ہیں، اور دونوں میں مذہبی حیثیت سے قدیمی ایسی عداوت ہے جو کہ ہندو مسلمانوں کی مخالفت سے سیکڑوں درجے زائد ہے، جو جو مظالم عیسائیوں اور یہودیوں کے درمیان تواریخ مذہبی حیثیت سے دکھلا رہی ہے اس کا عُشرِ عشیر بھی ان دونوں فریق میں کبھی بھی وجود میں نہیں آیا، مگر آج وہ سب سیاسی امور میں ایک قالب و جان ہیں، عیسائی اگرچہ کوئی پروٹسٹنٹ کوئی کیتھولک، کوئی ارتو ڈکس وغیرہ وغیرہ ہیں، اور آپس میں ایک دوسرے کی مذہبی حیثیت سے سخت مخالفت اور زمانہ سابق میں نہایت قبیح و شنایع وقایع ان میں واقع ہو چکے ہیں، مگر

پھر سیاسی امور میں، وطنی مصالح میں، ملکی ضروریات میں، قومی منافع میں سب کے سب باہم شیر و شکر ہیں، جیسے کہ فدائے قوم و وطن مسٹر گاندھی جی اور مولانا شوکت علی صاحب وغیرہ لیڈرانِ قوم اور علمائے جمعیۃ العلماء کے سالانہ اجلاس دہلی میں تقریر کی تھی کہ ہم مذہبی مسائل میں سے ایک مسئلہ کو بھی اس اتفاق میں داخل کرنا اور چھوڑنا نہیں چاہتے، ہر فریق اپنے مذہب میں پورا آزاد ہے، ہندو دھرم اپنی جگہ پر ہندو ہو کر، اور مسلمان دھرم اپنی جگہ پر مسلمان رہ کر ہندوستانیت کی حیثیت سے جان توڑ کر کوشش اور کامل اتفاق کر کے اپنے حقوق اور آزادی کی فکریں کریں، اور پوری جاں نثاری سے کام کریں، ایسا ہی جملہ رہنمایانِ قوم کا خیال ہے، اور تمام قوم کو اس پر عامل ہونا ضروری ہے، اس جگہ دشمن اور اس کے ہوا خواہوں کی پوری کوشش ہو گی کہ ایسے مذہبی امور کو درمیان میں لا کر اپنی سابق پالیسی کے موافق شیرازۂ اتفاق کو بکھیر دیں، نان کوآپریشن کی تجاویز کو باطل کر دیں، اس پر کان نہ دھرنا چاہیے، اور جان بوجھ کر قدم آگے بڑھانا اور استقلال و ثبات قدمی اختیار کرنا چاہیے،

میں جہاں تک خیال کرتا ہوں نا اتفاقی کی مضرتیں اور اتفاق کی ضرورتیں دینی اور دنیاوی ہر دو پہلو سے تمام پبلک سمجھ چکی ہے، بلکہ اس کا معائنہ کر رہی ہے، یہ ایک ایسا بسیط اور ظاہر مسئلہ ہے کہ جس کی توضیح کی حاجت اور استدلال کی کوئی ضرورت نہیں، آپ خود سمجھ سکتے ہیں کہ مضبوط سے مضبوط رسہ جس سے آپ بڑے سے بڑے ہاتھی کو باندھ سکتے ہیں اور قوی سے قوی جہاز کا لنگر ڈال کر اس کو روک سکتے ہیں اگر اس کے دھاگے بکھیر دیئے جائیں تو چند منٹ میں ایک ذرا سا بچہ اس کو نیست و نابود کر سکتا ہے،

## نا اتفاقی کی نحوست:

ہماری سابقہ نا اتفاقیوں کی نحوستیں ہم کو ہی ان جملہ مصائب میں فقط پھنسانے

والی نہیں ہیں بلکہ دوسری مشرقی قوموں کی آزادی بھی سلب کرنے والی ہیں، اور انہی نحوستوں کا ثمرہ یہ بھی ہے کہ آج ہندوستان کی قومیں ہندوستان میں نہیں بلکہ تمام ملکوں میں نہایت ذلت کی نظر سے دیکھی جاتی ہیں، اور مجمع اقوام میں سب سے زیادہ کمزور اور بے حمیت ثابت ہوئی ہیں، کوئی قوم ایشیائی یا افریقی ایسی نہیں کہ جنھوں نے رابطۂ اتحاد و مودت کے لیے اب اپنے دلوں میں ہندوستان کو جگہ دینا گوارا کر رکھا ہو، بہت سی یورپین اقوام بھی مثل دیگر اقوام کے نہایت لبغض و غضب کی نظر سے ہند کی طرف دیکھ رہی ہیں،

دوسرا امر جو کہ باعث ان جملہ مصائب و شدائد کا میں ابھی ذکر کر چکا ہوں وہ موالات ہے جس کو دوستی اور تناصر سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور کبھی اس کو شرکتِ عمل وغیرہ سے بھی یاد کیا جاتا ہے، حقیقت یہ ہے کہ جملہ اُن ہستیوں پر یہ امر واضح ہے جنھوں نے تواریخِ عالم پر نظر ڈالی ہے کہ ہندوستان کی آزادی سلب ہونے اور اس کی ہر طرح مذلتوں میں گر جانے کا اصلی راز یہی ہے، ہندوستانی نفوس نے ابتداء سے ہمیشہ گورنمنٹ کو ہر قسم کی مدد پہنچا کر وفاداری اور نمک حلالی کا دم بھرتے ہوئے اپنے آپ کو بھی اور دوسری قوموں کو بھی ہلاک کیا، اور اسی وجہ سے برطانیہ روز افزوں قیدیں اور سخت سے سخت قانون نکالتی ہوئی مذہبی اور سیاسی جملہ آزادیاں سلب کر رہی ہے، اور زندگانی کے تصور و محلات ڈھاتی ہوئی عدم کے مقبروں میں ہم کو دفن کرتی جا رہی ہے،

تعجب ہے کہ جو قوم ہمارے نمک سے آج پرورش پا رہی ہو اور پھر ہماری نمک حرامی کرتے ہوئے ہر طرح سے ہم کو قعرِ مذلت میں ڈال رہی ہے اس کی بھی نمک حرامی حرام ہو، حالانکہ وہ نمک بھی ہمارا ہی ہے، افسوس! افسوس! افسوس!

## مذہبی آزادی اور ہندوستان کی آزادی کی اہمیت :-

ہم نہایت تعجب کرتے ہیں ان لوگوں کی فہم و فراست پر جو آج دینی آزادی کا گیت گا رہے ہیں، اور قصداً یا غلط فہمیوں کی بنا پر پبلک کو دھوکا دے رہے ہیں کیا وہ مذہبِ اسلام جس نے حکمت نظری و عملی اور سیاستِ مدنیہ، تدبیر منزل، تہذیب الاخلاق وغیرہ وغیرہ سب کو جمع کرتے ہوئے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ کا ڈنکا بجایا ہو، کیا وہ مذہب جس نے روابطِ خلق مع المخلوق کی ویسی ہی نگرانی کی ہو جیسی کہ روابطِ خلق مع الخالق کی، کیا وہ مذہب جس نے اصولِ خلافت اور قوانینِ جہاں داری کی اسی طرح بنیاد ڈالی ہو جیسے کہ ولایت اور تصوف کی، کیا وہ دین جو کہ امن و امان، صلح و آشتی وغیرہ قائم کرنے کا اسی طرح حامی ہو جیسے کہ عباداتِ بدنیہ اور مالیہ اور اعتقاداتِ قلبیہ و مشاہدات روحانیہ کا، کیا وہ دین جو کہ مادی ترقیات کا اسی طرح معلم ہو جیسے کہ روحانی معارج کا، کیا اس میں فقط نماز اور روزہ، حج اور زکوٰۃ ..... ..... قربانی اور صدقات ہی عبادت ہوگا، کیا اس کے شعائر میں احکامِ تجارات، معاملات، تعزیرات، فصلِ خصومات، عشور و خراجات، حدود و مناکحات، سیرو غزوات وغیرہ وغیرہ داخل نہیں ؟

پھر بتلایئے کہ ان جملہ اشیاء میں کون سے شعائرِ اسلامی قوانین پر جاری ہیں، کیا علی الاعلان ان سب امور میں خلاف مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ حکم نہیں کیا جاتا ؟ علی الاعلان رنڈی خانے، شراب خانے قانوناً کھلے ہوئے ہیں، مرتد بنانے کے لیے مشن اسکول اور مذہبی مدارس وغیرہ قائم ہیں، ہندوستان کے خراج میں سے لاکھوں روپیہ اس میں صرف کیا جاتا ہے، جو زوجہ بطوع و رضا خود اپنے زوج سے ناراض ہو کر خواہ کسی وجہ سے عدالت میں نالش کرے قانون اس کو آزادی دیدیتا ہے، اور حکومت تفریق کرادیتی ہے، جو شخص عورت یا مرد باختیار خود مرتد

ہو جائے اس پر اس کے اعزہ و اقربا، خاوند وغیرہ کا کوئی زور نہیں چل سکتا، کورس میں وہ فنون اور ایسی کتابیں پڑھائی جاتی ہیں جن سے عقائد مذہبی پر سخت سے سخت صدمہ پہنچتا ہے، پولیس، فوج اور فوجداری، وصولِ لگان، حفظِ صحت، ٹیکس وغیرہ وغیرہ کے قوانین عموماً مخالفِ شریعت نافذ ہو رہے ہیں، سود کی ڈگریاں دی جاتی ہیں، وکالت کاری کے عموماً قواعد معاملات دین سے علیحدہ ہیں،

پھر میں نہیں سمجھ سکتا کہ کس طرح کہا جاتا ہے کہ شعائر مذہبیہ میں پوری آزادی دی گئی ہے، اس کے ساتھ یہ سوال بھی ہے کہ وہ آزادی جو کہ دینے سے حاصل ہوئی آیا وہ شرعاً آزادی شمار ہو سکتی ہے یا نہیں، حالانکہ آزادی دینے والے کو ہر وقت قوت و مقدرت ہے کہ جب چاہے وہ اس آزادی کو سلب کر لے، اور یہی وجہ ہے کہ کہ جس مذہبی آزادی کو وہ اپنی سیاست کے مخالف سمجھتی ہے سلب کر لیتی ہے، اور جس وقت میں کوئی آزادی اسے مخالفِ مصلحت معلوم ہوتی ہے بند کر دیتی ہے، چنانچہ واقعاتِ پنجاب وغیرہ اس کے شواہد ہیں،

جن امور میں وہ آزادی دیتی بھی ہے وہ اسلامی قوت و شوکت کی بنا پر نہیں، بلکہ اپنے نزدیک اس کو ھباءً منثوراً سمجھتے ہوئے دیتی ہے، دیکھیے! کیا خلافت کا مسئلہ مذہبی مسئلہ نہ تھا؟ کیا مسلمانانِ ترک کی مالی اعانت مجروحینِ اتراک کی خبرگیری، ضعفاء اور مساکین کی بقا نونِ ہلالِ احمر فریادرسی، کیا امکنۂ مقدسہ کی حرمت وغیرہ مذہبی امور نہ تھے؟ کیوں اس میں آزادی نہ دی گئی؟ اور مسٹر مشیر حسین قدوائی نے جب ایک وفد ان مفلوکینِ ترک کی خبرگیری کے لیے مثل جرمن و آسٹریلیا وغیرہ کے لیے لے جانا چاہا تو منع کیے گئے، اور تینتیس کروڑ ہندوستانیوں کی متفقہ آواز کو مسترد کر دیا گیا، ان کی اہانت کی گئی، ایک بات بھی نہ مانی گئی،

## اماکنِ مقدسہ کیوں کر آزاد ہوں؟

امکنۂ مقدسہ وغیرہ کی نسبت خطار مسلمانوں پر رکھنا صریح غلط بیانی اور دھوکا دہی ہے، وہ ورغلائے گئے ہیں، اور ایک قاعدے سے مجبور کیے گئے ہیں، چنانچہ خود کرنیل لارنس، ڈیلی ایکسپریس، ۲۸ر فروری سنہ ۱۹۲۰ء میں کہہ رہے ہیں:

"سنہ ۱۹۱۶ء میں شاہِ حجاز کو ہم نے اتحادیوں کا ساتھ دینے پر آمادہ کیا، ۱۲ر اکتوبر سنہ ۱۹۱۵ء کو وزیر ہند کا یہ تار وائسرائے کے پاس آیا، موجودہ حالت میں گیلی پولی کے اندر ہماری حالت اور ہماری امیدیں بہت ہی مشکوک ہیں، عرب مذبذب ہوتے جا رہے ہیں، اور اگر ہم ان کو بڑا لالچ نہ دیں گے تو وہ یقیناً ترکوں سے جا ملیں گے، اس لیے ہم کو مشرق میں بڑی کامیابی کی ضرورت ہے، یہ تجویز ہوئی ہے کہ ہم بغداد پر قبضہ کر لیں، اور عربوں کو اطمینان دلا دیں کہ ہم لوگ ان کے لیے ایک ایسی حکومت کے حامی ہیں جو ترکوں سے بالکل آزاد ہو"

کہا جاتا ہے کہ گورنمنٹ ہماری جانوں اور مالوں کی پوری حامی اور محافظ ہے بیشک یہ واقعی بات ہے خدا جانے کتنے کروڑ ہندوستانی جانیں مختلف مقامات میں اس جنگ میں اور گزشتہ تقریباً ۳۵ بیرونِ ہند جنگوں میں برطانی سبز باغوں میں عیش و آرام کر رہی ہیں، اگر ان جانوں کا پورا اندازہ کیا جائے تو یقیناً گزشتہ صدیوں میں بھی اس قدر جانیں عالم بالا کو جانے والی نہ ملیں گی جتنی کہ دورِ برطانی اور امن و صلح کی قائم کرنے والی گورنمنٹ کے زمانے میں اس سبز باغ میں گئی ہیں، اور اگر اس پر اس صدی کے قحط اور گرانی سے تلف ہو جانے والی جانوں کو بھی ملا لیا جائے تو شاید ستر نہا قرن میں بھی اتنی قربانیاں مشکل سے ملیں گی،

# جان کی حفاظت کیوں کر ہو؟

اس کو چھوڑیئے ہر سال اخباروں میں بہت سے واقعات سپید ہاتھوں سے سیاہ جانوں کے ضائع ہونے کے اعلان ہوتے رہتے ہیں، مگر کہیں بھی کوئی گورا جسم پھانسی کی ریشمیں رسیوں میں لٹکتا ہوا پایا گیا؟ خصوصاً اس چالیس پچاس برس کے عرصے میں عموماً مقتول کے جگر کی خطاء ہوتی ہے یا اس کو ضیق النفس کا عارضہ ہوتا ہے، صاحب بہادر کو جنون کا عارضہ ہوتا ہے، مدعی کو سو دو سو روپیہ دے دیا جاتا ہے، اور دھمکی بھی دی جاتی ہے!

ہندوستان کے اموال کی حفاظت تو حقیقت میں جس طرح ہوتی ہے نہ کسی قوم نے پہلے کی اور نہ کسی قوم اور بادشاہ کو سوجھی، فی صدی پچاس تو خزانۂ شاہی میں بطور لگان لیا گیا، اور فی صدی سترہ حفظِ صحت، تعلیم، صفائی وغیرہ مد میں لیا گیا، انکم ٹیکس، ہاؤس ٹیکس، کورٹ فیس، وار فیس میں پوری مقدار لی گئی جس کا مجموعہ تقریباً فی صدی اسی پہنچتا ہے، اب باقی ماندہ بیس یوروپین تجار توں ڈاک، ریل، تار، روزانہ چندوں، نذرانوں ڈالیوں کی نذر ہوتا ہوا جو کچھ بچا تھا وہ لوٹوں پر قربان کر دیا جاتا ہے، یہ ہے ہندوستان کے مال کی حفاظت، اب ان سب امور کو اگر بالائے طاق رکھ دیں تو بارہا اعلان ہو چکا ہے کہ مختلف محکموں میں حکام نے نماز سے اس طرح روکا ہے کہ یا تو استعفار دینا پڑا ہے یا نماز چھوڑ دینی پڑی، ایسے واقعات ہم نے خود لوگوں سے سُنے اور اخباروں میں بارہا دیکھے ہیں، مسجدوں کی آزادی کی بہت لاف ماری جاتی ہے، مگر ذرا تحقیق کے لیے اطراف جوانب میں نکلیے اور دیکھیے کہ کس قدر اطراف وجوانب ہند میں مسجدیں شہید کی جا چکی ہیں، متولیوں کو لالچ دے کر ان کو دھمکا کر جبر و تعدی کے ذریعہ سے کیا کیا واقعات نہیں ہوئے ہیں، اور یہ کوئی نئے واقعات نہیں ہیں، خود شاہ عبدالعزیز صاحب اپنے فتوے صفحہ ۱۶

جلد اول میں فرنگی مظالم کا ذکر کرتے ہوئے فرما رہے ہیں:۔

"مساجد را بے تکلف ہدم می نمایند"

دور نہ جائیے، خود دہلی سے پوچھ لیجیے کہ کس قدر مسجدیں وہاں ہدم کی گئی ہیں، اور طرف کیوں توجہ فرماتے ہیں خود جامع مسجد دہلی سے پوچھیے کہ تیرا کیا واقعہ جاں گداز گذرا ہے؟ قلعہ کے قریب کی مسجدیں قانوناً کیوں نماز سے ممانعت ہے!

## مصائب کا سرچشمہ:

حضرات بات بہت دور جا پڑی، غرض یہ ہے کہ جو کچھ مصائب و آلام ہمارے سیاسی اور مذہبی امور پر پڑے ہیں وہ اسی موالات کا نتیجہ ہے، ہم نے خود دورانِ جنگ میں اور اس سے پہلے زمانوں میں جان اور مال سے شرکت اور مدد کر کے اپنے پیروں میں کلہاڑا مارا، اور دوسری قوم کو بھی برباد کیا، پھر کاش! ہمارا دنیاوی ہی نقصان ہوتا، ہم دونوں فریقوں ہندو و مسلمانوں کے مذہب پر بھی نہایت گہرا اور بدنما اثر پڑا جس کی وجہ سے کئی کروڑ ہندو و مسلمان عیسائی بنائے گئے، اور کروڑوں کی مذہبیت خوشنما اور دینی احساسات میں سخت فرق آ گیا، وہ بظاہر ہندو یا مسلمان ہیں مگر حقیقت میں ایک بھی نہیں، مغربی زہریلے تمدن نے ہماری نسلوں کے اخلاقِ شرقیہ پر پانی پھیر دیا، مادی احساسات نے روحانی توجہات کو بالکل نیست و نابود کر دیا، ہم کو علوم دیتے گئے مگر وہی کہ جن سے غیروں کی غلامی کریں، ہم کو اخلاق بتائے گئے، مگر وہی کہ جن سے یورپ کے سامنے دست بستہ جی حضور کہتے ہوئے سرنگوں رہیں، ہم کو صنعتیں بتلائی گئیں، مگر وہی کہ جن سے ..... ہم مغربی اشخاص اور مقاصد کی خدمتیں کر سکیں، ہم کو فلسفہ اور حکمت سکھلایا گیا مگر وہی کہ جس سے ہم اپنے دماغ کو ضعیف کرتے رہیں، اپنے اسلاف کے خیالات پر حمق اور جہل کی آندھیاں بہائیں، ہم کو فوجی حرکات سکھائی گئیں، مگر

اسی قدر کہ ایک گورے افسر کے زبردست رہ کر زندگی پوری کرسکیں، ہم کو آزادی بتائی گئی مگر اسی قدر کہ مذہب کو جنون اور قدیم کو پاگل سمجھیں، ہم کو تاریخ پڑھائی گئی مگر ایسی کہ ہم اپنے پرانے بادشاہوں کو اور راجاؤں کو عیش پسند، نامرد، جاہل وحشی سمجھیں

## مصائب کا خاتمہ کیوں کر ہو؟

اے حضرات! جو کچھ عراق میں ہوا، سوریا میں کھلا، استنبول میں پھلا، حجاز میں پھولا، فرانس، جرمن وغیرہ میں نمودار ہوا، ہماری غفلت، ہماری اعانت، ہماری بے وجہ وفاداری، ہماری خلاف حقیقت غلط فہمی کا نتیجہ ہے، ہندوستان میں بھی جو کچھ پیش آیا خواہ وہ جلیانوالہ باغ میں ہوا، پنجاب کے دیگر علاقوں میں، خواہ وہ کلکتہ کی سڑکوں اور مساجد میں ہوا ہو، یا دہلی اور بمبئی کے بازاروں میں ہوا، وہ سب ہماری ہی کم توجہی کا ثمرہ ہے، ہم نے حکومت کو اس غرور پر پہنچایا ہے کہ وہ کسی آواز پر کان نہیں دھرتی، اور کبر و عظمت کے نشے میں اس قدر چور چور ہے کہ اس کو ہماری طرف منھ پھیرنا ذلت اور رسوائی معلوم ہوتا ہے، انگلینڈ کے عوام اور پادریوں پر مذہبی جنون اس قدر غالب ہے کہ مسلمانوں کے لیے وہ صدائے قرآنی کا باقی رہنا اور کسی مسجد کا استنبول میں قائم رہنا بڑے سے بڑا جرم سمجھتے ہیں، ان پر قومی تعصب کا رنگ اس قدر چڑھا ہوا ہے کہ وہ ہندوستان جو اُن کو مالی جانی ہر طرح کی مددوں سے پال رہا ہے اُس کو کُتّے سے بھی زیادہ بدتر سمجھتے ہیں، اور ان کی ہر طرح تذلیل و توہین کرتے ہیں، ہمارا ملک، ہمارا وطن، ہمارا مال، ہماری فوج، اور پھر ہم ہی ذلیل و خوار، ضعیف و ناتوان، ہمارے ہی حقوق روزانہ سلب کیے جائیں، ہم ہی ہر طرح مجبور کیے جائیں، ہم پر ہی سخت سے سخت قانون نافذ کیے جائیں، پھر اس کا آخر علاج کیا ہے، اور آئندہ کے لیے صورتِ فلاح کیونکر ہو سکتی ہے؟ غلامی کا طوق اور جی حضور کی بیڑیاں کس طرح سے نکل سکتی ہیں؟ ظالم کو حق کے سامنے کس طرح دوزانو بٹھا سکتے ہیں؟ اس پر غور کرنا اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے، اگر اس مرض کے علاج میں اب بھی سستی کی جائے گی تو رہی سہی رمق بھی جاتی رہے گی،

اور موت کے سوا کوئی راہ نہ ہمارے لیے ہے اور نہ ہماری آئندہ نسلوں کے لیے ہو سکتی ہے۔
ہم اس کلی کو فقط ایک فرد میں منحصر پاتے ہیں، وہ یہ کہ حکومت مستقلہ حاصل کی جائے، جس کو سوراج سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے، اس کے ماسوا تجارت نے جملہ راستے بند کر دیئے، جب تک وہ نہ حاصل نہ ہوں ہم کو نہ اپنے آپ کو اور نہ آئندہ نسلوں کو زندہ خیال کرنا چاہیے، اور دوسری ایشیائی اور افریقی قوتوں کی محافظت کرنا ناممکن سمجھنا چاہیے،

## سوراج کے لیے ترکِ موالات کی ضرورت!

مگر ایسی بڑی اور متعصب حکومت کو (جو اگرچہ وہ زبان سے وعدہ آزادی کر تی رہی ہو مگر طرزِ عمل گذشتہ وحالیہ تجارب بالکل اس کے غلط ہونے کے شاہد ہیں) سوائے ترکِ موالات اور قطعِ علائق کے "تناصر و مشارکت" پر کسی طرح ہم مجبور نہیں کر سکتے جس کی تعلیم شریعتِ نبویہ بھی علی الکمل الوجوہ فرما رہی ہے، اسلام جس میں سیاست شریعت میں داخل کر دی گئی ہے، اس کو فرض اور ضروری کہہ رہا ہے، لہٰذا عالمِ اسلام پر یہ فریضۂ شرعیہ بھی اُسی طرح کا ہو جیسے کہ فریضۂ سیاسیہ تھا، یہی وہ طریقہ ہے کہ نہایت امن اور شائستگی کے ساتھ آپ مقصد کو پہنچ سکیں گے، یہی وہ طرزِ عمل ہے کہ کمال صلح شوری کے ساتھ بغیر فتنہ و شورش آپ اپنے اور آئندہ نسلوں کے حقوق کو زندہ کر سکیں گے، یہی وہ شاہراہ ہے کہ بلا جنگ و جدال آپ مغرور سروں اور متکبر قلبوں کے گھٹنوں کو حقانیت کی دیوی کے سامنے جھکا سکیں گے، یہی وہ آفتاب ہے کہ بغیر لوٹ مار و دار و گیر کے آپ اپنے ملک اور قوم کو روشن کر سکیں گے۔

## ایک شبہ کا جواب:-

یہاں پر شرعی حیثیت سے یہ شبہ وارد کیا جاتا ہے کہ اگر ترکِ موالات فریضۂ شرعیہ ہے تو جملہ کفار و فساق سے ہے، اس کی کیا وجہ ہے کہ تفرقہ

کیا جاتا ہے؟ مزید براں اس کے خلاف پر بعض صحابہ اور زمانۂ سعادت کے ... اعمال سے جرح بھی کی جاتی ہے،

مگر یہ شبہ نہایت ضعیف ہے، کفار مختلف قسم پر منقسم ہیں، حربی محارب، حربی مسالم، حربی مستامن، ان سب قسموں کے احکام شرع نے ایک طرز کے نہیں فرمائے، محارب حربی وہ کافر ہیں کہ پیکار کر رہے ہوں یا برسر پیکار ہوں، ہر طرح اذیت و ضرر ان سے پہنچ رہا ہو، یا پہنچانے کے عازم ہوں اسلام کے جانی دشمن ہونے کے قولی اور عملی شواہد موجود ہوں، ان سے سخت سے سخت ضرر پہنچ جانے کا اندیشہ ہو یا پہنچ رہا ہو، ایسے کافروں سے جملہ تعلقاتِ مودّت و مناصرت و مدارات وغیرہ سب کے سب حرام اور ان کا قطع کرنا فرض ہے، اور جو ایسے نہیں ہیں ان کے احکام میں خود نصِ قرآنی یعنی لَا یَنْهٰکُمُ اللّٰہُ الآیۃ اور اِلَّا الَّذِیْنَ عَاهَدْتُّمْ الآیۃ وغیرہ سے توسیع دی گئی، ہندو بھی اگر حربی تسلیم کیے جا سکتے ہیں تو مسالم ہیں، اور ان کے اکثر احکام اہلِ ذمہ جیسے ہیں، لہٰذا ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا درست نہیں، علیٰ ہذا القیاس یہاں پر اُن نصوص سے بھی استدلال درست نہیں جن سے غیر اہلِ عرب سے معاملات کا ذکر ہو، یا وہ معاملات از جنسِ تعلقات مودّت و مناصرت نہ ہوں، یا ان کا قبل از آیات ترکِ موالات اور فرضیۂ جہاد نزول ہوا ہو، یا ایسے حربیوں سے تعلق رکھتا ہو جو دشمنِ اسلام اور دین سے بدظن اور اس کی اہانت کرنے والے نہ ہوں،

(تقریر جلسۂ سیوہارہ (ضلع بجنور) ۲۱ ر فروری ۱۹۲۱ء، خطباتِ صدارت اور نایاب تقریریں صفحہ ۳۳-۱۹)

---

## ضمیمۂ اول: افاداتِ علامہ اقبال

### (۱)

# ترانۂ ہندی

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا — ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ گلستاں ہمارا

غربت میں ہوں اگر ہم، رہتا ہے دل وطن میں — سمجھو وہیں ہمیں بھی دل ہو جہاں ہمارا

پربت وہ سب سے اونچا ہمسایہ آسماں کا — وہ سنتری ہمارا، وہ پاسباں ہمارا

گودی میں کھیلتی ہیں اس کی ہزاروں ندیاں — گلشن ہے جن کے دم سے رشکِ جناں ہمارا

اے آبِ رودِ گنگا! وہ دن ہیں یاد تجھ کو؟ — اترا ترے کنارے جب کارواں ہمارا

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا — ہندی ہیں ہم، وطن ہے ہندوستاں ہمارا

یونان و مصر و روما سب مٹ گئے جہاں سے — اب تک مگر ہے باقی نام و نشاں ہمارا

کچھ بات ہے کہ ہستی مٹتی نہیں ہماری — صدیوں رہا ہے دشمن دورِ زماں ہمارا

اقبال! کوئی محرم اپنا نہیں جہاں میں
معلوم کیا کسی کو دردِ نہاں ہمارا

## (۲)

# ہندوستانی بچوں کا قومی گیت

چشتیؒ نے جس زمیں میں پیغامِ حق سنایا | نانک نے جس چمن میں وحدت کا گیت گایا
تاتاریوں نے جس کو اپنا وطن بنایا | جس نے حجازیوں سے دشتِ عرب چھڑایا

میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے،

یونانیوں کو جس نے حیران کر دیا تھا | سارے جہاں کو جس نے علم و ہنر دیا تھا
مٹی کو جس کی حق نے زر کا اثر دیا تھا | ترکوں کا جس نے دامن ہیروں سے بھر دیا تھا

میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے،

ٹوٹے تھے جو ستارے فارس کے آسماں سے | پھر تاب دے کے جس نے چمکائے کہکشاں سے
وحدت کی لے سنی تھی دنیا نے جس مکاں سے | میرِ عرب کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے

میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے،

بندے کلیمؑ جس کے، پربت جہاں کے سینا | نوح نبیؑ کا آخر ٹھیرا جہاں سفینا
رفعت ہے جس زمیں کی بامِ فلک کا زینا | جنت کی زندگی ہے جس کی فضا میں جینا

میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے،

# ہمارا وطن - ہندوستان

## اور اس کی دو خوبیاں

حضرت مولانا سندھیؒ نے اس مضمون میں دو اہم مسئلوں پر روشنی ڈالی ہے۔ ایک ہندوستان کی تاریخی، دینی اور علمی حیثیت اور اس کی برتری اور اولیت پر اور دوسرے اردو زبان کی تاریخی اور لسانی اہمیت پر، اور دونوں حیثیتوں میں حضرت مرحوم نے اپنے افکار و افادات کے سمندر کو گویا کوزے میں بند کر دیا ہے، برصغیر پاک و ہند کی تاریخ و سیاست میں یہ مثبت اندازِ فکر و تحقیق ہے، اس کے اہم پہلوؤں پر غور و فکر اور اس کی اشاعت وقت کی بہت بڑی ضرورت ہے، اہلِ علم کو اس پر توجہ کرنی چاہیے،

مضمون کے آخر میں حضرت مولاناؒ نے اردو رسم الخط کے بارے میں جو بات کہی ہے وہ اپنی جگہ اس وقت بہت اہمیت رکھتی تھی، لیکن اب اردو زبان کے لیے کمپیوٹر کی ایجاد نے زبان کی ترقی کی راہ میں اس رکاوٹ کو دور کر دیا ہے، لیکن ہندوستان کے مخصوص سماجی حالات میں فرقہ وارانہ اتحاد کی مشترکہ اساس کی حیثیت سے رومن رسم الخط کے اختیار و رواج کی اہمیت پر آج بھی سوچا جا سکتا ہے، (ا۔س۔ش)

---

(۱)

اس میں بظاہر شاعرانہ مبالغہ نظر آتا ہے، مگر زیادہ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے

کہ یہ ایک حقیقت ہے جس کا انکار ممکن نہیں، ابراہیمی مذاہب میں انسانیت کی ابتدار آدمؑ سے مانی جاتی ہے، اس کے بعد اسلامی روایات میں آدمؑ اور ان کے جانشین شیثؑ کا استقرار ہند میں ثابت ہوتا ہے، یعنی آدمؑ کے پھلنے پھولنے کے لیے پہلا باغ ہند میں لگایا گیا تھا، اس تفصیل کے لیے پہلے "آکام المرجان" شبلی دمشقی کی کتاب اور اس کے بعد "سبحۃ المرجان" آزاد بلگرامی کی تاریخ ہند پڑھیے،

ہند وہ ملک ہے جس نے انسانیت کو سنسکرت جیسی مکمل زبان سے تعارف کرایا، آزاد بلگرامی عربی اور سنسکرت دونوں زبانوں کا ماہر ہے، وہ اپنی کتاب میں ان دو بڑی زبانوں کے مشترکہ محاسن پر روشنی ڈالتا ہے، اس نے سنسکرت کے مخصوص اوزان پر عربی اشعار لکھے ہیں،

ہمیں اس کے تسلیم کرنے سے انکار کی ضرورت نہیں کہ آدم اصل میں (آتم) یعنی روح ہو، اور ابراہیم کی اصل برہم (علم) مانی جائے، ممکن ہے یہ دونوں نام عبری اور عربی میں اس زبان سے آئے ہوں جو سنسکرت اور فارسی کے لیے بمنزلہ مادر زبان تھی، اور اب کسی قدر اس کی نمائندگی سنسکرت کرتی ہے، ہند نے انسانیت کو علوم ریاضیہ سے تعارف کرایا، انسانی فضائل میں سوچنا سمجھنا بڑی فضیلت ہے، حساب اور اسی طرح کے ریاضی علوم سوچ سمجھ کا راستہ صاف کرتے ہیں، ان علوم کی ابتدار ہند سے ہوئی یا ہند اس کا بڑا مرکز رہ چکا ہے، یونانی حکمار اس کا اعتراف کرتے ہیں، جس کا ثبوت عربی تاریخوں میں ملتا ہے،

انسانی علوم میں وجود کی حقیقت سمجھنا اور خالقِ کائنات کو منبعِ وجود مان کر حقائقِ ممکنات کے وجود و عدم یا ظاہر ہونے اور پھر چھپ جانے کو معقول بنانا سب سے بڑی معرفت ہے، ہند نے انسانیت کو اس معرفت سے آشنا کیا ہے،

آپ کو اس فضیلت کی حقیقت سمجھنے میں مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تقریر

دلپذیر رہنمائی کرے گی (یہ تقریر دلپذیر عام فہم اردو میں ایک نمونے کی کتاب ہے).
یہی علم ہند کے قدیمی دساتیراپ نشدون میں ملتا ہے، اسی کی تشریح مولانا روم کی مثنوی کرتی ہے، اسی کو مولانا محمد سمٰعیل شہیدؒ عبقات میں امام ولی اللہؒ کے اصول پر مختلف پیرایوں سے سمجھاتے ہیں،

جیسے حساب کی کتابیں مختلف زبانوں میں ترجمہ کرنے سے مختلف نہیں ہو جاتیں فقط طرز بیان اور مثالوں کا فرق ہوتا ہے، اسی طرح اس اعلیٰ علمی مبحث کو اردو میں پڑھیں یا سنسکرت میں، فارسی میں مطالعہ کریں یا عربی میں اصل مطلب میں کوئی فرق داختلاف نہیں ہوگا،

جامعہ ملّیہ کے ہمارے بیت الحکمت میں یہی علم سکھایا جاتا ہے، امام ولی اللہ دہلویؒ کے طریقے پر، امام ولی اللہ دہلوی کی علمی تاریخ کے محافظ ہیں، اور مستقبل ہند کے ترقی کن انٹرنیشنل پروگرام کے داعی۔ یہاں ہمیں اپنی تقصیر کا کھلے لفظوں میں اعتراف کرلینا چاہیے کہ یورپ کی سیاحت سے پہلے ہم امام ولی اللہؒ کے کمالات اور ان کی اور ان کے اتباع کی سیاسی خدمات پر اچھی طرح متنبہ نہیں ہوسکے،

(۲)

اب دوسری طرف توجہ کیجیے! انسانی فکر کا لباس اس کی زبان ہے، ہم اللہ کا شکر کرتے ہیں کہ جس طرح اس نے ہمیں اعلیٰ فکر سے آشنا کیا، اسی طرح زبان بھی اعلیٰ علوم سے مناسبت رکھنے والی عطاء فرمائی،

ہم اس سے پہلے بوضاحت لکھ چکے ہیں کہ ہماری دہلی کی اردو (جو دہلی کے امام ولی اللہؒ کی فلاسفی کا لباس ہے) سنسکرت اور فارسی جیسی دو علمی زبانوں کے امتزاج سے پیدا ہوئی ہے آج ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ اِس

فلاسفی کا لباس اردو کے سوا اور کوئی ہندوستانی زبان بن ہی نہیں سکتی، اردو میں اپ نشد کی زبان کی چاشنی بھی ملتی ہے اور سنائی اور رومی کی فارسی کا مزہ بھی، مانا کہ آج ہم کمزور ہیں، ہم سے عزت اور آبرو کی تمام چیزیں چھینی جا چکی ہیں، مگر دنیا کو اس سے مایوس ہو جانا چاہیے کہ وہ ہم سے ہمارا فکر یا اس کا لباس بھی چھین سکتی ہے، دہلی کے زوالِ سلطنت پر ہمارے بزرگوں نے بھیک مانگ کر ہمارے لیے ہمارے فکر کے مرکز محفوظ کر دیتے ہیں،

ہم امام ولی اللہؒ کی کتابیں ان کے متبعین کے توسط سے صحیح طور پر سمجھ سکتے ہیں، مولانا محمد قاسمؒ کے پیچھے چل کر ہی مضامین شستہ اردو میں جیسے اپنے دیہاتی بھائیوں کو سمجھا سکتے ہیں ویسے ہی اعلیٰ تعلیم سوسائٹی کو بھی مخاطب کر سکتے ہیں:

یاد رکھنا چاہیے: اردو ہمارا قومی سرمایہ ہے، اسی کو مرکز بنا کر ہم بین الاقوامی ترقی کر سکتے ہیں، ع

ہے مرا نام ونشاں، نام ونشانِ دہلی

پنڈت جواہر لال جی یورپ میں ہمیں ملے، نہرو خاندان کی زبان ٹکسالی اردو ہے، بے تکلف بات چیت ہوتی رہی، آخر میں ہم نے اپنی ایک چھپی ہوئی کتاب بطور ہدیہ دینا چاہی تو ہمیں معلوم ہوا کہ پنڈت جی اردو رسم الخط سے بالکل ناآشنا ہیں، انھوں نے بچپن میں ہندی اور پھر انگریزی پڑھی ہے۔ اس دن سے ہمارے دماغ میں کمال پاشا کے تتبع کا فکر پیدا ہوا، یعنی اردو رومن کیرکٹر میں شائع کرنے کی تحریک شروع کر دینی چاہیے، ورنہ ہمارے مفکرین کا اکثر حصہ ہماری زبان سے ناآشنا ہو جائے گا، اور اس کا خمیازہ ہماری اگلی نسلیں بھگتیں گی، رومن کیرکٹر میں اردو شائع کرنے کا ہمیں یہ فائدہ بھی ملے گا کہ یورپین قومیں ہماری زبان سے زیادہ دلچسپی لیں گی، اس سے انٹرنیشنل

ترقی میں کافی مدد ملے گی،

آخر میں چند الفاظ اپنے دیوبندی بھائیوں سے عرض کر کے اس مضمون کو آج ختم کرتا ہوں، پتھر کا چھاپہ ٹائپ کا مقابلہ نہیں کر سکتا، کیا آپ مولانا محمد قاسمؒ کی تقریر دلپذیر کو نستعلیق کی پابندی سے آزاد کر کے نسخ کے ٹائپ میں چھاپنا اور آریہ ورت میں ہر ہندو مسلمان مرد و عورت کو پہنچانا اپنا فرض نہیں بنا سکتے؟ اگر آپ اس مثال سے ابتداء کریں تو تھوڑے عرصے میں اردو دنیا کے بہترین رسم الخط کے عمدہ ترین ٹائپ میں چھپنے لگے گی، ہمارے نوجوانوں کو پوری ہمت سے آگے بڑھنا چاہیے ع

جو بڑھے گا مرتبہ اُس کا بڑھایا جائے گا

۱۵ ارجنوری سنہ ۱۹۴۲ ہندی[1] — (مولانا) عُبید اللہ سندھی

بیت الحکمۃ، قاسم العلوم

لاہور

---

[1] ۱۵ ارجنوری ۱۹۴۲ ہندی سے مراد ۱۵ ارجنوری ۱۹۴۲ء ہے، (ا۔س،ش)

# فتویٰ تھانہ بھون کا جواب

## مکتوبِ گرامی بہ جواب فتویٰ خانقاہِ تھانہ بھون

## دربارہ کانگریس و مسلم لیگ


از قلم حقیقت رقم

جانشین شیخ الہندؒ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمتہ اللہ علیہ



ناشر

مجلسِ یادگارِ شیخ الاسلامؒ۔ پاکستان

کراچی

# حرفِ چند

یہ حضرت شیخ الاسلام کا ایک مکتوب ہے جو حضرت تھانویؒ کے فتویٰ کانگریس و مسلم لیگ کے بارے میں حضرت نے ٹانڈہ ضلع فیض آباد (یو پی) کے قیام کے دوران اور شوال ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۵ر دسمبر ۱۹۳۷ء کو تحریر فرمایا تھا۔ اور اس کی افادیت کی پیش نظر اسی ماہ ۲۸ر دسمبر کو جادو پریس، جون پور میں چھپوا کر شایع کر دیا گیا تھا۔ اس میں مکتوب الیہ کے نام کی صراحت نہیں لیکن اسے سید حامد حسن جون پوری نے مشتہر کیا تھا۔ اس لیے یہ بات دور از قیاس نہیں کہ یہ مکتوب گرامی شاید انھیں کے نام ہو۔

جس زمانے میں یہ فتویٰ شایع کرایا گیا تھا۔ جمعیت علماے ہند کا مسلم لیگ سے اتحاد ٹوٹ چکا تھا۔ مسلم لیگ کے صدر اور دوسرے لیگیوں کے الزامی بیانات و مضامین، اخبارات میں نکلے تھے اور ان کے جواب میں مولانا محمد میاں فاروقی الہ آبادی، مولانا محمد اسمٰعیل سنبھلی، مولانا بشیر احمد کٹھوری کے بیانات شایع ہوئے تھے اور ان میں بعض باتیں لیگ کے رویے اور اس کے رہنماؤں کی سیرت و کردار کے بارے میں آئی تھیں۔ چوں کہ لیگ اور جناح صاحب کے بارے میں خانقاہ سے تعلق رکھنے والے بعض بزرگ بہت حساس واقع ہوئے تھے اور جناح صاحب پر عہد شکنی، دھوکا دہی وغیرہ کے الزامات کا دفاع کر نہ سکتے تھے۔ اس لیے فوراً مسلم لیگ اور کانگریس کے بارے میں استفتاء مرتب کیا گیا اور فتویٰ چھاپ دیا گیا۔ تاکہ لیگ سے محبت کے حق کی ادائیگی میں کوتاہی نہ ہو۔

حضرت شیخ الاسلام کا یہ مکتوب سامی حضرت کی سلامت روی، حقیقت پسندی، صحیح انداز فکر، اصابت رائے، زبان کی شایستگی اور بیان کی نفاست کا آئینہ دار ہے۔

**ابوسلمان شاہ جہان پوری**
(۴ر اگست ۲۰۰۰ء)

# فتویٰ تھانہ بھون کا جواب

از قلم
جانشین شیخ الہند حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی مدظلہ العالی کا
ایک صاحب کے خط کا جواب جو کہ دربارۂ کانگریس و مسلم لیگ اور فتویٰ تھانہ بھون لکھا گیا

---

محترم المقام زید مجدکم، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ ، مزاجِ مبارک!

والانامہ مع آوازِ حق (محمد زماں صاحب) وفتویٰ خانقاہِ تھانہ بھون دربارۂ کانگریس ومسلم لیگ وغیرہ باعثِ سرفرازی ہوا، مجھ کو ایسی تحریرات اور وہاں کے ایسے فتوے پر تو تعجب نہیں ہوا مگر آپ کے بھولے پن پر ضرور سخت تعجب ہوا، کہ آپ جیسا مخلص اور سمجھدار شخص ایسی کھلی ہوئی غلطی میں پڑ گیا، اور اضطراب اور بےچینی کی رَو میں بہنے لگا،

(۱) میرے محترم! جب سے تحریکِ آزادی پر ہندوستان گامزن ہوا ہے اور مسلمانوں کو اس طرف قدم بڑھانے کی توجہ دلائی گئی ہے کب خانقاہِ تھانہ بھون نے ایسے مضامین شائع نہیں کیے؟ اور کب ایسی آیتیں نہیں سنائیں؟ ہم نے ترکِ موالات کی تحریک پر یہ اور اسی قسم کی آیتیں پیش کر کے انگریزی حکومت سے مقاطعہ کی تجویز مسلمانوں کے سامنے رکھی تو ان آیتوں کی تاویلات کی گئیں (خواہ وہ صحیح تھیں یا غلط) اور بتلایا گیا کہ ہم انگریزوں کو دلی دوست نہیں بناتے، ہم ان کے ساتھ صرف اشتراکِ عمل کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ،

مگر آج ہم کو وہی آیتیں کانگریس سے مقاطعہ کرنے کے لیے سنائی جا رہی ہیں،
کانگریس کو فرض کر لیا گیا ہے بلکہ یقین کر لیا گیا ہے کہ وہ خالص مذہبی اور ہندو جماعت ہے، اس لیے اس سے دور رکھنے کے لیے ہم کو کفار اور مشرکین سے موالات کی آیتیں بطور وعظ سنائی جاتی ہیں، آپ ہی بتلائیے کہ یہ دونوں نظریے یعنی اول یہ کہ وہ خالص مذہبی جماعت ہے، اور دوم یہ کہ وہ ہندو جماعت ہے صحیح ہیں یا نہیں؟

امر اول کے متعلق یہ عرض ہے کہ وہ خالص سیاسی جماعت ہے مذہبی نہیں ہے، اس کی تجاویز اور اصول پر غور فرمائیے، اگر موالات ایسی غیر مذہبی جماعت سے ممنوع ہے تو ٹاؤن ایریا، میونسپل بورڈ، لوکل بورڈ، ڈسٹرکٹ بورڈ، کونسلات، اسمبلی، ایجوکیشنل بورڈ، تجارتی بورڈ، زمیندار پارٹی، مارشل وغیرہ جس میں اکثریت یا کلیت غیر مسلم کی ہوتی ہے، اور سول سروس کے جتنے محکمہ جات اور حکومت کے جتنے دوائر ہیں، اور جن میں سراسر حکومت غیر مسلمہ کی امداد ہوتی ہے انگریزی اقتدار کے تحفظ ہی نہیں بلکہ اس کے استحکام کو اور بڑھانے کا ذریعہ بننا پڑتا ہے، وہ سب کیوں جائز، واجب یا خلال ہیں؟ اور مسلمان ان میں کیوں بھیجے جاتے ہیں؟ اور آپ کیوں ریلوں، بازاروں میں، اسٹیشنوں پر اور دوسری مجالس میں جن میں اکثریت یا کلیت کفار کی ہوتی ہے جاتے ہیں؟ اور آپ کیوں ان بورڈوں وغیرہ میں لاکھوں روپے صرف کرنے اور تکالیف شاقہ کے بوجھ اٹھانے کو نہ صرف جائز بلکہ ضروری سمجھتے ہیں؟

اور امر ثانی کی نسبت یہ عرض ہے کہ اگر کانگریس خالص ہندو جماعت ہے تو کیوں اس کے ممبر مسلمان، سکھ، پارسی، عیسائی، یہودی، جینی، بودھی وغیرہ بنتے اور حصہ لیتے ہیں؟ اور ہر ہندوستان کے باشندے کو اس میں ہر طرح حق دیا جاتا ہے، خواہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہو، اور کیوں وہ اپنے بنیادی حقوق میں تمام مذاہب کو مذہبی آزادی دیتی ہے؟ اور کیوں ہر اقلیت کو اس کے کلچر اور زبان وغیرہ کے متعلق مکمل طریقہ پر آزاد کرتی ہے؟ کیوں اس کی کرسیٔ صدارت پر کبھی عباس طیب جی، کبھی ڈاکٹر انصاری، کبھی مولانا محمد علی، کبھی

کبھی مولانا ابوالکلام آزاد، کبھی حکیم اجمل خاں وغیرہ براجتے ہوئے نظر آتے ہیں، (دیکھیے فنڈامنٹل نہرو رپورٹ، کانگریس کی مفصل تواریخ وغیرہ)

باقی رہا یہ امر کہ اس میں ہندو بکثرت ہیں مسلمان تھوڑے ہیں تو اس میں مسلمانوں کا قصور ہے یا کانگریس کا؟ حالانکہ اس نے اپنا دروازہ ہر باشندۂ ہندوستان کے لیے کھول رکھا ہے، یہ کہنا کہ اس میں اکثریت ہندوؤں کی ہے تو بتلائیے کہ اس دارالکفر ہندوستان کی کونسی مجلس ملکی اور اقتصادی، تجارتی، زراعتی، سیاسی وغیرہ ایسی ہے جس میں غیر مسلم کی اکثریت نہیں ہے؟ اور جس میں اکثریت ہی کے قواعد پر فیصلہ نہیں ہوتا اور اکثریت اپنی ہی رائے نہیں چلاتی،

اگر یہ کہا جائے کہ ہندو متعصب ہیں، اور اکثریت کی بنا پر متعصبانہ آرا کو منواتا ہے تو بتلائیے کہ جس قدر بھی لوکل باڈیز ہیں ان سب کے ہندو کیا غیر متعصب ہیں؟ صرف کانگریس ہی کے متعصب ہیں؟ اور کیا تمام باڈیز میں مہاسبھائی ممبروں کے موجود ہونے بلکہ اکثریت پر فائز ہونے کی بنا پر کانگریس کیا اہون اور اخف نہیں ہے؟ پھر اس کے کیا معنی ہیں کہ اور وں کو تو ضروری الشمول قرار دیتے ہیں اور اس کو حرام؟

میرے محترم ایک غلطی سر سید نے کرائی تھی کہ جب سے ہندوستانی اقوام میں سیاسی بیداری شروع ہوئی (یعنی ۱۸۸۴ء سے) اس وقت سے مسلمانوں کو علیحدہ رکھ کر وہ مسلمان جو کہ ۱۸۵۷ء سے پہلے سیاسیات کا دیوتا اور معلم تھا، اور ہندو قوم اس کے سامنے طفل مکتب تھی (جیسا کہ ۱۸۵۷ء کے انقلاب کی رپورٹ میں انگریزوں نے تسلیم کیا ہے) آج وہ ہندو قوم کے سامنے طفل مکتب بھی نہیں مانا جاتا،

دوسری غلطی آجکل کے لیڈر اور ان کے ہمنوا علماء کر رہے ہیں، آج کانگریس سے جدا کر کے تمام مسلم قوم کو اچھوتوں سے بھی زیادہ ہندوستان میں ذلیل اور بیدین بنانا چاہتے ہیں، یہ ایک معمولی غلطی نہیں ہے، انتہائی شرمناک غلطی ہے، کیجیے اور کرائیے، دس پندرہ برس کے

بعد خمیازہ بھگتنا پڑے گا،

(۳) رہا مسلمانوں کی تنظیم کا سوال، تو یہ مسئلہ بجائے خود ہمیشہ اور ہر حال میں لازم اور ضروری ہے، مگر اس اسپرٹ میں جو کہ مسلم لیگ کے اہلِ حل و عقد کرنا چاہتے ہیں کہ کانگریس کے خلاف محاذِ جنگ قائم کیا جائے، اور ہر امر میں مخالفت ہر قسم کی کی جائے انتہائی مضرت رساں اور تباہ کن ہے، کیوں نہ آپ کی منظم قوت کانگریس کے اندر اور باہر کر دی جائے، جیسی کہ اسمبلیوں اور کونسلوں میں کی گئی، اگرچہ غیر مکمل تھی، کانگریس کے ماتحت مشترکہ مفاد کی جدوجہد کی جائے، اور خصوصی مفاد کی جدوجہد اپنی تنظیمی کارروائی سے اندر اور باہر عمل میں لائی جائے جیسے کہ سکھ، پارسی، اور دوسری اقلیتیں کر رہی ہیں، اور باوجود معمولی اور نہایت کم اقلیت ہونے کے کانگریس میں اپنا لوہا منواتی رہتی ہیں،

(۴) اپنے اور اپنے مذہب و کلچر اور دیگر حقوق کے شرط کرانے کا سوال اگر فنڈامنٹل اور بنیادی حقوق کے تسلیم کردہ اعلانات موجودہ کافی نہیں ہیں، تو ان کا مطالبہ اپنی جگہ پر جائز اور صحیح ضرور ہے، اور ہر جگہ اکثریت پر لازم ہے کہ اقلیت کو مطمئن کر دے، مگر کانگریس کے داخلہ کو اس پر موقوف کرنا اس وقت میں صحیح ہو سکتا ہے جبکہ مشترکہ مفاد کے لیے جدوجہد کرنا مسلمانوں پر مثل دیگر غیر مسلم اقوام کے ضروری نہ ہو، اور انگریزی موجودہ اقتدار سے مسلمانوں کو اس قدر نقصان نہ پہونچتا ہو جتنا کہ غیر مسلم اقوام کو پہونچ رہا ہے،

اور اگر معاملہ اس کے خلاف ہے جیسا کہ واقعہ ہے تو میں نہیں سمجھتا کہ یہ شرطیت کا ڈھونگ کس طرح ہمارے لیے سبکدوشیِ فرائض کا ذریعہ بن سکے گا؟ کیا اگر کانگریس نے شرطیت کا انکار کر دیا تو مسلمانوں پر مشترکہ مفاد کے لیے جدوجہد کرنا اور آزادی کے حاصل کرنے میں سعیِ بلیغ کرنا، انگریزی آہنی پنجہ کو ڈھیلا کرنا ضروری نہ رہ جائے گا؟ اور کیا مسلمانانِ ہند تمام غیر مسلم ہندوستانی آبادی سے علیحدہ ہو کر برطانیہ سے آزادی حاصل کر سکیں گے؟ اور کیا مسلمانوں کو اور مدت میں ہندوستان میں انگریزوں کے دائمی

باقی رکھنے کی جد وجہد کرنی جائز ہوگی؟ اور کیا مسلمان ایسا کرنے کے لیے تیار ہوں گے؟ اور کیا انگریز مسلمانوں کی خاطر ہندوستان میں اپنا موجودہ اقتدار باقی رکھیں گے اور رکھ سکیں گے؟ اور کیا یہ معاملہ مسلمانوں کے لیے مستقبل میں انتہائی بربادی کا باعث نہ بنے گا؟

میرے محترم! یہ زمانہ سر کاٹ کر حکومت کرنے کا نہیں ہے، نیز اس وقت شخصی حکومت کے پیدا ہونے اور کامیاب ہونے کا امکان بظاہر نہیں ہے، یہ زمانہ سروں کو گن کر اور ووٹوں کو شمار کر کے جمہوریت اور کثرتِ رائے پر فیصلہ کرنے کا ہے، ستائیس کروڑ غیر مسلموں میں آٹھ کروڑ مسلمانوں کو یعنی ایک زبان کو بتیس دانتوں میں زندہ رہنے اور بسر کرنے کا سوال ہے، ذرا غور وفکر سے کام لیجیے، اگر میری عرض آپ کی سمجھ میں نہ آئے تو پھر میری رائے پر اناللہ پڑھیے، وقت کی تنگی کی وجہ سے زیادہ کہنے سے معذور ہوں،

ننگ اسلاف
حسین احمد غفرلہٗ
۱۱ر شوال سنہ ۱۳۵۶ھ
وارد حال قصبہ ٹانڈہ
ضلع فیض آباد

المشتہر

خادم ملک و ملت
سید حامد حسن جونپوری

جاوید پریس جونپور میں ۲۸ر دسمبر سنہ ۱۹۳۷ء میں چھپا

## ڈاکٹر اقبال کے جواب میں

بہ قلم

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

مجلسِ یادگارِ شیخ الاسلامؒ۔ پاکستان

کراچی

# مسئلہ قومیت اور اسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

اَحْمَدُہٗ وَاُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ،

قومیت اور وطنیت اور ڈاکٹر سر اقبال مرحوم کے اشعار کے متعلق احباب کے تقاضوں اور استفسارات کی بنا پر میں نے اوائل ذی الحجہ ۱۳۵۶ھ میں ایک مفصل بیان شائع کیا تھا، اس کے بعد ۱۱ ذی الحجہ کو مجھے سورت، ہری پورہ، کاوی، بنگال، آسام وغیرہ کا سفر پیش آگیا، اس سفر میں ایک ماہ سے کچھ زیادہ صرف ہوگیا، اور چونکہ ایک جگہ قیام کرنے کے اسباب نہایت کم تھے، اس لیے اخباروں کو دیکھنے کی نوبت نہایت کم آئی، میرا خیال تھا کہ جو غلط فہمی خود غرض اور برطانیہ پرست اخباروں نے پھیلائی تھی وہ اظہار واقعات سے دور ہو جائے گی، مگر جب میں ۵ ارمحرم ۱۳۵۷ھ کو دیوبند واپس ہوا، اور اس مدت کے اخباروں کو دیکھنے کی نوبت آئی، تو معلوم ہوا کہ اگرچہ بحیثیت واقعہ بہت سے اشخاص سے غلط فہمی کا ازالہ ہو چکا ہے، اور ان برطانیہ پرست اخباروں کی افترا پردازی اور جھوٹے پروپیگنڈے کا پردہ اٹھ گیا ہے، مگر بحیثیت مشورہ و مطالبۂ قومیت متحدہ" سے الجھنیں بڑھ گئی ہیں، جناب مدیر "احسان" اور جناب ڈاکٹر صاحب مرحوم

کے بیاناتؔ مفصلہ نظر سے گزرے اور بہت سے احباب کے خطوط جمع شدہ ڈاک میں دستیاب ہوئے، جن میں تقاضا تھا کہ ان بیانات مذکورہ کے متعلق اظہارِ رائے کیا جائے،

نیز بہت سے احباب نے زبانی بھی تقاضا شدید کیا، چونکہ میں عدیم الفرصت بہت زیادہ ہوں، نیز تحریر کی عادت بھی نہیں، اس لیے اس امر میں متحیر تھا کہ مجھ کو کیا کرنا چاہیے، آیا لکھنا اور اظہار رائے کرنا بہتر ہے یا سکوت ہی انسب ہے، ناگاہ جناب ڈاکٹر صاحب مرحوم کا آخری بیان جس میں مرحوم نے اس بحث کے ختم کر دینے کا اعلان فرمایا ہے نظر سے گذرا،

"حسین احمد نے اپنے بعض احباب کے خط میں اقرار کیا ہے کہ میرا مقصد دہلی کے بیان میں اخبار تھا، انشاء نہ تھا یعنی یہ مقصد تھا کہ فی زمانہ لوگ وطنیت کو قومیت کا ذریعہ بناتے ہیں اس کی خبر دی جائے، اور یہ امر واقعی ہے کہ یورپین اقوام اور ان کے فلاسفر عرصہ سے اسی پر گامزن ہیں، اس لیے اس بحث کو ختم کرتا ہوں،" (مختصراً)

اس بیان سے اگرچہ دہلی کی تقریر کے متعلق ہیجان رفع ہو گیا، مگر نفس مسئلہ اور اس کے لیے اس جد وجہد اور عملی جامہ پہنانے کی سعی کے متعلق جو کہ میرا نہ صرف مشورہ ہی ہے بلکہ میں موجودہ احوال وادوار میں ہندوستانی مسلمانوں کے لیے ضروری سمجھتا ہوں، ہیجان اور بڑھ گیا، میں نے ۹ ذی الحجہ کے بیان میں اس کی طرف توجہ بھی دلائی تھی، اگرچہ دہلی کی تقریر میں اس کی ترغیب بالکل نہ تھی، اس لیے ضروری معلوم ہوا کہ اس کے متعلق اپنی ناچیز رائے ملک کے سامنے پیش کر دوں، اور ان غلطیوں کا

ازالہ کر دوں جو اس قسم کی قومیت متحدہ سے ممانعت اور اس کو خلافِ دیانت قرار دینے کے متعلق شائع ہوئی ہیں یا شائع کی جا رہی ہیں،

کانگریس ۱۸۸۵ء سے اہلِ ہندوستان سے بنا بر وطنیت اس انضمامِ قومی کا مطالبہ کرتی ہوئی بیش از بیش جدوجہد عمل میں لا رہی ہے، اور اس کے مقابل و مخالف قومیں اس کے غیر قابل قبول ہونے، بلکہ ناجائز اور حرام ہونے کی انتہائی کوشش عمل میں لا رہی ہے، یقیناً برٹش شہنشاہیت کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی چیز خطرناک نہیں ہے، یہ چیز میدان میں آج سے نہیں بلکہ تقریباً ۱۸۸۰ء یا اس سے پہلے سے لائی گئی ہے، اور مختلف عنوانوں سے اس کی وحی ہندوستانیوں کے دل و دماغ پر عمل میں لائی جاتی ہے،

میں چاہتا تھا کہ ماہ محرم کے آخر تک اس بیان کو ملک کے سامنے پیش کر دوں، مگر افسوس کہ انتہائی عدیم الفرصتی اور پے در پے واقعات نے مجھ کو قدم قدم پر کامیابی سے روکا، میں نے لکھنا انہی ایام میں شروع کر دیا تھا، مگر واقعات نے اِتمام کی راہ میں بار بار روڑے اٹکائے، اور بالآخر جبکہ میں قومیت کی لفظی بحث کے اختتام پر پہنچ کر مقصدِ اصلی سے نقاب اٹھانا چاہتا تھا، ناگاہ جناب ڈاکٹر صاحب مرحوم و مغفور کے وصال کی خبر شائع ہو گئی، اس ناساز اور دل گداز خبر نے خرمنِ خیالات و عزائم وافکار پر صاعقہ کا کام کیا، طبیعت بالکل بجھ گئی، اور عزائم فسخ ہو گئے، تحریر شدہ اوراق طاقِ نسیاں کے سپرد کر دینا ہی انسب معلوم ہوا، اگرچہ اس کے بعد بھی احباب کے تقاضے پریشان کر رہے تھے، لیکن طبیعت اس قدر بجھ گئی تھی کہ ابھرنے پر نہ آتی تھی، ؎

توڑ بیٹھے جب کہ ہم جام و سبو پھر ہم کو کیا ٭ آسمان سے بادۂ گلفام گر برسا کرے

مگر جب بہت سے اشخاص و مکاتیب سے معلوم ہوا کہ ان تمام تحریروں کو لوگ رسالے کی صورت میں جمع کرنا چاہتے ہیں، پے در پے اس کی خبریں اطراف و جوانب سے آئیں، تو ضروری معلوم ہوا کہ میں اپنی معلومات اور خیالات کو ضرور بالضرور ملک کے سامنے پیش کر دوں، اگرچہ بہت سے ان لوگوں سے جن کو برطانیہ سے گہرا تعلق ہے، یا جن کے دماغ اور قلب برطانوی مدبرین کے سحر سے ماؤف ہو چکے ہیں امید نہیں ہے کہ وہ اس کو قبول کریں گے مگر امید ہے کہ بہت سے وہ دماغ اور دل جو کہ راہِ حق کے متلاشی ہیں، یا جو کہ شکوک و اوہام کا شکار ہو گئے ہیں لیکن حقیقت کے واضح ہونے پر ان کے سالم اور صحیح قلوب راہ راست پر آجائیں گے ضرور بالضرور مستفید ہوں گے،

بنا بریں مجھ کو اس عرضداشت پیش کرنے کی نوبت آئی، اگرچہ اکثر مقامات پر ابحاث کو کلیات کی صورت میں پیش کیا گیا ہے، مگر در اصل ان کا تعلق جناب ڈاکٹر صاحب مرحوم کے مفصل بیان اور جناب مدیر "احسان" کی تحریر سے ہے، یہ امر یقینی اور غیر قابلِ انکار ہے کہ جناب ڈاکٹر صاحب کی ہستی کوئی معمولی ہستی نہ تھی، اور ان کے کمالات بھی غیر معمولی تھے، وہ آسمانِ حکمت و فلسفہ، شعر و سخن، تحریر و تقریر، دل و دماغ اور دیگر کمالاتِ علمیہ و عملیہ کے درخشندہ آفتاب تھے، مگر باوجود کمالاتِ گوناگوں، ساحرینِ برطانیہ کے سحر میں مبتلا ہو جانا یا بعض غلطیوں میں پڑ جانا اور کسی ابجد خواں طالب علم کا اس سے محفوظ رہنا کوئی تعجب خیز بات نہیں ؎

گاہ باشد کہ کودکِ ناداں
بغلط بر ہدف زند تیرے

# دھلی کی تقریر کا اصل واقعہ
## اور قومیتِ متحدہ کا خبر دینا

جس طرح جناب ڈاکٹر صاحب مرحوم کو میرے بعض احباب کے خطوط کے جواب سے معلوم ہوا، دھلی کی تقریر میں .... مشورہ دینا مقصود نہ تھا، اور نہ کوئی لفظ اس کا ذکر کیا گیا تھا، میں اس تقریر میں ان نقصاناتِ عظیمہ کو بیان کر رہا تھا جو کہ انگریزی حکومت سے تمام ہندوستانیوں اور بالخصوص مسلمانوں کو پہنچے ہیں، انھی میں سے یہ امر بھی ہے کہ چونکہ فی زمانہ قومیں اوطان سے بنتی ہیں، اس لیے تمام باشندگانِ ہند، خواہ مسلمان ہوں یا ہندو، سکھ ہوں یا پارسی، بیرونی تمام ملکوں میں نہایت ذلیل شمار ہوتے ہیں، ان کی عزت اور قوت ایک غلام کی عزت سے زیادہ نہیں ہے، نہایت حقارت کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں، ان کی باتوں اور مطالبات کو کوئی وقعت نہیں دی جاتی، اس وطن کے رہنے والے کی حیثیت سے سب ایک ہی قوم شمار ہوتے ہیں، بیرونِ ہند دیگر ممالک میں ہندوستانیوں کو شہری ہی نہیں بلکہ انسانی حقوق سے محروم کیا جا رہا ہے، اور کسی قسم کا کوئی پروٹسٹ وغیرہ مؤثر نہیں ہوتا، یہ صرف غلامی کا اثر ہے، برطانیہ کے ازلی وفادارو کو کب ایسی بات کا تحمل ہو سکتا تھا، انھوں نے رائی کا پہاڑ بنا دیا، بہرحال شاید اس میں کچھ خیر ہو، اس حیثیت سے یقیناً بحث کا خاتمہ

ہو جاتا ہے، مگر دوسری حیثیت سے کہ جناب ڈاکٹر صاحب موصوف مسلمانانِ ہند کو قومیتِ متحدہ کا مشورہ دینا خلافِ دیانت سمجھتے ہیں اور یہ امر چونکہ میرے نزدیک صحیح نہیں ہے، اس لیے مجھ کو کچھ عرض کرنا ضروری ہے، اس کے ضمن میں اور بھی چند ضروری گزارشات ہوں گی جن کا گزشتہ بیان میں اشارہ تھا، یا جن کی نسبت دوسرے حضرات کی تحریروں میں مطالبہ ہوا تھا،

# الفاظِ قرآنیہ اور کلماتِ حدیثیہ کا حل

## صرف لغتِ عربی سے ہوگا،

پیغمبروں کو جناب باری عز اسمہ نے کسی نئی لغت کے بنانے کے لیے نہیں بھیجا، البتہ جن کی طرف بھیجے گئے ان کے غلط دستورالعمل کے خلاف نئے اصلاحی دستورالعمل کو ضرور بنوایا، انھوں نے آکر اپنی اپنی قوموں کو اسی زبان میں مخاطب بنایا، جس کو ان کی قومیں دن اور رات استعمال کرتی تھیں،

اول کی دلیل:

| | |
|---|---|
| وَمَا أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهِ، (پ ۱۳، ع ۱۳) | "ہم نے نہیں بھیجا کوئی رسول، مگر اس کی قوم کی زبان میں،" |
| يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمُ الرَّسُولُ بِالْحَقِّ مِن | "اے لوگو! یہ رسول تمھارے پاس تمھارے پروردگار سے حق لے کر آیا ہے" |

| | |
|---|---|
| رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ، (پ ۶، ع ۳۰) | پس ایمان لاؤ، تمہارے لیے یہی بہتر ہے"۔ |
| اَتَيْتُكُمْ بِالْحَنِيْفِيَّةِ السَّمْحَةِ الْبَيْضَاءِ لَيْلُهَا وَنَهَارُهَا سَوَاءٌ (وغیرہ احادیث ہیں) | "میں تمہارے پاس ایسی سہل مفید حنفی ملت لے کر آیا ہوں جس کے رات اور دن برابر ہیں"۔ |

لہٰذا تمام مخاطباتِ خداوندی اور مکالماتِ رُسل کو انہی کی لغات میں تلاش کرنا ضروری ہوگا، انہی کے تفاہم پر ان کو عمل کرنا پڑے گا، کوئی نئے معنی نکالنا جو کہ اُس زمانے کی قوم کی بول چال میں نہ پائے جاتے ہوں سخت غلطی ہوگی، شریعت کا بعض الفاظ میں کوئی قید وغیرہ زیادہ کر دینا اس کے خلاف نہیں ہے، اسی بنا پر ہم نے قوم اور ملت کے معنی میں عربی لغات سے مختصراً کچھ نقل کر دیا تھا، اور پھر اجمالاً عرض کر دیا تھا کہ آیات واحادیث کو ٹٹولیے، مگر چونکہ اس پر اکتفا نہیں کیا گیا، اس لیے تفصیل عرض کرتا ہوں؛

مختار الصحاح میں ہے: (باب اللام فصل المیم والنون)

| | |
|---|---|
| والملة الدين الشريعة | "ملت دین اور شریعت ہے"۔ |

اور باب المیم فصل القاف میں ہے:

| | |
|---|---|
| القوم الرجال دون النساء لا واحد له من لفظه، قال زهير وما ادري ولست اخال ادري اقوم آل حصن ام نساء؟ | "قوم مردوں پر بدون عورتوں کے بولا جاتا ہے، اس کے لفظ میں سے مفرد نہیں ہے، زہیر کہتا ہے میں نہیں جانتا اور نہیں خیال کرتا ہوں کہ جانوں گا کہ آیا حصن کی اولاد قوم ہیں یا عورتیں؟" |

| | |
|---|---|
| وقال اللہ تعالیٰ: لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ، ثم قال وَلَا نِسَاءٌ مِّنْ نِّسَاءٍ ورُبما دخل النساء فيه على سبيل التبع لان قوم كل نبي رجال ونساء، | "اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ کوئی قوم دوسری قوم سے استہزاء اور مذاق نہ کرے، اور نہ عورتیں عورتوں سے استہزاء کریں، اور کبھی عورتیں لفظ قوم میں بطور تبعیت داخل ہو جاتی ہیں، کیونکہ ہر نبی کی قوم مرد اور عورت دونوں ہی ہیں"۔ |

قاموس باب اللام فصل المیم میں ہے: بالکسر الشریعۃ او الدین، شرح قاموس العروس للزبیدی میں ہے:

| | |
|---|---|
| والملۃ بالکسر الشریعۃ او الدین کملۃ الاسلام والنصرانیۃ والیہودیۃ وقیل ھی معظم الدین وجملۃ ما یجیٔ بہ الرسل وکلام المصنف یشیر الی ترادف الثلاثۃ، وقال الراغب الملۃ اسم لما شرعہ اللہ تعالیٰ لعبادہٖ علی لسان انبیائہ لیتوصلوا بہ الی جوارہ والفرق بینھا وبین الدین ان الملۃ | "قاموس میں ہے: (باب اللام فصل المیم) اور ملۃ میم کے کسرہ سے شریعۃ یا دین ہے، جیسے کہتے ہیں ملتِ اسلام اور ملتِ نصرانیت اور ملتِ یہودیت اور بعضوں نے کہا ہے کہ ملت دین کے بڑے حصے کو کہا جاتا ہے، اور رسول کی تمام لائی ہوئی چیزوں کو بھی ملت کہا جاتا ہے، اور مصنف کا کلام اشارہ کرتا ہے کہ تینوں مترادف ہیں، ملت، دین اور شریعت، راغب نے کہا ہے کہ ملت نام ہے اس چیز کا جس کو اللہ تعالیٰ |

| | |
|---|---|
| لا تضاف الا الى النبي الذى | نے اپنے بندوں کے لیے اپنے پیغمبروں |
| يستند اليه ولا تكاد توجد | کی زبان پر مشروع کیا ہے تاکہ اس |
| مضافة الى الله تعالىٰ ولا | کے ذریعے اللہ تعالیٰ کا قرب اور |
| الى احاد الامة ولا تستعمل | جوار حاصل کر سکیں، اور ملت اور |
| الا فى جملة الشرائع دون | دین میں فرق یہ ہے کہ ملت اضافت |
| آحادها، | نہیں کیا جاتا مگر اس نبی کی طرف |

جس کی طرف اس کا استناد ہے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف یا احادِ امت کی طرف نسبت کیا ہوا نہیں پایا جاتا، اور ملت مجموعۂ شریعت کے اندر استعمال کیا جاتا ہے احاد شریعت میں نہیں،

| | |
|---|---|
| وقال ابو اسحٰق: الملة فى | "ابو اسحاق نے کہا کہ لفظ ملّت |
| اللغة السنة والطريقة | لغت میں سنت اور طریقہ ہے اور |
| ومن هٰذا اخذ الملة اى | اسی سے ملت بنایا گیا ہے، یعنی |
| الموضع الذى يختبز فيه | وہ جگہ جہاں روٹی کھائی جاتی ہے' |
| الىٰ آخره وفى الاساس | اور اساس میں ہے کہ مجاز میں سے |
| ومن المجاز الطريق | طریقۂ مسلوکہ کو ملت کہنا اور اسی |
| المسلوكة ومنه ملّة ابرٰهيم | میں سے ہے کہ کہا جاتا ہے کہ ملتِ |
| عليه السلام خير الملل، | ابراہیم علیہ السلام خیر ملل ہے" |

اور قاموس (باب المیم فصل القاف) میں ہے:

| | |
|---|---|
| القوم الجماعة من الرجال | "قوم مردوں اور عورتوں سب کی |
| والنساء معًا او الرجال | جماعت ہے، یا صرف مردوں کی |
| خاصة او تدخله النساء | اور عورتیں اس میں تبعیت کے |

| | |
|---|---|
| علی النبعیۃ ، | ساتھ داخل ہوتی ہیں ؛ |

تاج العروس شرح قاموس میں ہے :

| | |
|---|---|
| القوم الجماعۃ من الرجال | "قوم عورتوں اور مردوں سب کی |
| والنساء معاً لان قوم کل | جماعت کو کہتے ہیں ، کیونکہ ہر شخص |
| رجل شیعتہ وعشیرتہ | کی قوم اس کی تابعدار ہے ، یا صرف |
| او الرجال خاصۃ دون | مردوں کو بغیر عورتوں کے کہتے ہیں ، |
| النساء لا واحد لہ من | نہ اس لفظ کا مفرد اس کے الفاظ |
| لفظ قال الجوھری ومنہ | میں سے ہے ، جوہری نے کہا ہے کہ |
| قولہ تعالیٰ لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ | وہ اس دوسرے معنیٰ کی بناء پر |
| مِّنْ قَوْمٍ ثم قال وَلَا نِسَاءٌ | قرآن شریف میں فرمایا گیا کہ کوئی |
| مِّنْ نِّسَاءٍ ای فلو کانت من | قوم دوسری قوم سے مسخرہ پن کرے |
| نساء من القوم لم یقل | پھر کہا گیا کہ کوئی عورتوں کی جماعت |
| ولا نساء من نساء ، قال | عورتوں سے مسخرہ پن نہ کرے ، یعنی |
| زھیر وما ادری وسوف | اگر عورتیں قوم میں سے ہوتیں تو یہ |
| اخال ادری اقوم آل حصن | نہ فرماتے وَلَا نساءٌ من نساء ، زہیر |
| ام نساء ومنہ الحدیث | کہتا ہے وَمَا اَدْرِیْ وَسَوْفَ اَخَالُ |
| فلیسبح القوم ولتصفق | الخ اور اسی معنیٰ میں یہ حدیث ہے : |
| النساء ، وقال ابن الاثیر | فلیسبح القوم ولتصفق النساء ، |
| القوم فی الاصل مصدر | اور ابن اثیر نے کہا کہ قَوْم اصل میں |
| قام ثم غلب علی الرجال | قَامَ کا مصدر ہے ، پھر اس کا استعمال |
| دون النساء سموا بذلک | مردوں پر غالب آگیا بغیر عورتوں کے |

لانهم قوامون على النساء
بالامور التي ليس للنساء
ان يقمن بها وروی عن
ابی العباس النفر والقوم
والرهط هؤلاء معناهم
الجمع لا واحد لهم من
لفظهم للرجال دون
النساء اوتدخل النساء
على سبيل التبعية لان
قوم كل نبي رجال ونساء
قال الجوهری یذکر و
یونث لان الاسماء الجموع
اللتی لا واحد لها من
لفظها اذا كان للادميين
يذكر ويونث مثل رهط
ونفر وقوم قال الله تعالى
وَكَذَّبَ بِهِ قَوْمُكَ فذكر
وقال الله تعالى كَذَّبَتْ
قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ،
فانث، الخ،

مرد لفظ قوم سے اس لیے تعبیر کیے
جانے لگے کہ وہ عورتوں کے ان
امور کے ذمہ دار ہو گئے اور ان کو
پورے کرنے لگے جو کہ عورتوں کے
اختیار سے باہر تھے، ابو العباس
سے روایت کیا گیا ہے کہ نفر اور
قوم اور رہط تینوں کے معنی جمع کے
ہیں، یہ الفاظ مفرد کے معنی میں نہیں
بولے جاتے، مردوں کے لیے بدوں عورتوں
کے استعمال کیا جاتا ہے، یا عورتیں بھی
اس لفظ میں تبعًا داخل ہو جائیں گی.
کیونکہ ہر پیغمبر کی قوم مرد اور عورت
ہیں، (جوہری) یہ لفظ مذکر بھی
بولا جاتا ہے اور مؤنث بھی، کیونکہ
ایسے اسماء جمع جن کا مفرد اس لفظ
سے نہیں ہے، جب کہ آدمیوں کے
لیے ہوں تو مذکر اور مؤنث دونوں
ہوتے ہیں، جیسے رہط اور نفر اور
قوم، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَكَذَّبَ
بِهِ قَوْمُكَ، اس میں قوم کو مذکر
کہا گیا ہے، اور دوسری جگہ فرمایا: كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ اس میں مؤنث کہا گیا ہے؛

مجمع البحار میں ہے:

| عربی | ترجمہ |
|---|---|
| ما شرع اللہ لعبادہ علی السنۃ الانبیاء علیہم السلام و یستعمل فی جملۃ الشرائع لا فی احادھا ثم تسمعت فاستعملت فی الملۃ الباطلۃ فقیل الکفر ملۃ واحدۃ، | "ملت وہ ہے جس کو خدا نے اپنے بندوں کے لیے مشروع کیا، انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی زبان پر، اور اس کا اطلاق مجموعۂ شرائع پر ہوتا ہے، اور بعض پر نہیں ہوتا ہے، اس میں توسیع کر کے ملتِ باطلہ میں بھی استعمال کیا جانے لگا، اور کہا گیا کہ کفر ملتِ واحدہ ہے۔" |

المنجد صفحہ ۸۳۱ پر ہے:

| عربی | ترجمہ |
|---|---|
| الملۃ الطریقۃ او الشریعۃ فی الدین والدیۃ جمعہ ملل، | "ملت طریقت یا شریعت اور دیت (خونبہا) جمع اس کی ملل ہے۔" |

اور اسی میں صفحہ ۷۰۳ میں ہے:

| عربی | ترجمہ |
|---|---|
| القوم الجماعۃ من الناس اقوام و اقاوم و اقائم و اقاویم قوم الرجل اقرباؤہ الذین یجتمعون معہ فی جد واحد القوم ایضا الاعداء، | "قوم آدمیوں کی جماعت کو کہتے ہیں، اقوام، اقاوم، اقائم اقاویم جمع ہیں، آدمی کی قوم اس کے وہ اقرباء ہیں جو کہ ایک دادا میں جمع ہوتے ہیں، اور قوم کا اطلاق دشمنوں پر بھی آتا ہے۔" |

مذکورہ بالا عبارتیں کتبِ لغتِ عرب کے مختلف طبقات یعنی طبقۂ اُولیٰ، وسطیٰ، آخیرہ کی نقل کی گئی ہیں، تاکہ یہ ظاہر ہو جائے کہ ملت اور قوم

کے معنی اور مفہوم کا فرق مذکور ہمیشہ سے مسلّم چلا آتا ہے، اگرچہ حقیقتاً اعتبار طبقۂ اولیٰ ہی کے استعمالات اور بول چال کا ہے، مگر ہم نے مزید توضیح کے لیے طبقۂ وسطیٰ اور آخیرہ کی تصریحات نقل کر دیں، تاکہ یہ کہنے کا موقع باقی نہ رہے کہ حال کی عربی، فارسی اور ترکی زبان میں سندات موجود ہیں' چونکہ یہ لفظ عربی ہے، عربی میں اگر لغت کے خلاف کوئی شخص کسی لفظ کو استعمال بھی کرے گا تو اس کو غلط کہنا پڑے گا، فارسی یا ترکی اہل لسان نہیں ان کا قول پایۂ اعتبار نہیں رکھ سکتا، اور اگر بالفرض ایسا ہو بھی تو جب کہ بلاشک یہ مسلّم ہے کہ عربی میں یہ لفظ اور بالخصوص قرآن مجید میں شرع اور دین کے معنوں میں استعمال ہوا ہے، اور اس زمانے کے لوگ کسی دوسرے معنوں میں بھی استعمال کرنے لگے ہیں تو بھلا وہ شخص جس نے عربی لفظ کو اصلی اور قدیمی لغت اور قرآن کی زبان میں استعمال کیا ہے کس طرح مستحقِ ملامت ہو سکتا ہے، بوالعجبی کیا ہے، زمانہ حضرت محمد عربی علیہ السلام میں جو استعمال ہوتا تھا اس میں استعمال کرنے والا مقام محمدؐ عربی سے ناواقف ہے، یا وہ شخص جو زمانۂ حال کے معنوں میں لفظ کو استعمال کر رہا ہے؟ اور زمانۂ نبوت کے معنوں کو ترک کر رہا ہے!

اور اگر غور کیا جائے تو متأخرین عرب اور فارسیوں اور ترکوں نے بھی لفظ ملّت کو قوم کے معنی میں کہیں بھی استعمال نہیں کیا، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ سب کے یہاں ملت کے وہی معنی ہیں جو پہلے مذکور ہوئے، مگر بکثرت استعمال کی وجہ سے عبارت میں اختصار کیا جاتا ہے، اور مضاف یعنی لفظ اہل یا اس کے مرادف لفظ کو بسا اوقات عبارت میں سے اختصاراً نکال دیا جاتا ہے، جیسا کہ متعدد مقامات لفظ قریہ کے ساتھ یہی معاملہ کیا جاتا ہے

اور یہ طریقہ عربی زبان میں بہت زیادہ شائع ہے، اس لیے یہ دعویٰ بالکل غلط ہے کہ لفظ ملت بمعنی قوم مستعمل ہو، اور اگر ایسا ہوتا بھی تو قابلِ اعتماد نہ تھا، اگر کوئی شخص اپنے اشعار اور خطب میں اس قسم کا تصرف کرے تو یہ اس کی اصطلاح ہے، اس کو دوسروں پر نکتہ چینی کا کوئی موقع نہیں،

**نوٹ:** مذکورہ بالا تصریحات سے معلوم ہو گیا کہ نفسِ لغتِ عربی میں قوم کے چند معنی ہیں:

۱۔ صرف مردوں کی جماعت بدون عورتوں کے،

۲۔ بالقصد صرف مردوں کی جماعت اور عورتیں طبعاً اس میں داخل ہوں،

۳۔ عورتوں اور مردوں سب کی جماعت،

لہٰذا یہ کہنا کہ گویا لغوی اعتبار سے عورتیں شامل نہیں، لیکن قرآن حکیم میں جہاں قومِ موسیٰ اور قومِ عاد کے الفاظ آئے ہیں وہاں ظاہر ہے کہ عورتیں اس کے مفہوم میں شامل ہیں، غیر صحیح ہے، لغتِ عربی کے لحاظ سے جب کہ قوم مختلف معنوں پر بولا جاتا ہے، تو قرآن شریف میں کسی جگہ ان معنوں میں سے کوئی ایک معنی مراد لینے لغت کے خلاف نہ ہوں گے، حالانکہ خود قرآن میں سورۂ حجرات میں لفظ قوم سے صراحت کے ساتھ عورتوں کو نکال دیا گیا ہے،

علاوہ ازیں یہ بحث بھی باقی رہ جاتی ہے، قومِ موسیٰ علیہ السلام اور قومِ عاد میں عورتیں داخل بالذات ہیں یا بالتبع، یہ ایسا ہی ہے جیسے بہت سے صیغہائے احکامِ قرآنیہ ایسے الفاظ اور اسماء کے ساتھ ذکر کیے گئے ہیں جو کہ بالاتفاق مردوں کے ساتھ مخصوص ہیں، مگر وہ احکام عورتوں کو بھی شامل ہیں،

# قرآنِ شریف سے قوم کے معنیٰ کی تحقیق؛

قرآن شریف پر ہم جبکہ تحقیق قوم اور ملت کے لیے نظر ڈالتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ لفظ قوم تقریباً دو سو سے زائد مقامات پر ذکر کیا گیا ہے، اگر ہم تفصیلاً سب کو جمع کریں تو بہت زیادہ طول ہوجائے گا، اور اگر ہم کو یہ نہ کہا جاتا، لیکن کیا اچھا ہوتا کہ اگر میری خاطر نہیں تو عامۃ المسلمین کی خاطر قاموس سے گزر کر قرآن حکیم کی طرف مولانا رجوع کرلیتے اور اس خطرناک غیر اسلامی نظریے کو مسلمانوں کے سامنے رکھنے سے پیشتر خدائے پاک کی نازل کردہ مقدس وحی سے بھی استشہاد فرماتے، مجھے تسلیم ہے کہ میں عالم دین نہیں، نہ عربی زبان کا ادیب ؎

قلندر جز دو حرفِ لا الٰہ کچھ نہیں رکھتا
فقیہہِ شہر قاروں ہے لغتہائے حجازی کا

لیکن آپ کو کونسی چیز مانع آئی کہ آپ نے صرف قاموس پر اکتفاء کیا؟ تو شاید ہم اس تھوڑی سی تفصیلِ لغوی کا بھی قصد نہ کرتے، کیونکہ ہم نے لغت کے معنیٰ بیان کرتے ہوئے قاموس کے علاوہ مجمع البحار کی عبارت کو بھی پیش کردیا تھا، اور چونکہ مجمع البحار انہی معانی کو ——— بیان کرتا ہے، جو کہ آیات اور احادیث میں لیے گئے ہیں، اس لیے اس کی تصریح نقل کردینی کافی تھی، اور پھر اجمالی طور پر ہمارا یہ عرض کردینا کہ آیات اور احادیث کو ٹٹولیے اس طرف پوری رہنمائی کررہا تھا، نیز جیسا کہ ہم پہلے کہہ آئے ہیں کہ پیغمبر قوم ہی کی زبان میں خطاب کیا کرتا ہے نئی لغت نہیں بناتا، اس لیے لغت سے کسی معنیٰ کا نقل کردینا بڑے درجے تک یہاں کافی تھا،

بہر حال چونکہ مطالبہ کیا گیا ہے، اس لیے ہم کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں' لفظ قوم قرآن شریف میں مذکور ہوا ہے، کہیں نکرہ ہے تو کہیں معرفہ' جہاں معرفہ ہے تو کہیں الف ولام سے معرفہ بنایا گیا ہے اور کہیں اضافت سے، جہاں اضافت سے معرفہ بنایا گیا ہے تو کہیں اسم ظاہر کی طرف اضافت کیا گیا ہے لیکن اسم مضمر کی طرف مضاف ہونے کی صورت میں بھی، کہیں ضمیر غائب کی طرف اضافت کی گئی ہے کہیں ضمیر خطاب کی طرف، کہیں ضمیر متکلم کی طرف، کہیں مفرد کی طرف کہیں جمع کی طرف، کہیں تثنیہ کی طرف'

لفظ قوم جس جگہ نکرہ واقع ہوا ہے، یا محلی باللام ہے، ان مقامات میں اگرچہ اشتراک اور مسلمانوں اور غیر مسلموں میں اتحاد قومیت پر صراحۃً دلالت نہیں، مگر جس جگہ مضاف واقع ہوا ہے اور مضاف الیہ مسلمان یا پیغمبر ہے اور کلام غیر مسلم کے متعلق ہے تو یقیناً اس جگہ پر مشرکوں اور کفار کا پیغمبر یا مسلمانوں کے ساتھ قومیت متحدہ میں منسلک ہونا ہی مفہوم ہوتا ہے'

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ ، كَذَّبَتْ قَبْلَهُمْ قَوْمُ نُوحٍ وَأَصْحٰبُ الرَّسِّ وَثَمُودُ وَعَادٌ وَفِرْعَوْنُ وَاِخْوَانُ لُوطٍ وَأَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ وَقَوْمُ تُبَّعٍ ،

مختلف آیتوں میں اضافت پیغمبروں کی طرف لفظ قوم کی گی گئی، جن میں قوم نوحؑ، قوم ابراہیمؑ، قوم لوطؑ، قوم صالحؑ، قوم ہودؑ وغیرہ الفاظ ذکر کیے گئے ہیں، اسی طرح کہیں اضافت لفظ قوم کی پیغمبروں کی ضمیر غائب سے کی گئی ہے'

اِنَّا اَرْسَلْنَا نُوحًا اِلٰى قَوْمِهٖ رپ۲۹،ع ۹) اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ رپ۲،ع ۳) وَاِذْ قَالَ مُوسٰى لِقَوْمِهٖ رپ۱،ع ۱) وَقَوْمُهُمَا لَنَا عٰبِدُوْنَ رپ۱۸،ع ۳) قَدْ كَانَتْ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ

وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ ج اِذْ قَالُوْا لِقَوْمِهِمْ اِنَّا بُرَآءُ مِنْكُمْ وَ
مِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ كَفَرْنَا بِكُمْ (پ۲۸، ع ۷)

اسی طرح کہیں ضمیر مخاطب کی طرف اضافت ہے، جس میں خطاب پیغمبر کو ہو رہا ہے:

وَاِنَّهٗ لَذِكْرٌ لَّكَ وَلِقَوْمِكَ وَسَوْفَ تُسْـَٔلُوْنَ (پ۲۵، ع ۱۰)
لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ (پ ۱۲، ع ۴)
وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ
(پ ۲۵، ع ۱۲) اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ
وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰمِ اللّٰهِ (پ۱۳، ع ۱۳) اَنْ تَبَوَّاٰ لِقَوْمِكُمَا
بِمِصْرَ بُيُوْتًا، (پ۱۱، ع ۱۴)

اسی طرح کہیں ضمیر متکلم کی طرف اضافت ہوئی ہے جس سے پیغمبر مراد ہے:

اِنَّا اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ
اَنْ يَّاْتِيَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ، قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ لَكُمْ نَذِيْرٌ
مُّبِيْنٌ (پ۲۹، ع ۹) يٰقَوْمِ هٰۤؤُلَآءِ بَنَاتِيْ هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ (پ۱۲، ع ۷)
يٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا (پ۱۲، ع ۵) يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ
كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ (پ۱۲، ع ۶) وَيٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ
اللّٰهِ لَكُمْ اٰيَةً (پ۱۲، ع ۶) يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْۤ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ
اللّٰهِ (پ۱۲، ع ۸) وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْۤا اِلَيْهِ
(پ۱۲، ع ۵) يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ
اللّٰهِ اِلَيْكُمْ (پ۲۸، ع ۹) وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ
اِنِّيْ عَامِلٌ (پ ۱۲، ع ۸)،

غرضیکہ اس قسم کی بے شمار آیتیں ہیں جن میں غیر مسلموں کو اور پیغمبر کو ایک قوم بتایا گیا ہے، اور کفار کو پیغمبر کی طرف بوجہ اتحادِ نسب یا اتحادِ وطن وغیرہ سے نسبت کیا گیا ہے،

اسی طرح بہت سی آیتیں ہیں جن میں مسلمانوں کا کافروں کو اپنی قوم قرار دیتے ہوئے تخاطب مذکور ہوا ہے،

سورۂ مؤمن میں مؤمن آلِ فرعون کہتا ہے:

| | |
|---|---|
| يٰقَوْمِ لَكُمُ الْمُلْكُ الْيَوْمَ ظٰهِرِيْنَ فِي الْاَرْضِ، (پ ۲۴، ع ۱۰) | "اے میری قوم! تمھاری بادشاہی ہے آج، بڑھ چڑھ رہے ہو ملک میں"! |
| يٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ، (پ ۲۴ ع) | "اے قوم میری اتباع کرو، میں تم کو سیدھی راستے کو دکھا دوں گا"! |
| يٰقَوْمِ اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ (پ ۲۴، ع ۱۰) | "اے قوم! بس دنیا کی زندگی تو قلیل فائدہ ہے، اور آخرت ہمیشہ رہنے کا گھر ہے"! |
| وَيٰقَوْمِ مَا لِيْٓ اَدْعُوْكُمْ اِلَى النَّجٰوةِ وَتَدْعُوْنَنِيْٓ اِلَى النَّارِ، (پ ۲۴، ع ۱۰) | "اے قوم! مجھ کو کیا ہو گیا کہ میں تم کو بلاتا ہوں نجات کی طرف، اور تم ہم کو بلاتے ہو دوزخ کی طرف، |
| يٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ مِّثْلَ يَوْمِ الْاَحْزَابِ، وَيٰقَوْمِ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ | "اے قوم! مجھ کو اندیشہ ہے تم پر اگلی جماعتوں کا، اے قوم! میں خوف کرتا ہوں تم پر قیامت |

| | |
|---|---|
| يَوْمَ التَّنَادِ، (پ۲۴، ع ۹) | کے دن کا" |

مومن رسل عیسیٰ علیہ السلام کہتا ہے:

| | |
|---|---|
| يٰقَوْمِ اتَّبِعُوا الْمُرْسَلِيْنَ ۝ اتَّبِعُوْا مَنْ لَّا يَسْـَٔلُكُمْ اَجْرًا وَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝ (پ ۲۲، ع ۱۹) | "اے قوم! اتباع کرو پیغمبروں کا، اتباع کرو ایسے لوگوں کا جو تم سے کچھ مزدوری نہیں مانگتے، اور وہ راہ پائے ہوئے ہیں" |

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

| | |
|---|---|
| وَمَا اَنْزَلْنَا عَلٰى قَوْمِهٖ مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ جُنْدٍ مِّنَ السَّمَآءِ (پ۲۳، ع ۱) | "اور نہ ہم نے اتارا اس کی قوم پر اس کے بعد کوئی لشکر آسمان سے" |

مومنین قوم موسیٰ علیہ السلام کے متعلق کہا جاتا ہے:

| | |
|---|---|
| اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى، فَبَغٰى عَلَيْهِمْ، اِذْ قَالَ لَهٗ قَوْمُهٗ لَا تَفْرَحْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْفَرِحِيْنَ فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِىْ زِيْنَتِهٖ، (پ ۲۰، ع ۱۱) | "قارون موسیٰؑ کی قوم میں سے تھا، پر وہ ان پر ظلم کرنے لگا، جب اس سے کہا اس کی قوم نے کہ اترا مت، بے شک اللہ پسند نہیں کرتا اترانے والوں کو، پس نکلا قارون اپنی قوم پر اپنی آرائش میں" |

مومنین جن کے متعلق فرمایا جاتا ہے:

| | |
|---|---|
| وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ فَلَمَّا حَضَرُوْهُ | "اور یاد کرو جب کہ ہم نے متوجہ کیا تیری طرف جنوں کی ایک جماعت کو کہ وہ سننے لگے قرآن، تو جب |

قَالُوْٓا اَنْصِتُوْا ۚ فَلَمَّا قُضِیَ وَلَّوْا اِلٰی قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِیْنَ ۝ قَالُوْا یٰقَوْمَنَآ اِنَّا سَمِعْنَا کِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰی مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ یَهْدِیْٓ اِلَی الْحَقِّ وَاِلٰی طَرِیْقٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۝ یٰقَوْمَنَآ اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰهِ وَاٰمِنُوْا بِهٖ ،

(پ ۲۶، ع ۴)

---

پیغمبر کے پاس آپہنچے، ایک دوسرے سے بولے کہ خاموش رہو، پس جب پڑھنا تمام ہوا تو وہ لوٹ گئے، اپنی قوم کی جانب ڈراتے ہوئے کہنے لگے کہ اے ہماری قوم ہم نے ایک کتاب سنی جو نازل ہوئی ہے موسیٰ کے بعد سے، بتاتی ہے تمام کتابوں کو، ہدایت کرتی ہے سچے دین کی اور ایک سیدھے راستے کی جانب، اے ہماری قوم! کہا مان لو اللہ کی طرف بلانے والوں کا اور اس پر ایمان لے آؤ"۔

ان تمام آیتوں میں مسلمانوں اور کافروں کو ایک قوم قرار دے کر ایک کو دوسرے کی طرف نسبت کیا گیا ہے، جس میں علاقہ بجز نسب یا وطن اور کیا ہو سکتا ہے؟

بارگاہِ الٰہی سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے پیغمبروں کو بعد تقرر دین اور شریعت کہا جاتا ہے،

قُلْ یٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰی مَکَانَتِکُمْ اِنِّیْ عَامِلٌ سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۝

(پ ۱۲، ع ۸)

"کہہ دو کہ اے میری قوم! تم اپنی جگہ پر عمل کرو میں اپنی جگہ پر عمل کرتا ہوں، عنقریب جان لوگے کہ کس پر رسوا کرنے والا عذاب آتا ہے"۔

الغرض یہ آیتیں صاف طور سے ظاہر کر رہی ہیں کہ:

ا۔ قرآن کے نقطۂ نظر اور استعمال میں لفظ قوم اپنے معنی کی حیثیت سے مسلمانوں ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ وہ ہر اس جماعت پر بولا جاتا ہے گا جن میں کوئی رابطہ ہو، خواہ نسب کا یا وطن کا یا پیشے کا یا زبان وغیرہ کا،

ب۔ قومیت میں اشتراک مسلم اور کافر ہو سکتا ہے، اور قرآن کے استعمال میں یہ موجود ہے،

ج۔ پیغمبر بھی اتحادِ قومیت میں کافر اور مشرک اور فاسق کے ساتھ دنیا میں تعلق رکھ سکتا ہے اور رکھتا ہے،

نوٹ: جواب میں فرمایا گیا ہے:-

اور یہ اتباع واطاعت کی دعوت اس لیے ہے کہ قوم چونکہ کوئی شرع و دین نہیں، اس لیے اس کی طرف دعوت اور اس سے تمسک کی ترغیب عبث تھی، کوئی گروہ ہو، خواہ وہ قبیلے کا ہو، نسل کا ہو، ڈاکوؤں کا ہو، تاجروں کا ہو، ایک شہر والوں کا ہو، جغرافی اعتبار سے ایک ملک یا ایک وطن والوں کا ہو، وہ محض گروہ ہے، رجال کا یا انسانوں کا، وحیِ الٰہی یا نبی کے نقطۂ خیال سے ابھی وہ گروہ ہدایت یافتہ نہیں ہوتا، اگر وحی یا نبی اس گروہ میں آئے تو وہ اس کا پہلا مخاطب ہوتا ہے، اس لیے اس کی طرف منسوب بھی ہوتا ہے، قومِ لوط، قوم نوح، قومِ موسیٰ (علیہم السلام) لیکن اگر اسی گروہ کا مقتدا کوئی بادشاہ یا سردار ہو تو وہ اس کی طرف بھی منسوب ہوگا، مثلاً قومِ عاد، قومِ فرعون،

اگر ایک ملک میں دو گروہ اکٹھے ہو جائیں اور اگر وہ متضاد قسم کے رہنماؤں کے گروہ ہوں تو وہ دونوں سے منسوب ہو سکتے ہیں مثلاً جہاں قوم موسیٰؑ تھی وہاں قوم فرعون بھی تھی،

قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ أَتَذَرُ مُوسَىٰ وَقَوْمَهُ، لیکن ہر مقام پر جہاں قوم کہا گیا وہاں وہ گروہ عبارت تھا جو ابھی ہدایت یافتہ اور غیر ہدایت یافتہ سب افراد پر مشتمل تھا، جو افراد پیغمبر کی متابعت میں آتے گئے تو عبد تسلیم کر لیے گئے، یا واضح معنوں میں مسلم ہو گئے، یاد رہے کہ دین اور ملت کفار کی بھی ہو سکتی ہے،

اِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ،

یہ عجیب و غریب عبارت بھی ہمارے ہی قول کی مؤید ہے کہ قرآن شریف ہدایت یافتہ اور غیر ہدایت یافتہ سب میں اتحادِ قومیت کی بانگ بلند کرتا ہے، ہم بھی تو اسی کے قائل تھے، یہ امر قرآن کی آیات سے واضح طور پر پذیر ہوا ہی تھا، اقرار بھی کر لیا گیا، اب یہ فرمانا کہ دین اور ملت کفار کی بھی ہو سکتی ہے، یہ بھی تعجب کی بات ہے، ہم نے خود مجمع البحار کی عبارت میں سے نقل کر دیا تھا ثم اتسعت فاستعملت فی الملۃ الباطل فقیل الکفر ملۃ واحدۃ، اور جو عبارت ہم ابھی تاج العروس شرح قاموس سے نقل کر کے آئے ہیں وہ اور بھی وضاحت کرتی ہے، مگر باوجود اس کے ملت اور قوم کا فرق عظیم الشان دائم و قائم ہے، ملت دین یا شریعت یا طریقے کو کہتے ہیں، خواہ حق ہو یا باطل، اور قوم صرف مَردوں یا مَردوں اور عورتوں کی جماعت کو کہتے ہیں، خواہ ہدایت یافتہ ہوں یا غیر ہدایت یافتہ، یا مختلف، بشرطیکہ ان میں کوئی علاقہ جامعہ موجود ہو، اور

اسی وجہ سے ایک اکمل انسان ایک نہایت گرے ہوئے انسان کا ہم قوم ہو سکتا ہے،

اس کے بعد یہ ارشاد مذکورہ ذیل نہایت ہی عجیب ہے:

"ایک قوم کی ایک ملت یا اس کا منہاج تو ہو سکتا ہے، لیکن ملت کی قوم کہیں نہیں آیا، اس کا مفہوم یہ ہے کہ خدا نے قرآن شریف میں ایسے افراد کو جو مختلف اقوام اور ملل سے نکل کر ملتِ ابراہیمی میں داخل ہو گئے، ان کو داخل ہونے کے بعد لفظ قوم سے تعبیر نہیں کیا، بلکہ امت کے لفظ سے، ان گزارشات سے میرا مقصد یہ ہے کہ جہاں تک میں دیکھ سکا ہوں قرآن کریم میں مسلمانوں کے لیے سوائے اُمت کے اور کوئی لفظ نہیں آیا، اگر کہیں آیا ہو تو ارشاد فرمائیے"

اگر بالفرض ایسا ہو بھی تو ذکر نہ فرمانا نفی کی دلیل کیونکر ہو سکتا ہے، بالخصوص جب کہ قوم کے معنیٰ لغوی اور شرعی اس پر صادق آرہے ہوں، خود فرما چکے ہیں کہ ہدایت یافتہ تو وہی لوگ ہیں جو ملتِ نبوت میں داخل ہو چکے ہیں، ہم مؤمن آل فرعون، مؤمن قوم موسیٰ علیہ السلام، مؤمنِ رسل عیسیٰ علیہ السلام اور مؤمنین حضرت محمد علیہ السلام، جنات کے اقوال آیاتِ قرآنیہ سے نقل کر آئے ہیں، بلکہ مؤمن رسل عیسیٰ ع کو مرنے کے بعد جب کہ بشارت دخولِ جنت سے نوازا جاتا ہے تو کافروں کو اپنی قوم قرار دیتا ہوا یَا لَیْتَ قَوْمِیْ یَعْلَمُوْنَ... الآیۃ ... کہتا ہے، قرآن پیغمبروں کو جو کہ پیدائشی ارباب ایمان ہوتے ہیں غیر مسلموں کا ہم قوم قرار دیتا ہے، پھر یہ تفریق عجائباتِ دہر میں سے نہیں ہے تو کیا ہے؟ مگر ان سب باتوں سے

قطع نظر کر کے ہم قرآن پر نظر ڈالتے ہیں تو ممتحنہ کی وہ آیت جس کو ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں اس پر واضح طور پر روشنی ڈالتی ہے!

قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ ۚ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَآءُ مِنكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّىٰ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ إِلَّا قَوْلَ إِبْرَاهِيمَ ط

(پ ۲۸، ع ۷)

"تمھارے لیے پیروی نیک موجود ہے ابراہیمؑ میں اور ان لوگوں میں جو ابراہیمؑ کے ساتھ تھے، جب انھوں نے کہا اپنی قوم سے کہ ہم بے تعلق ہیں تم سے اور ان چیزوں سے جن کو تم پوجتے تھے اللہ کے سوا، ہم منکر ہوئے تم سے، اور ظاہر ہو پڑی ہم میں اور تم میں دشمنی اور بغض ہمیشہ کے لیے، جب تک تم ایمان نہ لاؤ ایک اللہ پر مگر ہاں! ایک کہنا ابراہیمؑ کا"!

---

یہ وہی لوگ ہیں جو کہ ملت ابراہیمی میں اپنی اپنی ملتوں کو چھوڑ کر داخل ہو چکے ہیں،

نیز جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حجۃ الوداع میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سوال پر کہ حطیم کو خانۂ کعبہ سے کیوں جدا کیا گیا، اس کا دروازہ کیوں اونچا کیا گیا؟ فرماتے ہیں: ان قومك قصرت به النفقة ولولا ان قومك حديث عهدهم بجاهلية لنقضت الكعبة، الحديث

فرماتے ہیں: علیٰ ہٰذا القیاس ذاکرین کی اس جماعت کے متعلق جن کا ذکر مقبول ہو چکا ہے، اللہ تعالیٰ ملائکہ کے اس سوال پر کہ اس جماعت میں

فلاں فلاں شخص محض تماشے کی غرض سے آئے تھے، تو فرمایا جاتا ہے: اولئک القوم لا یشقی جلیسھم (رواہما البخاری و مسلم وغیرہما)

ظاہر ہے کہ آیت مذکورہ بالا اور یہ دونوں حدیثیں انہی کے بارے میں ہیں جو کہ ملّتِ ابراہیمی میں داخل ہو چکے ہیں، مگر ان کو اس کے بعد بھی قوم کے لفظ میں داخل اور غیروں کے ساتھ شریک کیا گیا، اور اخیر روایت میں تو صرف انہی مسلمانوں کو لفظ قوم سے تعبیر کیا گیا ہے، پھر یہ تفرقہ محض خیالی یا شاعریت یا فلسفیت نہیں ہے تو کیا ہے؟

اور پھر جب کہ ارشاد کیا جاتا ہے:

"قوم رجال کی جماعت کا نام ہے، اور یہ جماعت باعتبار قبیلہ، نسل، زبان، رنگ، وطن اور ہزار جگہ ہزار رنگ میں پیدا ہو سکتی ہے، اور ابھی ابھی یہ ارشاد ہو چکا ہے:

"قوم چونکہ شرع و دین نہیں، اس لیے اس کی طرف دعوت اور اس سے تمسک کی ترغیب عبث تھی، کوئی گروہ ہو، خواہ وہ قبیلہ کا ہو، نسل کا ہو الخ

تو کیا مانع ہے کہ ملّتِ ابراہیمی میں داخل ہونے کے بعد وہ ملّتِ واحدہ اقوامِ مختلفہ میں ان وجوہ سے منقسم ہو جائے، کوئی قومِ اوس، قومِ خزرج، قومِ قریش، قومِ انصار، قومِ مہاجرین، قومِ فراک، قومِ صوفیہ، قومِ افغان، قومِ کنجڑا، قومِ قصائی نہ بنے،

بہرحال یہ فلسفہ ہماری سمجھ سے باہر ہے، ہم تو سمجھتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ ان وجوہ مختلفہ سے ملّت بھی اقوامِ مختلفہ کی طرف تقسیم ہوتی رہی ہے اور ہو سکتی ہے،

# لفظ اُمّت پر بحث

لفظ "اُمت" کے متعلق بہت زور سے فرمایا جاتا ہے: ایسے افراد کو جو مختلف اقوام اور ملل سے نکل کر ملتِ ابراہیمی میں داخل ہو گئے، ان کو داخل ہونے کے بعد لفظ قوم سے تعبیر نہیں کیا، بلکہ امت کے لفظ سے،

دوسری جگہ ارشاد ہے:

"جہاں تک میں دیکھ سکا ہوں قرآن کریم میں مسلمانوں کے لیے امت کے سوا اور کوئی لفظ نہیں آیا، اگر آیا ہو تو ارشاد فرمایئے"

یہ بھی لغت سے تجاوز ہے، لغتِ عربی میں امت کا لفظ وہ خصوصیت نہیں رکھتا جو جناب ڈاکٹر صاحب ارشاد فرما رہے ہیں،

صفحہ ۱۵ میں ہے:

| | |
|---|---|
| الامۃ الجماعۃ الخیل من الناس الطریقۃ الحین القامۃ | "لفظ اُمت کا اطلاق جماعتِ انسان کے گروہ، طریقہ، زمانہ قامت پر ہوتا ہے" |

مختار الصحاح میں ہے:

| | |
|---|---|
| والامۃ الجماعۃ قال الاخفش ھو فی اللفظ واحد وفی المعنی الجمع وکلّ جنس من الحیوان امّۃ. وفی الحدیث لولا انّ | "امت بمعنی جماعت ہے، امام اخفش فرماتے ہیں کہ یہ لفظ کے اعتبار سے واحد اور معنی کے اعتبار سے جمع ہے، اور جاندار کی ہر جنس کو امت کہتے ہیں، اور حدیث میں |

| | |
|---|---|
| الکلاب امۃ من الامم لامرت بقتلھا والامۃ الطریقۃ والدین، | ہے کہ اگر کتے ایک جماعت نہ ہوتے تو میں ان کو قتل کرنے کا حکم دیتا اور امت بمعنی طریقہ اور دین ہے"، |

قرآن شریف میں ہے:

| | |
|---|---|
| وَاِنْ مِّنْ اُمَّۃٍ اِلَّا خَلَا فِیْھَا نَذِیْرٌ، (پ ۲۲، ع ۱۰) | "کوئی امت نہیں ہے مگر اس میں خدا کا ڈرانے والا آچکا ہے"، |

دوسری آیت میں ہے:

| | |
|---|---|
| وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ کُلِّ اُمَّۃٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰہَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ ط (پ ۱۴، ع ۱۱) | "ہم نے ہر امت میں اپنا رسول بھیجا کہ اللہ کی عبادت کرو، اور طاغوت سے پرہیز کرو"، |

ایک اور آیت میں ہے:

| | |
|---|---|
| وَلَوْلَآ اَنْ یَّکُوْنَ النَّاسُ اُمَّۃً وَّاحِدَۃً لَّجَعَلْنَا لِمَنْ یَّکْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُیُوْتِھِمْ سُقُفًا مِّنْ فِضَّۃٍ وَّمَعَارِجَ عَلَیْھَا یَظْھَرُوْنَ، (پ ۲۵، ع ۹) | "اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ ایک ہی امت ہو جائیں گے تو ہم رحمن کے کفر کرنے والوں کے گھروں کی چھتوں اور سیڑھیوں کو جس پر چڑھتے ہیں چاندی کی کر دیتے"، |

خلاصہ یہ کہ لفظ امت کی تفسیر جو جناب ڈاکٹر صاحب فرما رہے ہیں یہ بھی خانہ زاد ہے، لفظ امت اگرچہ بہت سے معنوں میں مستعمل ہوتا ہے مگر ڈاکٹر صاحب کے مذکورہ بالا معنیٰ کی خصوصیت نہیں رکھتا، بلکہ لفظ قوم ہی مرادف اکثر مستعمل ہوتا ہے، چنانچہ آیات مذکورہ بالا سے واضح ہوا،

نہ لفظ امت کا اطلاق صرف ملت ابراہیمی میں داخل ہونے والا صرف
لفظ امت سے بلایا جاتا ہے، بلکہ اس پر قوم وغیرہ بھی الفاظ اطلاق کیے جاتے ہیں،

# قومیت کے متعلق معنوی ابحاث

## اسلام عالمگیر مذہب ہے،

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے گئے وہ کسی خاص قوم اور کسی خاص ملک کی طرف بھیجے گئے، اس لیے اُن کی... شریعت اور ان کے قوانین تمام اقوام انسانیہ اور تمام ممالک ارضیہ پر حاوی نہ تھے، ان سے مقصد اسی قوم کی اصلاح ہوتی تھی، اور اسی کے مناسب احکام آتے تھے،

بخلاف جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے، آپؐ تمام انسانوں بلکہ تمام عوالم کی طرف بھیجے گئے، اور سب کی اصلاح وہدایت آپؐ کے متعلق کی گئی، قرآن کہتا ہے:

| | |
|---|---|
| قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا (پ ۹، ع ۱۰) | "کہہ دے کہ لوگو! بے شک میں رسول ہوں اللہ کا سب کی جانب" |
| وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا كَافَّةً لِّلنَّاسِ، (پ ۱۲، ع ۹) | "اور ہم نے بھیجا ہے تجھ کو تمام ہی لوگوں کے لیے،" |
| تَبَارَكَ الَّذِي نَزَّلَ | "بڑا برکت والا ہے وہ خدا جس نے |

| | |
|---|---|
| الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ؕ | نازل فرمایا قرآن اپنے بندے پر تاکہ تمام جہان کے لیے ڈرانے والا |
| (سورۂ فرقان) | ہو جائے" |
| وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ ؕ (پ ۱۷، ع ۷) | "ہم نے تجھ کو تمام دنیا جہان کے لوگوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے" |

بنا بریں ضروری ہے کہ آپؐ کے قوانین اور احکام کسی قوم اور کسی خاندان یا ملک کے ساتھ مخصوص نہ ہوں، اور آپؐ کی دعوت عام ہو، آپؐ تمام عالم کو اور تمام اقوام کو اپنے مذہب کی طرف بلائیں، اور سب پر آپؐ کی فرمانبرداری فرض ہو، اور عالم انسانی میں سے اگر کوئی شخص بھی اس سے رُوگردانی کرے تو خدا کا باغی قرار پائے، اور کافر کے لقب سے ملقب ہو، اور آخرت میں بغاوت کا انتہائی عذاب اس پر نافذ کیا جائے،

اسلام کے عالمگیر ہونے کے یہی معنی ہیں کہ اس کی دعوت تمام عالم کو شامل ہے، اور اس کے احکام تمام عالم کی اصلاح کے لیے بنائے گئے ہیں: ان میں وہ اصول اور حکمتیں مضمر ہیں جن سے تمام افراد انسانی کی (خواہ پرانی دنیا کے ہوں یا نئی دنیا کے، خواہ زرد نسل کے ہوں یا سیاہ نسل کے، خواہ سفید نسل کے ہوں یا سرخ نسل کے) اصلاح و ہدایت ہو سکتی ہے، اور وہ ہر ایک انسان کو اپنے میں لے سکتا ہے، اس کی عالمگیریت کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اس کو تمام عالم قبول ہی کر لے گا،

# اسلام نے پیروی کرنے والوں کے لیے ملّی وحدت قائم کردی

پیغمبر اسلام علیہ السلام نے تمام دنیا کو ایک ہی شریعت ایک ہی راستے کی طرف بلایا ہے، اور اس کے قبول کرنے والوں کے درمیان میں ایک ایسا عظیم الشان رابطہ قائم کر دیا ہے جو کہ دنیا کے تمام روابط اور علائق سے بالاتر تھا، نسبی رابطہ، صنعتی رابطہ، وطنی رابطہ، زبانی رابطہ، رنگی رابطہ وغیرہ وغیرہ سب کے سب اس کے سامنے ہیچ تھے اور ہیں، یہ رابطہ مادیت سے بالاتر روحانیت کا مجسمہ بن کر تمام اسلامی برادری کو محیط ہو گیا، اسلامی احکام نے اس رابطے کی حفاظت اور تقویت کے لیے ایسی آبپاشی کی کہ جس سے تمام دنیا کے مسلمان ایک ہی دھاگے میں پروئے ہوئے ایک ہی مزرعے میں سرسبز و لہلہانے لگے، فرمایا گیا:

| | |
|---|---|
| المسلمون کاعضاء جسد واحد اذا اشتکی عضو تداعی له الاٰخر بالحمی والسهر (او کما قال) | "مسلمان ایک جسم کے مختلف جوڑوں کی طرح ہیں کہ جب ایک جوڑ مریض ہوتا ہے تو دوسرا بھی بخار اور... بے خوابی سے بے چین ہوتا ہے"۔ |
| اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ، (سورۂ حجرات، پارہ ۲۶) | "مسلمان باہم بھائی بھائی ہیں" |
| المسلم اخو المسلم لا يظلمه ولا يخذله ولا | مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس پر ظلم کرتا ہے، نہ اس کی مدد |

| | |
|---|---|
| بسلمہ، (اوکما قال) | کو ترک کرتا ہے، اور نہ اس کو دشمنوں کے ہاتھ میں سونپتا ہے"۔ |
| کل المسلم علی المسلم حرام دمہ ومالہ وعرضہ | "مسلمان از سرتاپا مسلمان پر حرام ہے، اس کا خون، اس کا مال اور اس کی آبرو سب حرام ہے"۔ |

مسلمانوں میں آپس میں ایسے ایسے حقوق اور فرائض قائم کر دیئے، کہ ان کی بناء پر نسلی، وطنی، حرفتی، لونی وغیرہ وغیرہ امتیازات اٹھ گئے اور مسلمانانِ عالم بمنزلہ شخص واحد قرار دیدیئے گئے جس کی بناء پر لازم آگیا کہ اگر اقصٰی مشرق میں ایک مسلمان مرد یا عورت پر ظلم وستم ہو جائے تو تمام مسلمانوں پر تدریجاً اس کا ازالہ واجب ہو جائے، بادشاہ اور خلیفہ بھی ان کا ایک ہی ہو اور عزت وقوت بھی سب کی ایک ہی ہو، اگر سابق بادشاہ تسلیم شدہ کے خلاف کوئی دوسرا آدمی دعوے دارِ خلافت کھڑا ہو جائے تو اس کو قتل کر دینا لازم ہو جائے،

| | |
|---|---|
| اذا بویع لخلیفتین فاقتلوا الآخر منہما، | "جب دو خلیفہ تخت نشین ہو جائیں تو ان میں آخر کو قتل کر دو"، |

ان امور نے مسلمانوں میں ایسا رابطہ قائم کر دیا کہ تمام دنیا کی قوتیں اسلامی قوت کے سامنے تہ وبالا ہو گئیں، نہ قیصرِ روم کی طاقت باقی رہ سکی، نہ شاہانِ فارس، نہ راجگانِ ہند کی دولت زندہ رہ سکی، نہ خاقانِ ترک کی جس طرف بھی کوئی قوت مسلمانوں سے برسرِ پیکار ہوتی تھی، اطراف وجوانبِ زمین سے اسلامی فوجیں اس کے مقابلہ میں آجاتی تھیں، اور وہ مخالف قوت پاش پاش ہو جاتی تھی، یہ پان اسلام ازم اسلام کو تمام قوموں تمام ممالک پر بالا کر کے رہا،

خلاصہ یہ کہ بحیثیت دعوت و جذب بے شک اسلام اور اس کی قومیت شرفِ انسانی اور اخوتِ بشری پر مبنی ہے، اور یہی امر اس کی عالمگیری کی شان رکھتا ہے، مگر بحیثیت تناصر و تعاون، حقوقِ یگانگت و ہمدردی، قلبی دوستی و اتحاد، موالاتِ دائمہ و مودّۃ خالصہ صرف کلمہ گویوں اور حلقہ بگوشانِ اسلام کے ساتھ مخصوص ہے، خواہ وہ ہم نسل ہوں یا نہ ہوں، جناب مدیرِ "احسان" کا یہ ارشاد کہ:

> "اسلام کی تعلیم قومیت کی بنیاد، جغرافیائی حدود یا نسلی وحدت یا رنگ کی یکسانی کے بجائے شرفِ انسانی اور اخوتِ بشری پر رکھتی ہے"

ظاہری حیثیت سے کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتا، ورنہ چاہیے کہ تمام انسان اور ہر فرد بشر خواہ یہودی ہو یا عیسائی، ہندو ہو یا مسلمان، سکھ ہو یا پارسی، بودھ یا جینی، کالا ہو یا گورا، ایشیاٹک ہو یا افریقش سب کے سب ایک قوم ہو جائیں، کیونکہ شرفِ انسانی اور اخوتِ بشری سب میں پائی جاتی ہے، سب کے سب حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام کی اولاد ہیں، اور لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْٓ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ اور لَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِیْٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰی كَثِیْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِیْلًا ط (وغیرہ آیات جو کہ شرفِ انسانی پر دلالت کرتی ہیں) کے مصداق ہیں، ہمارے میں کوئی آیت یا حدیث قومیت کی بنیاد ایسے شرفِ انسانی اور اخوتِ بشری پر رکھنے والی موجود نہیں ہے، اسی بنا پر ہم نے اس تعلیم کے لیے نص طلب کی تھی، مگر نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہم کو کسی آیت یا حدیث کی طرف ہدایت

نہیں کی گئی، جس سے یہ معلوم ہوتا کہ اسلام تعلیم دیتا ہے کہ قومیت کی بنیاد صرف انسانیت اور اخوت بشری پر رکھ کر ہر اس شخص کو جس میں انسانیت پائی جائے ایک قوم سمجھو، اور قرار دو، ہم کو فیلسوفی اُلجھاؤ میں ڈالا جاتا ہے، اور فرمایا جاتا ہے:

"الفاظ شرفِ انسانی کے متعلق کسی کا دھوکا نہیں ہونا چاہیے اسلامیات میں ان سے مراد وہ حقیقتِ کبریٰ ہے جو حضرتِ انسان کے قلب و ضمیر میں ودیعت کی گئی ہے، یعنی یہ کہ اس کی تقویم فطرۃ اللہ سے ہے، اور...... کا غیر ممنون یعنی غیر منقطع ہونا منحصر ہے اس تڑپ پر جو توحیدِ الٰہی کے لیے اس کے رگ و ریشہ میں مرکوز ہے، انسان کی تاریخ پر نظر ڈالو، ایک لامتناہی سلسلہ ہے باہم آویزیوں کا۔" الخ

ہم ان حقائق اور تخیلات کے متعلق کوئی تصدیق اور تکذیب کا کلمہ پیش کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں، ہمارا مطالبہ صرف اتنا تھا کہ قومیت کی بنیاد صرف شرفِ انسانی اور اخوتِ بشری پر رکھنے کی تعلیم اسلام میں کسی آیت یا حدیث میں وارد ہے جس سے یہ معلوم ہوا کہ صرف انسانوں اور بشری برادری رکھنے والوں کو قوم واحد کہا جائے، اور ایک وطن یا ایک نسل یا ایک رنگ والوں کو نہ کہا جائے اور نہ ان کو ایک قوم شمار کیا جائے، جناب مدیر "احسان" اس کو رلانے کے لیے فرماتے ہیں کہ:

"اگر میرا قول خلاف عقیدۂ اسلامی ہے تو مولانا صاحب اس کی تصحیح فرما سکتے ہیں، اسلام شرفِ انسانی اور اخوت بشری کا پیغام نہیں دیتا، بلکہ اولادِ آدم کو ہندی۔" الخ

دعویٰ کیا تھا اور ارشاد کیا ہو رہا ہے، اسلام جس پیغام کو لے کر آیا ہے اور جس وحدت کا مطالبہ کرتا ہے ہم نے اس کی توضیح اس لیے کر دی ہے،

# دشمنانِ اسلام کی پالیسی

بانیِ اسلام (علیہ السلام) کی اس تعلیم نے مسلم قوم میں جو اسپرٹ یگانگت واتحاد، تناصر و تعاون کی پیدا کر دی تھی اس کی کامیابی کو دیکھ کر چھکے چھوٹ گئے، اور اس کی انتہائی کوشش کی گئی کہ پان اسلام ازم کی یہ اسپرٹ جس طرح بھی ہو مسلم قوم سے مٹائی جائے، اسی صورت میں اور صرف اسی صورت میں ہم اس عالمگیر حملوں سے بچ سکیں گے، اور صرف اسی صورت سے ہم مسلم قوم پر غالب ہو سکیں گے، ہر زمانے میں اس کی کوششیں جاری ہوئیں، اور کم و بیش کامیابی ہوئی، یورپ چونکہ خلافتِ عثمانیہ یعنی ترکوں کے حملوں اور ان کے ساتھ مسلم اقوام کے اتحادی اور اتفاقی کارناموں کی وجہ سے سخت عاجز و ناتوان ہو چکا تھا... اس نے باقاعدہ اور منظم کوشش پان اسلام ازم کے خلاف جاری کی، اور اس نے صدیوں کی منظم جدوجہد سے مسلمانوں میں دو قسم کی اسپرٹ پیدا کر دی، ایک نسلی، وطنی، لسانی امتیاز و افتراق، دوم یہ کہ جہاد مذہبی اور روحانی نہ ہو، بلکہ نسلوں اور اوطان کے لیے کیا جائے، اور مذہبیت کی اسپرٹ درمیان سے نکال دی جائے،

ان دونوں امور کی مساعی نے خلافتِ عثمانیہ کو جو کہ سلطان سلیم کے زمانے تک بحرِ ذخار کی طرح موجیں مارتی ہوئی یورپی ممالک میں بڑھتی

جارہی تھی، روک دیا، اور آہستہ آہستہ گھن کی طرح اس کو اس طرح کمزور کر دیا
کہ خود خلافت کی روح سے ترکوں کو بیزاری ہو گئی، انہی وطنی اور نسلی مساعی
وغیرہ کی بنا پر رومانیہ، بلگیریا، بوسینیا، ہرزیگونیا، یونان، البانیہ، کریٹ
وغیرہ وغیرہ جُدا ہو گئے، نہ صرف یہاں کی عیسائی قومیں جُدا کی گئیں، بلکہ
مسلم اقوام کی بھی ہمدردی ترکوں سے ہٹائی گئی، اور انہی مساعی کا نتیجہ
تھا کہ عربی اقوام اور کُردی برادریوں کو ترکی سے جُدا ہونے کی نوبت
آئی، اور پھر ان کے جدا کرنے کے بعد انہی یورپین اقوام نے عراق،
شام، فلسطین، طرابلس و عرب وغیرہ میں جس طرح مسلم اقوام کو پیسا ہے
اس کی داستان قوتِ بیان سے باہر ہے،

افسوس! کہ اس وقت مسلمانوں میں کوئی شخص مسلمانوں کی متحدہ
قومیت اور ایفاءِ وطنیت و نسل و لسان وغیرہ کا واعظ کھڑا نہ ہوا، اور نہ
یورپ کے اخبار و رسائل لیکچراروں کی بے حد و بے شمار آندھیوں کا مقابلہ
کیا گیا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پان اسلام ازم ایک قصّۂ پارینہ ہو کر فنا کے
گھاٹ اتر گیا، اور ممالکِ اسلامیہ یورپین اقوام کے لقمہ تر بن کر رہ گئے،

## متحدہ قومیت اور وطنیت سے تنفیر

اب جب کہ مسلمانوں کو افریقہ، یورپ، ایشیا وغیرہ میں پارہ پارہ کر کے
فنا کی گود میں ڈال دیا گیا ہے تو ہم کو کہا جاتا ہے کہ اسلام صرف ملی اتحاد کے
لیے تعلیم دیتا ہے، وہ کسی غیر مسلم جماعت سے متحد نہیں ہو سکتا، اور نہ کسی غیر مسلم
قوم کے ساتھ متحدہ قومیت بنا سکتا ہے، کسی غیر مسلم قوم سے اگر مسلمان مل کر
وطن یا نسل یا پیشے وغیرہ کے رابطے سے کوئی متحدہ قومیت بنائیں تو وہ اسلام

کے دشمن، تعلیماتِ اسلامیہ کے مخالف، اسلام کو دوسری اقوام میں منجذب کرنے والے، اسلامی ہستی کو مٹا دینے والے، وطنیت کی لعنت کو اختیار کرنے والے ہو جائیں گے، شریعتِ اسلامی اس کی اجازت نہیں دیتی، احکامِ قرآنیہ اس سے اباء کرتے ہیں،

یہ بعینہٖ وہ قصہ ہے کہ جب تک ہندوستان کی دستکاری اور تجارت زندہ تھی، اور ہندوستانی مصنوعات انگلستان اور دور دراز ممالک کے بازاروں پر چھاپہ مارتی تھیں تو مامون تجارت کے فلسفے کا راگ چاروں طرف گونجایا جاتا تھا، تمام تصانیف اور اخبارات، لکچر اور تقریریں اس سے بھری ہوئی نظر آتی تھیں، اس طرح اس کی تعریف اور مدح سرائی ہوتی تھی کہ گویا یہی چیز عالمِ انسانیت کے لیے آب حیات ہے،

مگر جب اس کے ذریعے سے ہندوستانی دستکاری اور تجارت کو کمزور کر دیا گیا، اور انگلستان کی دستکاری نے زور پکڑ لیا تو آزاد تجارت (فری ٹریڈ) کا وعظ سُنایا جانے لگا، اور پہلا فلسفہ مامون تجارت کا بالکل غلط کر دیا گیا، نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان کی دستکاری اور تجارت کو یک قلم فنا کر دیا گیا، اسی طرح جب تک مسلمان قوی اور غالب ہے تو یہ فلسفہ پیش کیا جاتا رہا کہ یورپ کا نقشہ بدلا نہیں جا سکتا، کوئی فاتح اور غالب کسی زمین کو حاصل کر کے اپنے قبضے میں نہیں رکھ سکتا، اور نہ اپنی مملوکات میں ملا سکتا ہے، مگر جب کہ مسلمان مغلوب ہو گئے تو فلسفہ بدل گیا، اور چاروں طرف سے یہ آواز آنے لگی کہ کسی فاتح کو اس کے نتائجِ عمل سے محروم نہیں کیا جا سکتا، وغیرہ وغیرہ،

ہندوستانیوں کا وطنیت کی بناء پر متحدہ قومیت بنا لینا انگلستان

کے لیے جس قدر خطرناک ہے وہ ہماری اس شہادت سے ظاہر ہے جو کہ ہم نے پروفیسر سیلے کے مقالے سے نقل کیا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جذبہ ضعیف سا ضعیف بھی اگر ہندوستانیوں میں پیدا ہو جائے تو اگرچہ اُن میں انگریزوں کے نکالنے کی طاقت موجود بھی نہ ہو مگر فقط اس وجہ سے کہ ان یہ خیال جاگزین ہو جائے گا کہ اجنبی قوم کے ساتھ ان کے لیے اشتراک عمل شرمناک امر ہے انگریزی شہنشاہیت کا خاتمہ ہو جائے گا،

پس وہ وطنیت جس کی مغرب مُنھ بھر بھر کر تعریف کیا کرتا تھا جب تک اسلام اور خلافتِ اسلامیہ باقی تھے نہایت ممدوح اور قابلِ تعریف امر تھی، مگر آج ہندوستان میں خرابیٔ ممالکِ اسلام کے بعد وہی وطنیت ملعون اور بدترین چیز بن گئی ہے، انّ ھٰذا الشئ عجیب،

# وطنیت کی ملعونیت

## اور اس کا استعمال؛

بہرحال اگر وطنیت ایسی ہی ملعون اور بدترین چیز ہے، تو چونکہ یورپ نے اس کو استعمال کرکے اسلامی بادشاہوں اور عثمانی خلافت کی جڑ کھودی ہے مسلمانوں کو چاہیے تھا کہ اسی ملعون ہتھیار کو برطانیہ کی جڑ کھودنے کے لیے استعمال کرتے، تاکہ جس مشین گن اور جس ہتھیار سے وہ برباد کیے گئے تھے اسی سے اس دشمن کے ہلاک کرنے میں کامیاب ہو جاتے، جس نے ان کو تقریباً دنیا سے مٹا دیا ہے، اسی کے واسطے دن و رات پروپیگنڈہ کیا جاتا، اسی کو پریس بھی لکھتا اور اسی کو لیکچرار بھی الاپتا اور اسی کو تمام مسلم

پبلک اپنا پروگرام کم از کم اس وقت تک بناتے رہتی جب تک وہ اپنے حقیقی دشمن سے انتقام نہ لے لیتی، مگر افسوس! کہ ایسا نہیں ہوا، بلکہ قصداً یا بلا قصد یہی فلسفہ ہندوستان میں رائج کیا گیا، اور کیا جا رہا ہے، کہ وطنیت نہایت ملعون چیز ہے متحدہ قومیت غیر مسلموں کے ساتھ حرام ہے، اسلام کو انتہائی ضرر پہنچانے والی ہے مسلم قوم جو کہ اب سے پہلے اقل قلیل تھی، مگر اکثریت میں منہضم نہ ہو سکی تھی اب باوجود آٹھ کروڑ سے تجاوز کر جانے کے ہندوؤں کا لقمۂ تر بن جائے گی، وغیرہ وغیرہ،

# اسلامی رابطہ

بے شک جیسا کہ ہم نے پہلے عرض کر دیا ہے، پیغمبر اسلام (علیہ السلام) نے مسلمانوں کے لیے ایسا رابطہ قائم کر دیا جو کہ تمام روابط سے بالاتر ہے' اور وطنیت وغیرہ اس کے سامنے ہیچ ہیں، مسلمان کوئی بھی ہو، کہیں کا بھی ہو دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، اور اس کے حقوق دوسرے مسلمان پر کامل طور پر ہیں، مگر رابطہ صرف ان لوگوں کے ساتھ ہو سکتا ہے جنھوں نے اسلام قبول کر لیا ہے، جو لوگ اسلام کے دائرے میں نہیں آئے ہیں ظاہر ہے کہ ان کے ساتھ یہ رابطہ قائم نہیں ہو سکتا، اور وہ متحدہ قومیت کے دائرے میں تو آسکتے ہیں' مگر دوسرے ہی روابط نسل، وطن، رنگ، پیشہ وغیرہ کے ذریعے سے آسکتے ہیں'

اب قابلِ غور بات یہ ہے کہ آیا مسلمان غیر مسلموں کے ساتھ مل کر ہم قوم بن سکتے ہیں یا نہیں، اور اس اتحادِ قومیت کی بنا پر کوئی ملکی، سیاسی' اقتصادی، تجارتی، زراعتی، صنعتی کاروبار کر سکتے ہیں یا نہیں؟ اور آیا اس

امر کی ہندوستان میں ان کو ضرورت ہے یا نہیں ؟ یہ بھی ظاہر ہے کہ یہ انتظار کرنا کہ تمام ہندوستانی قومیں جب مسلمان ہو جائیں گی تب یہ ضروریات انجام دی جائیں گی، اس وقت سے پہلے ان کو انجام دینا ناجائز ہے نہایت غلط اور مضرت رساں کارروائی ہے، اسلام بے شک اعتقادی، عملی، اخلاقی اصلاحات کرنے والے اصول کا مجموعہ ہے، اور نہ صرف انفرادی اصلاحات اس کے ذریعے سے حاصل ہوتے ہیں، بلکہ اس کے ذریعے سے اجتماعات خاصہ (تدبیر منزل) اور اجتماعاتِ عامہ (سیاسیاتِ مدنیہ) وغیرہ کی گتھیاں بھی سلجھتی ہیں، وہ ان سب ضروریاتِ زندگی پر مکمل روشنی ڈالتا ہے، اور ہر قسم کی اصلاحات کا کفیل ہے، مگر ہم کو اس امر پر غور کرنا ہے کہ وہ اسلام جو کہ ان اصولوں سے عبارت ہے جو کہ انسان کے شعبہ ہائے حیات انفرادیہ اور اجتماعیہ سے تعلق رکھتے ہیں، اور جن کو خالق اور مخلوق اور بین المخلوقین امور کے ساتھ وابستگی ہے، آیا اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ مل کر روابط وطنیت یا نسل یا رنگت یا زبان وغیرہ کی بنا پر ایسی متحدہ قومیت کی تشکیل کی جائے جس کے ذریعے سے دشمنوں کو شکست دی جائے، یا۔ مفاد ہائے مشترکہ سیاسیہ، اقتصادیہ، تجاریہ، زراعیہ، حربیہ وغیرہ کو حاصل کیا جائے یا ان میں ترقی حاصل کی جائے، اور صرف اس قدر اس میں توفل رکھا جائے کہ اصولِ اسلامیہ میں کوئی نقصان واقع نہ ہو، یا نہیں،

ہم نے جہاں تک نصوص شرعیہ کا تتبع کیا ہم کو واضح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ امر حسب مواقع کہیں فرض، کہیں واجب، کہیں مستحب، کہیں جائز، کہیں مکروہ اور کہیں حرام ہوگا، اس کی ممانعت کا فتویٰ صرف اس بنا پر

پر وطنیت کا مفہوم مغرب کی اصطلاح میں آج ایسے اصولوں پر اطلاق کیا جاتا ہے
جو کہ ہیئتِ اجتماعیہ انسانیہ سے تعلق رکھتے ہیں، اور وہ یکسر مخالفِ مذہب
ہیں، اسی مفہوم مصطلح سے مخصوص ہوگا، مگر یہ مفہوم نہ عام طور پر لوگوں کے ذہن نشین
ہے اور نہ اس کا کوئی مسلمان دیانتدار قابل ہو سکتا ہے، اور نہ ایسے مفہوم کی اس
وقت تحریک ہے، کانگریس اور اس کے کارکن اس کے محرک نہیں ہیں، اور نہ
اس کو ہم ملک کے سامنے پیش کر رہے ہیں، یہ چیز بالکل خارج از بحث ہے،
ہم روزانہ مفادہائے مشترکہ کے لیے ہیئاتِ اجتماعیہ بناتے ہیں اور ان میں نہ
صرف شریک ہوتے ہیں بلکہ ان کی ممبری اور شرکت کے لیے انتہائی جد وجہد
کرتے ہیں، سیکڑوں نہیں ہزاروں روپے خرچ کرتے ہیں، ٹاؤن ایریا، نوٹیفائڈ
ایریا، میونسپل بورڈ، ڈسٹرکٹ بورڈ، کونسلات، اسمبلیاں، ایجوکیشنل
ایسوسی ایشن، اور اس قسم کی سیکڑوں انجمنیں اور ایسوسی ایشنیں ہیں، جو کہ
انہی اصولوں اور قواعد سے عبارت ہیں جو کہ خاص مقصد کے ماتحت ہیئتِ
اجتماعیہ کے لیے بنائے گئے ہیں، تعجب ہے کہ اُن میں حصہ لینا اور مکمل یا غیر مکمل
جد وجہد کرنا ممنوع قرار نہیں دیا جاتا، مگر اسی قسم کی کوئی انجمن اگر آزادیِ ملک
اور برطانوی اقتدار کے خلاف قائم ہو تو وہ حرام، خلافِ دیانت، خلافِ
تعلیماتِ اسلامیہ، خلافِ عقل و دانش وغیرہ ہو جاتی ہے، پھر اگر وطنیت کی
بناء پر جو کہ بالفرض التسلیم ان اصولوں سے عبارت ہو جو کہ ہیئتِ اجتماعیہ
سے تعلق رکھتے ہوں، کیوں ممنوع قرار دیا جاتا ہے؟ اگر کونسلوں، اسمبلیوں،
وغیرہ میں کوئی اصول اسلامی اصول کے خلاف آتا ہے رد کر دیا جاتا ہے، یہی
حالت اس وطنیت اور اس کی قومیتِ متحدہ میں ہوگی،

---

# ہندوستان کے لیے راہِ عمل

ہندوستان میں سکونت کرنے والی قومیں اور افراد بحیثیت مسکن و وطن بہت سی ایسی چیزوں میں مشترک ہیں جن کو موجودہ پردیسی حکومت نے اپنی اغراض کے ماتحت پامال کر دیا ہے، اور ہندوستان کے باشندوں کی زندگی تلخ کر دی ہے، بلکہ تمام ہندوستان کے رہنے والوں کے لیے فنا کا گھاٹ سامنے کر دیا ہے، چونکہ ان مشترک مفادات کے ضائع ہونے سے سب ہی فنا ہو رہے ہیں، اس لیے تمام ہندوستانی متفق ہو کر ان ضائع شدہ حقوق کو حاصل کریں، اور اس پردیسی قوم کے جُوئے کو اپنے کندھوں اور گردنوں سے نکال پھینکیں، ان کے لیے متحدہ جدوجہد ہو، اور تمام ہندوستانیوں کے لیے مُلکی اور مشترکہ مفادات کی ترقی کی راہ کُھل جائے، یہ مقصد متحدہ قومیت سے ہے، جس کا رابطہ اتحادِ وطنیت ہے، ایسے مقاصد کے لیے متحدہ قومیت غیر مسلموں کے ساتھ بنانا خود جناب سرورِ کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منقول ہے:

## متحدہ قوم اور امت

### جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں اور غیر مسلموں سے بنائی

---

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رسالت کے چودہ برس گزر جانے کے بعد مدینہ منورہ میں وہاں کے اور اپنے ساتھ کے مہاجر و انصار

مسلمانوں اور مدینہ کے یہودیوں کو ملا کر ایک متحدہ قوم اور متحدہ امت بنائی،
اور نہایت مفصل عہدنامہ اس امر کے متعلق تحریر فرمایا، اور اس میں تحریر
کر دیا گیا کہ مشروط اور مذکور امور میں دشمنوں کے مقابل مسلمان اور یہود ایک
امتِ متحدہ ہوں گے، مگر ہر ایک اپنے اپنے مذہب کا پابند ہوگا،

حضرت مولانا انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خطبۂ صدارت
اجلاس جمعیۃ العلماء منعقدہ پشاور ۲، ۳، ۴ دسمبر ۱۹۲۷ء میں اس کا تذکرہ
اور حوالہ دیا ہے، الفاظ مندرجہ ذیل ہیں، صفحہ ۲۳:

"اگرچہ میں اس مختصر خطبے میں دارالامان کے تمام احکام پر روشنی
نہیں ڈال سکتا، تاہم یہ بھی ضروری ہے کہ کچھ نہ کچھ اشارات
ضرور کر دوں، اس کے لیے بہتر یہ ہے کہ آپ کو سید الاولین
والآخرین احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس معاہدے
کی بعض دفعات کی طرف توجہ دلاؤں جو حضور انور (صلی اللہ علیہ
وسلم) نے ابتداءِ زمانۂ ہجرت میں باہم مسلمانوں اور یہود مدینہ
کے ساتھ کیا تھا، ان دفعات کے مطالعے سے آپ کو معلوم ہو جائے گا
کہ مسلمان دارالامان یا دارالحرب میں غیر مسلم اقوام کے ساتھ
کسی قسم کا معاہدہ کر سکتے ہیں (معاہدۂ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
با یہودِ مدینہ) چونکہ معاہدے کی عبارت بہت طویل ہے، اور عربی
عبارت کے نقل کی چنداں حاجت نہیں ہے، اس لیے میں
صرف قابلِ ذکر دفعات کا ترجمہ پیش کرتا ہوں:

(ترجمۂ معاہدہ اگلے صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایک معاہدہ ہے جو مسلمانانِ قریش اور مسلمانانِ مدینہ اور لوگوں کے درمیان ہوگا، جو مذکورہ جماعتوں کے ساتھ متفق و حلیف بن گئے ہیں، اور ان کے ساتھ محاربات میں شریک رہے ہیں،

۱۔ یہ تمام معاہد جماعتیں، قریش، مہاجرین، انصار، یہود معاہدین دوسری غیر مسلم غیر معاہد جماعتوں کے مقابلے میں ایک جماعت اور ایک قوم شمار ہوں گی،

دفعہ ۸۔ جن یہود نے ہمارے ساتھ معاہدہ کرلیا ہے ان کے متعلق مسلمانوں پر واجب ہے کہ ان کی مدد اور ان کے ساتھ مواسات کا برتاؤ کریں، ان پر کسی قسم کا ظلم نہ کیا جائے، اور نہ ان کے خلاف کسی ظلم کی مدد کی جائے،

دفعہ ۱۵۔ یہود بنی عوف مسلمانوں کے حلیف اور معاہد ہیں، یہود اپنے مذہب کے پابند رہیں گے اور مسلمان اپنے مذہب کے، مذہب کے سوا باقی امور میں مسلمان اور یہودِ بنی عوف ایک جماعت شمار ہوں گے، ہاں جو ظلم اور عہد شکنی یا کوئی جرم کرے گا وہ اس کی جزاء کا مستحق ہوگا،

اس کے بعد حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے یہود کی دوسری جماعتوں کا نام لے کر مثلاً یہود بنی النجار، یہود بنی الحارث، یہود بنی ساعدہ، یہود بنی حشم، یہود بنی الاوس کے متعلق بھی تصریح فرمادی ہے کہ ان تمام

یہود کے (چونکہ سب نے معاہدہ قبول کر لیا تھا، یہود بنی عوف کی طرح حقوق ہوں گے،

(ماخوذ از صفحہ ۲۳، ۲۵، ۲۱)

سیرت ابن ہشام جلد اول ص ۲۷۸ میں ہے:

قال ابن اسحق وکتب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتابا بین المہاجرین والانصار وادع فیہ یہود واقرھم علی دینھم واموالھم وشرط علیھم واشترط لھم،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم،
ھٰذا کتاب من محمد النبی صلی اللہ علیہ وسلم بین المؤمنین والمسلمین من قریش ویثرب ومن تبعھم فلحق بھم وجاھد معھم وان الیھود ینفقون مع المؤمنین ما داموا محاربین وان الیھود بنی عوف امۃ

"ابن اسحق نے روایت کیا ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عہدنامہ مہاجرین اور انصار کے درمیان میں تحریر فرمایا جس میں یہودیوں سے صلح کی تھی؛ اور ان کو ان کے دین اور اموال پر باقی رکھا تھا، اور ان پر کچھ شرطیں عائد کی تھیں، اور کچھ شرطیں ان کے لیے مقرر فرمائی تھیں۔"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم،
یہ تحریر محمد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مؤمنین اور مسلمین قریش اور مدینہ اور ان کے تابعداروں اور ان سے مل جانے والوں اور ان کے ساتھ مل کر جہاد کرنے والوں کے درمیان ہے، یہودی لوگ مسلمانوں کے ساتھ خرچہ برداشت کریں،

| | |
|---|---|
| مع المؤمنين لليهود دينهم وللمسلمين دينهم مواليهم وانفسهم الا من ظلم واثم فانه لا يوتغ الا نفسه واهل بيته ان اليهود بنى النجار مثل ما ليهود بنى عوف وان ليهود بنى حارث مثل ما ليهود بنى عوف وان ليهود بنى ساعدة مثل ما ليهود بنى عوف وان ليهود بنى الاوس مثل ما ليهود بنى عوف وان ليهود بنى ثعلبة مثل ما ليهود بنى عوف الا من ظلم واثم فانه لا يوتغ الا نفسه واهل بيته ، | جب تک کہ مسلمان لڑائی میں مشغول رہیں، اور بنی عوف یہودی مسلمانوں کے ساتھ ایک امت ہوں گے، یہودی اپنے دین اور مسلمان اپنے دین پر رہیں گے، ہر ایک خود بھی اور ان کے موالی بھی (آزاد شدہ غلام اور حلفاء) مگر جس نے ظلم کیا، اور مرتکب جرم ہوا تو وہ فقط اپنی اور اپنے گھرانوں کی جانوں کو برباد کرے گا، اور بنی نجار کے یہودیوں کے بھی وہی حقوق ہوں گے جو بنی عوف کے یہود کے ہیں، اور بنی ساعدہ کے یہود کے بھی وہی حقوق ہیں جو بنی عوف کے یہود کے ہیں، اور بنی جشم اور بنی اوس اور بنو ثعلبہ کے یہود کے بھی وہی حقوق ہیں جو بنی عوف کے یہود کے ہیں، مگر جس نے ظلم کیا اور مرتکب جرم ہوا، تو وہ فقط اپنی اور اپنے گھرانوں کی جانوں کو برباد کرے گا"۔ |

کتاب الاموال مصنفہ ابو عبیدہ بن القاسم الازدی متوفی ۲۴۸ھ رحمۃ اللہ تعالیٰ صفحہ ۲۲۲ میں ہے:

| | |
|---|---|
| هذا كتاب رسول الله | "یہ وہ دستاویز ہے جس میں اس |

صَلّی اللہ علیہ وسلم بین
المؤمنین واھل یثرب
وموادعۃ یھودھا،
ھذا کتاب من محمد
النبی رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم بین
المؤمنین والمسلمین
من قریش واھل یثرب
ومن تبعھم فلحق بھم
وجاھد معھم انھم امۃ
واحدۃ دون الناس،

معاہدے کا ذکر ہے، جس میں مومنین
کا اور سکانِ مدینہ کا اور یہود کے
معاہدے کا ذکر ہے،
یہ فرمان ہے رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم کا مدینہ اور قریش
کے درمیان میں اور ان لوگوں میں
جنھوں نے ان کا اتباع کیا اور
ان کے ساتھ رہا اور ان کے ساتھ
ہو کر جہاد کیا، کہ یہ باستثنار دیگر
جماعت یہ لوگ ایک ہی امت
ہیں"،

یہ عہد نامہ بہت طویل ہے، جس میں مسلمانوں کے قبائل مہاجرین اور انصار کا تفصیلاً ذکر کیا گیا ہے، اور اسی طرح یہودیوں کے قبائلِ مختلفہ کا تذکرہ ہے، اور ان کے آپس کے شروط ذکر کیے گئے ہیں، صفحہ ۲۰۳ میں ہے:

والمؤمنون بعضھم موالی
بعض دون الناس انہ
من تبعنا من الیھود
فان لہ المعروف والاسوۃ
غیر مظلومین ولا متناصر
علیھم الخ،

"اور مسلمان باستثنار دیگر باہم
ایک دوسرے کے مددگار ہیں، اور
یہودیوں میں جو شخص ہمارا اتباع
کرے گا اس کے لیے بھلائی ہے"
نہ یہ لوگ مظلوم ہوں گے

صفحہ ۲۰۴ میں ہے:

| | |
|---|---|
| وان الیھود ینفقون مع | "زمانۂ جنگ میں یہود بھی مسلمانوں |
| المؤمنین ماداموا محاربین | کے ساتھ اخراجاتِ جنگ برداشت |
| وان الیھود بنی عوف و | کریں گے، اور بنی عوف کے یہود |
| موالیھم وانفسھم امۃ | اور ان کے اعوان و انصار مؤمنین |
| من المؤمنین للیھود | ہی کی ایک امت شمار ہوں گے، |
| دینھم وللمؤمنین دینھم | یہود اپنے دین پر مسلمان اپنے دین |
| الا من ظلم واثم فانہ | پر قائم رہیں گے، مگر ہاں جس نے |
| لا یوتغ الا نفسہ واھل | ظلم کیا، یا مرتکبِ جرم ہوا، کیونکہ |
| بیتہ وان الیھود بنی النجار | وہ نہیں ہلاک کرے گا مگر اپنے |
| مثل ما لیھود بنی عوف، | نفس کو، اپنے گھر والوں کو، اور |

بنی نجار کے بھی وہی حقوق ہیں جو یہود بنی عوف کے "

اس کے بعد متعدد قبائلِ یہود کو ذکر کیا گیا ہے۔ اور ان کے ساتھ شروط وغیرہ ذکر کی گئی ہیں، اسی طرح سے اس عہد نامے کا ذکر اور اس کی عبارت مختلف کتابوں میں مذکور ہے،

کتاب رسالتِ نبویہ صفحہ ۲۳۰ میں ہے:

| | |
|---|---|
| بسم اللہ الرحمٰن الرحیم | بسم اللہ الرحمٰن الرحیم |
| ھذا کتاب من محمد | یہ تحریر ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ |
| النبی صلی اللہ علیہ و | علیہ وسلم کی جانب سے، آپس میں |
| سلم بین المؤمنین | درمیان مؤمنوں اور مسلمانوں کے، |
| والمسلمین من قریش | اور قریشِ مکہ اور اہلِ مدینہ میں اور |
| ویثرب ومن تبعھم | وہ لوگ جنھوں نے ان کی پیروی |

| | |
|---|---|
| فلحق بہم وجاہد معہم انہم امۃ واحدۃ من دون الناس، | کرلی ہے، اور ان میں مل گئے ہیں اور ان کے ساتھ مل کر جہاد کیا ہے اس اقرار پر کہ یہ سب ایک گروہ ہیں دوسرے لوگوں کے مقابلہ میں " |

صفحہ ۲۳۲ میں ہے:

| | |
|---|---|
| وان الیہود ینفقون مع المؤمنین ما داموا محاربین وان یہود بنی عوف امۃ مع المؤمنین للیہود دینہم وللمسلمین دینہم | " اور اس امر پر کہ یہود مسلمانوں کے برابر مالی صرفہ دیں جب تک کہ وہ لڑتے رہیں، اور اس امر پر کہ یہود بنی عوف مسلمانوں کے ایک گروہ شمار کیے جائیں گے، یہود اپنے دین پر رہیں مسلمان اپنے دین پر " |

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں اور یہودیوں کو ملا کر ایک قوم بنا کر دشمنوں کا مقابلہ کیا ہے، اور اس مقابلہ و جنگ میں کچھ شرطیں مسلمانوں اور اپنے اوپر یہودیوں کے لیے اور کچھ غیر مسلموں کے اوپر مسلمانوں کے لیے مقرر اور تسلیم فرمائی ہیں، اور پھر عہدنامے میں لفظ قوم نہیں بلکہ لفظ امت ذکر فرمایا ہے، کہ مسلمان اور یہود ایک امت شمار ہوں گے، بخلاف اور لوگوں کے، جو کہ اس عہدنامہ میں داخل نہیں تھے، حالانکہ لفظ امت جناب ڈاکٹر صاحب مرحوم کے نقطۂ نظر میں قوم سے بہت ہی بلند پایہ لفظ ہے، وہ ان کے نزدیک صرف مسلمانوں پر اطلاق کیا جاتا ہے، اور صرف اس جماعت پر بولا جاتا ہے جس نے ادیان سابقہ کو چھوڑ کر ملت ابراہیمی اختیار کرلی ہو، اور ڈاکٹر صاحب مرحوم کا خیال یہ ہے کہ مسلمانوں

پر بجز لفظ امت کے اور دوسرا لفظ بولا ہی نہیں جاتا ہے،

اب قابلِ غور بات یہ ہے کہ اگر مسلمان کسی غیر مسلم قوم کے ساتھ مل کر ایک قوم نہیں بن سکتے، اور مذہب اس کی اجازت ہی نہیں دیتا، اسلام میں اتنی لچک ہے ہی نہیں کہ وہ کسی علاقے اور رابطے کی وجہ سے کسی حالت اور کسی زمانے میں غیر مسلم اقوام کے ساتھ قومیتِ متحدہ پیدا کر سکے، تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودیوں کے ساتھ یہ امتِ متحدہ کیسے بنائی؟ اور تمام دیگر اقوام سے علیحدہ ہو کر مسلمان اور یہود شروطِ مذکورہ عہد نامہ کی بنا پر کیسے ایک امت بن گئے؟ اور پھر اس میں یہ تصریح کر دی گئی کہ ہر ایک اپنے دین میں آزاد ہوگا، مسلمان اپنے دین پر رہیں گے اور یہود اپنے دین پر، اور پھر طرفہ ماجرا یہ ہے کہ اس میں ایک امت قرار دیتے ہوئے (من المؤمنین) کا لفظ فرمایا گیا ہے، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ متحدہ قوم باوجود ہر ایک کے اپنے اپنے دین میں آزاد ہونے کے مؤمنین ہی کی امت شمار ہوگی،

مذکورہ بالا بیان سے واضح ہو گیا کہ مسلمانوں کا غیر مسلموں سے مل کر ایک قوم بننا یا بنانا نہ تو ان کے نفسِ دین میں خلل انداز ہے، اور نہ یہ امر فی نفسہٖ اسلامی قوانین اجتماعیہ کے خلاف ہے، مسلمان اپنے دین پر قائم رہتے ہوئے ان غیر مسلموں کے ساتھ مل کر جو کہ اپنے دین پر قائم ہیں ایک قوم ہو سکتے ہیں، اور زمانہائے سابقہ میں ایک قوم رہے بھی ہیں، اسلام اپنے اندر ایک ایسی لچک رکھتا ہے، بالخصوص اس کا مقابلہ کسی دشمن سے ہو، اور زمانہ اس کا متقاضی ہو کہ اپنے اندر بیش از بیش قوت پیدا کی جائے اور دشمن کو شکست دی جائے،

# اسلام لچکدار مذہب ہے

یہ خیال کہ اسلام بالکل غیر لچکدار مذہب ہے، میری سمجھ سے باہر ہے، میں جہاں تک ان کے قوانین کا تتبع کرتا ہوں وہ غیر مسلموں کے ساتھ ایک ملک میں رہ سکتا ہے، ان کے ساتھ صلح کر سکتا ہے، ان کے ساتھ معاہدے کر سکتا ہے، ان کے ساتھ معاملات خرید و فروخت، شرکت و اجارہ، ہبہ و عاریت، قرض، امانت وغیرہ وغیرہ کر سکتا ہے، وہ ان کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا، شادی اور غمی میں شریک ہونا، کھانا پینا وغیرہ وغیرہ کر سکتا ہے، مسلمان غیر مسلم کا جھوٹا پانی پی سکتا ہے، اور کھانا کھا سکتا ہے، مسلمان کفار کے ممالک بِکفر اور دیارِ حرب میں داخل ہو سکتا ہے، ان میں سکونت اختیار کر سکتا ہے، اپنے سخت ترین دشمن یہود و نصاریٰ کی لڑکیوں سے نکاح کر سکتا ہے، ان کے ذبیحہ کو بشرطیکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نام پر ہوا ہو، کھا سکتا ہے، وہ غیر مسلم رعایا کے خون اور مال کو اپنے برابر قرار دیتا ہے، اس قسم کے سیکڑوں قوانین اور اصول ہیئتِ اجتماعیہ کے دینِ اسلام میں ہیں جن میں بہت زیادہ نرمی اور وسیع حوصلگی، رواداری غیروں کے ساتھ کی گئی ہے جو کہ دوسرے مذاہب میں نہیں پائی جاتی، بلکہ کیتھولک عیسائیوں کا اعتراض ہمیشہ اسلام پر یہ رہا ہے کہ وہ اپنے سوا ادیان کو جب کہ رعایا ہوں ایسے حقوق اور آزادی دیتا ہے جو کہ ان پرستاروں کو دینا ہے، وہ ہندوازم کی طرح تنگ دل اور سخت نہیں ہے جس میں اپنے ماسوا کو ملیچھ اور دوسروں کی ہاتھ لگائی ہوئی چیز کو ناپاک بنایا گیا ہے جس کے قوانین میں قوموں کی قوموں کو شودر اور اچھوت قرار دیا گیا ہے، اس سے نکل جانے

والوں کے لیے دروازے بند کر دیے گئے ہیں، وغیرہ وغیرہ، وہ یہودی مذہب کی طرح کم حوصلہ نہیں ہے، جس میں غیر اسرائیل کے ذبیحہ کو حرام اور اقوامِ عالم کا اس میں داخلہ ناجائز قرار دیا گیا ہے، وہ بودھ ازم کی طرح بے حس بھی نہیں ہے، جس میں اپنی شخصیت کے قائم رکھنے کا کوئی قانون نہیں ہے،

بہرحال مذہب اسلام، جو کہ ہیئتِ اجتماعیہ، انفرادیہ، انسانیہ کے سچے اصولوں سے عبارت ہے، اور جس کے دو شعبے ہیں، ایک کا تعلق خالقِ کائنات سے ہے، اور دوسرے کا تعلق مخلوقات سے، خواہ اخلاق و اعمال و عقائد شخصیہ سے متعلق ہوں، یا ہیئاتِ اجتماعیہ خاصہ و عامہ سے وابستہ ہوں، ایک نرم اور نہایت عالی حوصلہ مذہب ہے، وہ تمام عالم اور تمام مذاہب کو اپنی طرف بُلاتا بھی ہے، اور سب کے ساتھ رواداری کا معاملہ بھی کرنے کے لیے تیار رہتا ہے، غیروں کو باطل پر سمجھتے ہوئے ان کے ساتھ بود و باش، صُلح و معاہدہ میل جول، معاملات و معاشرت وغیرہ کی اجازت بھی دیتا ہے، یہی معنیٰ اس کی لچک کے ہیں، ہاں لچک بمعنی کمزوری یا باطل اور ناجائز اخلاق و اعمال کو معمول بہ قرار دینے کے یقیناً صحیح نہیں ہے،

## قومیتِ متحدہ کے مجوّزہ معنیٰ

ہماری مراد قومیتِ متحدہ سے اس جگہ وہی قومیتِ متحدہ ہے جس کی بناء جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ مدینہ میں ڈالی تھی، یعنی ہندوستان کے باشندے خواہ کسی مذہب سے تعلق رکھتے ہوں بحیثیت ہندوستانی اور متحد الوطن ہونے کے ایک قوم ہو جائیں، اور اس پردیسی قوم سے جو کہ وطنی اور مشترک مفاد سے محروم کرتی ہوئی سب کو فنا کر رہی ہے، جنگ کر کے اپنے

حقوق کو حاصل کریں، اور اس ظالم اور بے رحم قوت کو نکال کر غلامی کی زنجیروں کو توڑ پھوڑ ڈالیں، ہر ایک نہ دوسرے سے کسی مذہبی امر میں تعرّض نہ کریں، بلکہ عام ہندوستان کی بسنے والی قومیں اپنے مذہبی اعتقادات، اخلاق، اعمال میں آزاد رہیں، اپنے مذہبی رسم ورواج و مذہبی اعمال و اخلاق آزادی کے ساتھ عمل میں لائیں، اور جہاں تک ان کا مذہب اجازت دیتا ہو امن و امان قائم رکھتے ہوئے اپنی اپنی نشر و اشاعت بھی کرتے رہیں، اپنے اپنے پرسنل لاء اور کلچر (تہذیب) کو محفوظ رکھیں، نہ کوئی اقلیت دوسری اقلیتوں اور اکثریت سے ان امور میں دست و گریباں ہو اور نہ اکثریت اس کی جد و جہد کرے، کہ وہ اقلیتوں کو اپنے اندر ہضم کرلے، یہی وہ چیز ہے کہ جس کا اعلان کانگریس ہمیشہ سے کر رہی ہے، کانگریس نے اپنے پہلے اجلاس منعقدہ ۱۸۸۵ء میں اپنا پہلا اور ضروری مقصد حسب ذیل الفاظ میں ظاہر کیا تھا:

"ہندوستان کی آبادی جن مختلف اور متصادم عناصر سے مرکب ہے ان سب کو متحد و متفق کر کے ایک قوم بنانا"

(روشن مستقبل ص ۲۸۱)

مگر باوجود اس اظہار کے وہ ہمیشہ اعلان کرتی رہی کہ تمام باشندگانِ ہند اپنے اپنے مذہب، کلچر، پرسنل لاء وغیرہ میں آزاد ہوں گے، اس نے آل انڈیا کانگریس کمیٹی منعقدہ ۸ راگست ۱۹۳۱ء کی تجاویز میں بنیادی حقوق اور فرائض کو مندرجہ ذیل الفاظ میں شائع کیا ہے:

"کوئی کانسٹی ٹیوشن (ملکی قوانین و اعلان) جو اس کی طرف سے طے پائے یا جو اس کے وسیلے سے سوراج گورنمنٹ تیار کرے اس

میں امور ذیل کا ہونا بہت ضروری اور لازمی ہے،

۱۔ ہر باشندۂ ہندوستان کو حقوقِ ذیل حاصل ہوں گے،
یعنی رائے آزادی سے ظاہر کرنا، اور اشتراک عمل و باہمی اختلاط میں مکمل آزادی اور امن کے ساتھ بغیر اسلحہ کے کسی ایسے اغراض کے واسطے مجتمع ہونا جو قانون اور اخلاق کے خلاف نہ ہوں،

۲۔ ہر باشندۂ ہندوستان کو ضمیر کی آزادی ہوگی، اور اپنے مذہب کا اعلان آزادی سے کر سکے گا، اور اپنے مذہب کے فرائض و رسوم آزادی سے برت سکے گا، بشرطیکہ اس سے انتظامِ عام اور اخلاق میں کوئی نقص نہ واقع ہو،

۳۔ مُلک کی اقلیتوں کے تمدن اور ان کی زبان اور رسمِ تحریر محفوظ ہوں گے، نیز ملک کے وہ رقبے جو باعتبار زبان قائم قائم ہیں ان کا تحفظ ہوگا، الخ

ورکنگ کمیٹی آل انڈیا کانگریس کمیٹی منعقدہ کلکتہ ۲۶؍اکتوبر ۱۹۳۷ء نے مندرجہ الفاظ میں اسی مقصد کو زیادہ تر واضح کر کے دُہرایا ہے،

# اقلیّتوں کے حقوق

"کانگریس نے ہندوستان کی اقلیتوں کے بارے میں اپنے نظریئے کا کئی بار اعلان کیا ہے، اور صاف بتا دیا ہے کہ کانگریس ان کی حفاظت کرنا اور ان کے آگے بڑھنے کے لیے یا ملک کی سیاسی، اقتصادی، اور تمدنی زندگی میں حصہ لینے کا پورا پورا موقع دینا اپنا فرض سمجھتی ہے،

کانگریس کا مقصد ہے:۔

"ملک کو آزاد کرنا، اور اسے اتحاد کے دھاگے میں باندھنا، جہاں کوئی بھی فرقے اکثریت یا اقلیت کسی دوسرے کو اپنے فائدے کے لیے نقصان نہ پہنچا سکیں، اور جہاں سارے ہندوستان کے فائدے کے لیے ملک کے سب فرقے مل کر کام کریں گے، آزادی اور تعاون کے اس مقصد کے یہ معنی نہیں کہ ہندوستان کی مختلف تہذیبوں میں سے کسی پر دباؤ ڈالا جائے بلکہ ان سب کو محفوظ رکھا جائے گا، تاکہ سب لوگوں کو، ہر فرقے کو اپنے اپنے رجحان کے مطابق بغیر کسی رکاوٹ کے اپنی ترقی کا موقع مل سکے، چونکہ اس مسئلے پر کانگریس کی پالیسی کے بارے میں جو غلط فہمی پھیلانے کی کوشش کی گئی ہے، اس لیے آل انڈیا کانگریس کمیٹی اپنی پالیسی کا پھر اعلان کر دینا چاہتی ہے، اقلیتوں کے حقوق کے بارے میں ان اصولوں کو سامنے رکھا گیا ہے:

۱۔ ہندوستان کے ہر باشندے کو اپنے خیالات کی آزادی سے اظہار کرنے کا، انجمن اور سوسائٹیاں بنانے کا اور بغیر ہتھیار کے امن کے ساتھ مجمع میں شامل ہونے کا اختیار ہوگا، بشرطیکہ اس کا مقصد قانون اور اخلاق کے خلاف نہ ہو،

۲۔ ہر ایک شہری کو اختیار ہوگا کہ وہ چاہے جیسے مذہبی خیالات رکھے، اور چاہے جس فرقے میں رہے، بشرطیکہ وہ پبلک کے امن و اخلاق کے خلاف نہ ہو،

۳۔ اقلیتوں اور الگ الگ زبانوں کے استعمال کرنے والے صوبوں کی تہذیب، زبان اور رسم الخط کو محفوظ رکھا جائے گا،

۴۔ مذہب اور فرقوں کا خیال کیے بغیر سب لوگوں کو چاہے عورتیں ہوں یا مرد، قانون کی نظر میں برابر سمجھا جائے گا،

۵۔ عام ملازمتوں یا ذمہ داری اور عزت کے عہدوں پر تقرری اور تجارت وغیرہ کے بارے میں مذہب اور فرقہ داری کی وجہ سے رکاوٹیں نہ ہوں گی، اور نہ اس بارے میں مرد اور عورت کے فرق کی وجہ سے کچھ مجبوریاں ہوں گی،

۶۔ سرکاری یا مقامی فنڈ یا کچھ دوسرے لوگوں کی طرف سے رفاہِ عام کے لیے بنوائے ہوئے کنوؤں، تالابوں، سڑکوں، اسکولوں اور دوسری جگہوں کے استعمال کے لیے سب لوگوں کے برابر اختیارات ہوں گے، سب کے فرض بھی ایک سے ہی ہوں گے،

۷۔ سرکار کی طرف سے ہر معاملہ میں غیر جانبداری برتی جائے گی،

اقلیتوں کے بنیادی حقوق والی تجویز کی یہ دفعات اس بات کو بالکل صاف کر دیتی ہیں کہ ذاتی خیالات، مذہب اور تہذیب کے بارے میں اقلیت کے ساتھ کسی طرح کی دست اندازی نہ ہوگی، وہ اپنے ذاتی قانون یعنی شرعی اور مذہبی قانون قائم رکھ سکیں گے، اور اکثریت ان میں کوئی تبدیلی کرانے کے لیے زور نہیں دے سکتی ہے، اور نہ دے سکے گی" الخ۔

کانگریس بلیٹن: شائع کردہ ——
آل انڈیا کانگریس کمیٹی، الہ آباد،
۲ر دسمبر ۱۹۳۷ء، صفحہ ۱۰، ۱۱، ۱۲،

پھر کانگریس ہری پورہ ضلع سورت کے اجلاسِ عام منعقدہ ۱۹، ۲۰، ۲۱ فروری ۱۹۳۸ء میں اسی تحفظ کی تجویز کو مندرجہ ذیل الفاظ میں اعلان کرتی ہوئی سابقہ تمام تجاویز پر پھر تصدیق ثبت کرتی ہے،

# اقلیت کے حقوق

کانگریس ہندوستان کے مسلمانوں اور دوسری اقلیتوں میں بڑھتے ہوئے سامراج کے مخالف جذبے اور جوش کا استقبال کرتی ہے، اور ہندوستان کی آزادی کی لڑائی میں، جو سب کے لیے ایک اور یکساں ہے، اور جو متحدہ قومی بنیاد ہی پر لڑی جا سکتی ہے، اس میں تمام فرقوں اور طبقوں کی متحدہ شرکت کا بھی استقبال کرتی ہے، کانگریس خاص طور پر اقلیتوں کی اُس کثیر تعداد کا جو پچھلے سال کانگریس میں شریک ہوئی ہے، اور آزادی اور استحصال سے نجات کی جدوجہد اور کشمکش میں اس نے جو اجتماعی طاقت پہنچائی اس کا بھی استقبال کرتی ہے،

ورکنگ کمیٹی نے اکتوبر ۱۹۳۷ء میں اپنی کلکتہ کی نشست میں اقلیتوں کے حقوق پر جو تجویز پاس کی تھی اسے یہ کانگریس منظور کرتی ہے، اور نئے سرے سے یہ اعلان کرتی ہے کہ ہندوستان کی اقلیتوں کے تمدنی، مذہبی اور لسانی حقوق کی حفاظت کرنا کانگریس کا پہلا فرض اور بنیادی پالیسی ہے۔ تاکہ حکومت کی کسی بھی ایسی اسکیم میں جس میں کانگریس شریک ہو (اقلیتوں) کو ترقی اور نشوونما کا زیادہ سے زیادہ موقع مل سکے، اور وہ قوم کی سیاسی اور اقتصادی اور کلچرل زندگی میں پورا پورا حصہ لے سکیں "

مذکورہ بالا اعلانات سے ظاہر و باہر ہے کہ خود کانگریس بھی جس متحدہ قومیت کو ہندوستان میں پیدا کرنا چاہتی ہے اس میں کوئی ایسی بات نہیں چاہتی جس سے اہل ہند کے مذہب یا ان کے کلچرل و تہذیب اور پرسنل لا پر کسی قسم کا ضرر رساں اثر پڑے، وہ فقط انہی امور کو درست کرنا اور سلجھانا چاہتی ہے جو کہ مشترک مفاد اور ضروریات ملکیہ سے تعلق رکھتے ہوں، اور جن کو پردیسی حکومت نے اپنے قبضے میں لے کر عام باشندگان ہند کو فنا کے گھاٹ اتار دیا ہے، عموماً یہ امور وہی ہیں جو کہ ٹاؤن ایریا، نوٹیفائڈ ایریا، میونسپل بورڈوں، ڈسٹرکٹ بورڈوں، کونسلوں، اسمبلیوں وغیرہ میں داخلی اور خارجی حیثیات سے طے کیے جاتے ہیں، ان میں کسی قوم یا مذہب میں جذب ہو جانا ملحوظ خاطر نہیں ہے، حالانکہ ان مجالس اور ایسوسی ایشنوں کے قواعد اجتماعیہ علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں، مگر نہ اہل ہند کو فی زمانہ ان سے مخلصی ہے، اور نہ ان میں شریک ہونا لادینی، الحاد، دہریت، انجذاب، انضمام وغیرہ مشترکہ شمار ہوتا ہے، اور نہ اس خوف سے ان مجالس سے کنارہ کشی ضروری سمجھی جاتی ہے؛

بہرحال ہم اگر تعلیماتِ اسلامیہ اور تواریخ قدیمہ پر نظر ڈالتے ہیں تو بھی ہم کو متحدہ قومیت کی بنیاد جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں غیر مسلم اقوام کے ساتھ ملتی ہے جس میں صاف تصریح موجود ہے کہ جملہ اقوامِ مشترکہ متحدہ اپنے اپنے مذہب اور دین میں آزاد رہ کر ضروریاتِ جنگ اور معاشیات وغیرہ میں ایک قوم اور ایک امت ہوں گی، اور اگر ہم وقائع حالیہ اور مسلماتِ زمانہ پر نظر ڈالتے ہیں تو بھی ہم دیکھتے ہیں کہ بلا نکیر ایسی ایسی سیکڑوں انجمنیں اور مجالس مسلم اور غیر مسلم افراد

واقوام سے مل کر بنتی رہتی ہیں، جن میں بسا اوقات غیر مسلم افراد اکثریت رکھنے ہوتے ہیں، اور ان میں کوئی مشترک وجہ باعثِ تخلیق اور باعثِ انہماک ہوتی ہے، خواہ وہ وجہ اتحادِ قصبہ ہو یا اتحادِ ضلع یا اتحادِ صوبہ یا اتحادِ مُلک، تجارتی اتحاد ہو یا علمی، فوجی اتحاد ہو یا معاشی، صنعتی اتحاد ہو یا شعبۂ سیاسی وغیرہ وغیرہ، مگر ان سب میں داخل ہونا اور ان میں جد وجہد کرنا نہ مخالفِ مذہب شمار کیا جاتا ہے، نہ مخالفِ قومیت، نہ ان میں خطرۂ الحاد و دہریت پیش آتا ہے نہ خوفِ انجذاب وانہضام،

## یورپ کی وطنیت اور قومیت سے خوف

ممکن ہے کہ یورپ نے وطنیت اور قومیت کو کسی خاص مفہوم اور کسی خاص ہیئت اجتماعیہ کے لیے استعمال کیا ہو، اور اس پر وہ گامزن ہو رہے ہوں، اور ان مقاصد اور نصب العین کو اپنے اپنے مذہبی اداروں کے مخالف پا کر مذہب کو سلام کر بیٹھے ہوں، یا مذہب کو صرف پرائیویٹ زندگی شمار کرنے لگے ہوں، مگر کیا یہ ضروری ہے کہ ہمارا اقدام متحدہ قومیت یا وطنیت کی طرف صرف انہی کیفیات اور لوازم کے ساتھ ہو جو کہ ان کے یہاں ملحوظ رہے ہیں، اور ان پر یہ حکم صادر کیا جائے کہ چونکہ متحدہ قومیت یا وطنیت کے معنیٰ یورپ میں یہ ہیں اور متصادم مذہبِ اسلام ہے، لہٰذا یہ حرام وممنوع ہے،

کون نہیں جانتا کہ آج جمہوریت کے متعلق یورپ نے بہت سی ایسی باتیں لازم کرلی ہیں جو کہ اسلام کی تعلیم میں نہیں پائی جاتیں یا اس کے

مخالف ہیں، تو کیا اس کی بنا پر یہ فتویٰ صادر کیا جائے گا کہ جمہوریت قائم کرنا اور اس کی آواز بلند کرنا حرام ہے؟ حالانکہ اس کی بنیاد اسلام ہی نے رکھی تھی،

کون نہیں جانتا کہ آج یورپ نے تجارتی اور صنعتی شرکتوں اور کمپنیوں کے لیے مختلف قوانینِ اجتماعیہ بنا رکھے ہیں، جن میں بہت سے امور قوانینِ اسلامیہ کے خلاف ہیں، تو کیا یہ فتویٰ صادر کیا جائے گا کہ تجارتی شرکتیں اور کمپنیاں یا صناعتی کمپنیاں اور اسی طرح کی مختلف شرکتیں بنانی ممنوع ہیں؟

علیٰ ہٰذا القیاس، فوجی قوانین اور اس کی ایسوسی ایشنیں، زراعتی قوانین اور اس کی ایسوسی ایشنیں وغیرہ وغیرہ ہیں، یقیناً ہم کو یہی کہنا پڑیگا اور یہی لازم بھی ہے کہ یہ انجمنیں بنانی ضروری ہیں، مگر اُن امور سے احتراز فرض ہے جو کہ خلافِ تعلیمِ اسلام ہوں، یہی امر ہم کو ملکی اور سیاسی انجمنوں میں بھی ملحوظ رکھنا پڑے گا، اگر کوئی بورڈ خواہ وہ قصبہ کا ہو یا ضلع یا صوبہ وغیرہ کا، خواہ وہ بار ایسوسی ایشن ہو یا ایجوکیشنل ایسوسی ایشن وغیرہ، جو امر بھی ہمارے مذہب کے خلاف صرف کریں، ہندوستانیوں کی متحدہ قومیت بنانے اور ان میں جذبۂ اتحادِ وطنی پیدا کر کے احساسِ آزادی کی غرض وغایت یہی ہے کہ اس پر دیسی اقتدار سے نجات حاصل کی جائے، جس نے نہ مذہب باقی رکھا ہے، نہ مال، نہ حکومت باقی رکھی ہے نہ قوت، نہ تجارت باقی رکھی ہے نہ دستکاری، نہ عزت باقی رکھی ہے نہ روٹی، نہ علم باقی رکھا ہے نہ ہنر، نہ زبان باقی رکھی ہے نہ قلم، نہ خزانے باقی رکھے ہیں نہ معادن، نہ خوش حالی باقی رکھی ہے نہ فارغ البالی، نہ عفت وعصمت باقی رکھی ہے نہ عروج و ترقی، نہ اخلاقِ حسنہ باقی رکھے ہیں نہ خودداری وعالی ہمتی، نہ اتحاد واتفاق باقی رکھا ہے نہ ہمدردی وانسانی شرافت وغیرہ وغیرہ،

اس نے ہر مذہب و ملت کو سرزمین ہندوستان میں فنا کے گھاٹ اتار دیا ہے، اور اُتارتا جاتا ہے، بالخصوص مسلمانوں کو تو اس نے اسفل السافلین کے درجے میں اپنی ڈپلومیسیوں سے پہنچا دیا ہے، اور پہنچاتا جا جارہا ہے، بنا بریں متحدہ قومیت کا جذبہ جو کہ ان مختلف مذاہبِ ہندیہ میں بجز وطنیت اور کسی ذریعے سے پیدا نہیں ہوسکتا، پیدا ہونا اور نہایت قوت کے ساتھ پیدا ہونا ازبس ضروری ہے، تاکہ جملہ اقوام ہندیہ دوش بدوش ہو کر جنگِ آزادی کریں، اور اپنے لیے زندگی اور بہبودی کی صورتیں پیدا کریں، دین اور دنیا کا تحفظ ان کے لیے صرف برطانیہ سے آزادی ہی ہوسکتا ہے، بغیر اس کے اور کوئی صورت ہرگز نہیں، متحدہ قومیت سے غرض ہی اشتراکِ عمل ہے، وہ مفہوم ہرگز نہیں جس کو ہمارے مخالف حضرات سمجھ رہے ہیں، کہ مذہبِ اسلام کو چھوڑ کر کسی ایسے نظام کے ماتحت آجائیں گے جو کہ لادینی اور دہریت کا مرادف ہو،

## ایک اصل خطرہ

باقی رہا یہ خطرہ کہ سیاسی مسائل میں روزمرہ کا انہماک، دوسری قوموں سے مل کر تنہا انتظامی امور اور دفاعی اشیاء پر انتہائی توجہ وغیرہ وغیرہ، دین اور مذہب سے بے پروا بنا دیں گے، اور رفتہ رفتہ یہ تمام ملتیں مٹ جائیں گی، اور صرف لادینی اس قوم کے افراد میں وجہ اشتراک رہ جائے گی، بالکل بے موقع ہے، یہ اسی وقت میں ہوسکتا ہے جب کہ مذہب کے تحفظ کا خیال اور مذہبی عزائم کی پختگی نہ ہو، بہرحال ضروری اور لازم ہے، اور

اسی بنا پر ہمیشہ ایسی ایسی تجاویز کانگریس میں آتی اور پاس ہوتی رہتی ہیں جن کی وجہ سے مذہبِ اسلام کے تحفظ اور وقار کو ٹھیس نہ لگے، یہ امور آجکل کے موجودہ حوادثاتِ سیاسیہ اور اقتصادیہ اور دیگر انجمنوں اور دنیاوی مشاغل سے بھی پیدا ہوئے اور پیدا ہو سکتے ہیں، بلکہ انگریزی تعلیمات کالجوں اور یونیورسٹیوں اور اسکولوں وغیرہ کی اس کے لیے بہت بڑا ذریعہ بنی ہیں، آج ان مراکز تعلیمیہ سے فارغ ہونے والے مسلمان فی صدی اسّی اور نوے ملحد اور بے دین ہیں، نہ اُن کی صورتیں اسلامی ہیں، نہ سیرتیں، نہ عقائد اسلامی ہیں نہ اعمال و اخلاق، بڑے بڑے دعویدار اسلامیت و مذہبیت ایسے ہیں جن کی صورت اور لباس میں اور انگریز کی صورت اور لباس میں فرق نہیں معلوم ہوتا، اور کیوں نہ ہو، خود لارڈ میکالے کا مقالہ ہے کہ:۔

"ہمارا مقصد ہندوستان میں تعلیم سے یہ ہے کہ ایسے لوگ پیدا ہوں جو کہ رنگت اور نسل کی حیثیت سے ہندوستانی ہوں، اور دل و دماغ کی حیثیت سے انگریز"۔

پھر کیا یہ فتویٰ صادر کیا جائے گا کہ انگریزی تعلیم اور انگریزی کالج، اسکول، یونیورسٹیاں سب کی سب گولی مارنے کے قابل ہیں، ان کے پاس پھٹکنا نہ چاہیے، حالانکہ اس تعلیم اور اس پروگرام کا یہ اثر مشاہدے میں بھی آچکا ہے، متحدہ قومیت کا یہ خطرہ ابھی تک خطرے ہی کے درجے میں ہے، یورپ میں جو حالات ہیں وہ مقیس علیہ بننے کے قابل نہیں، وہ ہمیشہ سے مادیت پرست ہیں، ان کے پاس پہلے بھی مذہب کہاں تھا، اور اگر تھا تو کس درجے کا تھا اور اور کیا تھا، نیز ان کے لیے تحفظِ مذہب کا کوئی دعویدار اور پروگرام بھی تھا، ہندوستان کے نوجوان اور تعلیم یافتہ مسلمانوں میں لادینی اور الحاد

دہریت کی زہریلی گیس انگریزوں کے اختلاط اور ان کی حکومت و تعلیمات وغیرہ سے روز افزوں ہے، باوجودیکہ نہ انگریز کسی قانون یا حکم کے ذریعے سے ان کو مجبور کرتا ہے، اور نہ وہ اکثریت میں ہی ہے، مگر مسلم عوام اور … بالخصوص نوجوانوں میں انگریز کی تقلید کا جذبہ اور شعائر و عاداتِ اسلامیہ سے نہ صرف بیگانگی بلکہ نفرت بڑھتی جارہی ہے، اس لیے اس کا سبب صرف متحدہ قومیت کو قرار دینا سخت غلطی ہے، اگر یہ ہوتا تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے حامی نہ ہوتے، ہاں اس کا اصلی سبب دین و مذہب سے ناواقف ہونا اور مذہب پر ناپختہ ہونا ہے، جو کہ انسان کو ہر تہذیب اور ہر مذہب کے سامنے جھکا دیتا ہے،

ہندوؤں نے صوبۂ یوپی اور بالخصوص ضلع دہلی میں باوجود مسلمانوں کے اقتدار و بادشاہت اور تقریباً ایک ہزار برس تک پوری شان و شوکت سے حکومت کرنے کے اپنی چوٹی، دھوتی، تہذیب، مذہب کسی کو نہ چھوڑا، ان مقامات میں فی صدی سولہ سے زیادہ مسلمان ترقی، نہ کر سکے، ان کی وجہ بجز ان کی پختگی مذہبی اور ذرائع تحفظِ مذہب کے اور کسی دوسری چیز کو قرار نہیں دیا جا سکتا، مصر وغیرہ میں دہریت و لادینی باوجود مسلمانوں کی اکثریت کے اور باوجود عدم متحدہ قومیت بین الملل کے نہایت سرگرمی کے ساتھ بڑھتی جارہی ہے، اور دور دراز ممالکِ ہندیہ وغیرہ میں بحمد اللہ بہ نسبت مصر و شام وغیرہ میں تدین بڑے درجے تک محفوظ ہے، کیا اس کو بجز رسوخ فی الدین اور حاملینِ مذہب کے ذرائع تحفظ میں سعی و اجتہاد کے کسی دوسری چیز کا مرہونِ منت قرار دیا جا سکتا ہے،

خلاصہ یہ کہ محض متحدہ قومیت کو بالخصوص ان تحفظات کے ہوتے

ہوئے دہریت والحاد و بے دینی ولا مذہبی کا ذریعہ قرار دینا معقول نہیں ہے، اور انہماک تو کسی چیز میں جب کہ وہ غیر مذہب ہو دین سے غفلت اور لادینی لاتا ہی ہے،

## نظامِ اسلامی کی
# دوسرے نظام کے ساتھ شرکت

اسی طرح یہ کہنا کہ نظامِ اسلامی اور اس کا پابند کسی دوسرے نظام کے ساتھ شریک ہی نہیں ہو سکتا، غیر قابلِ قبول امر ہے، قوانینِ اسلامیہ اور احکامِ شرعیہ نے اگرچہ بہت سے امور میں کوئی نہ کوئی تجویز قائم کردی ہے، مگر بے شمار امور کو زیر اباحت و اجازت رکھا ہے، جن میں ہم کو اختیار ہے کہ اپنی صوابدید کے مطابق عمل کریں، انہی امور میں بادشاہتیں اور ان کے احکام اور انجمنیں وغیرہ اپنے اپنے آراء و اعمال کو کام میں لاتی رہتی ہیں، زراعتی یا تجارتی یا صناعتی انجمنیں یا دیگر مجالس اگر اس قسم کی تجاویز بنائیں اور اس کے عملی کارناموں پر گامزن ہوں تو ہم کو ان میں شریک ہونا باوجود اسلامیت کسی طرح بھی ممنوع نہ ہوگا، بہت سے اجتماعی احکامِ شریعت میں ایسے بھی ہیں جو کہ صرف اسلامی بادشاہت پر موقوف رکھے گئے ہیں، ان کے مخاطب افراد نہیں ہیں بلکہ سلاطین اور خلفائے اسلام ہیں، جب سلطنت حاصل نہ ہو افراد و احادِ اسلام کو ان پر عمل کرنا نہ لازم ہوگا نہ مباح، ایسی حالت میں احاد کا فریضہ صرف یہ ہوگا کہ وہ حسبِ استطاعت صرف اس کی جد و جہد

کریں کہ اسلامی حکومت قائم ہو، عموماً حدود و قصاص، تعزیرات وغیرہ، اسی قبیل سے ہیں، اس سے پہلے ان کو مباح و جائز ہوگا کہ مصالح ملکیہ کے قریب تر اور مناسب تر احکام کو جاری کرانے کی تدابیر کریں، پس ایسے اجتماعی احکام کی آڑ لے کر اسلام کو کسی دوسرے اجتماعی اداروں سے ممنوع الاتحاد والاجتماع قرار دینا کس طرح قرین صواب ہو سکتا ہے؟

# ایک شخصی قوم میں مختلف حیثیات کا اجتماع ناممکن ہے

جس طرح ایک شخص ایک زمانے میں ایسی مختلف حیثیتوں کو شخصی طور پر جمع کر سکتا ہے جن کے فرائض منصبی اور لوازم جدا جدا ہو سکتے ہیں (کسی کا باپ، کسی کا بیٹا، کسی کا داماد، کسی کا خسر، کسی کا استاد، کسی کا شاگرد، کسی کا بادشاہ، کسی کا مرید ہو سکتا ہے، اور ہر ایک کے فرائض جدا جدا ادا کر سکتا ہے) اسی طرح وہ مختلف جماعتوں اور انجمنوں کا بھی ایک زمانے میں ممبر ہوتا ہوا ان کے اصولِ مختلفہ اور قوانینِ متشتتہ کا پابند بھی ہو سکتا ہے، ممکن ہے وہ ایک طرف بار ایسوسی ایشن کا ممبر ہو، اور دوسری طرف میونسپل بورڈ یا صوبہ یا ملک کی اسمبلی کا ممبر بھی ہو، اور اسی زمانے میں ٹریڈ یونین اور ایجوکیشن بورڈ وغیرہ سے بھی تعلق رکھے، اور سب کے فرائض ادا کرے،

بعینہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ کسی ایک ملک یا متعدد غیر مسلم جماعتوں کے ساتھ وطن یا پیشہ یا نسب وغیرہ کی بناء پر متحدہ قومیت بھی رکھے،

اور تمام عالم کی اقوامِ مسلمہ کے ساتھ وہ اتحادِ ملّت کا علمبردار بھی ہو، اور ہر ایک کے ساتھ حسبِ معاہدہ اور حسبِ ہدایاتِ مذہب فرائضِ منصبیہ کو پوری طرح ادا کرتا رہے، قرآن شریف میں ہے :

وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ

(سورۃ انفال، آیت ۷۲)

(ترجمہ) "اور اگر وہ تم سے مدد چاہیں دین میں تو تم کو لازم ہے ان کی مدد کرنی، مگر مقابلے میں اُن لوگوں کے کہ اُن میں اور تم میں عہد ہو، اور اللہ جو تم کرتے ہو اس کو دیکھتا ہے"

آیتِ مذکورہ صاف طور سے واضح کر رہی ہے کہ اسلام کی عالمگیر برادری کے ساتھ مسلمان غیر مسلم قوم سے بھی تعلقات قائم کر سکتا ہے، اور اسلامی برادری کی امداد و اعانت کرتا ہوا ان معاہدوں کی پابندی کرنے کا بھی جو اس نے غیر مسلم قوم کے ساتھ کیے ہوں مکلف ہو سکتا ہے' بلکہ اس امر کا بھی مکلف ہوگا کہ اگر کوئی دفعہ اس معاہدے کی جو اس نے کسی غیر مسلم قوم سے کیا تھا اسلام کی عالمگیر برادری کی امداد و اعانت کے خلاف واقع ہو تو اس کو دفعہ کی پابندی کرنی ہوگی، اور اسلام کی عالمگیر برادری کی اعانت سے اس وقت دست کشی کرنی ضروری ہوگی'

خلاصہ یہ کہ مسلمانانِ ہند، ہندوستان میں رہ کر اور یہاں کے غیر مسلم اقوام کے ساتھ ایک قوم ہندوستانی بن کر مسلمان بھی رہ سکتے ہیں، اور اپنے مذہب، کلچر، پرسنل لا، زبان، حقوق کے محافظ بھی ہو سکتے ہیں، اور ان کے تحفظ کے لیے ہر قسم کی تدابیر بھی عمل میں لا سکتے ہیں، اور ان سب امور کے ساتھ ساتھ تمام عالمِ اسلامی کے ساتھ (خواہ وہ افغانستان کے باشندے ہوں یا ایران، عراق، حجاز، یمن، شام، فلسطین، مصر، ایشیائے کوچک، وسط ایشیا، افریقہ، یورپ، امریکہ کے) اسلامی تعلقات قائم کر سکتے ہیں، اور حسبِ ہدایاتِ اسلامیہ تمام فرائض یگانگت و اتحادِ دینی ادا کر سکتے ہیں، ان کے آپس میں تعارض ہے ہی نہیں، اس کی بناء پر نہ ان کے آپس میں علائقِ اسلامیہ اور رشتۂ یگانگت میں فرق ———

پڑتا ہے اور نہ دوسرے ملکوں کے مسلمانوں کے رشتہٴ یگانگت میں کوئی تصادم ہوسکتا ہے،

رئیس الاحرار مولانا محمد علی مرحوم راؤنڈ ٹیبل کانفرنس (گول میز کانفرنس) میں ______ آخری تقریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ایک لفظ میں مسلمانوں کی پوزیشن کے متعلق کہنا چاہتا ہوں، جس کی تفصیل میں دوسرے موقع پر کروں گا، انگلستان میں اکثر لوگ ہم سے سوال کرتے ہیں کہ سیاسیات کو اس سے (مذہب سے) علیحدہ کر دیں، یہ کوئی شدت آمیز عقیدہ نہیں ہے، نہ یہ ظاہری رسوم کا مجموعہ ہے، مذہب میرے خیال کے مطابق حیاتِ انسانی کی تشریح کا نام ہے، میرے پاس ایک تمدن ہے، ایک ضابطہٴ اخلاق ہے، زندگی کا ایک نظریہ ہے، اور حیاتِ اجتماعی کے لیے ایک مکمل نظام ہے، جس کو اسلام کہتے ہیں، خدائے برتر کے حکم کے سامنے میں اولاً مسلمان ہوں دوئم مسلمان ہوں اور آخر مسلمان ہوں اور سوائے مسلمان کے کچھ نہیں ہوں، اگر تم مجھ سے اپنی قوم اور اپنی سلطنت میں اس نظام، اس ضابطہٴ اخلاق اور اس شریعت کو چھوڑ کر شریک ہونے کے لیے کہوگے تو میں اس کے لیے تیار نہ ہوں گا، یہ میرا پہلا فرض اپنے خالق کی جانب سے مجھ پر عائد ہوتا ہے، اور یہی ڈاکٹر مونجے کا خیال ہے، اور جہاں تک اس فرض کا تعلق ہے ان کو پہلے ہندو ہونا چاہیے اور مجھ کو پہلے مسلمان، لیکن جن امور کا ہندوستان سے تعلق ہے، ہندوستان کی آزادی سے تعلق ہے، ہندوستان کی فلاح

وبہبودی سے تعلق ہے میں اول ہندوستانی ہوں، دوئم ہندوستانی ہوں اور آخر ہندوستانی ہوں اور ہندوستانی کے سوا کچھ نہیں (نعرۂ تحسین)۔

میں ان مساوی المساحت دائروں سے تعلق رکھتا ہوں جن کے دو مرکز ہیں، ایک ہندوستان، دوسرا دنیائے اسلام، جب میں ۱۹۲۰ء میں وفدِ خلافت کے صدر کی حیثیت سے انگلستان آیا، تو میرے دوستوں نے مجھ سے کہا کہ آپ کو اپنے سامان کے لیے کوئی نشان خصوصی مقرر کر لینا چاہیے، میں نے اس پر عمل کیا، اور اس کو دو دائروں میں تقسیم کر دیا، ایک دائرے میں لفظ "ہندوستان" تھا اور دوسرے دائرے میں "اسلام" لفظ خلافت کے پہلو میں موجود تھا، ہم بحیثیت مسلمانانِ ہند دونوں دائروں میں شامل ہیں، اور ان دونوں دائروں سے تعلق رکھتے ہیں جس میں سے ہر ایک تیس کروڑ نفوسِ انسانی پر مشتمل ہے، یہ اس وقت کے انکشافاتِ مردم شماری پر مبنی ہے، بعد کے انکشافات بتلا رہے ہیں کہ دائرۂ اسلام ساٹھ کروڑ سے زیادہ نفوسِ انسانی اپنے اندر رکھتا ہے، اور دائرۂ ہندوستان ۳۵ کروڑ پر مشتمل ہے، اور ہم ان میں سے کسی کو چھوڑ نہیں سکتے، ہم قوم پرست نہیں ہیں، بلکہ ہمارا ملک اس سے بہت زیادہ وسیع ہے،، (مدینہ بجنور، مورخہ ۲ فروری ۱۹۳۸ء)

الغرض ہمارے سامنے دو مسئلے در پیش ہیں، ایک ذاتی اور دائمی مسئلہ ہے، اور دوسرا عارضی اور خصوصی،

پہلا مسئلہ ؛ نجاتِ عامہ کا ہے، جس میں عالمِ بشری کو خداوند برتر کے عذابِ دائم اور اس کے غضب سے رستگاری اور خلاصی دلانا، اس کی روحانی آلودگیوں اور کثافتوں کو دور کرنا، اور ہر دو عالم کی حقیقی ترقیوں کو حاصل کرنا اور حیاتِ ابدی اور فلاحِ سرمدی پر فائز ہونا مقصود ہے، یہی نصب العین مذہبِ اسلامی اور اس کے مقدس بانیؑ کا ہے، اس مقصد کے حصول کے لیے مذہب کے عالمگیر قوانین ہمیشہ سے تمام عالمِ اسلامی میں کارفرما ہیں، اور رہنے چاہییں، ان میں کوتاہی اور ادنیٰ درجے کی بھی تقصیر نہ صرف مسلمانوں کو ضرر رساں ہے بلکہ تمام عالمِ بشری کو نقصان پہنچانے والی ہے،

دوسرا مسئلہ ؛ ہندوستان اور اس کے باشندوں کی موجودہ مصائب سے نجات کا ہے، یہ مسئلہ عارضی اور خصوصی ہے، اور صرف اس زمانے تک ہے جب تک کہ تمام باشندگانِ ملک حلقۂ اسلام میں داخل ہو جائیں؛ سب کے سب مسلمان ہو جانے کے بعد اس کا مطالبہ نہیں رہ سکتا، جیسا کہ میں پہلے بھی عرض کر آیا ہوں کہ اس پردیسی اور خود غرض اور سنگدل اور وحشی قوم کے تسلطِ جابرانہ نے تمام ہندوستانیوں اور بالخصوص یہاں کے مسلمانوں کو ہر طرح سے فنائیت کے درجہ تک پہنچا دیا ہے، جیسا کہ ڈبلیو ایس بلنٹ کہتا ہے :

> میں ہندوستان کے مالیہ کے اسرار بہترین استادوں سے حاصل کر رہا ہوں، اور یہ مسلم گورنمنٹ کے سیکریٹری اور کمشنر وغیرہ ہیں، میں اس مطالعے سے جس نتیجے پر پہنچا ہوں وہ یہ ہے کہ اگر ہم ملک کو اسی طرح ترقی دیتے رہے تو ایک دن وہ آئے گا کہ جب کہ

ہندوستانی مجبور ہو کر ایک دوسرے کو کھانے لگیں گے، کیوں کہ
ان کو کھانے کے لیے سوائے اپنے ہم جنسوں کے دوسری چیز ہی
نہ مل سکے گی۔"

قریبی زمانے میں اہلِ ہند کے لیے سوائے ہر قسم کی ہلاکت اور بربادی کے اور کوئی صورت نہ ہوگی، پھر یہ بھی نہیں کہ یہ بربادی صرف حدودِ ہندوستان تک محدود ہو، بلکہ اس غلامی اور اس تسلط کی وجہ سے دوسرے ممالک کی مشرقی اقوام اور اسلامی ممالک کی آزادی اور رفاہیت، بلکہ زندگی بھی روز بروز فنا کی جارہی ہے، ہندوستانی فوجیں، ہندوستانی خزانے، ہندوستانی اسلحہ، ہندوستانی رسیدیں وغیرہ، دوسرے ممالک اور اقوام کی بربادی کا ذریعہ بنائے جاتے ہیں اور بنائے جا چکے ہیں، مسٹر پیٹر فریمین ممبر ہاؤس آف کامنس اور صدر کامن ویلتھ آف انڈیا لیگ کہتا ہے:

"بعض اوقات کہا جاتا ہے کہ اگر ہندوستان کو ہوم رول مل گیا
تو عوام جمہور پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑے گا، ایک سو برس کے
برطانوی راج سے جو مصیبت ہندوستان پر نازل ہوئی ہے
اس سے زیادہ مصیبت ناممکن ہے۔" (مدینہ بجنور جلد ۱۹ نمبر ۲۲،
مورخہ ۲۵ مارچ ۱۹۳۰ء از انڈین نیوز لندن)

سر جان شور ۱۸۳۳ء میں لکھتا ہے:

"انگریزی حکومت کی پیس ڈالنے والی زیادہ ستانی نے ملک اور
اہلِ ملک کو اتنا مفلس کر دیا ہے کہ اس کی نظیر ملنی مشکل ہے۔"

سر ولیم ڈگبی پراسپرس برٹش انڈیا میں لکھتا ہے: (۱۹۰۱ء)

"مگر اس میں شبہ نہیں کہ آج ہندوستان اس سے زیادہ شرمناک طریقے پر لُوٹا جا رہا ہے جتنا کہ اس سے پہلے کبھی لوٹا گیا تھا، ہماری ابتدائی حکومت کی باریک چابک اب آہنی زنجیر بن گئی ہے، کلائیو اور ہسٹنگز کی لُوٹ اس نکاسی کے مقابل ہیچ ہے، جو روز افزوں ترقی کے ساتھ ایک ملک کو دوسرے ملک کا خونِ جان بہا کر مالامال کر رہا ہے"

ہندوستان پر اس جابر و بے رحم، سنگدل حکومت کی وجہ سے جن جن مصائب کے پہاڑ ٹوٹے ہوئے ہیں، اور جس طرح یہاں کے باشندے برباد ہوئے اور ہوتے جا رہے ہیں، ان کی تفصیل کی کہانی اگر انگریز مصنفوں کی ہی زبانی لکھی جائے تو اس کے لیے بھی دفتر کے دفتر ضروری ہیں، ان مصائب سے تمام ہندوستانی بالخصوص مسلمان بہت زیادہ برباد ہو رہے ہیں، اس لیے از بس ضروری ہے کہ جس قدر بھی ممکن ہو جلد از جلد اس سے نجات کی کوئی صورت اختیار کی جائے، اور اس کو تمام ہندوستانی اقوام کے مسلمان ہو جانے تک مؤخر نہ کیا جائے، اگر خالص اسلامی حکومت قائم کرنے کی سرِ دست نہ ہو تو اہون الضررین اور اخف البلیتین کو ضرور بالضرور عمل میں لایا جائے، جو کہ شرعی حکم ہے، جو کہ فریضۂ جہاد ادا کرنے اور اس کے عمل میں لانے کے لیے کسی خاص ہتھیار اور خاص طریقۂ جنگ کی قید نہیں ہے، بلکہ ہر وہ عمل اور ہر وہ ہتھیار جو کہ دشمن کو زک پہنچا سکے، اور اس کے اقتدار اور شوکت میں ضرر رساں ہو، وہ اختیار کرنا لازم اور واجب ہوگا، یہی مقصد آزادیٔ ہند اور سوراج اور مکمل آزادی کے الفاظ سے ادا کیا جاتا ہے،

یورپ نے عموماً اور برطانیہ نے خصوصاً عالمِ انسانی میں اسلام کو جس قدر

نقصان پہنچایا ہے، اس سے پہلے کبھی کسی قوم اور ملک نے نہیں پہنچایا تھا،
صرف افریقہ اور ایشیا سے بہتر لاکھ چوہتر ہزار چھ سو تیس میل مربع (۷۲،۷۴،۶۳۰)
مسلمانوں کی جائیداد چھینی گئی، اور اگر یورپ کی بھی مسلم جائیدادوں کو ملا لیا
جائے تو تقریباً نوے لاکھ مربع میل سے زائد اس سرزمین کا حصہ پڑے گا،
جہاں پر اسلامی اقتدار کا خاتمہ کیا گیا ہے، اور عیسائی اقتدار کو قائم کیا گیا ہے،
چونکہ اس آزادی کے لیے حسب تجربہ و عقل سب سے کارآمد چیز ہندوستانیوں
کے لیے متحدہ قومیت ہے، اس لیے برطانوی ارباب سیاست کو یہ چیز نہایت
زیادہ کھٹکتی رہی ہے، اور آج تو اور بھی زیادہ خطرہ ان کو دکھلائی دے رہا
ہے، اسی بنا پر ہندوستان کی حکومت کے لیے ڈیوائڈ اینڈ رول ...
(لڑاؤ اور حکومت کرو) کا زہریلا نسخہ تجویز کیا گیا، اور ابتدا سے یہی ناپاک
زہر خوشگوار اور میٹھے شربتوں میں حل کر کے پلایا گیا، اور آج تک پلایا جا رہا
ہے، جس کی وجہ سے برطانوی اقتدار اپنی پوری قوت کے ساتھ قائم ہوا،
اور خدا جانے کب تک قائم رہے گا، جس کا اعتراف سر جان مینارڈ
وغیرہ مدبرین برطانیہ کو ہمیشہ سے رہا ہے، اور اسی خطرے کو پروفیسر سیلے
ایکسپنشن آف انگلینڈ میں مذکورۂ ذیل الفاظ میں ظاہر کرتا ہے:

"اگر ہندوستان میں متحدہ قومیت کا کمزور جذبہ بھی پیدا
ہو جائے اور اس میں اجنبیوں کے نکالنے کی کوئی عملی روح نہ
بھی ہو، بلکہ صرف اس قدر احساس عام ہو جائے کہ اجنبی حکومت
سے اتحادِ عمل ہندوستانیوں کے لیے شرمناک ہے تو
اسی وقت سے ہماری شہنشاہیت کا خاتمہ ہو جائے گا، کیونکہ
ہم در حقیقت ہندوستان کے فاتح نہیں ہیں، اور نہ اس پر

فاتحانہ حکمرانی کرسکتے ہیں، اگر ہم اس طرح کی حکومت کرنی بھی چاہیں گے
تو اقتصادی طور پر قطعاً برباد ہو جائیں گے“

اسی بنا پر مدبرین برطانیہ کی ساحرانہ چالیں عرصۂ دراز سے بلکہ ابتدائی تسلط سے بروئے کار آئیں، اور آج تک سرگرم فسوں کاری ہیں، لٹریچر لکھے گئے، تصانیف کی گئیں، لکچر دیئے گئے، پمفلٹ شائع کیے گئے، ہندوستانی سادہ لوحوں کو سمجھایا گیا، ان کے دل اور دماغ کو ماؤف بنایا گیا، جو چیز یورپ کے لیے تریاق بنائی جاتی تھی اسی کو ہندوستانیوں اور بالخصوص مسلمانوں کے آگے زہر ہلاہل دکھایا گیا (دیکھو مسٹر بیک اور مسٹر مارسین وغیرہ پرنسپل علی گڑھ کے آرٹیکل لکچر اور کارنامے) ان کے قلوب میں اس کی نفرت بٹھائی گئی اور بتایا گیا کہ اس سے تمھاری مذہبیت کی روح فنا ہو جائے گی، تمھاری مذہبی تعلیم، مذہبی فرائض اور احکام مذہبی اتحاد و انتظام سب کے سب برباد ہو جائیں گے، آج اس فلسفے کے پروپیگنڈے کے لیے علمبردارانِ مذہب اور حاملانِ شریعت پر آوازے کسے جاتے ہیں، اور مغرب زدہ تفریج میں مبتلا ہونے والے علماء مغربی لعنت میں گرفتار مذہبی پیشوا وغیرہ کے الفاظ خادمینِ دین کے متعلق استعمال کیے جاتے ہیں، اور تعجب ہے کہ وہ اشخاص جن کی عملی زندگی مذہب اور اہلِ مذہب سے کسی لگاؤ کا ثبوت نہیں دیتی وہ مذہب اور تدین میں ہمیشہ سے غرق ہونے والے خدامِ مذہب پر ایسے آوازے کستے ہیں،

بہرحال ساحرینِ برطانیہ کا یہ جادو بہت زور شور سے عرصے سے چل رہا ہے، سرسید جیسا قومی غیور اور جری، ذکی الطبع انسان جس نے اپنی سیاسی اور قومی ہمدردی و بہادری کا ثبوت اپنی کتاب ”اسبابِ

بغاوتِ ہند" اور دیگر عملی زندگیوں سے دیا تھا، اور ہندوستانی متحدہ قومیت کے متعلق مندرجہ ذیل الفاظ تک کہتا ہے :

"قوم کا اطلاق ایک ملک کے رہنے والوں پر ہوتا ہے، یاد رکھو! کہ ہندو اور مسلمان ایک مذہبی لفظ ہے، ورنہ ہندو اور مسلمان اور عیسائی بھی جو اس ملک کے رہتے والے ہیں اس اعتبار سے سب ایک قوم ہیں، جب یہ سب گروہ ایک قوم کہے جاتے ہیں تو ان سب کو ملکی فائدے میں جو ان سب کا ملک کہلاتا ہے ایک ہونا چاہیے، اب وہ زمانہ نہیں کہ صرف مذہب کے خیال سے ایک ملک کے باشندے دو قومیں سمجھی جائیں"

(مجموعہ لیکچر سرسید، ص ۱۶۰، روشن مستقبل ص ۲۵)

دوسرے موقع پر :

جس طرح آریہ قوم کے لوگ ہندو کہلاتے ہیں اسی طرح مسلمان بھی ہندو یعنی ہندوستان کے رہنے والے کہلاتے جاتے ہیں"

(سرسید کے آخری مضامین ص ۵۵)

تیسرے موقع پر :

"آپ نے جو لفظ (اپنے لیے) ہندو کا استعمال کیا ہے وہ میری رائے میں درست نہیں، کیونکہ ہندو میری رائے میں کسی مذہب کا نام نہیں ہے، بلکہ ہر شخص ہندوستان کا رہنے والا اپنے تئیں ہندو کہہ سکتا ہے، پس مجھے نہایت افسوس ہے کہ آپ مجھ کو باوجود اس کے میں ہندوستان کا رہنے والا ہوں

ہندو نہیں سمجھتے "

(سفرنامہ پنجاب سرسید ص ۱۳۹، روشن مستقبل ص ۲۷۱)

ہندو مسلم اتحاد کے بارے میں:

"ہم نے متعدد دفعہ کہا ہے کہ ہندوستان ایک خوب صورت دلہن ہے، اور ہندو اور مسلمان اس کی دو آنکھیں ہیں، اس کی خوب صورتی اس میں ہے کہ اس کی دونوں آنکھیں سلامت و برابر رہیں، اگر ان میں سے ایک برابر نہ رہی تو وہ خوبصورت دلہن بھینگی ہو جائے گی، اور اگر ایک آنکھ جاتی رہی تو کانی ہو جائے گی"

(سرسید کے آخری مضامین، ص ۵۵)

مسٹر بیک اور مسٹر ماریسن اور مسٹر آرچبولڈ وغیرہ انگریزوں کی سحر نوازیوں سے اس قدر مسحور ہوا ... کہ نہ صرف متحدہ قومیت میں شرکت کرنے اور اس کی ترغیب دینے سے گریز کرنے لگا بلکہ کانگریس اور سیاسیات کی مخالفت کرنے اور متحدہ قومیت سے مسلمانوں کو نفرت دلانے اور انگریزی حکومت کی تقویت وغیرہ میں بیش از بیش حصہ لینے لگا، اور اسی کو مسلمانانِ ہند کے لیے آبِ حیات سمجھنے لگا، چنانچہ مولانا شبلی مرحوم مسلم گزٹ لکھنؤ میں فرماتے ہیں:

"وہ پُر زور دست و قلم، جس نے رسالہ اسباب بغاوت ہند لکھا تھا اور اس وقت لکھا تھا جب کہ کورٹ مارشل کے شعلے ہیبت ناک بلند ہو رہے تھے، وہ بہادر جس نے پنجاب یونیورسٹی کی مخالفت میں لارڈ لٹن کی اسپیچوں کی دھجیاں

اڑا دی تھیں، اور جو کچھ اس نے ۳ آرٹیکلوں میں لکھا، کانگریس کا لٹریچر حقوق طلبی کے متعلق اس سے زیادہ پُر زور لٹریچر نہیں پیدا کر سکتا، وہ جانباز جو آگرہ کے دربار سے اس لیے برہم ہو کر چلا آیا تھا کہ دربار میں ہندوستانیوں اور انگریزوں کی کرسیاں برابر درجے پر نہ تھیں، وہ انصاف پرست جس نے بنگالیوں کی نسبت کہا تھا کہ میں اقرار کرتا ہوں کہ ہمارے ملک میں صرف بنگالی ایسی قوم ہیں جن پر ہم واجبی طور پر فخر کر سکتے ہیں، اور یہ صرف انہی کی بدولت ہے کہ علم و آزادی اور حب الوطنی کو ہمارے ملک میں ترقی ہوئی، میں صحیح طور پر کہہ سکتا ہوں کہ وہ بالیقیں ہندوستان کی قوموں کے سرتاج ہیں، حالات اور گردو پیش کے واقعات نے اس کو اس پر مجبور کیا کہ اس نے تمام اسلامی پبلک کو پالیٹیکس سے روک دیا، یہ کیوں ہوا کن اسباب سے ہوا، کس چیز نے دفعتًہ یہ اختلاف پیدا کر دیا، ان سوالات کا جواب دینا غیر ضروری بلکہ مضر ہے، آج اجتہاد اور تقلید سے آزادی کا زمانہ ہے"۔

(روشن مستقبل ص ۳۲۱)

غرضکہ جادوگران برطانیہ نے اپنی ساحرانہ کارگزاریوں سے سرسید جیسے تجربہ کار عقلمند شخص کو نہ صرف متحدہ قومیت سے بلکہ پالیٹیکس اور آئینی جدوجہد سے بھی روکا، اور اسی کے ذریعہ سے مسلمانوں کو ہمیشہ سیاسیات سے علیحدہ رکھوا کر بالکل نابلد اور ڈرپوک بنوا دیا، پھر اگر ڈاکٹر اقبال مرحوم اس سحر سے مسحور رہیں تو کیا تعجب ہے، برطانیہ کی ملوکانہ اغراض معلوم ہیں،

اس کے افراد کی عیارانہ چالیں معلوم ہیں، اس کے پروپگینڈے کی نیرنگیاں معلوم ہیں، ہندوستانی تو درکنار یورپ کی بڑی بڑی بادشاہتیں ہمیشہ ان سامریوں کے عجیب وغریب سحر سے مسحور ہوتی رہی ہیں، جس کا خود ان کو اعتراف ہے، برطانیہ نے اقوامِ عالم ہی نہیں بلکہ شاہانِ عالم کی آنکھوں میں بھی دھول ڈال کر ان کو اندھا کیا، اور ہمیشہ اپنا اُلو سیدھا کیا،

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اہلِ ہندوستان عموماً اور ہندوستانی مسلمان خصوصاً انتہائی مصائب میں فی زماننا مبتلا ہیں، ان سے نجات حاصل کرنا اور آئندہ کے لیے ایسے مصائب سے تحفظ کرنا اور ضروریاتِ زندگی کی .. رفاہیت اور فارغ البالی حاصل کرنا ایک خصوصی مسئلہ ہے، جس کا تعلق صرف سرزمینِ ہند اور اس کے بسنے والوں سے ہے، اور صرف حیاتِ دنیاوی سے ہے، جو حیاتِ اُخروی کے سامنے ایک عارضی اور ظلی چیز ہے، اور جب تک کسی ملک میں مختلف قومیں اور مختلف مذاہب بستے ہیں جب ہی تک اس کی ضرورت ہے، سب کے مسلمان ہوجانے کے بعد جو کہ اولین اور اصلی مقصد ہے، یہ باقی نہیں رہتا، اسی بنا پر ہم نے اس کو عارضی کہا اور خصوصی کہا تھا، جیسا کہ ہم پہلے عرض کر آئے ہیں، مسلمانانِ ہند کو دونوں مسئلوں میں پوری طرح حصہ لینا شرعاً، عقلاً، انسانیۃً سیاسۃً ضروری اور لازم ہے، ایک میں حصہ لینا دوسرے کے منافی نہیں اور پہلے مسئلے کی وجہ سے دوسرے سے روکنا یہ معنی رکھتا ہے کہ جب تک تمام ہندوستان کے باشندے مسلمان نہ ہوجائیں مسلمانانِ ہند موجودہ مصائب کے دور کرنے میں کوئی حصہ نہ لیں، بالخصوص جب کہ مسلمانانِ ہند کی موجودہ طاقت کامیابی کے لیے کافی نہیں ہے، تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ اُن کو

بے دست و پا بن کر قبرستان میں دفن ہو جانا چاہیے،

جو کچھ ہم نے عرض کیا ہے یہی رائے رئیس الاحرار مولانا محمد علی صاحب مرحوم کی بھی تھی، اور یہی رائے حضرت شیخ الہند مرحوم و مغفور کی تھی، اور یہی رائے مناسب اور صحیح ہے، پہلا مسئلہ چونکہ دائمی اور اصل الاصول ہے اور وہی مقصدِ بعثت اور رسالت کا ہے، اس لیے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش اور صنادیدِ مکہ سے اسی کا مطالبہ کیا تھا، اور دوسرا مسئلہ عارضی اور شخصی تھا اس لیے بضرورتِ زمانہ اس کا مطالبہ قبائلِ یہود وغیرہ سے مدینہ منورہ میں (باوجود نزول آیاتِ جہاد) کیا، اس پر آوازہ کسنا بجز نادانی اور ناواقفی اور کیا قرار دیا جا سکتا ہے،

بہرحال آج برطانیہ کی انتہائی کوشش یہی ہے کہ ہندوستانی مسلمان سیاسیات کے میدان میں نہ آئیں، اور نہ متحدہ قومیت میں شامل ہو کر بیک آواز آزادی کے میدان میں اُتر کر برطانوی اقتدار کا ہندوستان سے خاتمہ کریں، کیونکہ اس سے تمام برطانوی قوم کو اشد ترین نقصان پہنچے گا، جو لوگ مسلمانوں کو اس میدانِ سیاست میں اُترنے سے روک رہے ہیں، اور متحدہ قومیت کو بھیانک صورت میں ظاہر کر کے نفرت دلا رہے ہیں بلا شک و شبہ برطانیہ کی ایسی عظیم الشان خدمات انجام دے رہے ہیں جو کہ اس کی افواج اور اسلحہ سے بھی انجام نہیں پا سکتیں،

والی اللہ المشتکی،

ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی
کیں رہ کہ تو میروی بانگلستان ست

# آخری گذارش

ہم اس عرض کے بعد اپنی تجویز کو اس فلسفیانہ تقریر اور شاعرانہ تخیل کے جوابات سے طویل اور دراز کرنا مناسب نہیں سمجھتے ہیں جو جناب ڈاکٹر صاحب مرحوم نے اپنے فلاسفری دماغ سے تراش کرکے ذکر فرمائی ہے، مقاصد اصلیہ کو ہم نے واضح کر دیا ہے، وہ تقریر یونانی یا یوروپی فلسفہ اور اسی کی زبان ہے، جس کی طرف خود جناب ڈاکٹر صاحب مرحوم توجہ کرنا خلافِ دیانت سمجھتے ہیں،

آخر میں ہم دعاء کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جناب ڈاکٹر صاحب مرحوم کو اپنی مغفرت اور فضل سے نوازے، اور ان کے متوسلین اور پسماندگان کو اور ہم کو اور تمام مسلمانوں کو اپنی مرضیات کی توفیق عطاء فرمائے، اور گمراہی و ضلالت سے محفوظ رکھے، آمین،

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ط

# محمد علی جناح کا پر اسرار معمہ اور اُس کی حقیقت

## جمعیت مسلم لیگ اتحاد اور جناح صاحب کے نقضِ عہد کی داستان

از قلم حقیقت رقم

جانشین شیخ الہندؒ حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

ناشر

مجلسِ یادگارِ شیخ الاسلامؒ۔ پاکستان

کراچی

# محمد علی جناح کا پراسرار معمّہ

## اور اس کی حقیقت

| فہرست | | صفحہ |
|---|---|---|

# حرفے چند

حضرت شیخ الاسلام کا یہ مضمون اولاً ذی قعدہ ۱۳۵۷ھ مطابق جنوری ۱۹۳۹ء میں رسالہ قاید مراد آباد میں، مدینہ بجنور اور وقت کے بعض اور اخبارات میں شایع ہوا تھا اور اس کے بعد ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۹۴۵ء میں حاجی محمد نعمت اللہ بہاری ناظم جمعیت علماے ہند کلکتہ نے محبوب المطابع کلکتہ سے چھپوا کر ۱۹۴۵ء کے الیکشن کے موقع پر شایع کیا تھا۔ اس میں حضرت شیخ الاسلام کے قلم سے ایک ضمیمہ بھی تھا، جس میں بعض شبہات کا ازالہ کیا گیا تھا۔ اسی زمانے میں اس کی ایک اشاعت دہلی سے ظہور میں آئی تھی۔ اسے مولانا سید محمد میاں نے دلی پرنٹنگ ورکس، دہلی میں چھپوا کر جمعیت علماے ہند کے دفتر دہلی سے شایع کرایا تھا اس میں مولانا سید محمد میاں کے قلم سے بھی ایک ضمیمہ شامل تھا۔ ان دونوں اشاعتوں میں ایک ضمیمے کی کمی یا بیشی کے سوا اور کوئی فرق نہیں۔

اس اشاعت کی تیاری کے وقت میرے سامنے دونوں ایڈیشن رہے ہیں۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ اشاعت دہلی ایڈیشن کے مطابق ہے۔

جمعیت علماے ہند نے ۱۹۳۶ء میں نہایت خلوص کے ساتھ مسلم لیگ کی دعوت اتحاد پر لبیک کہا تھا اور دیانت داری کے ساتھ مشترکہ مقاصد کے حصول کی جدوجہد میں حصہ لیا تھا، لیکن الیکشن کا نتیجہ شایع ہوتے ہی مسلم لیگ کے رویے نے ثابت کر دیا کہ جمعیت علماے ہند کے رہنماؤں کو دھوکا دیا گیا ہے۔ واقعات کی تفصیل کے لیے اس رسالے کا مطالعہ کیجیے اور مسلم لیگ کی اخلاقیات کا ماتم!

واضح رہے کہ حضرت شیخ الاسلام کے بیان کے صفحۂ اول پر جس اگست اور اس کی بعض تواریخ کا ذکر آیا ہے۔ یہ اگست ۱۹۳۸ء کا اگست ہے۔ مسٹر جناح نے ۱۸ر اگست (۱۹۳۸ء) کو شملہ سے حضرت کے بارے میں بیان جاری کیا تھا اور ۱۹ر اگست کے سول اینڈ ملٹری گزٹ میں شایع ہوا تھا۔ (دی نیشنز وائس، مرتبہ وحید احمد۔ قاید اعظم اکادمی، کراچی ۱۹۹۳ء، ص ۲۶۶)

**ابوسلمان شاہ جہان پوری**

(۳ر اگست ۲۰۰۰ء)

# مسٹر جناح صاحب کا پُراسرار معمہ اور اُس کا حل

## مسلم لیگ کی تاریخ سیاہ اور علمائے ہند کی علیحدگی، شیخ الہند حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب کا بصیرت افروز بیان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حَامِدًا وَّمُصَلِّیًا، اما بعد! میرے بعض احباب نے مسٹر محمد علی جناح کے اس بیان کی طرف متوجہ کیا جو کہ ۲۰؍اگست سنہ حال کے بعض اخبارات میں حسب ذیل الفاظ سے شائع کیا گیا ہے:

"مولانا حسین احمد کا یہ سارا بیان از سرتا پا غلط ہے"
"قائدِ ملت مسٹر محمد علی جناح کا باطل سوز بیان"

شملہ: ۱۹؍اگست، مسٹر محمد علی جناح نے مولانا حسین احمد دیوبندی کی ایک تقریر کے سلسلہ میں جو آخر الذکر نے ۱۵؍اگست کو غازی آباد میں کی تھی ایک بیان شائع کرایا ہے، مسٹر محمد علی لکھتے ہیں:

"مولانا حسین احمد کے متعلق میں نے سُنا ہے کہ انھوں نے اپنی اس تقریر میں کہا، عام انتخابات کے موقع پر ہم نے مسلم لیگ کی اس لیے مخالفت نہ کی تھی کہ اس وقت ہمیں مسٹر جناح نے یقین دلایا تھا کہ مسلم لیگ کی

پالیسی اب بدل گئی ہے، اور مسلم لیگ اب آزادیِ کامل کی حامل ہی لیکن انتخابات ختم ہو جانے کے بعد جب مسٹر جناح نے ہی یہ کہا کہ وہ گفتگو تو محض ایک سیاسی چال تھی تو ہماری آنکھیں کھُل گئیں، مسٹر جناح تحریر فرماتے ہیں کہ یہ بیان از سرتاپا غلط ہے، ۱۹۳۶ء میں جمعیۃ العلماء ہند کے بعض ارکان کیوں مسلم لیگ کے ساتھ مل گئے تھے؟ اور لیگ کے امیدواروں کی انھوں نے کیوں تائید اور حمایت کی تھی؟ اور پھر فوراً ہی وہ کیوں الگ ہو گئے؟ میرے لیے خود یہ ایک پُراسرار معمّہ ہے جسے میں حل نہیں کر سکا،،

مذکورہ بیان دیکھ کر میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی، میرے لیے یہ تمام بیان ایک عجیب الشان مایوس کن چیستان ہو کر رہ گیا ہے، میں نہیں سمجھ سکا کہ مسٹر جناح اور ان کے مراسلہ نگاروں کی قوتِ حافظہ بالکل بیکار ہو گئی ہے، اور شدتِ ماؤفیت کی بناء پر وہ صحیح حالات کے انکشاف کے خوف سے بھٹکتے جاتے ہیں، یا جان بوجھ کر یہ سب یورپین ناپاک پروپیگنڈہ کے ماتحت عمل میں لایا گیا ہے، جس کی مشق اہلِ لیگ الیکشن کے ختم ہونے کے بعد سے برابر کر رہے ہیں، دفعات ذیل ملاحظہ ہوں:۔

(الف) ۱۴، ۱۵، ۱۶ اگست کو میں دیوبند ہی میں دن رات مقیم رہا، کہیں باہر نہیں گیا، پھر غازی آباد میں میری تقریر ۱۵ اگست کو کس طرح ہوئی؟

(ب) کئی سال سے غازی آباد میں مجھ کو کسی سیاسی یا مذہبی تقریر کی نوبت ہی نہیں آئی، اور باوجود وہاں کے متعدد حضرات کے تقاضوں کے مختلف اعذار کی بناء پر آج تک مجھ کو وہاں تقریر کرنے کا موقع ہی نہیں مل سکا، پھر اس افتراء کے کیا معنیٰ ہیں؟

(ج) بیشک ۱۲ اگست کو ناہل ضلع میرٹھ سے واپسی پر میں غازی آباد ہوتا ہوا دیوبند آیا تھا، مگر وہاں اس وقت اتنا موقع ہی نہ تھا کہ کوئی تقریر کی جاتی، گاڑی کا وقت بہت ہی قریب تھا، احباب نے ٹھہرنے اور تقریر کرنے پر اصرار ضرور کیا،

مگر مصروفیتوں کی بنا پر آئندہ کسی وقت پر محمول کرنا ہی ضروری سمجھا گیا،

(۵) غازی آباد کے علاوہ مختلف مقامات پر مجھ سے پوچھا گیا ہے کہ تو کیوں لیگ کے پارلیمنٹری بورڈ میں الیکشن کے زمانہ میں شریک ہوا؟ اور کیوں آج علیحدہ ہے؟ تو میں نے یہ جواب ضرور دیا کہ ہم کو مسٹر جناح نے یقین دلایا تھا کہ ہم رجعت پسند اور خود غرض لوگوں سے تنگ آگئے ہیں، ہم چاہتے ہیں کہ آہستہ آہستہ ایسے عناصر کو لیگ سے خارج کردیں، اور آزاد خیال، ترقی پسند، قومی اور مخلص لوگوں کی بھرتی کثرت سے کرکے اُن کی آواز کو قوی کردیں (یہ الفاظ یا ان کے ہم معنی جواب میں ہمیشہ کہے گئے)۔

(۶) میں نے کبھی اور کسی مجلس میں وہ جواب نہیں دیا جو کہ مسٹر جناح کو اُن کے مراسلہ نگاروں نے پہنچایا ہے کہ "مسلم لیگ کی پالیسی اب بدل گئی ہے، اور مسلم لیگ اب آزادیِ کامل کی حامی ہے" مجھ کو بخوبی معلوم ہے کہ مکمل آزادی کا نصب العین بہزار دِقت اگست ۱۹۳۷ء میں لکھنؤ کے اجلاس میں پاس ہوا ہے، (اگرچہ عرصہ سے بہت سے غیور اور انتہا پسند مسلمان اس کے کوشاں تھے مگر کامیاب نہ ہوتے تھے) اس وقت میں تو لیگ کا نصب العین فل رسپانسِبل گورنمنٹ ہی تھا، جو کہ صرف داخلی آزادی تک ہی تسلیم کیا جاسکتا ہے،

بیشک مسٹر محمد علی جناح نے نہایت زوردار الفاظ اور طریقوں سے ہم کو اطمینان دلایا کہ رجعت پسند طبقہ اور خود غرض لوگوں کو ہم آہستہ آہستہ لیگ سے نکالیں گے، اور آزاد خیال، قوم پرست، مخلص لوگوں کی اکثریت کی کوشش کریں گے، اور ایسے ہی لوگوں کے انتخاب کو عمل میں لائیں گے،

ہم نے بعد بحث و مباحثہ اس پر اطمینان کیا اور تعاون پر آمادہ ہوگئے جس کی زوردار خواہش مسٹر محمد علی جناح اور ان کے رفقاءِ کار کی اُس وقت تھی، مگر نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ الیکشن ختم ہوجانے کے بعد ہی جبکہ لکھنؤ میں بورڈ

کی پہلی ہی میٹنگ ہوئی تو مسٹر محمد علی جناح نے اپنے تمام وعدوں کو بھلادیا، اور انتہائی جدوجہد فرمائی، کہ ایگریکلچرسٹ پارٹی اور انڈیپینڈنٹ پارٹی کو لیگ میں شامل کرلیا جائے حالانکہ ایامِ الیکشن میں ان پارٹیوں کے ساتھ سخت مقابلہ کرنے کی نوبت آچکی تھی، دوران بحث میں جبکہ مولانا محمد میاں صاحب فاروقی الہ آبادی اور مولانا اسمٰعیل صاحب سنبھلی نے مسٹر جناح کو وعدہ ہائے سابقہ یاد دلائے تو جواب میں فرمایا، کہ "وہ سیاسی وعدے تھے"،

یہ امور اور اُن جیسے دیگر امور جن کو میں آئندہ ذکر کردں گا ہمارے لیے سخت مایوسی کے باعث بن گئے اور یقین ہوگیا کہ ہم اس جماعت کے ساتھ نہ تعاون کرسکتے ہیں اور نہ اس میں اخلاص وللّٰہیت ہی، اس نے ہم کو صرف آلۂ کار بنانے کی غرض سے بلایا تھا، اور مقصد برآری کے بعد صرف رجعت پسندی اور خود غرضی کے ماتحت تمام کارروائیاں کریگی، اور مثل سابق سامراج کی مؤید ہوگی، لاحقہ اور سابقہ تجربے بتارہے ہیں کہ مکمل آزادی کی آواز بھی صرف لفاظی ہی لفاظی ہے، عملی کارروائیاں اور اس راستہ میں قربانیوں سے جان چرانا اور فرقہ پروری، اصولِ جمہوریت سے سرگردانی وغیرہ بتلارہے ہیں کہ آئندہ کسی قسم کی امید اس جماعت سے بالکل ہی فضول ہے،

مسٹر جناح فرماتے ہیں کہ:

"سنہ ۱۹۳۶ء میں جمعیۃ العلماء کے بعض ارکان کیوں مسلم لیگ کے ساتھ مل گئے؟

اور لیگ کے امیدواروں کی انھوں نے کیوں تائید اور حمایت کی تھی؟

اور پھر فوراً ہی وہ کیوں لیگ سے الگ ہوگئے؟

میرے لیے خود یہ ایک پُراسرار معمہ ہے جسے میں حل نہیں کرسکا، انتہائی تعجب خیز اور حیران کن ہے، کیا مسٹر جناح اور اُن کے رفقاءِ کار مندرجہ ذیل امور کا انکار کرسکتے ہیں؟

(الف) کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ خود مسٹر جناح، مولانا شوکت علی، چودھری خلیق الزماں صاحب، نواب اسمٰعیل خاں صاحب وغیرہ حضرات مارچ سنہ ۳۶ء

آئندہ الیکشن کے لیے بورڈ وغیرہ بنانے میں بے قرار نظر آتے تھے، جلسے اور اجتماعات اس کے لیے کیے جاتے تھے، اور ان میں غور کیا جاتا تھا کہ کس طرح ان میں حسبِ منشار کامیابی حاصل کی جا سکتی ہے، اور جس طرح یونیٹی بورڈ میں کوشش کر کے جمعیۃ العلمار کو داخل کیا گیا تھا اور ان کی مختلف جماعتوں میں صلح کرائی گئی تھی اسی طرح آئندہ بورڈ کے لیے ان کی امداد و اعانت حاصل کرنے کی مساعی کی جاتی تھی، جس کی بڑی وجہ یہی تھی کہ مسلم عوام پر جمعیت کے اراکین کا اثر تھا،

(ب) کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ مسٹر جناح نے اراکین یونیٹی بورڈ کو مشورہ دیا کہ وہ زیرِ قیادت مسلم لیگ مشترکہ بورڈ بنائیں جو کہ مسلم نیشنلسٹ پارٹی، جمعیۃ العلمار، خلافت کمیٹی، احرار پارٹی وغیرہ سب کو حاوی ہو، اس کے لیے خصوصی جلسے کیے گئے، اور اراکینِ جمعیۃ کو بار بار بلایا گیا، اور تبادلۂ خیالات اور بحث و مباحثہ کی نوبت آئی، اور انتہا پسند جماعتوں اور اشخاص کو متحد العمل بنانے اور لیگ میں شامل کرنے کی بلیغ سعی کی گئی،

(ج) کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ دو یا تین اجتماع کے بعد قرار پایا کہ حسین احمد کو بلایا جائے، اور اس کو اس مفاہمت میں شریک کیا جائے، اور باوجودیکہ بعض رجعت پسند دل نے یہ کہا کہ ہم سبھوں کے ساتھ اشتراکِ عمل کر سکتے ہیں مگر حسین احمد کے ساتھ اشتراکِ عمل نہیں کر سکتے، تاہم مجھ کو تار دے کر ملتان سے (جب کہ میں وہاں بعض جلسوں میں شرکت کی غرض سے گیا ہوا تھا) بلایا گیا،

(د) کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ ملتان سے میرے دہلی پہنچنے پر اراکینِ جمعیۃ کا اجتماع مسٹر جناح کے کمرہ میں جب وہ نئی دہلی کے ایک ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے تھے کرایا گیا، جس میں حسبِ ذیل حضرات شریک تھے، مولانا کفایت اللہ صاحب صدر جمعیۃ العلمار، مولانا احمد سعید صاحب ناظم جمعیۃ العلمار، مولانا سجاد صاحب نائب امیر الشریعۃ بہار

مولانا عبد الحلیم صاحب صدیقی حسین احمد راقم الحروف اور دیگر حضرات ،

(ہ) کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ صبح کو تقریباً ۸ بجے تک تبادلۂ خیالات اور گفت و شنید ہوتی رہی ، اور مسٹر جناح نے زور دیا کہ پارلیمنٹری بورڈ میں شریک ہو کر آپ لوگوں کو الیکشن میں حصّہ لینا اور عمدہ سے عمدہ آزاد خیال لوگوں کو امیدوار اور کامیاب بنانا چاہیے ، آپ لوگ اُس وقت جبکہ آرڈیننس ایکٹ موجود ہے دوسری کوئی صورت ملکی خدمات کی بجز اس کے کہ آزاد خیال لوگوں کو الیکشن میں کامیاب بنائیں ، اور ان کو اسمبلیوں کے لیے منتخب کریں نہیں کر سکتے ، اور اس پر دیر تک بحث ہوتی رہی ،

(و) کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ اراکینِ جمعیت نے جب یہ عذر کیا کہ ہمارا نصب العین کامل آزادی ہے ، اور لیگ کے اراکین بہت سے رجعت پسند ، خود غرض لوگ ہیں ، وہ برطانیہ کے ازلی وفادار اور بہت سے صرف ڈومینین اسٹیٹس تک چلنے والے ہیں ، ہمارا ان کا اجتماع کیسے ہو سکتا ہے ؟ تو زوردار طریقہ پر فرمانے لگے کہ مولانا ہر شخص کامل آزادی ہی کا عقیدہ رکھتا ہے ، مگر مصالح وقتیہ کی بناء پر زبان پر نہیں لاتا ، کامل آزادی دینے سے حاصل نہیں ہوتی ، وہ صرف ڈھکیل دینے سے حاصل ہوگی ، ہم بورڈ میں اکثریت قومی آزاد خیال مسلمانوں کی رکھیں گے ،

(ز) کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ مسٹر جناح نے اس مجلس اور اس کے پہلے کی مجالس میں نہایت زوردار الفاظ میں وعدہ کیا تھا کہ ہم مرکزی بورڈ اور صوبجاتی بورڈوں وغیرہ میں صرف آزاد خیال قومی لوگوں کی اکثریت رکھیں گے ، ہم خود اس رجعت پسند اور خود غرض طبقہ سے تنگ آ گئے ہیں ، ہم پوری کوشش کریں گے کہ آہستہ آہستہ ان میں سے ایک ایک کو لیگ سے خارج کر دیں ،

(ح) کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ خود مسٹر جناح نے مرکزی بورڈ کے ۵۶ ممبروں میں سے ۲۰ ممبر صرف جمعیۃ العلماء اور احرار کے چُنے تھے ، جن میں صدر جمعیۃ اور ناظم صاحب

اور میں بھی تھا،

(ط) کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ مرکزی بورڈ کے ان اسامی میں ان اراکینِ جمعیۃ و احرار کا نام خود چُن کر جبکہ وہ کشمیر میں تھے شائع کرایا، اور پھر لاہور کے اجلاس میں دعوتی خطوط بھیج کر سب کو بلایا،

(ی) کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ میری بلا خواہش اور اسی طرح بغیر خواہش صدر و ناظم جمعیۃ العلماء یہ نام چُنے گئے، اور پھر میرا نام بلا میری خواہش صوبہ یوپی کی مجلس میں بھی چُنا گیا، اور باوجود ہر قسم کی مشکلات اور اعذار کے مجھ پر درک (کام) کرنے اور ہر امیدوار کے حلقہ میں جانے کا حکم دیا گیا جس کو میں نے بغیر کسی قسم کے لالچ اور نفع مالی کے انجام دیا، جس میں تقریباً ڈیڑھ ماہ کی تنخواہ دارالعلوم سے چھوڑ کر کام کرنا پڑا، اور مدرسہ سے بلا معاوضہ رخصت لینی پڑی،

چونکہ میں پہلے جلسوں میں (جو کہ دہلی میں میرے ملتان سے پہنچنے کے پہلے ہوتے رہے تھے) شریک نہیں تھا، البتہ مولانا بشیر احمد صاحب کٹھوری شریک رہے تھے، اس لیے ناظرین کے لیے میں اُن کا بیان پیش کرتا ہوں، جس سے امور مندرجہ بالا کی تصدیق ہوگی،

"محترم صدر مسلم لیگ مسٹر جناح سے ابتدائی جو گفتگو ہوئی اس کو سُنکر معمولی تعلیم کا آدمی بھی یہ نہیں کہہ سکتا کہ اراکینِ جمعیۃ بلا اطمینان حاصل کیے امیدوارانِ مسلم لیگ کی تائید کے واسطے تیار ہو گئے تھے، صورت واقعہ یوں پیش آئی کہ ۲۹ مارچ ۳۶ء کو جبکہ جمعیۃ علماء صوبہ دہلی کا اجلاس ہو رہا تھا انہی تاریخوں میں مسلم یونیٹی بورڈ کا اجلاس قیامگاہ سید مرتضیٰ بہادر ایم، ایل، اے، آف مدراس پر شروع ہوا، سب سے اول اس مسئلہ پر غور کیا گیا کہ چونکہ ہندوستان کے ہر صوبہ میں ایکٹ

۱۹۳۵ء کے مطابق الیکشن ہوں گے، لہٰذا مسلم یونیٹی بورڈ کی شاخیں صوبہ وار اور ضلع وار کس طرح قائم کی جائیں، تاکہ ہر جگہ سے امیدوار کھڑے کیے جاسکیں، چونکہ مسلم یونیٹی بورڈ کی ترکیب مختلف جماعتوں کے نمائندوں سے ہوتی ہے، لہٰذا جس ضلع اور صوبہ میں وہ جماعت قائم نہیں ہے وہاں کس طرح مسلم یونیٹی بورڈ قائم کیا جائے، بہت دیر تک بحث ہونے کے بعد اس پر غور شروع ہوا کہ اس مقصد کے واسطے کوئی دوسری جماعت بنائی جائے، چودھری عبدالمتین (جو کہ جناح پارٹی کے بمنزلہ سکریٹری کے تھے) نے فرمایا کہ کسی دوسری جماعت کی ضرورت نہیں، مسٹر جناح مسلم لیگ کے ٹکٹ پر الیکشن لڑانا چاہتے ہیں، آپ بھی اس میں شریک ہوجائیں، اس پر نواب اسمٰعیل خاں صاحب اور چودھری خلیق الزماں صاحب نے فرمایا کہ مسٹر جناح کا ماحول ایسا ہے کہ وہ ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے، چودھری عبدالمتین صاحب نے فرمایا کہ جناح صاحب وعدہ فرماتے ہیں کہ میں آزاد خیال امیدوار لانا چاہتا ہوں، اس پر کہا گیا کہ یہ اُن کے قبضہ کی بات نہیں ہے، اور وہ اس جماعت کو نہیں چھوڑ سکتے، اس کی مولانا شوکت علی صاحب نے بھی تائید کی، اور اس پر بہت دیر تک بحث ہوتی رہی، آخر یہ طے پایا کہ ایک وفد اسی وقت منتخب ہوجائے، جو خود جناح صاحب سے اس کی گفتگو کرے،

چنانچہ نواب اسمٰعیل خاں صاحب، مولانا شوکت علی صاحب، چودھری خلیق الزماں صاحب، سید محمد حسین کاظمی صاحب اور چودھری عبدالمتین صاحب منتخب ہوئے، ان حضرات نے گفتگو کی اور واپس ہوکر یہ فرمایا کہ جناح صاحب پوری جماعت کے سامنے گفتگو کرنا چاہتے ہیں، لہٰذا اس غرض کے واسطے

کل ۱۱ بجے مولانا شوکت علی صاحب کی قیامگاہ پر جلسہ ہوگا، اور اس میں جناح صاحب بھی شریک ہوں گے، چنانچہ دوسرے روز وقت مقررہ پر جلسہ ہوا، اُس وقت جس قدر حضرات شریک تھے اُن میں سے جو نام مجھ کو یاد ہیں تحریر کرتا ہوں،

مولانا شوکت علی صاحب، جناح صاحب، چودھری عبدالمتین صاحب، نواب اسمٰعیل خاں صاحب، مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب، مولانا احمد سعید صاحب ناظم جمعیۃ العلماء، مولانا عنایت اللہ صاحب فرنگی محلی، مولانا عبدالحامد صاحب، سید طفیل احمد صاحب منگلوری، سید محمد احمد صاحب کاظمی، مولانا منظور النبی صاحب، بشیر احمد صاحب، سید ذاکر علی صاحب، چودھری خلیق الزماں صاحب،

اِن سب کی موجودگی میں گفتگو شروع ہوئی، معمولی بات چیت کے بعد بحث شروع ہوگئی، کہ آزاد خیال حضرات کا پارلیمنٹری بورڈ کس طرح بنایا جاسکتا ہے، اس دوران میں جناح صاحب نے ایک مفصل تقریر بھی کی، اور بڑی قوت سے ظاہر کیا کہ میں ان رجعت پسندوں سے تنگ آگیا ہوں، اور میں ان کو بالکل علیحدہ کردینا چاہتا ہوں، حتیٰ کہ خود جناح صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ یہ اس قسم کے رجعت پسند ہیں کہ میری پارٹی میں ہونے کے باوجود اسمبلی میں گورنمنٹ کی رائے دیتے ہیں،

تب اُن سے کہا گیا کہ جب مسلم لیگ میں اکثریت رجعت پسندوں کی ہے پھر کس طرح آزاد خیال بورڈ منتخب ہوسکتا ہے؟ حتیٰ کہ وہاں چودھری عبدالمتین صاحب نے ممبران کونسل مسلم لیگ کی فہرست پیش کی، اور اس میں غور کیا گیا کہ آزاد خیال آدمی کس قدر ہیں اور رجعت پسند کس قدر،

بہت سے نام گنائے گئے، تین نام مجھ کو یاد ہیں، جن کو ظاہر کر کے بحث کی گئی، سر محمد یعقوب صاحب، سر محمد یامین خاں، مولوی مظہر الدین، خصوصیت سے جناح صاحب نے مولوی محمد یعقوب کو علیحدہ کرنے کو کہا،

بہرحال یہ گفتگو ہوتی رہی اور سوچا جاتا رہا کہ کیا طریقہ آزاد خیال بورڈ کے بنانے کا اختیار کیا جائے؟ تب یہ ظاہر کیا گیا کہ اول تو رجعت پسندوں کی جماعت وہاں زیادہ جائے گی نہیں، اور پھر یہ کہ آزاد خیال آدمیوں کے لے جانے کی پوری سعی کی جائے، تب یہ بتلایا گیا کہ اکثر آزاد خیال آدمی مسلم لیگ کے کونسل کے ممبر ایسے ہیں جو بمبئی جانے کے مصارف برداشت نہیں کر سکتے، ان کی تعداد کا اور مصارف کا اندازہ کیا، اس پر جناح صاحب نے وعدہ فرمایا کہ ایسے حضرات کے واسطے میں بمبئی جا کر ایک ہزار روپیہ بھیجوں گا، اس کے بعد خواہش تو سب بڑے آدمیوں کی تھی مگر تکلفاً کہنا پسند نہیں کرتے تھے کہ جناح صاحب سے وعدہ لیا جائے، چنانچہ میں اور مولانا عنایت اللہ صاحب قریب بیٹھے تھے ان کے اشارہ پر میں نے عرض کیا کہ اور حضرات تو کہنا نہیں چاہتے میں آپ سے یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ اگر وہی پارٹی بمبئی میں زیادہ پہنچ گئی تب آپ کیا کریں گے؟ تو انھوں نے فرمایا کہ اس وقت آپ یہ کوشش کیجیے کہ پارلیمنٹری بورڈ بنانے میں مجھ کو تنہا اختیارات دیدیے جائیں، چونکہ دوسری پارٹی بھی مجھ سے مطمئن ہے وہ اس میں اختلاف نہیں کریں گے،

تب میں نے ان سے مکرر کہا کہ احتمال تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ان کو ہمارے ان جلسوں کی خبر ہو جائے، اور وہ آپ پر اعتماد نہ کریں، لہٰذا ہم کو تو یہ بتلایا جائے کہ اگر ہم یا آپ کسی طرح بھی اس میں کامیاب نہ ہو سکے کہ پارلیمنٹری بورڈ

آزاد خیال منتخب ہو تو پھر آپ کی پوزیشن کیا ہو گی؟ اس پر بہت جوش کے ساتھ سینہ پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ "اگر میں کسی طرح بھی اس پر قادر نہ ہوا تو مسلم لیگ چھوڑ کر آپ کے ساتھ آجاؤں گا" اس پر بے انتہا خوشی کا اظہار کیا گیا، اور سب حضرات نے فرمایا کہ ہم یہی چاہتے تھے، اور پوری مسرت کے ساتھ جلسہ ختم ہو گیا،

مولانا بشیر احمد صاحب نے اپنے اس بیان میں جس چیز کا اظہار فرمایا ہے اور ہم نے جن امور کا تذکرہ کیا ہے اُن پر خود مسٹر جناح کا بیان (جو کہ انھوں نے بمبئی کرانیکل میں جون ۱۹۳۶ء کو شائع کرایا تھا) مع شئی زائد روشنی ڈالتا ہے، اس کا خلاصہ حسب ذیل الفاظ کے ساتھ ۵ر فروری ۱۹۳۷ء کو "مدینہ" اخبار میں شائع ہوا تھا:۔

(۱) مسلم لیگ کی پالیسی کا مقصد ایک ایسے نظام کا بر روئے کار لانا ہے جس کے ماتحت ترقی پسند اور آزاد خیال مسلمانوں کے اعلیٰ ادارے متحد ہو جائیں،

(۲) مسلم لیگ موجودہ دستور سے بہتر ایسا دستور حاصل کرنے کے لیے جو سب کو پسند ہو گا کانگریس کا ساتھ دے گی، اور حکومت پر دباؤ ڈالے گی،

(۳) مسلم لیگ اس اصول کو بر قرار رکھتی ہے کہ بطور اقلیت مسلمانوں کو کافی تحفظ حاصل ہو گا،

(۴) اسمبلی میں لیگ تمام معاملات میں کانگریس سے تعاون کرے گی، اور اس کے ساتھ رہے گی،

(۵) لیگ کے صدر کی حیثیت سے میرا خیال ہے کہ ایسے چالاک لوگوں کو جن کا مقصد حکومت کے ماتحت عہدے حاصل کرنا ہے، اور جنھیں عوام کے حقوق، ضروریات اور مفاد کی مطلق پروا نہیں سیاسی میدان سے نکال دیا جائے،

لیگ کے مینوفسٹو کی عبارت بھی مندرجہ بالا مضامین کی صاف طور پر تائید اور حمایت کرتی ہے (صفحہ ۸ ملاحظہ ہو)

"مانٹیگو چیمسفورڈ اصلاحات کے آغاز اور عمل سے مختلف طاقتیں پیدا ہوئیں، اور بروئے کار آئیں، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جو اختیار اس آئین سے حاصل ہو سکتا تھا اس پر صوبوں میں قدامت پسند مائل بہ رجعت عنصر نے اس گروہ کے لوگوں کے اشتراکِ عمل کے ساتھ قبضہ کر لیا ہے، جن کا مقصد صرف یہی ہے کہ جب کبھی اور جہاں کہیں عہدے اور جگہیں مل سکیں انھیں حاصل کریں، یہ صورت گورنمنٹ کے مفید مطلب تھی، اس لیے ان دونوں گروہ کے لوگوں کی اس طرف سے خوب حوصلہ افزائی اور تائید ہوئی، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ گروہ ترقی پسند اور سمجھدار اور آزاد خیال طبقہ کی راہ میں صرف سنگِ راہ ہی نہ بنا بلکہ بالعموم عوام ان کے ہاتھوں لٹے، اس طرح رجعت پسند طاقتوں اور شہنشاہی طاقت کا دوہرا تسلط قائم ہوا، ہمارا مطمح نظر یہ ہے کہ یہ تسلط ختم ہو،،

دوسرے مینوفسٹو میں جو کہ رکنیت قبول کرنے کے لیے ہر مجوزہ ممبر کے پاس یو پی میں بھیجا گیا مندرجہ ذیل الفاظ تھے :۔

"مانٹیگو چیمسفورڈ اسکیم کے قیام اور عمل درآمد سے کچھ ایسی مختلف قوتیں پیدا ہو گئی ہیں جنھوں نے اپنا اثر صوبوں میں قائم کر لیا ہے، اور انہی جماعتوں کے ساتھ ایسے اشخاص و افراد کی ٹولیاں بھی بن گئی ہیں جن کا مقصد و غرض سوائے اس کے اور کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ وہ صوبوں میں جہاں کہیں اور جب کہیں بھی ممکن ہو بڑی بڑی سرکاری ملازمتوں اور جگہوں پر دست درازی کریں، اور اُن پر اپنا قبضہ جمائیں، یہ تجویز چونکہ گورنمنٹ کے مقاصد کے

معین ہے، لہٰذا ایسی جماعتوں کو ہر طرح کی مدد و حمایت گورنمنٹ سے ملی جس سے یہ لوگ نہ صرف ملک کے اصلی ترقی و بہبود کے مزاحم ثابت ہو رہے ہیں، بلکہ سمجھدار اہلِ ملک کو ان کی خود غرضانہ حرکتوں سے نقصان پہنچ رہا ہے، مختصر یہ کہ یہ جماعتیں اور یہ اشخاص گویا ملک میں اپنی ایک شخصی جابرانہ حکومت قائم کیے ہوئے ہیں، اور لیگ کا اصلی مقصد یہ ہے کہ اس جبر و استبداد کا پوری طرح انسداد بلکہ قلع قمع کیا جائے"

مذکورہ بالا عبارتوں سے واضح طور پر ثابت ہوتا ہے کہ مسلم لیگ کے صدر اور ہائی کمانڈ نے انھیں قرار دیا تھا نہ صرف اراکینِ جمعیۃ سے بلکہ تمام مسلمانوں سے اسی بات کا اظہار کیا تھا کہ مسلم لیگ کی سابقہ پالیسی بدل گئی ہے، اب وہ رجعت پسندوں اور خود غرض لوگوں کو اپنے اندر دیکھنا نہیں چاہتی، اور نہ اُن کے ساتھ اتحادِ عمل کرنے کی روادار ہے، وہ ایسا نظام بنانا چاہتی ہے جس میں ترقی پسندوں اور آزاد خیال مسلمانوں کے اعلیٰ ادارے متحد ہو جائیں وہ رجعت پسندوں اور خود غرضوں کو (جن کی اکثریت لیگ میں چلی آتی تھی، بلکہ تقریباً سب کے سب ممبر لیگ اس زمانہ میں ایسے ہی رہ گئے تھے (خلافت کمیٹی کے بعد سے) آزاد خیال مسلمان تقریباً سب کے سب علیحدہ ہو گئے تھے) ترقی پسند، سمجھدار، آزاد خیال طبقوں کی راہ میں سنگِ راہ سمجھنے لگی ہے، یہی نہیں بلکہ وہ عام مسلمانوں کا بھی اُن کو دشمن اور لوٹنے والے ڈاکو سمجھتی ہے، ان کو برطانیہ کا مددگار اور جابرانہ حکومت چلانے والے جانتی ہے، اُن کی خواہش اور سعی یہ ہے کہ اس تمام جماعت کا اور اس کی پالیسی کا قلع قمع ہو جائے، اور یہ تسلط ختم ہو جائے، اور سیاسی میدان سے ایسے لوگوں کو بالکل نکال دیا جائے، وہ تمام قومی معاملات میں کانگریس کے ساتھ دینے کے لیے تیار رہے، جس کا ظاہری مفہوم یہ ہے کہ

نان کوآپریشن، سول ڈیس اوبیڈنس، پروٹسٹ ہڑتال وغیرہ وغیرہ تمام امور میں وہ کانگریس کے ساتھ رہے گی، اس میں کوئی فرقہ واری کشمکش نہ پائی جائیگی، یہی تو وہ امور تھے جو مسلم لیگ کی تاریخ میں مثل عنقاء پائے جاتے تھے، اور جس قدر بھی ان کا وجود نظر آتا تھا، فقط قول ہی قول کے درجہ میں تھا، عمل سے اس کو سروکار نہ تھا،

مسٹر جناح اور لیگ کے ہائی کمانڈ کے اعلانات اور مواعید نے جمعیۃ العلماء کے اراکین کے قلوب کو جذب کر لیا، اُن کو لیگ میں اپنی امیدوں کی جھلک نظر آنے لگی، اور یہ یقین ہو گیا کہ لیگ کی پالیسی اور طریقِ کار اب بدل گیا ہے، اور اب وہ اپنی گم کردہ متاع کو لیگ میں پاجائیں گے، اور مسلمانوں کو کم سے کم یہاں تک لایا جا سکے گا اور اسی ذریعہ سے مسلم قوم کی بے حسی کو دُور کیا جا سکے گا

یقیناً یہ اعلانات بتلا رہے تھے کہ لیگ کا طریقِ کار اور پالیسی ہر دو بدل گئے ہیں اور اب مردانہ وار لیگ ہندوستان اور مسلمان کے لیے میدان میں کود پڑی ہے، اسی بناء پر باوجود نصب العین کے اختلاف کے جمعیۃ کے بہت سے اراکین اشتراکِ عمل کے لیے تیار ہو گئے،

علماء جن کو میادین تحریک میں کودنے کے لیے ذاتی اغراض اور مالی و جاہی حاجات باعث نہیں ہوئی تھیں، اور نہ اُن کو آزاد ہندوستان میں عہدہ ہائے حکومت کے حاصل ہونے کی امید تھی اُن کے لیے تو اس میدان میں لانے والے اسلامی اور ہندوستانی نہایت مصائب اور آلام ہیں، جنھوں نے تمام ہندوستانی اقوام اور اسلامی دنیا کو زندہ درگور بنا دیا ہے، اور اسلامی شوکت و دبدبہ کو مٹا کر اقوامِ مشرقیہ کو عموماً اور مسلمانانِ عالم کو خصوصاً افلاس اور غلامی کی انتہائی لعنتوں میں مبتلا کر کے مذہب اور روحانیت کو ہر طرف نیست نابود کر رہے ہیں، اُن کو نفسانیت، اپنی جماعت کی خود پرستی یا ہوسِ اقتدار وغیرہ اس طرف جاذب نہ تھی،

وہ اخلاص اور للٰہیت کے ساتھ میدانِ عمل میں اُترے تھے، اور یہی وجہ ہوئی تھی کہ وہ تحریکِ خلافت میں علی برادران اور ان کے جیسے انگریزی خوانوں کی زیرِ قیادت سرگرمِ عمل ہوگئے تھے، اپنے قائد بننے اور اس کے لیے جد و جہد کا کوئی معاملہ کبھی اُن کی طرف سے مانع ہوا ہی نہیں، مسلم کانفرنس میں سر آغاخان کی زیرِ قیادت شریک ہوگئے تھے، تحریکِ کانگریس میں ۱۹۱۹ء کے بعد سے بکثرت اور اس سے پہلے ۱۸۸۷ء سے بہ قلت کام کرنے لگے تھے، حالانکہ کبھی بھی کانگریس کا کوئی صدر عالم نہیں ہوا تھا، اسی طرح باوجود مسٹر محمد علی جناح کے صورۃً اور سیرۃً غیر مذہبی ہونے کے ان کے ساتھ اور انہی کی زیرِ قیادت قومی اور ملکی خدمات انجام دینے کے لیے تیار ہوگئے، یہ بالکل غلط اور افترا ہے کہ ان کو کسی قسم کی طمع اس سرگرمی تک کھینچ کر لانے والی تھی، آج مسٹر محمد علی جناح میرے قول کو سرتاپا غلط بتاتے ہیں مگر ناظرین ان اعلانات وغیرہ کو ملاحظہ فرمائیں کہ کون اور کس کا قول از سرتاپا غلط ہے، علماء کو یہ نہیں خیال تھا کہ اتنا بڑا ذمہ دار حیثیت رکھنے والا شخص اس طرح ہاتھی کے دانت دکھا کر الیکشن ہوتے ہی بدل جائیگا، اپنے تمام اقوال و مواعید وغیرہ کو یک قلم ترک کر دے گا، اور سیاسی کروٹ لے کر لائیڈ جارج اور برطانوی مدبروں کو بھی مات کر دے گا،

## ارکانِ جمعیۃ کی لیگ سے مایوسی اور اس سے علیحدگی

۱۔ الیکشن کے اختتام کے بعد پارلیمنٹری بورڈ کی ورکنگ کمیٹی اور منتخب شدہ ممبروں کے ۱۳ مارچ والے لکھنؤ کے پہلے ہی اجلاس میں مسٹر جناح نے انتہائی جد و جہد کی کہ اگریکلچرسٹ پارٹی کے تمام کامیاب مسلم امیدوار اور اسی طرح انڈیپینڈنٹ پارٹی کے تمام کامیاب ممبر بحیثیت پارٹی لیگ پارٹی میں شامل کر لیے جائیں، حالانکہ وہ الیکشن

سے پہلے نہ صرف لیگ کے ٹکٹ پر کھڑے ہونے سے متنفر تھے، بلکہ انھوں نے لیگ کی مخالفت اور اس کے ناکام کرنے میں بھی کوئی کسر باقی نہ رکھی تھی، لیگ ورکرز کو میدانِ مقابلہ میں سخت جدوجہد کرنی پڑی تھی، ان میں سے متعدد ہستیوں نے مسٹر جناح کی اسکیم کو باشارۂ حکامِ برطانیہ ٹھکرا دیا تھا، حالانکہ مسٹر جناح نے مرکزی بورڈ میں ان کا نام چن لیا تھا، اور اعلان بھی کر دیا تھا مگر انھوں نے مخالفت کی تھی، اور اپنی علیحدگی کا اظہار کیا تھا، ان میں بہت سے ایسے بھی تھے کہ جن کی سیاسی زندگی نہایت تیرہ و تاریک تھی، بایں ہمہ مسٹر جناح نے ان کے داخلہ کا ریزولیشن پاس کرایا، اور بار بار ان کے پاس گئے، اور ان کی آمد کی مبارکباد دی، اس مرتبہ مسٹر جناح بورڈ کے ممبروں کو زوردار طریقہ پر دباتے رہے، ممبروں کے پروٹسٹ اور احتجاج کو کسی طرح نہ مانا، بالآخر ممبرانِ بورڈ جبکہ اس پر جم گئے کہ ان کو انفرادی طور پر لے سکتے ہیں جماعتی طور پر نہیں، اور صرف انہی کو لے سکتے ہیں جن کی گذشتہ زندگی غیر اطمینان بخش نہ ہو تو اس بات کو معلوم کر کے وہ لوگ خود ہٹ گئے،

بہرحال مسٹر جناح نے اپنی کوششوں میں کوئی کمی نہیں کی اور انتہائی زور دیا کہ ضرور بالضرور تمام مسلم کنڈیڈیٹس کو لیگ پارٹی میں بحیثیت جماعت داخل کر لیا جائے، حالانکہ ان دونوں جماعتوں کا مجموعہ لیگ پارٹی سے زیادہ ہوتا تھا، بناء بریں قوی خطرہ تھا کہ یہ جماعت اپنی من مانی باتیں اپنی اکثریت کی بناء پر پاس کر لیا کرے گی، اور لیگ پارٹی کو ہمیشہ نیچا دیکھنا پڑے گا

اسی بحث و مباحثہ میں مسٹر جناح سے کہا گیا کہ آپ نے تو یہ ظاہر فرمایا تھا کہ ہم رجعت پسند اور خود غرضوں کو سیاسیات کے میدان اور لیگ سے خارج کر دیں گے، اور بجائے ان کے آزاد خیال، ترقی پسند، مخلص لوگوں کو لیگ میں بھرتی کریں گے، تو مسٹر جناح نے فرمایا کہ وہ سیاسی وعدے تھے، خلاصہ یہ کہ ریزولیشن ان پارٹیوں

اور ان کے ممبروں کے متعلق عمومی رنگ میں پاس ہوا، اور مسٹر جناح نے یہ تجویز اس شرط پر پاس کرائی کہ اگر نیشلسٹ پارٹی کے جتنے ممبر آنا چاہیں گے وہ بہرحال لیلیے جائیں گے اسی تجویز اور اس قسم کی دوسری باتوں کی بنا پر ۲۷ر مارچ کو ورکنگ کمیٹی کا دوسرا اجلاس کرنا پڑا، اور ایجنڈے میں منجملہ دیگر تجاویز نمبر ۲ یہ تجویز درج کرنی پڑی،

۲۔ مسلم لیگ پارلیمنٹری پارٹی کی اس تجویز پر غور جو اس نے اُن منتخب شدہ مسلم ارکان اسمبلی کو پارٹی میں شریک کرنے کے متعلق منظور کی ہے جو لیگ کے ٹکٹ پر انتخاب کے لیے نہیں کھڑے ہوئے تھے، ایجنڈا، (از دفتر مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ، صوبہ متحدہ لکھنؤ، مورخہ ۱۸ر مارچ ۱۹۳۸ء)

ناظرین غور فرمائیں کہ یا تو پُرزور طریقہ پر اعلانات اور وعدے کیے گئے تھے کہ رجعت پسندوں اور خود غرضوں کو سیاسی میدان سے نکال دیا جائے گا، آزاد خیالوں اور مخلصوں کا یہ مجمع اور اس میں اکثریت ہوگی، وغیرہ وغیرہ، مگر اب بالکل اس کے خلاف زور دیا جا رہا ہے، کہ جس طرح بھی ممکن ہو ان کو داخل کیا جائے،

(۳) یکم اپریل ۱۹۳۷ء (جو کہ ایکٹ ۱۹۳۵ء کے شروع کا دن تھا) کے متعلق مسٹر جناح نے تمام لیگ کمیٹیوں وغیرہ کے نام اعلان کیا کہ اس دن ہڑتال نہ کیجائے حالانکہ بہت پہلے سے کانگریس اور جمعیۃ نے تمام ملک میں ہڑتال کا اعلان کر دیا تھا، جب کہ ہڑتال کا مقصد اصلی اظہارِ ناراضی اور نفرت ہوا کرتا ہے، جو کہ عملی طور پر اس کے لیے بمنزلہ رجسٹری ہوتا ہے، اور اس ایکٹ کا قابلِ نفرین ہونا کھلے ہوئے الفاظ میں مسٹر جناح اور ان کی لیگ کر چکی تھی، تو پھر ہڑتال سے روکنا بجز رجعت پسندی اور وعدہ خلافی اور کیا معنی رکھ سکتا ہے؟ مینو فسٹو کے اندر جو الفاظ درج ہیں ملاحظہ ہوں!

"لیگ جہاں کمیونل ایوارڈ اس وقت کے لیے منظور کرتی ہے کہ فرقہائے متعلقہ اس کے کسی بدل پر متفق ہوں وہ نہایت پُرزور طریقہ پر اس دستور

کے خلاف احتجاج کرتی ہے، جو گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کی صورت میں ہندوستانیوں پر اُن کی مرضی کے خلاف مسلط کیا گیا ہے، اور اس کے باوجود کیا گیا کہ انھوں نے بار بار ناپسندیدگی کا اظہار کیا، اور ملک کی مختلف جماعتوں اور انجمنوں نے اس کے خلاف اظہار ناراضگی کیا، لیگ کی یہ رائے ہے کہ ان حالات کے لحاظ سے جو ملک میں اس وقت پیدا ہیں دستور کی صوبجاتی اسکیم سے جتنا فائدہ حاصل ہو سکتا ہے وہ حاصل کیا جائے' اور اس کے باوجود کہ اس میں بہت سی قابلِ اعتراض باتیں موجود ہیں جنکی وجہ سے گورنمنٹ اور محکمہ انتظام کی تمام تفصیلات میں حقیقی اختیارات اور وزارت اور مجلس واضعانِ قانون کی ذمہ داری بے حقیقت رہ جاتی ہے' لیگ کی یہ صاف رائے ہے کہ ہندوستانی وفاق کا منصوبہ جو گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء میں درج ہے اساساً بُرا ہے، اور رجعت پسندانہ ہے، مبتذل ہے، اور برطانوی ہند اور ہندوستانی ریاستوں کے لیے مضر اور مہلک ہے، اور یہ اس غرض کے لیے تجویز کیا گیا ہے کہ ہندوستان کے محبوب مقصد کامل ذمہ دار حکومت کے حصول میں تاخیر ہو، لہٰذا یہ بالکل اس قابل نہیں ہے کہ اس کو قبول کیا جائے"

اس طرح غیر مبہم اور صریح الفاظ میں اس ایکٹ کے خلاف اظہارِ ناراضگی کرنے کے بعد ہڑتال سے روکنا کیا کوئی معمہ باقی رہنے دیتا ہے؟ اور کیا مسٹر جناح اور لیگ ہائی کمانڈ کی ذہنیت کا پول صاف طور سے سامنے نہیں آجاتا؟

(۳) چونکہ گورنر یو، پی نے رجعت پسندوں کی عارضی گورنمنٹ بنائی تو جناب صدر مسلم لیگ یو، پی راجہ سلیم پور کیبنٹ میں داخل ہو گئے، اور وزارت پر فائز ہو کر مسلم لیگ کی ذہنیت کا کھلا ہوا مظاہرہ فرما دیا،

(۴) یو، پی مسلم لیگ کی ورکنگ کمیٹی میں اسی وزارتِ عارضی پر عدمِ اعتماد کا ... ریزولیشن پیش کیا گیا تو بمشکل تمام صرف ایک ووٹ سے پاس ہو سکا، اس سے صاف نمایاں ہے کہ ہائی کمانڈ کی ذہنیت کیسی ہے ؟ اور اُن کے نزدیک آزاد خیالی اور ترقی پسندی کی حقیقت کیا ہے ؟

(۵) اسی میٹنگ میں مولانا شوکت علی صاحب نے اس عارضی وزارت پر عدم اعتماد کی تحریک کی مخالفت فرمائی، جس سے اُن کی ذہنیت کا مظاہرہ ہوتا ہے،

(۶) صدر پارلیمنٹری بورڈ، یو، پی مہاراجہ سلیم پور نے لیگ سے کھلی ہوئی غداری کی، اور جا کر کیبنٹ میں وزارت پر فائز ہو گئے، چاہیے یہ تھا کہ ان کا لیگ سے اخراج کیا جاتا مگر پارلیمنٹری بورڈ کے اجلاس میں جو کہ وزارت کے عرصہ کے بعد منعقد ہوا تھا ان کا استعفیٰ پیش کیا جاتا ہے، اور وہ قبول کر لیا جاتا ہے، کوئی کارروائی ان کے خلاف نہیں کی جاتی، (اور اس کے برخلاف جبکہ میرا استعفا مئی میں پیش ہو چکا تھا اگست میں بجائے اس کی قبولیت کے اخراج کا اعلان کیا جاتا ہے)

(۷) جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر آئے ہیں، جمعیۃ العلماء کے کارکن اور عہدہ دار پارلیمنٹری مسلم لیگ بورڈ میں اپنی خواہش سے داخل نہیں ہوئے تھے بلکہ ان کو باصرار داخل کیا گیا تھا اور انھوں نے جان توڑ کوشش کر کے مسلم لیگ کے امیدواروں کو کامیاب بنوایا تھا صرف اعلانات اور بیانات پر اکتفا نہیں کیا تھا، بلکہ عموماً امیدواروں کے حلقوں میں دورہ کر کے مسلم عوام پر زور اور اثر ڈال کر کامیابی حاصل کرائی تھی، مگر جبکہ بعض ریزولیشن کے پاس کرنے کے وقت مسٹر ظہیر الدین صاحب فاروقی اور دیگر بعض اراکین نے کہا کہ جمعیۃ العلماء نے ہماری مدد کی ہے، اور ہم اس کی وجہ سے کامیاب ہوئے، اس بورڈ کو ان کے خیالات کا اندازہ کر کے کوئی فیصلہ کرنا چاہیے مجھے معلوم ہوا ہے کہ ان کا خیال کانگریس کی تائید میں ہے ''

تو مسٹر جناح نے تقریر کی اور اس میں کہا کہ "جمعیت کو یا احرار کو کانگریس کے داخلہ کے مسئلہ پر جبکہ یہ لوگ لیگ بورڈ میں داخل ہو چکے ہیں کوئی حق نہیں ہے، اور یہ انکی انتہائی بے اصولی ہے" اس پر مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سنبھلی نے یہ کہا کہ ہم صرف الیکشن کے لیے داخل ہوئے تھے، اپنی پارٹیوں، عقیدوں، نصب العین کو نہیں چھوڑا تھا ہمیں ہر وقت اس کا اختیار رہے کہ ہم اپنی جمعیتوں کے لائحۂ عمل پر غور کریں"

اس پر مسٹر جناح نے پھر دُہرایا اور زیادہ وضاحت سے تقریر فرمائی، جس کا ماحصل یہ تھا کہ "جمعیۃ کو سیاسیات میں رائے قائم کرنے کا کوئی حق نہیں ہے" یہ تقریر نہایت تلخ اور جمعیۃ کے لیے انتہائی تذلیل کن تھی، ناظرین کو معلوم ہے کہ احرار پارٹی کے منتخب شدہ ممبران مرکزی پارلیمنٹری بورڈ سے تو اول سے ہی مشتبہ ہو گئے تھے، اور صوبہ پنجاب کے لیگ پارلیمنٹری بورڈ کے معاملات کو دیکھ کر تو وہ بالکل ہی علیحدہ اور مستقل ہو کر کارروائی کر رہے تھے، مگر جمعیۃ کے متعدد اراکین نے اخیر تک بہت زیادہ جاں فشانی کی تھی، جمعیۃ العلماء کے کسی اجلاس عمومی یا خصوصی یا اس کی ورکنگ کمیٹی نے بحیثیت جمعیۃ لیگ کی کسی جماعت میں داخلہ نہیں کرایا تھا، اور نہ داخلہ کا ریزولیشن پاس کیا تھا، اگر بالفرض اراکین جمعیۃ کو کسی ایسے مسئلہ پر غور و خوض کا استقلالی طور پر حق نہیں ہو سکتا تھا تو صرف انہی افراد کو نہیں ہو سکتا تھا جو کہ لیگ کی کسی جماعت میں داخل ہو چکے تھے، نہ کہ جمعیۃ العلماء کو بحیثیت جمعیۃ، پھر مسٹر جناح کو حق نہیں تھا کہ وہ جمعیۃ کے طرز پر نکتہ چینی کریں،

علاوہ ازیں اُن کا یہ ارشاد کہ جمعیۃ کو سیاسیات میں رائے قائم کرنے کا کوئی حق نہیں ہے، اور وہ بھی تذلیل کن لہجہ میں کس قدر آزردہ اور بے اصولی اور انتہائی تکبر اور انانیت پر مبنی اور ہر طرح مایوس کن ہے، جمعیۃ نے سیاسی اور مذہبی خدماتِ جمّہ انجام دی ہیں، اُن کو جمعیۃ کے ریکارڈ اور ملک سے پوچھیے، اور پھر جس قدر

قربانیاں اس راہ میں پیش کی ہیں مسلم لیگ اُن کا عشر عشیر بھی اپنی تمام عمر میں پیش نہیں کر سکتی، تعجب ہے کہ اراکینِ لیگ کو سیاسیات میں رائے قائم کرنے کا حق ہو (خواہ وہ کتنی ہی ملک اور قوم کے حق میں مضر رساں کارروائی کریں) اور اراکینِ جمعیۃ کو کوئی حق نہ ہوگا، گویا کہ وہ اس ملک کے باشندے نہیں ہیں، اور نہ ان کو اس میں زندہ رہنے اور زندگی کے اسباب و علل اور طرق پر غور کرنے کا استحقاق ہی ہے) اور وہ اراکینِ جمعیۃ العلماء کو جن کو باصرار تمام سیاسیات کی طرف کھینچا گیا تھا، نیز سیاسیات میں حصہ نہ لینے کی وجہ سے اُن پر تشنیع و الزامات کی بھرمار کی جاتی تھی، نیز مسلم عوام سے اپنی بات منوانے کے لیے ان کی ہر طرح کی منت و سماجت عمل میں لائی جاتی تھی، نیز وہ بے شمار قربانیاں بھی پیش کر چکے تھے، اُن کو کوئی حق نہ ہو،

امور مذکورۂ بالا اور ایسے متعدد امور مسلم لیگ کی سابقہ پالیسی کو جس پر اس کا سنگِ بنیاد رکھا گیا تھا یاد دلانے والے اور یقین دلانے والے ہیں کہ مسلم لیگ ہرگز ملک اور قوم کی بہتری کے لیے جدوجہد کرنے والی جماعت نہیں ہے، اور نہ آئندہ اس سے کوئی امید رکھی جا سکتی ہے، بلکہ نہایت مضرت رساں اور مایوس کن جماعت ہے، مذکورۂ بالا امور کے لیے مولانا محمد میاں فاروقی الٰہ آبادی کا بیانِ ذیل پوری روشنی ڈالتا ہے، وہ فرماتے ہیں:

> ۱۔ ۱۲ مارچ کو الیکشن ختم ہونے کے بعد سب سے پہلی ورکنگ کمیٹی اور منتخب شدہ ممبرانِ اسمبلی کی میٹنگ منعقد ہوئی، جس میں جناح صاحب نے سب سے پہلے جس چیز کی کوشش کی وہ یہ تھی کہ رجعت پسند حضرات سب کے سب شریک ہو جائیں، اور باوجود آزاد خیال حضرات کی شدید مخالفت کے قرارداد داخلہ کی اجازت کی عمومی رنگ میں پاس ہوئی، لیکن جناح صاحب نے وہ قرارداد اس شرط پر پاس کرائی کہ زرعی پارٹی ....

دائیگر یکلچرسٹ پارٹی) کے جتنے ممبر آنا چاہیں گے وہ بہر حال لے لیے جائیں گے اور اس کا وعدہ لے لینے کے بعد زرعی پارٹی سے ملے، اور ان کی آمد کی مبارکباد دی، مگر کوئی اب تک آیا نہیں،

۲۔ اس کے بعد جب دوسری ورکنگ کمیٹی ہوئی تو اس میں جناح صاحب نہ تھے، اس جلسہ نے کانگریس سے مصالحانہ گفتگو کرنے کا حق خلیق صاحب کو دے دیا،

۳۔ پھر ورکنگ کمیٹی کا جلسہ ہوا، جس میں وزارت (عارضی وزارت) پر عدم اعتماد کی قرارداد صرف ایک ووٹ سے کامیاب ہوئی، شوکت صاحب نے بھی اس کے خلاف ووٹ دیا، اور انتہائی دقت سے یہ تحریک پاس ہو سکی،

(۴) پھر بورڈ کی میٹنگ ہوتی ہے جس میں اور باتوں کے علاوہ ظہیر فاروقی صاحب کے (اس کہنے پر کہ جمعیۃ العلماء نے ہماری مدد کی اور ہم اسی کی وجہ سے کامیاب ہوئے) اس بورڈ کو ان کے خیالات کا اندازہ کر کے کوئی فیصلہ کرنا چاہیے، مجھے معلوم ہوا ہے کہ اس کا خیال کانگریس کی تائید میں ہے، وغیرہ وغیرہ،

جناح صاحب نے ایک تقریر کی جس میں یہ کہا کہ جمعیۃ کو یا احرار کو کانگریس کے داخلہ کے مسئلہ پر جبکہ یہ لوگ بورڈ میں داخل ہو چکے ہیں کوئی حق نہیں اور یہ ان کی انتہائی بے اصولی ہے، مولانا اسمٰعیل صاحب نے یہ کہا کہ ہم صرف الیکشن کے لیے داخل ہوئے تھے، اپنی پارٹیوں، عقیدوں اور نصب العین کو نہیں چھوڑا تھا، اس میں ہر وقت اس چیز کا اختیار ہے کہ ہم اپنی جمعیتوں کے لائحۂ عمل پر غور کریں،

اس پر جناح صاحب نے پھر جواب دُہرایا اور زیادہ وضاحت سے تقریر فرمائی، جس کا ماحصل یہ تھا کہ جمعیۃ کو سیاسیات میں رائے قائم کرنے کا کوئی حق نہیں، یہ تقریر نہایت تلخ اور جمعیۃ کے لیے انتہائی تذلیل کن تھی۔

اسی پارلیمنٹری بورڈ میں راجہ صاحب سلیم پور کا استعفیٰ بھی تھا، وہ نکالے نہیں گئے، اور نہ اُن کے خلاف تعزیری کارروائی کی گئی، بلکہ وہ منظور کرلیا گیا، اس میں یہ قرارداد پاس ہوئی کہ کانگریس پارٹی سے مسلم لیگ پارٹی اسی وقت اتحادِ عمل کر سکتی ہے جبکہ کانگریس اس کا عہد کرے کہ کمیونل ایوارڈ اور جداگانہ انتخابات میونسپلٹیوں میں قائم رکھے گی جبتک کہ کوئی متفقہ فیصلہ نہ ہوجائے گا، اور موجودہ آئین توڑنے کی کوشش نہ کرے گی،،

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سنبھلی ایم اے کا بیان بھی ملاحظہ ہو:۔

"۱۹۳۶ء میں مسلم الیکشن کے سلسلہ میں جبکہ مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ کی تشکیل عمل میں آئی تو ہم لوگ اس بورڈ میں صرف اس توقع پر داخل ہوئے تھے کہ یہ جماعت آزاد خیال افراد پر مبنی ہوگی، اور اس کی تمام تر مساعی اور کوشش آزادیٔ وطن اور رجعت پسند طبقہ کو زیر کرنے کے لیے ہوں گی، چنانچہ صاف اور واضح الفاظ میں مسٹر محمد علی جناح نے اس کا وعدہ کیا، اور ہر طرح جماعت علماء کو اطمینان دلایا، اور بڑی حد تک الیکشن کے زمانہ میں اس وعدہ کی پابندی بھی کی گئی، لیکن الیکشن سے فارغ ہونے کے بعد فوراً ہی جناح صاحب نے (جو کہ اس بورڈ کے ڈکٹیٹر مطلق تھے) نہ معلوم کن مخفی وجوہ کی بناء پر اپنی روش بدل دی، اور باوجود ہماری زبردست مخالفتوں کے انھوں نے رجعت پسند طبقہ کو شامل کرنا چاہا

جس سے دورانِ الیکشن میں مقابلہ رہا تھا، اور اس مسلم لیگ پارلیمنٹری بورڈ کو جو مسلم لیگ جمعیۃ العلماء ہند، مجلسِ احرار اور کانگریس کے ممبران سے ترکیب دیا گیا تھا، کانگریس کے مدِ مقابل بنانے کی انتہائی کوشش کی، اور کانگریس کو خالص ہندوؤں کی جماعت قرار دینا شروع کیا،

جب ہم نے اس معاملہ میں احتجاج کیا اور جناح صاحب کو ان کے مواعید یاد دلائے اور بتلایا کہ جماعت علماء اس بورڈ میں صرف اس بناء پر داخل ہوئی تھی کہ کانگریس کے ساتھ مل کر آزادیِ وطن کے لیے کوشش کی جائیگی اور رجعت پسند طبقہ کو ایک ایک کر کے علیحدہ کر دیا جائے گا، اور یہ صرف آزاد خیال لوگوں کی جماعت رہے گی، آج آپ رجعت پسندوں کو اس میں داخل کر رہے ہیں، اور کانگریس کے ساتھ بجائے اشتراکِ عمل اور اتحادِ عمل کے جو آپ کے مینوفسٹو میں درج ہے مخالف جا رہے ہیں،

تب جناح صاحب نے اور بعض دوسرے لوگوں نے بورڈ کی میٹنگ میں ہتک آمیز رویہ اختیار کر لیا، اور کہا کہ ہمارے سارے وعدے ایک سیاست تھی، علماء سیاست سے بالکل ناواقف ہیں، علماء کی شرکت اور ان کی مساعی سے ہم کو الیکشن میں کامیابی نہیں ہوئی، بلکہ ہمارے مینوفسٹو کی وجہ سے ہم کو کامیابی ہوئی تھی، اگر جماعتِ علماء ہمارے اس طرزِ عمل کو نہ پسند کرے تو ہمیں مطلق اس کی پروا نہیں ہے،،

اس قسم کی اور باتیں بھی کہی گئیں، میں خود جناح صاحب کی تقریر بوجہ انگریزی میں ہونے کے پورے طور پر نہیں سمجھ سکتا تھا، لیکن اسی وقت مجھ کو اس تقریر کا مفہوم اور مطلب ظاہر صاحب میرٹھی اور بعض دوسرے لوگوں نے بتلایا،،

مذکورہ بالا توضیحات سے بخوبی معلوم ہو جائے گا کہ وہ اسباب کیا تھے جن کی بنا پر متعدد اراکینِ جمعیۃ العلماء لیگ پارلیمنٹری بورڈ میں داخل ہوئے تھے، اور کن اسباب کی بنا پر علیحدہ ہوئے، یا کیے گئے، مسٹر جناح کا اس کو معمہ قرار دینا اور اس کو حل نہ کر سکنا، باوجود امور بالا ایک برطانوی سیاست ہے، جس پر آج حضرات لیگ فخر و ناز کرتے ہیں، یقیناً ایسی سیاسیات سے جماعتِ مسلمہ کو پناہ مانگنی چاہیے، جس کا مدار تکبر، نخوت، غرور، وعدہ خلافی، غدر، کذب، افترا وغیرہ رذیل امور پر ہو، یہ سیاست کبھی کامیاب نہیں ہو سکتی، اگر دو چار دن کامیاب ہوئی تو چند دنوں کے بعد ہی اس کا قلع قمع ہو جائے گا،

کہا جاتا ہے کہ یوروپ کی ابلیسانہ سیاست کے لیے ایسے ہی شخص کی ضرورت ہے جو کہ یوروپین اور ایشیائی عوام کے ساتھ محض ابلیسانہ کارروائی کرے، اور ان کے نفاق و غدر وغیرہ کا مقابلہ اسی طریقہ پر کرے، مگر یہ غلط ہے، اور عادتِ خداوندی کے خلاف ہے، خداوند کریم نے نمرود، شداد، فرعون، کفار قریش، کفار بنی اسرائیل جیسے غداروں، مکاروں، ظالموں کے مقابلہ میں ان جیسا ابلیس و شیطان نہیں بھیجا، بلکہ حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ، حضرت محمد صلی اللہ علیہم وعلیٰ آلہم وصحبہم وسلم جیسے راست گوؤں، راست بازوں، راستی پر رہنے اور جمنے والوں کو بھیجا، اور سب کی اصلاح کرائی، اور حق کو فروغ اور باطل کو مضمحل کر دیا،

درخت اپنے پھل اور پتوں سے پہچانا جاتا ہے، جب تک کہ الیکشن ختم نہیں ہوا تھا اس وقت تک اخباروں، پمفلٹوں، لیکچروں میں برطانیہ اور ایکٹ سنہ ۳۵ء سے بیزاری اور سخت نفرت کا اظہار کیا جاتا تھا، کانگریس کی رفاقت اور آزادیِ وطن کی شدید حمایت کا اعلان ہوتا تھا، غدارانِ وطن، جاہ پرست، خود غرض، عہدوں کی تلاش کرنے والوں، رجعت پسندوں، برطانیہ کے حامیوں کی سخت سے سخت مذمت کی جاتی

تھی، اور سخت بیزاری کے الفاظ ان کے حق میں بولے جاتے تھے، اور وعدہ کیا جاتا تھا کہ ان کو ایک ایک کرکے نکال پھینکا جائے گا، اور لیگ کو آزاد خیال مخلصینِ وطن، و قوم پسند افراد اور جماعتوں سے بھر دیا جائے گا،

مگر جب دیکھا کہ کانگریس چھ سات صوبوں میں میجارٹی میں آگئی تو تمام باتیں نیست و نابود ہوگئیں، اور جس طرح برطانیہ کے ایوان میں زلزلہ پڑ گیا، اسی طرح یا اس سے زائد لیگ کے ایوانوں میں زلزلہ پڑ گیا، اور غیر ظاہر اسباب کی بنا پر (جن کو ہر سمجھدار سمجھ سکتا ہے) جو لوگ اس وقت تک لیگ اور اس کے صدر اور ہائی کمانڈ اور اس کی پالیسی اور سرگرمی کے انتہائی مخالف تھے، اور اسی طرح جن جن پریسوں نے لیگ کی مخالفت میں ایڑی سے چوٹی تک کا زور لگا کر کوئی دقیقہ باقی نہیں رکھا تھا، بالخصوص وہ اخبارات جو کہ ہمیشہ برطانیہ پرستی اور تفرقہ اندازی میں پیش پیش رہے تھے، اور وہ خطاب یافتہ یا پنشن پانے والے حضرات جن کا فرض اصلی برطانیہ کی نمک حلالی اور اس کا راگ گاتے رہنا تھا، اور وہ ملازمت پیشہ حضرات اور ان کے اعزہ و اقارب جن کا دین و مذہب برطانیہ ہی تھا سب کے سب فوجاً فوجاً جوق در جوق لیگ میں داخل اور مسٹر جناح کے کلمہ گو بن گئے، لیگ کے مراکز سے نہ صرف تفرقہ اندازی کی بلکہ دہشت اندازی اور دشنام تراشی، افترا پردازی، بدتہذیبی کی بھی لپٹیں اٹھنے اور چنگاریاں منتشر ہونے لگیں، جدھر دیکھو اُدھر مسٹر جناح اور ان کے نئے نئے اتباع مولانا ظفر علی خاں صاحب، مولانا مظہر الدین صاحب، مدیران زمیندار و امان، مولانا اکرم خاں صاحب، مولانا حسرت موہانی، مولانا آزاد سبحانی وغیرہ وغیرہ نے ایسی پلٹی کھائی کہ ان کی شرربار تقریروں اور تحریروں سے فضاء ہندوستان انتہائی مسمومیت کے دلدل میں پھنس کر رہ گئی،

مسٹر محمد علی جناح اور ان کی پارٹی جو کہ ۱۹۳۷ء کے الیکشن کے بعد سے مرکزی

اسمبلی میں کانگریس کے ساتھ ہوکر برابر دو سال تک گورنمنٹ کو شکستوں پر شکستیں دے رہے تھے، اور جو کہ ۱۹۳۶ء کے اجلاس مسلم لیگ بمبئی اور پارلیمنٹری بورڈ کے مینوفسٹو اور پروگرام وغیرہ کی بنا پر کانگریس کے بالکل ہی قریب تر ہو گئے تھے، جس کی وجہ سے ہر ایک کے کارکنوں نے دوسرے کے کنڈیڈیٹوں کی ایام الیکشن میں بہت زیادہ مدد کی تھی، یکبارگی ایسے پلٹے کہ الامان والحفیظ، لکھنؤ کے اجلاس کا سارا خطبہ کانگریس کی مذمتوں اور اس پر تنقیدات سے بھر دیا گیا، اسمبلی میں برابر کوشش جاری رکھی کہ جس طرح ممکن ہو گورنمنٹ برطانیہ کو کامیابی اور کانگریس کو شکست دی جائے، خواہ کسی ایسے مسئلہ میں ہو جو کہ سراسر ملک اور قوم کے لیے یا مذہب کے لیے مضر رساں ہو یا دونوں کے لیے، چنانچہ شریعت بل کا انغاز، زنجبار کی لونگ کا معاملہ آرمی بل وغیرہ کی کھلی کھلی کارروائیاں شاہد عدل ہیں، اور بالخصوص آرمی بل نے تو پردہ بالکل ہی اٹھا دیا، اور حقیقت آشکارا ہو گئی جس سے خلاف ملک و مذہب برطانیہ کو اس قدر کامیابی دی گئی کہ اس کے تمام ہائی کمانڈ اور حکومت انگلستان اور ہندوستان کے اعلیٰ عہدیدار لیگ پارٹی کے اور اس کے صدر کے انتہائی درجہ میں شکر گذار اور ممنونِ احسان ہیں،

ہم نہیں کہہ سکتے کہ ان تمام باتوں میں برطانیہ کی خفیہ سازشیں اور اس کے ڈیوائڈ اینڈ رول کا ہاتھ ہے یا مسٹر جناح اور ہائی کمانڈ کی جاہ طلبی اور انانیت کا کرشمہ ہے، یا کانگریس کے بہت سے اعلیٰ کارکنوں کے متکبرانہ الفاظ (جو انھوں نے کانگریس کی چھ صوبوں میں کامیابی کے وقت الاپے تھے) یہ شگوفے کھلا رہے ہیں، یا وہ تلخ مضامین کا سلسلہ جو مسٹر جناح اور پنڈت جواہر لال نہرو کے درمیان میں اخبارات میں چھڑ گیا تھا یہ گل کھلا رہا ہے، یا اور کوئی اندرونی راز ہے جس تک ہماری طبیعت ناساز نہیں پہنچ سکتی، بہرحال تنظیم قوم مسلم کے نام سے یہ تمام ناکردنی اور ناگفتنی کارروائیاں جاری ہیں، اور فرقہ داری کی آگ نہایت زوروں پر جاری کر کے برطانیہ کی امداد اور آزادی

کو دور تر بنایا جا رہا ہے، کہا جاتا ہو کہ مسلم لیگ نے کامل آزادی کی تجویز پاس کر دی ہے، مگر اس کی عملی کارروائی پر تو شاعر نظامی کے مندرجہ ذیل اشعار صادق آرہے ہیں ؎

اے گرفتار پنجۂ صیاد ٭ کیوں سُناتا ہے نغمۂ پرواز
سب سمجھتے ہیں تیرے مطلب کو ٭ بانگِ آزادی میں چھپا ہو راز
تیلیاں اس کی اور کستا ہو ٭ نہیں کرتا درِ قفس کو باز

الحاصل ہاتھی کے دانت دکھلانے کے اور کھلانے کے اور والا معاملہ معلوم ہوتا ہو، جو لوگ ہمیشہ سے تحریکاتِ خلافت و جمعیۃ وغیرہ کے سخت سے سخت مخالفت کرتے ہوئے امن سبھا وغیرہ کے پُر زور ساعی اور برطانیہ کے انتہائی وفادار نظر آتے تھے، اور جو لوگ قومی کارکنوں پر ہمیشہ انتہائی مظالم کرتے اور گورنمنٹ سے کراتے تھے، جو جو حضرات اپنی اور اپنے اعزّہ کی ملازمتوں اور عہدوں اور خطابات، کرسی وغیرہ کی بنا پر گورنمنٹ کے محکموں اور بنگلوں کا ہمیشہ طواف کیا کرتے تھے، جو لوگ سیاسیات میں حصہ لینا گناہِ عظیم اور شورشِ خطیر سمجھتے اور کہتے تھے، جو لوگ لیگ کی مذمت میں ایڑی چوٹی کا زور لگاتے تھے، جو لوگ سیاسیات اور مُلکی کارروائیوں میں کسی زمانہ میں نہ حصہ لیتے تھے اور نہ کوئی بصیرت رکھتے تھے وغیرہ وغیرہ آج مسلم لیگ کا دَم بھرتے ہوئے اور کانگریس کو اکھاڑتے پچھاڑتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، مسلم نیشنلسٹ اشخاص کے لیے اُن کے زبان و قلم وغیرہ میں کوئی گندہ لفظ نہیں جو استعمال نہ کیا جاتا ہو، بہر حال یہ البتہ ایک معمہ اور عجیب کرشمہ ہے، اللہ تعالیٰ مسلم قوم کو اس کے نتائج بد سے بچاوے، ورنہ مسلمانوں کا مستقبل نہایت تاریک دکھائی دیتا ہو، وَاِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَکیٰ،

میں آخر میں تمام مسلمانوں اور بالخصوص اُن کے سمجھدار طبقہ سے پُر زور اپیل کرتا ہوں کہ وہ اصلی اور حقیقی واقعات پر غور کریں، اور لیگ کے ہائی کمانڈ اور اس کے

صدر کی مذہبی اور دنیاوی، سیاسی اور علمی، قومی اور شخصی زندگی اور اقوال و افعال پر گہری نظر ڈالیں، اگر اُن کے نزدیک یہ جماعت اور اس کا صدر، صادق، مخلص اور ایثار و قربانی کرنے والا جذبات، آزادی و ہمدردی قوم پر مر مٹنے والا، قابلِ اعتبار و اقتدار معلوم ہو، اور اس کا پروگرام لائقِ عمل دکھائی دے تو فبہا، سرگرمی سے اتباع کریں، ورنہ قوم اور ملک و مذہب کو برباد نہ کریں اور آخرت کے عذاب سے بچیں،

یَآیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ ○

"اے ایمان والو! خدا سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو"

کس نیاید بزیر سایۂ بوم
ور ہما از جہاں شود معدوم

واللہ الموفق

ننگِ اسلاف
حسین احمد غفرلہٗ

# ضمیمۂ اوّل

## بعض شبہات کا جواب

بعض معزز دوستوں نے اعتراض کیا کہ حسین احمد نے خود اُن ایام میں کہ پارلیمنٹری بورڈ میں کنڈیڈیٹ نامزد کیے جاتے تھے دو خان بہادروں کے لیے جان توڑ کوشش کی اور ان کو لیگ کے ٹکٹ پر کھڑا کیا، جس کے متعلق بورڈ میں دوسرے امیدواروں کے ساتھ محاکمہ اور جھگڑوں کی نوبت آئی، اس کے متعلق میں غلط فہمی کو دور کردینا چاہتا ہوں۔

(الف) ہر خانبہادر اور خطاب یافتہ رجعت پسند اور برطانیہ پرست نہیں ہے، خان بہادر بشیرالدین صاحب مدیر "البشیر" آف اٹاوہ بھی خان بہادر ہیں، مگر کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ وہ آزاد خیال، ترقی پسند، قومی آدمی نہیں ہیں؟ یا خان بہادر سید بشیرالدین صاحب آف کانپور بھی خان بہادر ہیں، جو کہ عرصہ سے کانگریس میں نہایت سرگرمی کے ساتھ قومی خدمات انجام دیتے رہے ہیں، اس لیے خطاب سے استدلال کسی کی ٹوڈیت پر نہیں کیا جاسکتا، خان بہادر سعیدالدین صاحب آف پرتاب گڈھ کے متعلق بہت کچھ اشاعتیں کی گئیں، حالانکہ وہ ہمیشہ سے کانگریس اور قومی خدمات میں نہایت سرگرم کارکن رہے ہیں، اور آج بھی لیگ کی پارٹی کے طرزِ عمل سے بیزار ہوکر کانگریس کے ساتھ اسمبلی میں کام کررہے ہیں،

(ب) یہ دونوں اشخاص باوجود خان بہادر ہونے کے آزاد خیال، قوم پرور ترقی پسند اشخاص تھے۔ اور ان کی حالت ہرگز رجعت پسندوں جیسی برطانیہ پرستی میں نہ تھی، ان میں سے ایک صاحب وہ تھے جنھوں نے مولانا محمد علی صاحب مرحوم کی زیرِ قیادت علی گڑھ یونیورسٹی کو چھوڑ کر جامعہ ملیہ میں جگہ لی تھی، اور مولانا محمد علی صاحب کی گرفتاری کے بعد بی اماں مرحومہ کے ساتھ ملک میں عرصۂ دراز تک دورہ وغیرہ کرتے رہے تھے، اور بعد کے زمانہ میں جب کونسل میں ممبر بنے اس وقت بھی ڈیموکریٹی پارٹی میں شامل ہو کر بہت سے ریزولیشنوں میں گورنمنٹ اور اس کے ٹوڈیوں کی مخالفت کرتے رہے کبھی بھی نواب محمد یوسف صاحب وغیرہ جیسے رجعت پسندوں کے منت کش نہیں ہوئے، اور نہ اُن کی کورانہ تقلید کرتے ہوئے کبھی قوم اور وطن کی بیخ کنی کی،

دوسرے صاحب بھی اگرچہ بوجہ زمیندار اور رئیس ہونے کے علانیہ طور پر قومی پلیٹ فارم پر نہیں آئے تھے، مگر قومی خدمات میں حتی الوسع حصہ ضرور لیتے رہتے تھے، اور آزاد خیال تھے، دونوں حضرات ایگریکلچرسٹ پارٹی سے بالکل علیحدہ تھے، کوئی بھی ان میں سے کبھی سر یعقوب، سر یامین، ڈاکٹر شفاعت احمد خاں وغیرہ جیسا نہیں رہا،

(ج) ان کے بالمقابل جو لوگ کھڑے تھے وہ یا تو نہایت گرے ہوئے رجعت پسند تھے یا محض ذاتی عداوت کی وجہ سے ان کی نامزدگی کی بناء پر نیز ان کو بورڈ کے انتخاب سے نکلوانے اور بدنام کرنے کے لیے کھڑے ہوتے تھے، نفسانی اغراض کام کر رہی تھیں، حالانکہ نامزدگی سے پہلے ان حضرات پر پیش کیا گیا تھا کہ تم لیگ کے ٹکٹ پر اس حلقہ سے کھڑے ہو جاؤ، مگر انھوں نے قبول نہ فرمایا تھا، بورڈ کے نامزد کرنے کے بعد انتقامی جذبات نے اُن کو اِن حلقوں سے کھڑے ہونے پر آمادہ کیا تھا،

(د) پارلیمنٹری بورڈ کے اجلاسِ نامزدگی کی تاریخ تک ضلع سہارنپور کے چاروں مسلم حلقوں میں کوشش کی گئی کہ کوئی بھی ایسا آزاد خیال اکسٹیمسٹ

لیگ کے نام پر کھڑا ہو جائے، جو کہ اپنی مالی طاقت رکھتا ہو، محض بورڈ کے سہارے پر نہ کھڑا ہو، سوائے ایک شخص کے جن کا مطالبہ شہر سہارنپور کے شہری حلقہ کا تھا کوئی اور کھڑا نہ ہوا، یہ دونوں خان بہادر کھڑے ہونے والے تھے مگر نہ لیگ کے ٹکٹ پر اور نہ ایگریکلچرسٹ پارٹی کے ٹکٹ پر، بلکہ انڈیپینڈنٹ کھڑے ہو جانا چاہتے تھے، بالآخر مجبور ہو کر انہی کو آمادہ کیا گیا، اور بالکل آخری شب میں چند دنوں کی کوشش کے بعد کامیابی ہوئی، اور یہ دونوں لیگ کے مینو فسٹو کو مانتے ہوئے ان کے پلیج پر دستخط کرنے اور لیگ کے ٹکٹ پر کھڑے ہونے کے لیے راضی ہوئے، میں ہی عرضی لیکر بورڈ کے اجلاس میں پہنچا، اُن کی عرضی پیش ہو جانے کے بعد دوسرے اشخاص معاندانہ طریقہ پر تیار ہوئے، جس کا مقدمہ خصوصی اور عمومی اجلاسوں میں پیش ہوا، اور مجھ کو تمام تفصیلات ذکر کرنے کی نوبت آئی، افسوس کہ ان باتوں کو بالکل نظرانداز کر کے لوگوں کو دھوکا دیا جاتا ہے،

خلاصہ یہ ہے کہ ان دو شخصوں کو مجبوری پیش کیا گیا تھا، اور پھر انھوں نے لیگ کے مینو فسٹو اور پلیج کو تسلیم کیا تھا، رجعت پسندی اور خود غرضی کی انتہائی پستی میں کبھی بھی نہیں تھے، لیگ کے عقیدہ اور عمل پر پوری طرح تیار ہو گئے تھے، اُن کی گذشتہ زندگی برطانیہ پرستی کی شرمناک سرگرمیوں سے خالی تھی، اُن کے پارٹی میں داخل ہونے سے ٹوڈیوں کی اکثریت نہ مقدار میں ہوتی تھی، اور نہ کیف اور اثر میں، بخلاف اس عمل کے جس کو مسٹر محمد علی جناح نے الیکشن کے بعد سے اختیار کیا،

(۱) بجائے اس کے رجعت پسند اور خود غرض لوگوں کو (جنھوں نے مرکزی اسمبلی میں مسٹر جناح اور ان کی پارٹی کے خلاف گورنمنٹ کو ووٹ دیے تھے) حسب وعدہ لیگ سے نکالتے اور اُلٹا ایسے لوگوں کو داخل کرنا چاہا،

(۲) ان لوگوں کو داخل کرنا چاہا جو انگریز پرستی کے اعلیٰ درجہ اور چوٹی کے اشخاص

اور کارکن تھے، یعنی جو ایگریکلچرسٹ پارٹی اور سابقہ وزارت کے کیبنٹ کے ذمہ دار تھے،

(۳) ان لوگوں کو داخل کرنا چاہا جنھوں نے بجائے لیگ کے مینوفسٹو اور پلیج کے ماننے کے ایام الیکشن میں ایڑی چوٹی کا زور لگاکر انتہائی دشمنی کا ثبوت پیش کیا تھا،

(۴) اُن لوگوں کو داخل کرنا چاہا جو کہ بحیثیت پارٹی مسلم لیگ کے خلاف عقیدہ رکھتے تھے،

(۵) ان کو بحیثیت پارٹی داخل کرنا چاہا، اُن سب لوگوں کو داخل کرنا چاہا اگر وہ آجاتے تو لیگ پارٹی اقلیت میں آجاتی، اور وہ سب کے سب غالب ہوجاتے

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

یہ واقعہ تو اُس وقت کا ہے جب کہ الیکشن کے بعد یو، پی بورڈ کی پہلی میٹنگ میں مسٹر جناح نے ہر قسم کی کوشش رجعت پسندوں کے داخلہ کی فرمائی تھی، مگر اس کے بعد آج لیگ کے عام ذمہ دار اور کارکن تو انہی عناصر کی اغلبیت اور اکثریت رکھتے ہیں جن کی مذمت اور شکایت مینوفسٹو وغیرہ میں نہایت سخت الفاظ میں کی گئی تھی، اور لیگ کی ذمہ دار جماعتیں ایسے ہی لوگوں سے بنائی گئیں، اور بنائی جارہی ہیں،

فَاعْتَبِرُوْا یٰۤاُولِی الْاَبْصَارِ

# مسٹر جناح پر اجماع کی حقیقت

باوجودیکہ مسٹر جناح مذہب اسلام اور اہلِ سنت اور اہلِ مذہب سے نہ صرف مستغنی بلکہ سخت متنفر بھی ہیں، نہ اُن کی زندگی مذہبی ہے، نہ اُس بیچارے نے مذہبی ہونے یا مذہبی قیادت کا دعویٰ کیا ہے، وہ ایک کامیاب بیرسٹر ہیں، اور سیاسی قیادت کے مدعی اور خواہشمند ہیں، اور پھر سیاست بھی اس قسم کی جو کہ یورپین اقوام اور ممالک

کی ہے، اسلامی سیاست سے نہ وہ واقف ہیں اور نہ اُس کے مدعی، اُس پر طرہ یہ ہے کہ اصحابِ اغراض عام مسلمانوں کو دھوکا دیتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے امام اور قائدِ اعظم ہیں، ان کی امامت اور قیادت پر اجماعِ امت منعقد ہو گیا ہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں لَا تَجْتَمِعُ اُمَّتِیْ عَلَی الضَّلَالَۃِ، کبھی کہا جاتا ہے کہ ان کی امامت کے ماتحت نہ آنے والا اور ان کی قیادت کا انکار کرنے والا اجماع کا منکر ہے۔ اور اجماع کا انکار کفر ہے، فسق ہے، ضلالت ہے، بغاوت ہے، وغیرہ وغیرہ،

افسوس! اس قسم کی دھوکا دہی سے دنیا و آخرت کی بربادی کی صورتیں پیدا کی جاتی ہیں، ایک ایسی قیادت کو بالفرض تمام مسلمانانِ عالم اور ان کے اہلِ حل و عقد تسلیم بھی کر لیتے تو وہ کس طرح اجماعِ شرعی ہو سکتا تھا (کتبِ مذہب اور قوانینِ شرع کو ملاحظہ فرمائیے) اور اگر بالفرض وہ اجماعِ شرعی بھی ہوتا تو یہاں حدیث میں مسلمانانِ ہندوستان کا لفظ کب استعمال کیا گیا ہے، کیا یہ فرمایا گیا ہے لا تجتمع مسلمون الہند علی الضلالۃ، یا مسلمانانِ ہند ہی صرف امتِ محمدیہ ہیں؟ کیا دنیائے اسلام کے باسٹھ کروڑ باشندے جن کو نہ مسٹر جناح سے واقفیت ہے نہ حاجت، وہ امت سے خارج ہیں؟ بعضے نادان یہ سمجھتے ہیں کہ امت میں سے بعض لوگوں کا متفق ہو جانا یہی اجماعِ امت ہے، اور اس کے استدلال میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کو پیش کرتے ہیں، افسوس! کہ اجماع کی شرعی تعریف اور وقائعِ تاریخیہ دونوں سے ناواقف ہیں، یقیناً اجماع میں بچے، کم عقل، عورتیں، مجانین، معتوہین، عبید وغیرہ داخل نہیں، (اگرچہ یہ سب افرادِ امت میں سے ہیں) مگر اہلِ حل و عقد تو سب کے سب متفق ہونے ضروری ہیں، اربابِ مذہب اور ذوی البصائر فی الدین کا اتفاق تو ضروری ہے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت کے انعقاد کے زمانہ میں تمام امت صرف اہلِ عرب سے عبارت تھی، ان کے جملہ اہلِ حل و عقد نے تدریجاً

ان کی خلافت کو ماننا اور بلاواسطہ یا بالواسطہ، بعجلت یا بدیر سبھوں نے بیعت کی، اور تھوڑے ہی عرصہ میں تمام ارباب حل وعقد کا اتفاق ہو گیا تھا، اس لیے وہاں پر اجماع امت متحقق ہے، مسٹر جناح کے لیے بیرونِ ہند کے تمام مسلمان جن کی تعداد مسلمانانِ ہندوستان سے سات آٹھ گُنا زیادہ ہے، کوئی واسطہ ہی نہیں رکھتے، اور نہ جانتے پہچانتے ہیں، نہ اُن کے عوام نہ خواص نہ اہلِ دیانت نہ اہلِ دنیا نہ اہلِ حل وعقد، نہ معمولی لوگ نہ مرد نہ عورتیں، پھر اہلِ ہند میں سے سیاسی اور مذہبی جماعتیں جمعیۃ العلماء، احرار، نیشنلسٹ مسلمان، سُرخ پوش، جو کہ سیکڑوں نہیں ہزاروں کی تعداد میں ہوتے ہوئے اہلِ حل وعقد کی حیثیت رکھتے ہیں، اور جنھوں نے قومی اور مذہبی کاموں میں ہمیشہ سرفروشی اور جاں نثاری کا نمایاں ثبوت پیش کیا ہے، وہ اُن کی قیادت کے نہ قائل ہیں نہ تسلیم کرتے ہیں،

اسی طرح دیہاتی اور عام آبادی اور مذکورہ جماعتوں کے اتباع اور والنٹیروں نے جو کہ لاکھوں کی تعداد سے نکل کر کروڑوں تک پہنچتے ہیں وہ کب اُن کی قیادت کو تسلیم کرتے ہیں، پھر جن لوگوں کو آج خلاف واقعہ ممبر لیگ ظاہر کیا جا رہا ہے، اُن کو جس طرح ممبر بنایا گیا ہے اور جس طرح بنایا جا رہا ہے وہ بھی اظہر من الشمس ہی، لوگ اس سے واقف ہیں، اس تلبیس سے مسلمانوں کو کیوں برباد کیا جاتا ہے؟ اور پھر ایک مفتی بنکر شرعی احکام کا جامہ پہنانے کو تیار ہے،

---

## مسٹر محمد علی کی امامت سیاسی مسلمانوں کے لیے

مسٹر محمد علی جناح کی شخصی کمزوری تو ان کی علمی زندگی اور ان کی صاحبزادی صاحبہ کے سول میرج یعنی ایک عیسائی پارسی کے ساتھ تین ماہ تک کورٹ شپ اور اس کے بعد گرجا میں نکاح کرنے وغیرہ سے ظاہر ہے، اور ان کی قومی زندگی کی کمزوری اس سے

ظاہر ہے کہ وہ ناگپور کے اجلاس کانگریس تک اس کے ساتھ رہے، مگر جبکہ کانگریس نے نان کواپریشن پاس کر دیا، تو علیحدہ ہو گئے، لکھنؤ کے خطبۂ صدارت میں سول نافرمانی کو قوم کی خودکشی قرار دیتے ہیں، اسی بناء پر اور اس قسم کی دوسری باتوں کی بناء پر ڈاکٹر انصاری مرحوم نے موتمر کے خطبۂ صدارت میں ان کو ہندوستان کا دوست نہ ہونا اور فرقہ پرست بتایا تھا، اور اسی بناء پر کلکتہ میں علی برادران کا ان کے ساتھ ناخوشگوار واقعہ پیش آیا تھا، ہاں مسٹر محمد علی جناح کے مرکزی اسمبلی میں ۱۹۳۴ء کے بعد کے واقعات سے یہ امید پیدا ہو گئی تھی کہ وہ اپنے سابقہ خیالات سے رجوع کر گئے ہیں اور تمام ہندوستان کی ہمدردی اور عالی حوصلگی پر آمادہ ہو گئے ہیں، اب فرقہ پرستی کی ناپاک صورتیں ان کے دماغ سے نکل گئی ہیں، تقریباً دو سال کی اس قسم کی کارروائیوں نے اس قسم کے یقین دلانے کا سامان مہیا کر دیا تھا، مگر حسب قولِ شاعر

من زخوباں چشم نیکی داشتم ؎ خود غلط بود آنچہ من پنداشتم

الیکشن کے بعد کے واقعات مذکورہ بالا نے بالکل مایوس کر دیا، اور اب جو کچھ کہا جا رہا ہے وہ تو مثلِ آفتاب روشن ہے،

ان کی سیاسی رائے کی کمزوری اس سے ظاہر ہے کہ لکھنؤ کے اس میثاقِ ملی میں (جو کہ ۱۹۱۶ء میں قرار پایا تھا، اور اس وقت لیگ کی صدارت اُن کے ہاتھ میں تھی، اور بڑے بڑے مسلمان سیاسی لیڈر نظر بند تھے، علماء اس وقت سیاسی میدان میں نہیں آئے تھے) مسلمانوں کی سیاست کو بالکل غیر مستقل بنا کر مثلِ پاسنگ ڈانواڈول کر دیا، کسی جگہ اور کسی صوبہ میں اُن کی اکثریت تسلیم نہیں کی گئی، صوبہ پنجاب میں بجائے ۵۵ اُن کو ۵۰ سیٹیں دی گئیں، اور صوبہ بنگال میں بجائے ۵۳ کے ۴۰ دی گئیں، اقلیت والے صوبوں میں اگرچہ کچھ سیٹیں زیادہ کر دی گئیں اور بطور ویٹج ان کو کچھ زائد مل گیا، تو کیا فائدہ ہوا؟ ادھر راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں

بنگال کے عیسائیوں کو ۳۰ سیٹیں دے کر ہمیشہ کے لیے ہندوؤں اور مسلمانوں کو بنگال میں برباد کر دیا گیا، شریعت بل کے متعلق، لونگ بل کے متعلق، آرمی بل کے متعلق اور اس سے پہلے ساردا بل کے متعلق جو کچھ موصوف کی کارروائی ہے اس پر غور کیجیے، اور ان کی سیاسی رائے پر ماتم کیجیے، اور دیکھیے کہ یہ حضرات اُمتِ مسلمہ کو کہاں لے جا رہے ہیں،

آخر میں اظہارِ حقیقت کے طور پر اتنا عرض کر دینا نہایت ضروری ہے کہ یہ جو کچھ لکھا گیا انتہائی مجبوری کی حالت میں لکھا گیا ہے، جس کا واحد سبب عاقبت نااندیش اخبارات کی ہرزہ سرائی اور خود مسٹر محمد علی جناح صاحب کی دانستہ یا نادانستہ غلط بیانی یا فریب کاری ہے، ورنہ اشخاص اور افراد کی شخصی زندگی پر نقد و تبصرہ نہ ہمارا شیوہ ہے اور نہ ہم اس کو بنظرِ استحسان دیکھتے ہیں، ؎

مرادِ ما نصیحت بود و گفتیم
حوالت با خدا کردیم و رفتیم

ننگِ اسلاف
حسین احمد غفرلہٗ

# ضمیمۂ ثانی

## ہندوستان کے موجودہ جمود کا حل

## جمعیۃ علمائے ہند کا فیصلہ

پُر اسرار معمہ کے مفصل حل کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آزاد ہندوستان میں مسلمانوں کے موقف کے متعلق جمعیۃ علمائے ہند کا فیصلہ بھی نقل کر دیا جائے، تاکہ رسالہ کے ملاحظہ کرنے والے یہ فیصلہ کر سکیں کہ جمعیۃ العلماء صرف منفی پہلو میں مسلم لیگ کا خلاف نہیں کر رہی بلکہ اس کے سامنے ایک واضح اور صاف نقشہ ہے جس کو وہ پاکستان سے بہتر سمجھتی ہے، اور از روئے دیانت اس کا یہ فیصلہ ہے کہ پاکستان کا مبہم مطالبہ مسلمانوں کے لیے تباہ کن ہے، اس کا نتیجہ یہی ہوگا کہ جس طرح سنہ ۱۴ء کی جنگ کے بعد سلطنتِ عثمانیہ کے حصے بخرے کر کے بہت سے پاکستان بنا دیئے گئے، عراق علیحدہ، شام علیحدہ، فلسطین علیحدہ، حجاز علیحدہ وغیرہ وغیرہ، جو فرانس اور برطانیہ کے پنجۂ استبداد میں آج تک کسے ہوئے کراہ رہے ہیں، اسی طرح سنہ ۴۵ء کی جنگ کے بعد وعدۂ آزادی کو پورا کرتے ہوئے ہندوستان کے حصے بخرے کر دیئے جائیں، جو ہمیشہ ایک دوسرے کے مدمقابل انگریزی اقتدار کے متمنی رہیں، اور لطف یہ کہ یہ خود مسلمانوں کے مطالبہ کی بنا پر ہوا جیسا کہ مسٹر جناح نے فرمایا تھا، اور جب تک دونوں ٹکڑے آپس میں امن سے نہ رہیں تب تک برطانوی حکومت کا فوجی اور خارجی کنٹرول ضروری ہے"۔

(مدینہ بجنور ۲۳ مورخہ ۵ مارچ سنہ ۱۹۴۴ء)

## فیصلہ :

(ا) ہمارا نصب العین آزادیِ کامل ہے،

(ب) وطنی آزادی میں مسلمان آزاد ہوں گے، ان کا مذہب آزاد ہوگا، مسلم کلچر اور تہذیب و ثقافت آزاد ہوگی، وہ کسی ایسے آئین کو قبول نہ کریں گے جس کی بنیاد ایسی آزادی پر نہ رکھی گئی ہو،

(ج) ہم ہندوستان میں صوبوں کی کامل خود مختاری اور آزادی کے حامل ہیں، غیر مصرحہ اختیارات صوبوں کے ہاتھ میں ہوں گے، اور مرکز کو صرف وہی اختیارات ملیں گے جو تمام صوبے متفقہ طور پر مرکز کے حوالے کریں، اور جن کا تعلق تمام صوبوں سے یکساں ہو،

(د) ہمارے نزدیک ہندوستان کے آزاد صوبوں کا وفاق ضروری اور مفید ہے، مگر ایسا وفاق اور ایسی مرکزیت جس میں اپنی مخصوص تہذیب و ثقافت کی مالک نو کروڑ نفوس پر مشتمل مسلمان قوم کسی عددی اکثریت کے رحم و کرم پر زندگی بسر کرنے پر مجبور ہو، ایک لمحہ کے لیے بھی گوارا نہ ہوگی یعنی مرکز کی تشکیل ایسے اصول پر ہونی ضروری ہے کہ مسلمان اپنی مذہبی سیاسی اور تہذیبی آزادی کی طرف سے مطمئن ہوں،

## تشریح :

اگرچہ اس تجویز میں بیان کردہ اصول اور ان کا مقصد واضح ہے کہ جمعیۃ علماء مسلمانوں کی مذہبی، سیاسی اور تہذیبی آزادی کو کسی حال میں چھوڑنے پر آمادہ نہیں، وہ بیشک ہندوستان کی وفاقی حکومت اور ایک مرکز پسند کرتی ہے، کیونکہ اس کے خیال میں مجموعۂ ہندوستان خصوصاً مسلمانوں کے لیے یہ مفید ہے، مگر وفاقی حکومت کا قیام اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ صوبوں کے لیے حق خود ارادیت

تسلیم کرلیا جائے اور وفاق کی تشکیل اس طرح ہو کہ مرکز کی غیر مسلم اکثریت مسلمانوں
مذہبی، سیاسی، تہذیبی حقوق پر اپنی عددی اکثریت کے بل بوتے پر تعدّی نہ کر سکے،
مرکز کی ایسی تشکیل جس میں اکثریت کی تعدّی کا خوف نہ رہے باہمی افہام وتفہیم سے
مندرجہ ذیل صورتوں میں کسی صورت پر یا ان کے علاوہ کسی اور ایسی تجویز پر جو مسلم و
غیر مسلم جماعتوں کے اتفاق سے طے ہوجائے ممکن ہے،

(۱) مثلاً مرکزی ایوان کے ممبروں کی تعداد کا تناسب یہ ہو، ہندو ۴۵ مسلم ۴۵، دیگر
اقلیتیں ۱۰،

(۲) مرکزی حکومت میں اگر کسی بل یا تجویز کو مسلم ارکان کی ۲/۳ اپنے مذہب یا اپنی
سیاسی آزادی یا اپنی تہذیب و ثقافت پر مخالفانہ اثر انداز قرار دے تو وہ بل یا تجویز ایوان
میں پیش یا پاس نہ ہوسکے گی،

(۳) ایک ایسا سپریم کورٹ قائم کیا جائے جس میں مسلم و غیر مسلم ججوں کی تعداد مساوی
ہو، اور جس کے ججوں کا تقرر مسلم و غیر مسلم صوبوں کی مساوی تعداد کے ارکان کی کمیٹی
کرے، یہ سپریم کورٹ مرکز اور صوبوں کے درمیان تنازعات یا صوبوں کے باہمی تنازعات
یا ملک کی قوموں کے اختلافات کا آخری فیصلہ کرے گا،

نیز تجویز نمبر ۲ کے ماتحت اگر کسی بل کے مسلمانوں کے خلاف ہونے نہ ہونے میں مرکز
کی اکثریت مسلم ارکان کی ۲/۳ اکثریت کے فیصلہ سے اختلاف کرے تو اس کا فیصلہ
سپریم کورٹ میں کرایا جائے گا،

(۴) یا اور کوئی تجویز جسے فریقین باہمی اتفاق سے طے کریں،

(خادم ملت محمد میاں غفرلہ)
ناظم جمعیۃ علماء ہند دہلی

## مکالمۃ الصدرین کا جواب

از

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

مرتبہ

ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہان پوری

ناشر

مجلسِ یادگارِ شیخ الاسلامؒ۔ پاکستان

کراچی

# کشفِ حقیقت

| فہرست | | صفحہ |
|---|---|---|

| فہرست | صفحہ |
|---|---|

# حرفِ چند

حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ سے ان کے چند معاصر اور عزیز تلامذہ کی ایک بے تکلف ملاقات میں جس کی تفصیل آگے آئے گی، حضرت علامہ کی عیادت و مزاج پرسی کے ساتھ وقت کی سیاسیات بھی زیرِ تبصرہ آئی تھی۔ یہ ایک نج کی ملاقات تھی۔ یہ نہ بحث و مباحثہ تھا، نہ مناظرہ تھا، نہ مکالمہ! اس ملاقات و گفتگو میں کسی اور کو قصداً بھی شریک نہیں کیا تھا۔ بیٹھک کے دروازے میں اندر سے کنڈی لگالی گئی تھی۔ اخبار میں گفتگو کی تفصیل یا فیصلہ و نتیجہ کے اعلان کا تو اس وقت تک فریقین کے ذہن میں تصور تک نہ تھا۔ لیکن ہوا یہ کہ ایک یارِ شاطر نے حضرت علامہ کو شیشے میں ایسا اتارا کہ موضوعِ گفتگو کی چند باتیں اگلوالیں۔ پھر ان میں ترمیمات اور بعض اضافات کے ساتھ مقصودِ گفتگو کے علی الرغم اپنی تاویلات و تعبیرات سے مزین کر کے اور کمال شرارت و چالاکی سے کام لے کر حضرت علامہ کو نہ صرف وہ تحریر دکھلائی اور اس کی اصلاح بھی کروالی، ان کے علم میں لائے اور اجازت کے بغیر اسے شائع بھی کر دیا۔ چوں کہ گفتگو کے وقت نہ مرتب صاحب موجود تھے نہ حضرت علامہ کے ساتھ کوئی اور صاحب اس مجلسِ گفتگو میں تھے۔ اس لیے گفتگو کی نقل اور بیان کی پوری ذمہ داری حضرت علامہ پر آگئی اور چوں کہ اس میں حضرت علامہ کی فتح مندی اور فریقِ ثانی کے سکوت و شکست کے بیان میں دُون کی لی گئی تھی، اس لیے اس بیان کی معصیت کی کالک کے لیے حضرت علامہ کے چہرے کے سوا کوئی اور چہرہ نہ تھا۔ اس کے علاوہ روداد گفتگو کا کوئی جملہ اور کوئی سطر کذب و افترا کی سیاہی سے خالی نہ تھا اس کا مرتب و مؤلف حضرت علامہ کی نظرِ اصلاح اور ترمیم و تصدیق کے بیان و تذکرہ کے بعد اس کے نتائج کی ذمہ داری سے بھی سبک دوش ہو چکا تھا۔ حضرت علامہ کی مجبوری یہ تھی کہ نہ وہ اس کذب و افترا کا اقرار کر سکتے تھے نہ انکار کے لیے ان کے مخلص و مرید نے گنجایش چھوڑی تھے۔ بدنصیبی یہ ہوئی کہ ایک تقریر میں جوش میں آ کر انھوں نے مکالمہ کی ایک ایک سطر کی سچائی اور مبنی بر حقیقت ہونے کا نہ صرف بہ بانگِ دُہل اعتراف کر لیا بلکہ مزید جوش میں آ کر انھوں نے مولانا حسین احمد مدنیؒ کو مباہلے کی دعوت دے دی۔ حضرت کا شاید یہ خیال تھا کہ چوں کہ مکالمۃ الصدرین میں وہ فریق اس لیے نہیں بن سکتے کہ

وہ اس وقت کسی جماعت کے صدر نہیں ہے اور فریق ثانی جو کسی جماعت کے صدر ہیں، وہ صدر کی حیثیت سے نہ آئے تھے اور آئے تھے تو انھوں نے گفتگو میں حصہ نہ لیا تھا اور پانچ دس منٹ کا جو ایک مضمون پڑھا تھا اس پر تبصرہ و جواب میں انھوں نے ایک جملہ بھی نہ کہا تھا اس لیے ان کا خیال تھا کہ مولانا مدنی مباہلے کا چیلنج قبول ہی نہ کریں گے۔ لیکن حضرت شیخ الاسلام نے چیلنج قبول کرلیا۔ اب حضرت علامہ کے لیے نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن، جو داؤں انھوں نے حضرت مدنی کو چت کرنے کے لیے چلا تھا اس سے وہ خود ہی چت ہو گئے۔ اس کے بعد وہ اپنے زاویہ خمول میں ایسے چھپے کہ انھوں نے مباہلے اور مقابلے کا نام نہ لیا۔ لیکن مکالمۃ الصدرین کے نام سے جو فتنہ پیدا ہو گیا تھا اس کا کوئی تدارک ان کے بس کی بات نہ تھی۔ مولانا مدنی اور ان کے رفقا و مخلصین نے اس پر خاک ڈالنے ہی کا فیصلہ کیا تھا لیکن الیکشن کا زمانہ تھا۔ لیگیوں اور جمعیت علمائے اسلام کے دوسرے رہنماؤں کے ہاتھ ایسا ہتھیار لگا تھا جس کی کاٹ جمعیت علمائے ہند کے حق پرستوں کے پاس بھی نہ تھی۔ جلسوں جلوسوں کی ہنگامہ آرائی اور پروپیگنڈے کے طوفان بے تمیزی میں مسلم لیگ کا مقابلہ نہ جمعیت علمائے ہند کر سکتی تھی اور نہ کوئی دوسری قوم پرور جماعت! اور اس کے باوجود جمعیت علمائے اور دوسری قوم پرور جماعتیں اپنے موقف کے حق میں تاریخی اور عقلی دلیلیں رکھتی تھیں، ہار گئیں اور مسلم لیگ اپنی صحت کی ہزار کم زوری کے باوجود مقابلہ و مسابقت میں آگے نکل گئی۔

حضرت شیخ الاسلام نے مکالمۃ الصدرین پر اپنی تنقید میں ہر پہلو سے سیر حاصل بحث کی ہے اور بحث و نظر کا کوئی گوشہ تشنہ نہیں چھوڑا ہے۔ اس لیے اس کے مضامین و مباحث پر میرا کچھ لکھنا تحصیل حاصل کے سوا کچھ نہیں۔ البتہ میں یہاں اس رسالے کے نام کی عدم صحت کے بارے میں چند باتیں عرض کروں گا۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اس کے کسی ناقد و مبصر نے اس طرف توجہ نہیں کی۔ یہ بات ذہن میں رکھیے کہ

❁ اس زمانے میں حضرت علامہ عثمانی نے اگرچہ جمعیت علمائے ہند سے عملاً کنارہ کشی کر لی تھی اور وہ مسلم لیگ کے نصب العین میں اپنی ذاتی حیثیت میں دلچسپی بھی لینے لگے تھے لیکن جمعیت علمائے ہند کی رکنیت سے انھوں نے استعفیٰ نہیں دیا تھا، نہ کسی دوسری جمعیت میں انھوں نے شرکت فرمائی تھی اور نہ وہ کسی جماعت کے صدر تھے۔

۞ مولانا حسین احمد مدنی جمعیت علماے ہند کے صدر ضرور تھے لیکن وہ اپنی اس حیثیت میں وہاں گئے ہی نہیں تھے۔ اولاً تو وہ ایک عاید (عیادت کنندہ) کی حیثیت سے گئے تھے۔ ثانیاً جو صاحبان حضرت علامہ عثمانی سے وقت کے مسایل پر گفتگو کرنا چاہتے تھے، مولانا مدنی صاحب ان کے محض ایک شریک اور ساتھی تھے۔ اور نہ کسی وقت انھوں نے اپنی حیثیت جتائی اور نہ اس حیثیت سے انھوں نے گفتگو میں کوئی حصہ لیا۔

ان بنیادی نکات کو ذہن میں رکھ کر اب ذرا غور فرمایئے؛

(۱) پورا رسالہ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی کی گفتگو، بیان اور حضرت علامہ عثمانی کی طرف سے اس کے جواب یا رد میں ہے، پھر یہ ''مکالمۃ الصدرین'' کیسے ہو گیا؟

(۲) اس وقت تک حضرت علامہ عثمانی نے جمعیت علماے اسلام کی صدارت قبول ہی نہیں کی تھی، اس لیے یہ ''مکالمۃ الصدرین'' - دو صدروں کا مکالمہ کیسے ہو گیا؟

(۳) اس مجلس میں مولانا مدنی کی شرکت جمعیت علماے ہند کے صدر کی حیثیت سے تھی ہی نہیں۔ ایسی صورت میں وہ گفتگو میں حصہ لیتے بھی تو یہ ''مکالمۃ الصدرین'' نہ کہلاتا۔

(۴) حضرت مولانا مدنی نے اس مجلس کی گفتگو میں حصہ ہی نہیں لیا اور حضرت علامہ عثمانی نے ان کی کسی بات (ان کہی) کا جواب ہی کب دیا تھا کہ یہ مکالمہ یا ''مکالمۃ الصدرین'' کہلاتا؟

(۵) اس گفتگو میں مولانا مدنی کے حصے کے بارے میں خود مرتب فرماتے ہیں:

''آخر مجلس میں حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی کچھ بولے جو تقریباً دس پندرہ منٹ سے زیادہ نہ تھا۔''

یہ بولنا کیا تھا؟ خود مرتب صاحب لکھتے ہیں:

''آخر گفتگو میں مولانا حسین احمد صاحب نے اپنی جیب سے دو تین کالم کا ایک مضمون نکال کر تقریباً آٹھ دس منٹ تک پڑھ کر سنایا۔''

مرتب نے ''بول'' کی صراحت تو کر دی کہ وہ ایک مضمون بہ قدر دو تین کالم کے تھا جو انھوں نے جیب سے نکالا اور پڑھا تھا لیکن انھوں نے نہ تو اس کا مضمون بتایا اور نہ حضرت علامہ کا جواب یا رد نقل کیا۔ جو اسے مکالمہ کہے جانے کا کسی درجے میں جواز پیدا کرتا! پھر یہ ''مکالمہ'' کیسا تھا جو بغیر کلام اور اس کے جواب کے وجود میں آ گیا؟

یہ چند خیالات اس تحریر کی نوعیت کے بارے میں تھے۔ان اکاذیب و مفتریات کے بارے میں میرا کچھ کہنا مناسب نہیں جو اس تحریر میں سمو دیے گئے ہیں اور جن کی تردید حضرت مولانا مدنی، حضرت مفتی کفایت اللہ اور حضرت مولانا سیوہاروی نے واضح اور مفصل کر دی ہے۔

''کشفِ حقیقت'' مکالمۃ الصدرین کا جواب ہے، اس پر کسی تبصرے کی ضرورت نہیں۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا مدنی کی تحریر، حضرت سیوہاروی کے اس پر ''پیش لفظ'' نیز ان کے بیان، مدیر مدینہ (بجنور) کے تبصرے، حضرت مفتی صاحب کے خط، مطبوعہ ہفت روزہ ''انصاری (دہلی)'' اور دیگر تحریرات سے تمام حقایق واشگاف ہو جاتے ہیں۔ یہ بیان، تبصرہ، خط اور دیگر تحریرات اس رسالے کے ساتھ شامل کی جاتی ہیں۔

میری نظر سے ''کشفِ حقیقت'' کی صرف ایک اشاعت گزری ہے۔اسے ۱۹۴۶ء میں مولانا محمد وحید الدین قاسمی نے دلی پرنٹنگ ورکس، دہلی میں چھپوا کر جمعیت علماے ہند کے مرکزی دفتر دہلی سے شایع کیا تھا۔اب اسے ازسرِنو مرتب کر کے حضرت شیخ الاسلام کے ''مقالات سیاسیہ'' میں شامل کر دیا ہے۔

ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہان پوری
(دسمبر ۱۹۹۷ء)

# پیش لفظ

از مجاہد ملت حضرت مولانا محمد حفظ الرحمن سیوہاروی رحمۃ اللہ علیہ

ایک مرتبہ دیوبند جانا ہوا، حسب معمول حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کی خدمت میں بھی حاضر ہوا، مولانا عبد الحنان صاحب ہمراہ تھے، دیرینہ مخلصانہ تعلقات کی وجہ سے مختلف امور پر گفتگو ہوتی رہی، بات چیت کا رخ موجودہ سیاسی مسئلہ کی طرف پھر گیا،

یہی زمانہ تھا کہ حضرت مولانا نے مولانا آزاد سبحانی کی اس خواہش کو مسترد کر دیا تھا کہ مفروضہ جمعیۃ علماء اسلام ــــــ جمعیۃ علماء ہند کے مقابلہ میں الیکشن کے لیے جس کی سخت ضرورت محسوس کی جا رہی تھی ــــــ کی صدارت کو قبول فرمائیں ــــــ اور مسترد بھی یہی کہکر کیا کہ "یہ جو کچھ کیا جا رہا ہے الیکشن میں استعمال کرنے کے لیے ہے، کیا اس کے بعد بھی جمعیۃ علماء اسلام کی راہنمائی لیگ کے لیے مشعل ہدایت بنے گی ــــــــــــــ

مگر بقول حضرت مولانا عثمانی چند روز بعد ہی بعض آمدہ خطوط نے اتنا اثر ڈالا کہ حضرت مولانا کو کلکتہ کے اجلاس میں اپنا پیغام بھیجنا ہی پڑا،

---

حالات کے اس تضاد نے دل میں ایسی خلش پیدا کر دی کہ دیرینہ نیازمندانہ تعلقات کی وجہ سے دل چاہا کہ نجی مجلس میں ان دونوں باتوں کا تطابق معلوم ہو جائے

تو بہتر ہی کہ جس چیز کو چند روز قبل ڈھونگ سمجھ کر رد کر دیا گیا تھا وہ کون سے تاثرات تھے جن کی وجہ سے چند دن بعد اس ڈھونگ نے اس قدر اہمیت پیدا کر لی،

پھر بارہا حضرت مولانا کی مجلس میں یہ بھی سن چکا تھا کہ میں جمعیۃ علماء ہند کے شرکتِ کانگریس کے فیصلہ سے مطمئن نہیں ہوں، تاہم میں مسلم لیگ میں نہ شریک ہو سکتا ہوں اور نہ کبھی حمایت کر سکتا ہوں، کیونکہ میرا الیقین ہے کہ مسٹر جناح اور مسلم لیگ کی لیڈر شپ علمائے اسلام کی توہین اور مذہب کی تخریب کے درپے ہے، اور مذہب کا نام استعمال کر کے بے دینی اور الحاد پھیلا رہی ہے، اس لیے بھی ضرورت تھی کہ اس خلش کو دور کیا جائے کہ اب لیگ کی حمایت کے اسباب کیا ہیں؟

حضرت مولانا سے ذکر آیا تو خندہ پیشانی کے ساتھ فرمایا کہ "مناسب ہی کسی دوسرے وقت باتیں کریں گے"!

حُسنِ اتفاق کہیے یا سوءِ اتفاق سمجھیے کہ دوسری حاضری کے وقت اکابر جمعیۃ علماء کا اجتماع حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ کی دعوت پر دیوبند میں ہو رہا تھا...
طبیعت نے پھر گدگدایا، اور بہتر سمجھ کر ان اکابر سے دہلی ہی میں گذارش کیا، کہ حضرت مولانا عثمانی کی علالت کے سلسلہ میں عیادت کرتے ہوئے آپ حضرات بھی اگر اس گفتگو میں اس لیے شریک ہو جائیں کہ ایک جماعت کے ارکان میں جو شکوک و شبہات دارالعلوم کے گذشتہ قضیہ سے پیدا ہو گئے تھے جن کی ناخوشگواری نے ایک کو دوسرے سے دور کر دیا ہے، اس سے فائدہ اٹھانے کی سعی بلیغ میں مصروف ہیں، کیوں نہ باہم مل کر اور شکوہ و شکایت کو سن کر رفعِ شکوک کر دیا جائے، اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحب کی موجودہ روش پر کھلے دل سے کیوں نہ تبادلہ خیالات کر لیا جائے اور یہ بتلا دیا جائے کہ ان کی اس روش سے کیا کیا دینی مضرتیں پہونچ جانے والی ہیں،

ان اکابر نے بخوشی اس کو منظور کر لیا، اور میں نے مسرت کے ساتھ بذریعہ خط

حضرت مولانا کو مطلع کر دیا،

چنانچہ اس حاضری کے وقت خالص اسی رنگ میں گفتگو ہوئی، اور اول سے آخر تک یہی پہلو گفت وشنید کا محور بنا رہا، اور اسی ذیل میں اسی انداز سے پاکستان پر اور دوسری سیاسی باتوں پر گفتگو ہوتی رہی، مناظرانہ روش سے دور کا بھی واسطہ نہ تھا اور نہ حضرت مولانا ہی کی جانب سے یہ طرز اختیار کیا گیا تھا،

چنانچہ پاکستان ہی کے مسئلہ پر گفتگو فرماتے ہوئے حضرت مولانا نے مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا ـــــــ "مجھ کو تمھاری تمام باتیں تو محفوظ نہیں رہیں، لیکن جو کچھ ذہن میں محفوظ ہیں اس کے متعلق یہ کہتا ہوں"

غرض اس گفتگو میں ہر دو جانب سے یہ بات تو الفاظ کی صراحت میں بھی اور گفتگو کے وقت جانبین کے طرزِ عمل میں طے شدہ اور مسلّمہ تھی کہ گفتگو باہمی تعلقات اور ہم مسلک ہونے اور ایک جماعت کے ارکان ہونے کی وجہ سے نجی ہے، اور مل بیٹھکر یہ سوچنے کے لیے ہے کہ اس باہمی تفریق سے کس قدر دینی مضرتیں ہیں، اور اس لیے اس کو کس طرح مٹایا جائے،

یہی وجہ تھی کہ شام کو دوسری ملاقات کے وقت جبکہ میں اور مولانا عبدالحنان صاحب ہی تھے حضرت مولانا نے دورانِ گفتگو میں فرمایا کہ صبح کی گفتگو کا اثر حضرت مولانا حسین احمد پر کیا پڑا؟ ـــــــ میں نے عرض کیا کہ وہ خوش ہیں کہ اس طرح کی گفتگو سے ایک دوسرے کے قریب ہو کر جلد غلط فہمیاں دور ہو سکتی ہیں ـــــــ

یہ سُنکر حضرت مولانا نے انتہائی مسرت کا اظہار فرمایا، اور میرے اس اقدام کو سراہتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ:

"بھائی میری یہی دلی خواہش تھی اور ہے کہ اس طرح ہم ملتے جُلتے رہیں تاکہ ایک دوسرے کے ساتھ متفق ہونے کی صورت نکل سکے، مجھے بھی

اس سے بہت مسرت ہوئی، حتیٰ کہ تم لوگوں کے چلے جانے کے بعد میرے پاس میری جماعت کے بعض افراد آئے اور انھوں نے یہ کہا کہ ـــــ حضرت آپ تنہا تھے، آپنے ہمیں کیوں نہ بلا لیا کہ ہم ان سے گفتگو کرتے ـــــ تو میں نے ان سے کہا ـــــ بھائی کوئی مناظرہ تھا یا کوئی جنگ تھی کہ تم کو بُلاتا، یہ گفتگو تو باہمی روابط کی بنا پر تھی، جو خوش اسلوبی کے ساتھ آپس میں ہوئی، اس قسم کی ملاقات میں آپکے بُلانے کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا"

اس تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ ؎

اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا

اُس وقت تک نہ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب نے نام نہاد جمعیۃ علمائے اسلام کی صدارت قبول فرمائی تھی، اور نہ حضرت مولانا حسین احمد صاحب نے بحیثیت صدر جمعیۃ علماء ہند گفتگو میں حصہ لیا تھا، اس لیے اس کو "مکالمۃ الصدرین" کہنا ہی غلط ہے، اور اپنے افکار و خیالات کی گوہر افشانی اور دوسرے کے افکار و خیالات کی غلط ترجمانی یا قدم قدم پر اس کے سکوت اور لاجواب ہو جانے کی داستان سرائی اور کذب بیانی بھی سر تا سر افتراء ہے، اور مجھے تو یہ یقین کامل ہے کہ "مکالمۃ الصدرین" کے نام سے یہ جو کچھ پروپیگنڈا کیا گیا خود حضرت مولانا کے دل و دماغ کا نتیجہ نہیں ہے، بلکہ متعدد دنوں تک حضرت مولانا کی مرضی پر اثر انداز ہو کر ان حاشیہ نشینوں کے اصرار کا ثمرہ ہے جو جماعت کے اندر طویل عرصہ سے ہر قسم کے معاملات میں فساد ذات البین کی قیادت کر رہے ہیں، اور جن میں سے بعض کے متعلق جو کہ اس مکالمہ کی اشاعت کے روحِ رواں ہیں حضرت مولانا ایک دوسری تحریک کے سلسلہ میں اسی خیال کا اظہار فرماتے رہے ہیں، جن کا ذکر میں آج کر رہا ہوں،

بہرحال مکالمۃ الصدرین منصّۂ شہود پر آیا اور اس سے جو مقصد تھا لیگ نے الیکشن کے زمانہ میں اس کو پورا کیا، اور صحیفۂ آسمانی کی طرح اس کو خوب خوب اچھالا، تاہم جمعیۃ علماء ہند کے ارکان نے صبر و ضبط سے کام لیا اور نہیں چاہا کہ اس جانب سے اس کی تردید کی جائے، اور اصل حقیقت کا کشف کر کے کذب بیانی کا پول کھولا جائے، کہ اس سے حیلہ جو طبیعتوں کو اہلِ حق اور علماء کے خلاف لاف زنی کا موقع ملتا ہے، مگر افسوس یہ ہے کہ اس سکوت سے ناجائز فائدہ اٹھایا گیا، اور صبر و ضبط کو لاجواب ہونے سے تعبیر کیا گیا، اور طرفہ ماجرا یہ کہ اس رَو میں مسلم لیگ کے ہمنوا سنجیدہ اہلِ قلم بھی بہہ گئے، اور اگر "مکالمۃ الصدرین" کے کسی ایک نقل اور روایت کی بھی اس لیے تردید کی گئی کہ وہ سرتاسر بہتان ہے، اور فساد ذات البین کا مرقع تو دوسری جانب صبر و ضبط کے فقدان کا یہ حال ہوا کہ اس کی تردید لازمی اور ضروری سمجھی گئی، نتیجہ یہ نکلا کہ جمعیۃ علماء کے مخلصین و ہمدرد اور غیر جانبدار حضرات نے اصرار بلیغ کیا، کہ اس حد پر پہنچ کر سکوت مناسب نہیں ہے، اور ضروری ہے کہ گفتگو کی اصل حقیقت کو بھی واضح کیا جائے اور ساتھ ہی "مکالمۃ الصدرین" کے زیر بحث مسائل پر بھی روشنی ڈالی جائے، اس لیے یہ مجموعہ قارئینِ کرام کے سامنے ہے، اس میں دونوں ہی پہلو پیش نظر رکھے گئے ہیں ——— باہمی گفتگو کی اصل حقیقت کا جستہ جستہ اظہار بھی ———

اور "مکالمۃ الصدرین" میں کیے گئے پروپیگنڈے کا جواب بھی،

تاہم طبیعت تکلیف اور رنج محسوس کر رہی ہے کہ کاش "مکالمۃ الصدرین" کے نام سے یہ کذب بیانی سامنے نہ آتی، تاکہ اس کے جواب کے لیے قلم اٹھانا نہ پڑتا ———

محمد حفظ الرحمٰن

از حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد صاحب
مدنی مد ظلہ، صدر جمعیۃ علماء ھند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلحمدُ لِلّٰہِ رَبِّ العٰلمِین، وَالصَّلوٰۃُ وَالسَّلامُ علیٰ سَیِّدِ المُرسَلِین وَآلِہٖ وَصَحبِہٖ اَجمَعِین،

اما بعد!

یوروپین اقوام عموماً اور برطانیہ خصوصاً اپنے اغراض و مقاصد کے لیے خواہ وہ کسی قدر بھی مذموم اور مشئوم ہوں ہر قسم کے جائز اور ناجائز ذرائع اور وسائل کو استعمال کرنا نہ صرف مباح سمجھتی ہیں بلکہ ضروری اور فرض خیال کرتی ہوئی عمل درآمد کرتی رہی ہیں۔ اس راہ میں ہر ہر قسم کی ڈپلومیسی اور دجل و فریب اور ہر ہر نوع کی منافقت اور بددیانتی کو انتہائی کمال اور سیاست شمار کرتی ہیں۔

تہمت تراشی اور افترا پردازی، دروغ گوئی اور بہتان بندی ان کے یہاں اوجِ کمال کی مقدس سیڑھیاں ہیں، جن کے لیے نہ صحافتی ذمہ داریاں مانع ہوتی ہیں

نہ انسانی اخلاق اور مذہبی تعلیمات سدِ راہ بنتی ہیں۔ یہی ان کا نصب العین اور مقصدِ زندگی ہے اور یہی ان کا معیارِ عروج و ترقی ہے۔ یَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غَافِلُوْنَ۔

جس قدر بھی کوئی شخص ڈپلومیٹک اور دروغ گو ہے وہی سب سے زیادہ پولٹیکل اور صاحبِ کمال ہے۔ ان کو ان امور میں گوئے سبقت حاصل کرنے میں نہ حیاء و شرم مانع ہوتی ہے اور نہ مخلوق کی مظلومیت اور ان کے احتجاجات اور تنقیدات کی پرواہ ہوتی ہے۔

ان کی گذشتہ تاریخ اور روزمرہ کے واقعات اس پر پوری طرح روشنی ڈالتے ہیں۔ آج بدقسمتی سے یورپ زدہ ایشیائی اقوام عموماً اور نوجوانانِ ہندوستان خصوصاً ان کی اس ملعون تہذیب سے متأثر ہو کر اسی طرز کو محمود سمجھتے اور اس پر عمل درآمد کرنا فخر سمجھتے ہیں۔

اور یہ زہر اُن کے رگ و جسم میں اس قدر سرایت کر گیا ہے کہ ایسے امور کی قباحت اور شناعت بھی ان کے ذہن و دماغ سے جاتی رہی۔ اور کیوں نہ ہو؟ جبکہ لارڈ میکالے نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ ہمارا مقصد ہندوستان میں تعلیم سے یہ ہے کہ "ایسے لوگ پیدا ہوں جو کہ رنگ اور نسل کی حیثیت سے ہندوستانی ہوں اور دل و دماغ کی حیثیت سے انگریز ہوں" چنانچہ مسلم لیگ کے ممبران اور زعماء عموماً وہی لوگ ہیں جو اسی مغربی تعلیم اور تہذیب سے سرشار اور اسی کے دلدادہ ہیں۔ ان کی نظر میں مذہبی تعلیم اور عقائد و اصول (حسبِ تصریحات لوتھر) ایک زائد اور فضول چیز بن کر صرف شخصی اصلاحات کی چیز بن کر رہ گئی ہے جس کو قومی عروج اور ترقی میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ بلکہ حسب قول ڈبلو، ڈبلو ہنٹر "ہمارے اسکولوں اور کالجوں کا پڑھا ہوا کوئی نوجوان ہندو یا مسلمان ایسا نہیں جس نے اپنے بزرگوں کے مذہبی عقائد کو

غلط سمجھنا نہ سیکھا ہو"

عوام کے اذہان پر پردہ ڈالنے کے لیے کبھی کبھی مذہب اور اس کی تعلیمات اور اس کے اصول اور اخلاق کا تذکرہ زبان و قلم پر اگرچہ آجاتا ہے مگر ان کی زندگی اور اعمال اس سے کوسوں دور ہیں۔ وہ کونسی بہتان بندیاں اور افترا پردازیاں ہیں جو اُن کے پرسیوں اور اخباروں میں روزانہ نہ پائی جاتی ہوں۔ اور وہ کونسی بدتہذیبیاں اور بداخلاقیاں ہیں جو اُن کے اعمال ناموں کو دن درات رنگین نہ کرتی ہوں۔

ان کی تحریروں اور تقریریں اور ان کی زبان دجواج شب و روز اسی شرمناک طرزِ عمل کا مظاہرہ کرتے رہتے ہیں اور وہ جماعتی نظام کے پردہ میں اپنی اغراضِ شخصیہ کے لیے ان ہی ہتھیاروں سے سج کر ہر میدان میں نہ صرف وقف ہیں بلکہ نہایت تیزی سے گامزن نظر آتے ہیں۔ ان کو کوئی جھجک اور رکاوٹ بداخلاقی اور دروغ بافی سے اس میدان میں مارچ کرنے سے عارض اور مانع نہیں ہوتی۔ اور دن رات لوگوں کی پگڑیاں اچھالنا اور اپنے غیر ہم خیالات کو ذلیل و خوار کرنا، ان پر تہمتیں رکھ کر عوام کو ان سے متنفر بنانا اور غیر واقعی چیزوں کو جان بوجھ کر ان کی طرف منسوب کرنا ان کا محبوب مشغلہ ہے۔

یورپ کا مشہور مقولہ "جھوٹ برابر بولتے رہو آخر کار اس کی تصدیق کرنے والے پیدا ہو ہی جائیں گے" ان کا وتیرہ ہو گیا ہے۔ وہ جھوٹ اور افترا پردازی میں اس قدر دلیری اور جسارت سے عمل کرتے رہتے ہیں کہ گویا ان امور کی واقعیت میں کوئی شبہ تک بھی نہیں، پَر کا کبوتر بنانا اور ذرہ کو پہاڑ کہہ دینا، تو پُرانے زمانہ کے جھوٹوں کا کام تھا۔ ان مغرب زدہ حضرات کے یہاں "بے پر کا کبوتر" اور "بغیر ذرہ کے پہاڑوں" کی تخلیق روزمرّہ کا شیوہ ہو گیا ہے۔

---

## مکالمۃ الصدرین:

اس قسم کی مفتریات اور اکاذیب عرصۂ دراز سے ہماری نظروں سے گذرتی رہی ہیں مگر ہم نے ہمیشہ ان کی تردید اور تغلیط سے متعدد وجوہ سے اعراض کرنا اور اپنے اوقات کو اس میں ضائع کرنے سے بچانا ضروری سمجھا۔ اسی ضمن میں ہمارے دوستوں نے ہم کو رسالہ "مکالمۃ الصدرین" کی طرف متوجہ کیا۔ جس میں کذب افتراء کو ایسی خوش اسلوبی سے بھر اگیا ہے کہ ناواقف آدمی اس کو واقعیت کا جامہ پہنانے میں ذرا بھی توقف نہ کرے گا۔ چونکہ اس کی نسبت علامہ مولانا شبیر احمد عثمانی کی طرف کی گئی ہے اس لیے اس سے لوگوں کو بہت سے شبہات اور خلجانات پیدا ہوئے۔ اور وہ ہماری طرف رجوع ہوئے۔ دیکھنے سے معلوم ہوا کہ بلاشبہ اس میں اس قدر اکاذیب اور غلط بیانیاں ہیں کہ جن کو دیکھ کر ہماری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی، اور بجز افسوس اور انا للّٰہ و انا الیہ راجعون پڑھنے کے اور کوئی چارۂ کار نظر نہ آیا۔ ہم نے چاہا کہ جس طرح ہم سالہا سال سے لیگی یاوہ گوئیوں اور افترا پردازیوں کا جواب سکوت اور چشم پوشی سے دیتے رہے ہیں اس سے بھی سکوت اور اغماض کو عمل میں لائیں۔

مگر حضرت مولانا موصوف کی طرف نسبت ہونے سے لوگوں کے خلجانات روز افزوں ہوتے رہے، اور ہم سے مشافہۃً اور تحریراً بار بار سوال کیا گیا۔ ہم کو بھی علامہ موصوف کی علوِ قدر اور بلند مقامی، جس کے مٹانے کی ان کے گندم نما جو فروش، خود غرض دوستوں نے قسم کھا رکھی ہے، اس بارے میں قلم اٹھانے اور اظہار واقعیت سے مانع ہوتی رہی۔ مگر جب ہم کو معلوم ہوا کہ مولانا اپنے کرفی دوستوں سے اس قدر مسحور ہو رہے ہیں کہ اپنی تقریروں میں برابر اس مجموعۂ دجل و فریب پر فخر کرتے اور لوگوں کو اس کے مطالعہ کی ترغیب دیتے ہوئے مباہلہ تک کا اعلان کرتے ہیں تو ضروری معلوم ہوا کہ مختصر طور پر اس رسالہ کی حقیقت کو واضح کر دیں۔ ہمارے حضرت مولانا کی نازک مزاجی اگرچہ

سدِ راہ ہوتی رہی اور قلم اٹھانے سے ہم جھجکتے رہے کیونکہ ہم نہیں چاہتے کہ (معاذ اللہ) مولانا کے وقار کو کسی درجہ میں بھی ٹھیس لگے۔ مولانا کی عزت اور وقار کو ٹھیس لگنا ہم سبھوں کی عزت اور وقار کے لیے باعثِ ننگ و عار ہے، مگر ان کے دوست نما دشمنوں نے ایسے مقام پر مولانا کو کھڑا کر دیا ہے کہ جس سے چشم پوشی کرنا محال نہیں تو مشکل ضرور ہو گیا ہے۔

قومی ہم قتلوا امیم اخی ؎ فاذا رمیت یصیبنی سہمی
ولئن عفوت لاعفون جللاً ؎ ولئن کسرت لاوھنن عظمی

افسوس ہے کہ مولانا موصوف ان عیاریوں اور چالاکیوں سے بالکل غافل ہو گئے ہیں جو کہ اس رسالہ کی ترتیب و تہذیب میں عمل میں لائی گئی ہیں اور عوام کو دھوکہ دینے اور واقعات پر پردہ ڈالنے میں صرف کی گئی ہیں اور جو بلا شبہ اس قابل ہیں کہ ان کو طشت از بام کیا جائے۔

---

حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی بہت بڑی شخصیت کے مالک اور متبحر عالم ہیں، مگر اسی کے ساتھ ساتھ مولانا موصوف میں بعض کمزوریاں بھی ہیں مثلاً اگر مولانا کے ارد گرد اور ماحول میں ایسے خود غرض اور فتنہ جو افراد جمع ہو جاتے ہیں جو مولانا کی منقبت و مدحت کو آلہ بنا کر اور "انی لکما لمن الناصحین" کا نعرہ بلند کرتے ہوئے قسمیں کھا کھا کر مولانا کو مسحور کر لینا چاہیں تو مولانا موصوف کا مزاج بآسانی اس کو قبول کر لیتا ہے۔ اور اس فریب میں مولانا ہمیشہ ایسے شکار ہو جاتے ہیں کہ وہ نہ کرنے والی باتوں کے ارتکاب میں بھی کچھ پس و پیش نہیں فرماتے اور پھر اپنی اس روش پر مولانا کو اس قدر ترجیح ہو جاتی ہے کہ گویا وہ مسحور ہو گئے ہیں اور اس لیے وہ صرف آگے آنے والے نتائج مشئومہ سے ہی بے نیاز نہیں ہو جاتے بلکہ اپنے حقیقی مقام کو بھی

بھلا دیتے ہیں، چنانچہ ایسے واقعات بارہا پیش آچکے ہیں، اور جن میں سے متعدد امور کی طرف حضرت مولانا احمد سعید صاحب نے اپنے خطبۂ صدارت میرٹھ میں اشارہ فرمایا ہے۔

# اصل واقعہ کا تذکرہ

اواخر ماہ ذی الحجہ میں حضرت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ناظم اعلیٰ جمعیۃ علماء ہند اور مولانا عبدالحنان صاحب کسی ضرورت سے دیوبند حاضر ہوئے تو اس نیازمندی کی بناء پر جو کہ ہر دو حضرات کو مولانائے موصوف سے پہلے سے چلی آتی ہے حاضرِ خدمت ہوئے۔

یہ وہ وقت ہے جب کہ مولانا موصوف کے متعلق اخباروں میں شائع ہو رہا تھا کہ مولانا نے جمعیۃ علماءِ اسلام کے اجلاس کلکتہ میں اپنا خطبہ بھیج کر اس میں غائبانہ شرکت فرمائی ہے اور اہلِ جمعیۃ مذکورہ کی خواہش ہے کہ مولانا مستقل صدر اس جمعیۃ کے ہو جائیں۔ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے بوجہ قلتِ وقت کوئی مفصل گفتگو مسائلِ حاضرہ پر کرنی مناسب نہ سمجھ کر عرض کیا کہ میں اپنے دیرینہ تعلقات کی بناء پر چاہتا ہوں کہ آنجناب کی خدمت میں ان مسائل کے متعلق کچھ عرضداشت پیش کر کے تبادلۂ خیالات کر دوں اور لیگی پریس کی اشاعات نے جو گنجلک پیدا کر رکھی ہے اس کی حقیقت سے مطلع کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے،

مولانا نے کشادہ پیشانی سے اس کو قبول فرمایا اور اس گفتگو اور وعدے کے کچھ ہی بعد انھوں نے ایک عریضہ دہلی سے مولانا کی خدمت میں بھیجا جس میں مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب اور بعض دیگر احباب کی حاضری کی بھی درخواست پیش کرتے ہوئے ان حضرات کی آمد کی خبر دی تھی۔

چونکہ راقم الحروف جمعیۃ علماءِ ہند کا ایک خادم ہے اس لیے کارکنانِ جمعیۃ

بوقت ضرورت کبھی مجھ کو دہلی بلا لیتے ہیں اور کبھی دیوبند میں میرے مکان پر تشریف لاکر ضروریاتِ وقتیہ میں تذکرہ اور مشورہ کرتے رہتے ہیں۔ اوائلِ محرم ۱۳۶۵ھ میں حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب، مولانا احمد سعید صاحب، مولانا حفظ الرحمٰن صاحب، مولانا عبدالحلیم صاحب، مولانا عبدالحنان صاحب کو میں نے دعوت دی کہ چند اہم امورِ حاضرہ کے متعلق مشورہ کرنا ہے۔ مہربانی فرما کر فلاں وقت پر یہاں تشریف لائیے۔ حضرات موصوفین دیوبند تشریف لائے اور جب امورِ مقصودہ پر گفتگو سے فارغ ہوئے تو مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے کہا کہ مجھ کو اور مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب اور مولانا عبدالحنان کو چونکہ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب سے جمعیۃ علمائے اسلام سے متعلق اور بعض غلط فہمیوں سے متعلق گفتگو کرنی ہے تو میں نے جمعیۃ کی اس میٹنگ کے موقع کو مناسب سمجھ کر مولانا محترم کی خدمت میں یہ اطلاع دی ہے میری خواہش یہ ہے کہ آپ بزرگانِ عظام بھی مولانا سے ملاقات فرمائیں۔ مولانا کی بیماری کے سلسلہ میں عیادت بھی ہو جائے گی اور ہماری عرض معروض بھی سب کی موجودگی میں ہو جائے گی، یہ سُن کر حضرت علامہ مفتی کفایت اللہ صاحب اور حضرت مولانا احمد سعید صاحب (اور راقم الحروف) نے خندہ پیشانی سے اس کو قبول فرمایا۔

چنانچہ یہ سب حضرات مع راقم الحروف مولانا کے دولت خانہ پر حاضر ہوئے۔ مولانائے موصوف سے نہ کسی قسم کا مناظرہ اور مجادلہ مقصود تھا اور نہ ان پر ہجوم کر کے ہم خیال بنانے کا ارادہ تھا۔ مولانا نے ہمارے پہنچنے پر دوسرے حضرات سے مکان کو خالی کر کے بیرونی دروازہ بند کروا کے ہم کلامی کا شرف عطاء فرمایا۔ درمیانِ گفتگو میں جب میر صادق حسین صاحب مولانا کے پاس باہر سے تشریف لائے اور بیرونی دروازہ کھٹکھٹایا تو مولانا نے ان کو دروازہ کھلوا کر اندر داخل کر کے بالاخانہ پر بھیج دیا اور خصوصی طور پر جماعت سے گفتگو فرماتے رہے۔

مولانا کے اس طرزِ عمل نے ہم لوگوں پر یہ بخوبی واضح کر دیا کہ مولانائے موصوف

اس حقیقت کو اچھی طرح محسوس فرمارہے ہیں کہ ہماری یہ مجلس محض ایک نجی مجلس ہے جو باہمی تعلقات کے زیر اثر تجویز ہوئی ہے، اس کا پبلک یا پریس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ بہر حال نہایت خلوص اور محبت کے ساتھ تمام گفتگو جاری رہی۔ اس مجلس میں نہ مسطورہ بالا حضرات کے علاوہ کوئی غیر شخص موجود تھا اور نہ گفتگو قلمبند ہوئی اور کچھ عرصہ کی گفتگو کے بعد مجمع واپس ہوا۔

مولانائے موصوف کے خصوصی نیاز مند مولانا حفظ الرحمٰن صاحب اور مولانا المفتی عتیق احمد صاحب مسائل حاضرہ پر مولانا سے زیادہ دیر تک گفتگو فرماتے رہے۔ درمیان میں کبھی کبھی مولانا احمد سعید صاحب وغیرہ نے بھی حصہ لیا۔ اس میں شک نہیں کہ اس گفتگو میں مختلف امور کا تذکرہ آیا مگر نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ باتیں ہوتی رہیں جن میں نہ کوئی مناظرانہ طرز تھا نہ اثر ڈالنے اور دبانے کا کوئی پہلو تھا۔ نہ کسی ادب و احترام میں کوئی کوتاہی تھی۔ تمام طریقہ احباب کی دوستانہ اور خصوصی گفتگو کا تھا۔ اور ہر امر میں پرائیویٹ ابحاث کی شان تھی۔ اور یہی وجہ ہوئی کہ اس تمام گفتگو یا اس کے کچھ حصہ کو جمعیۃ کے کسی رکن نے نہ کسی اخبار، رسالہ یا اشتہار میں شائع کیا نہ دوسرے احباب سے تذکرہ کیا۔ مگر خود غرض چالاک لوگوں نے نہ معلوم مولانا کو کیا سمجھایا اور کس قسم کا پروپیگنڈا کیا کہ کچھ عرصہ بعد یہ رسالہ "مکالمۃ الصدرین" شائع کر دیا گیا جس میں نہ فریقین کے دستخط ہیں نہ فریق ثانی (اراکین جمعیۃ) کو کوئی خبر دی گئی نہ ان میں سے کسی سے تصدیق کرائی گئی۔ خود مولانائے موصوف کے دستخط بھی نہیں، بلکہ مولوی طاہر صاحب کے دستخط ہیں جو کہ اثنائے گفتگو میں موجود تک نہ تھے۔ خود مولوی طاہر صاحب آخر میں بعنوان "ضروری گذارش" فرماتے ہیں:۔

"جو مکالمہ اوپر درج ہوا اس میں سب اجزاء آگئے، کوئی ایک آدھ جزء چھوٹ گیا ہو تو جُدا بات ہے، ترتیب کلام میں تقدیم و تاخیر بھی ممکن ہے! کیونکہ جس وقت مکالمہ ہو رہا تھا بروقت منضبط نہیں ہوا، لیکن گفتگو کا

ملخص اور ضروری لب لباب جہاں تک ممکن تھا لے لیا گیا۔ علامہ عثمانی نے
جس طرح گفتگو نقل فرمائی اسی طرح قلم بند کر لی گئی، اور مزید احتیاط یہ کی گئی
کہ مسودہ صاف کر کے حضرت علامہ کو دکھلا لیا گیا۔ حضرت علامہ نے
کہیں کہیں اس میں ترمیم و اصلاح بھی فرمائی، لہٰذا یہ مکالمہ حضرت علامہ
کا مصدقہ مکالمہ ہے جو بغرض افادۂ عوام شائع کیا جا رہا ہے۔"

نیز ابتداء میں صفحہ ۴ پر بعنوان "پیش لفظ" فرماتے ہیں:

"حضرت علامہ عثمانی اور وفد جمعیۃ علماء کے درمیان گفت و شنید کو احقر نے
قلم بند کیا، اور جہاں وضاحت کی ضرورت سمجھی وہاں قوسین میں عبارت
کا اضافہ کر دیا، تاکہ مکالمہ کی اصل عبارت میں امتیاز رہے۔ احقر نے مزید
احتیاط یہ کی کہ حضرت علامہ عثمانی کو یہ تمام مکالمہ قلم بند کر کے حرفاً حرفاً
دکھلایا اور حضرت ممدوح نے جہاں جہاں ترمیم یا اضافہ کی ضرورت سمجھی وہ
فرما دیا، اب یہ کہنا درست ہے کہ یہ مکالمہ حضرت علامہ شبیر احمد صاحب
عثمانی کا مصدقہ ہے"

مذکورہ بالا ہر دو عبارتوں سے صاف ظاہر ہے کہ مکالمہ مذکورہ مولوی طاہر صاحب ہی کا
اثر خامہ اور ان ہی کے فہم و خیالات کا نتیجہ ہے، اور ہماری باہمی گفتگو کو صرف ان خیالات
و افکار کا حیلہ بنایا گیا اور اسی لیے حقیقت سے دور اور کذب و افتراء کا مجموعہ ہے۔

مولانا طاہر صاحب لیگ کے خصوصی ورکر اور عہدہ دار ہیں اور ان تمام خصوصیتوں
اور کمالات کے مالک ہیں جو کہ لیگی حضرات کے طرۂ امتیاز ہیں، ان کو فن پروپیگنڈہ میں
بھی وہ خصوصی مہارت حاصل ہے جو کہ بڑے سے بڑے گرگ باراں دیدہ لیگی کو بھی
حاصل نہیں، اگرچہ وہ اس وقت مولانائے عثمانی کے دست و بازو بنے ہوئے ہیں
مگر جہاں تک ہم کو علم ہے وہ اس سے پہلے اپنی ذاتی اغراض کے پیش نظر مولانا کے

بد ترین دشمن تھے اور مولانا موصوف کی ذات کو اسی طرح ہدفِ طعن و تشنیع بناتے رہے جس طرح جمعیۃ علماء کے ارکان ان کے تیر و نشتر کا شکار ہیں۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ کن اغراض و مقاصد کے ماتحت اور کن اثرات کے زیر سایہ آج مولانا کے ہم نوا اور ہم نوالہ و ہم پیالہ بن گئے ہیں؟ بہرحال یہ تمام تحریر موصوف ہی کے عزائم و خیالات کا آئینہ ہے اور مولانا شبیر احمد صاحب کی طرف منسوب کر کے مولانائے موصوف اپنا کھیل کھیلنا چاہتے ہیں۔

اگر واقع میں یہ تمام تحریر مولانا شبیر احمد صاحب کی مصدقہ تھی تو مولانا نے اس پر دستخط کیوں نہ فرمائے؟ اور اگر اس میں صداقت اور واقعیت تھی تو قبل اشاعت جمعیۃ کو دکھلایا کیوں نہیں گیا؟ اور ان سے دستخط کیوں نہیں کرائے گئے؟ کیا اخلاقِ اسلامی کی رُو سے یہ تحریر فریقین کے صحیح مکالمہ پر حجت ہو سکتی ہے؟ کیا دنیا کا قانون اور مہذب اقوام کا معمول یہی ہے؟ کیا یہ وہی لیگی نجس پروپیگنڈا نہیں ہے جس میں ہر ناجائز سے ناجائز کارروائی نہ صرف مباح ہے بلکہ فرض اور واجب بھی ہے۔ تعجب ہے کہ خود غرض یورپ بھی اس قسم کی کارروائی جائز نہیں سمجھتا اور دو شخصوں یا دو جماعتوں کی پرائیویٹ گفتگو میں یا تحریر میں بغیر ہر دو کے دستخطوں یا کم از کم اجازت اور علم کے نہ شائع کرنا جائز سمجھتا ہے نہ قابلِ اعتبار جانتا ہے۔ بالخصوص جبکہ وہ تنہائی اور بند کمرہ میں ہوئی ہوں۔ اس لیے ہم انگشت بدنداں ہیں کہ اگر مولوی طاہر صاحب نے اس اقدام کی بے جا جسارت کی بھی تھی تو حضرت مولانا شبیر احمد صاحب نے کیوں اس خلافِ دیانت و اخلاق تحریر کی اشاعت کی اجازت دی۔

بالخصوص جبکہ اس کو "مکالمۃ الصدرین" کا لقب دیا گیا تھا تو کم از کم اس کو صدر جمعیۃ علماءِ ہند کے علم اور دستخط سے تو شائع ہونا ضروری تھا۔

پس اہلِ فہم اس سے اندازہ فرما سکتے ہیں کہ حقیقت کیا ہے۔ ۵

بے خودی بے سبب نہیں غالبؔ ؎ کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے

پھر یہ بھی اقرار ہے کہ اس میں تقدیم وتاخیر ہوئی ہے اور یہ بھی اقرار ہے کہ ممکن ہے کہ اس میں ایک دو جملے رہ گئے ہوں، اور یہ بھی اقرار ہے کہ مذکورہ تحریر خلاصہ اور لبِ لباب اس مکالمہ کا ہے، ناظرین غور فرمائیں کہ جبکہ یہ تحریر امور مذکورۂ بالا سے خالی نہیں ہے اور پھر خلاصہ اور لُبِ لباب بھی مکالمہ کا ہے، تو یہ خلاصہ اور لُبِ لباب کرنے والے بزرگ کون ہیں؟ اور جنھوں نے خلاصہ اور لُبِ لباب بنایا ہے انھوں نے اس میں اپنے دماغ کو کہاں تک جگہ دی ہوگی، پھر یہ علمی مکالمہ کہاں رہا اور اس پر مباہلہ کی جرأت کے کیا معنی ہیں؟ اور اگر غور کرکے دیکھیں تو جبکہ مکالمہ سوا تین گھنٹہ تک جاری رہا جیسا کہ صفحہ ۳ پر درج ہے:

"وہ معرکۃ الآرا گفت وشنید جو یکم محرم ۱۳۶۵ھ مطابق ۷، دسمبر ۱۹۴۵ء کو حالاتِ حاضرہ پر بمقام دیوبند جانشین شیخ الہند امام المفسرین حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی صدر کل ہند جمعیۃ علمائے اسلام اور وفدِ اکابر جمعیۃ علمائے ہند کے درمیان سوا تین گھنٹہ جاری رہا......"

تو اس قدر طویل مکالمہ کو جو رسالہ مذکور میں لکھا گیا ہے اور ۶ صفحے سے، ۱۶ صفحے تک میں ختم کردیا گیا ہے اور جس میں جگہ جگہ مرتّب صاحب کے نوٹ بھی بڑھائے گئے ہیں جن کا مجموعہ بھی تقریباً دو صفحے ہوگا کیسے اصل مکالمہ اور مکالمہ کی حقیقی تصویر کہا جاسکتا ہے؟ کیونکہ زیر بحث مکالمہ تو زیادہ سے زیادہ آدھ گھنٹہ یا گھنٹہ بھر کے اندر بآسانی ہوسکتا ہے۔

پس ظاہر ہے کہ اس میں انتہائی کتر بیونت اور قطع وبرید کرکے اس کو مسخ کرکے گیارہ صفحوں میں درج کردیا گیا ہے۔

تو اب سوال یہ ہے کہ اس میں سے کیا کیا مضامین اور کون کون سی عبارتیں

حذف ہوئی ہیں؟ اور ان پر کوئی روشنی کیوں نہیں ڈالی گئی؟ کیا اس کے بعد بھی اس کو عینی مکالمہ کہنا یا مکالمہ کی حقیقی تصویر بتلانا درست ہو سکتا ہے؟ اور کیا اس پر یہ مثل صادق نہیں آتی کہ "میٹھا میٹھا غپ اور کڑوا کڑوا تھو"، اِنَّا للہ وانا الیہ راجعون،

پھر اس پر مستزاد یہ کہ مولوی طاہر صاحب نے جن علامہ عثمانی صاحب سے اس گفتگو کو چند گھنٹوں یا چند دنوں بعد (جس کا ذکر کیا گیا) سُنا اور پھر ترتیب دیا وہ بقول مولوی طاہر صاحب خود یہ اقرار فرماتے ہیں کہ مجھ کو نسیان کی عادت ہے اور حافظہ کی کمزوری اور بیان کی طوالت کی بناء پر ترتیب بیان اور نفسِ بیان اس وقت مجھ کو یاد نہیں رہا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں:۔

"جب وہ (مولانا حفظ الرحمٰن صاحب) تقریر فرما چکے تو علامہ عثمانی صاحب نے فرمایا کہ مجھے پورے الفاظ اور اجزاء تو آپ کی لمبی چوڑی تقریر کے محفوظ نہیں رہے البتہ جو تلخیص میرے ذہن میں آئی ہے اس کے جوابات بلالحاظ ترتیب عرض کر دوں گا۔ اگر کوئی ضروری بات رہ جائے تو آپ یاد دلا کر مجھ سے اس کا جواب لے سکتے ہیں" (صفحہ ۶)

اور پھر صفحہ ۷ پر ارشاد ہے:۔

"علامہ عثمانی نے فرمایا کہ آپ نے کلام اس قدر طویل کر دیا ہے کہ نمبر وار ہر ایک چیز کا جواب دینا مشکل ہے، میں جو کچھ یاد رکھ سکا ہوں ان کے جوابات دوں گا اور اگر کسی چیز کو بھول جاؤں تو آپ مجھے یاد دلا کر اس کا جواب لے لیں"

تو جب علامہ عثمانی کے نسیان کی یہ حالت ہے کہ مجلسِ کلام و گفتگو ہی میں تمام گفتگو یاد نہیں رہی اور نہ ترتیبِ مضمون کا پتہ رہا تو مجلس گذر جانے اور چند

گھنٹے یا چند ایام کے حائل ہونے کے بعد ان کو کس قدر یاد رہا ہوگا؟ ایسی صورت میں یہ مکالمۃ الصدرین کس طرح صحیح مکالمہ کہلانے اور فریق ثانی پر حجت ہونے کا مستحق ہو سکتا ہے؟ کیا یہ صریح دجل اور فریب نہیں ہے؟

اور پھر ان حضرت مرتّب کی ڈھٹائی کو ملاحظہ فرمایئے کہ یہاں یہ عذر ہے کہ خلاصہ اور لبّ لباب ذکر کیا گیا ہے، مگر یہ عذر اس لیے بالکل بے سود ہے کہ خلاصہ نکالنا اور ذکر کرنا حافظہ اور فہم اور رائے پر مبنی ہے، جن کی صداقت خود محلِ بحث ہے، اور طرفہ تماشا یہ کہ مولوی طاہر صاحب نے حضرت علامہ کی تقریر کو بھی لفظ بہ لفظ قلمبند نہیں کیا، اور مولانا کے حافظہ کی کمزوری کے باوجود اپنے خیال کے مطابق اس کو ترتیب دے کر پیش کیا ہے، جو کسی صاحبِ دیانت کے نزدیک نہ مکالمۃ الصدرین کہلانے کے لائق ہے اور نہ فریقِ ثانی پر حجت بننے کے لائق!

اس سے بڑھ کر اس میں دجل و فریب یہ کیا گیا ہے کہ اس کا نام "مکالمۃ الصدرین" رکھا گیا، جس کو دیکھ کر ہر شخص یہ سمجھنے پر مجبور ہوگا کہ اس میں تمام گفتگو ہر دو جمعیتوں کے دونوں صدروں یعنی حضرت علامہ عثمانی صدر جمعیۃ علمائے اسلام اور حسین احمد صدر جمعیۃ علمائے ہند کی ذکر کی گئی ہے، اور یہ رسالہ حسین احمد کی شکست اور اس کے عاجز ہو جانے اور اس کے اصول سے انحراف اور ذاتیات پر اترنے کی رجسٹری ہے، حالانکہ اس سوا تین گھنٹہ کی گفتگو میں خود اقرار کیا جاتا ہے، (دیکھو صفحہ ۶)

"آخرِ مجلس میں حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی کچھ بولے، جو تقریباً دس پندرہ منٹ سے زیادہ نہ تھا،"

صفحہ ۱۴ پر فرماتے ہیں:

"آخر گفتگو میں مولانا حسین احمد صاحب نے اپنی جیب سے دو تین کالم کا ایک مضمون نکال کر تقریباً آٹھ دس منٹ تک پڑھ کر سنایا،"

ناظرین غور فرمائیں کہ سوا تین گھنٹہ کی گفتگو میں جس شخص کا حصہ صرف دس پندرہ منٹ یا آٹھ دس منٹ تک ہی رہا ہو اس کی طرف اس گفتگو کو نسبت کرنا اور وہ بھی بصیغہ "مکالمۃ (رباب مفاعلۃ) میں دھوکہ دہی اور افترا پردازی نہیں تو اور کیا ہے؟

نیز یہ کہ حضرت مولانا عثمانی صاحب اس وقت تک صدر جمعیۃ علماء اسلام ہی نہیں بنے تھے جیسا کہ تحریر کیا گیا ہے صفحہ ۷ اپر،

علامہ عثمانیؒ نے فرمایا کہ:

"میں نے ابھی صدارت کے قبول اور عدم قبول کی نسبت کوئی باضابطہ فیصلہ نہیں کیا ہے، لیکن کل کے لیے کچھ نہیں کہہ سکتا کہ کیا کروں گا"

(نوٹ) لیکن اس کے بعد علامہ عثمانی نے کل ہند جمعیۃ العلماء اسلام کے ناظم کے تار کے جواب میں باضابطہ صدارت کی منظوری کا تار روانہ فرما دیا ہے، فللّٰہ الحمد (مرتب)

پھر اس وقت کی گفتگو کو "مکالمۃ الصدرین" کہنا کس طرح دیانتداری کہا جا سکتا ہے، بہرحال مرتب صاحب نے مسلمانوں کو دجل و فریب میں ڈالنے کے عجیب عجیب پہلو اختیار فرمائے ہیں، اگرچہ موصوف کی زندگی میں یہ واقعہ کوئی نادر واقعہ نہیں ہے، لیست باول قارورۃ کسرت فی الاسلام، بلکہ یہ موصوف کے بائیں ہاتھ کا کھیل ہے، اگر صداقت اور حقیقت پر ثروہی ہوتی تو چاہیے تھا کہ ایسا نام تجویز کیا جاتا جس سے مکالمۂ وفد جمعیۃ علماء ہند یا حضرت علامہ عثمانی کا اظہار ہوتا، مگر ایسا کیا جاتا تو تلبیس کس طرح ہوتی جو اس جماعت (لیگ) کا آئے دن کا طریقہ کار ہے،

———ـ***ـ———

# مکالمۃ الصدرین کا پہلا کھلا ہوا جھوٹ

تمام عدالتوں اور قوانین کا مسلّمہ اصول ہے کہ اگر کسی دستاویز یا تمسک اور تحریر میں ایک جھوٹ بھی قطعی طور پر ثابت ہو جاتا ہے تو پوری دستاویز اور تمسک اور تحریر ساقط الاعتبار اور جعلی قرار دیدی جاتی ہے اور مالک تمسک کو جعلساز اور مجرم قرار دے کر مستحق سزا سمجھتے ہیں، یہی نہیں کہ جھوٹ کا قطعی ثبوت ہی اس کا باعث ہوتا ہے بلکہ اگر اشتباہ بھی کسی تمسک وغیرہ میں پڑ جاتا ہے تو تمام تمسک مشتبہ ہو جاتا ہے،

رسالہ مکالمۃ الصدرین میں پہلا کھلا ہوا ظاہر و باہر جھوٹ کہ جس کے جھوٹ اور دروغ ہونے میں کسی غور و فکر اور استدلال اور ردّ و قدح کی ضرورت نہیں ہے جمعیۃ علماء ہند کے فارمولے کے متعلق چالیس[۴] چالیس[۴] اور بیس[۲] بیس[۲] کا عدد ہے، جس کو مکالمہ میں بالکل افترا پردازی کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، صفحہ ۱۰ پر بیان فرماتے ہیں:

"اب آپ اپنے فارمولے پر نظر ڈالیے کہ اس میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کا مرکزی حکومت میں کیا تناسب رہتا ہے؟ تو آپ کے فارمولے کی رُو سے مرکز میں چالیس[۴] مسلمان ہوں گے، اور چالیس[۴] ہندو اور بیس[۲] فی صدی میں دوسری اقلیتیں ہوں گی، اس طرح آپ کے فارمولے کے لحاظ سے غیر مسلموں کی تعداد ساٹھ[۶۰] فی صدی اور مسلمانوں کی تعداد چالیس[۴] فی صدی ہوئی"

یہ ایسا جھوٹ اور افتراء ہے کہ اس کا وجود کہیں ہے ہی نہیں، جمعیۃ اور مسلم مجلس کے فارمولے میں جو کہ ورکنگ کمیٹی ۱۹۴۲ء اور مسلم مجلس کے اجلاس

اکتوبر ۱۹۴۴ء اور اجلاس سالانہ جمعیۃ علماء سہارنپور ۱۹۴۵ء وغیرہ میں ذکر کیا گیا ہے، ۴۵ فی صدی مسلمان اور ۴۵ فی صدی ہندو اور دس فی صدی اقلیتیں ہیں کہیں وہ عدد مذکور نہیں جو مرتب مکالمہ ذکر فرما رہے ہیں، اور اسی بنا پر یہ الزام دے رہے ہیں کہ پاکستان کا فارمولا تمہارے فارمولے سے بہتر ہے، صفحہ ۱۰ پر زیر عنوان "حضرت علامہ کا مسکت و حقیقت افروز جواب اور وفد جمعیۃ علماء کی لاجوابی" مذکورہ بالا عبارت جمعیۃ کے فارمولے کی ذکر فرما کر فرماتے ہیں:

"اور مسلم لیگ کے پاکستانی فارمولا میں (بقول آپ کے) یہی نسبت علی العکس رہے گی، یعنی ۶۰ ساٹھ فی صدی مسلمان اور ۴۰ چالیس فی صدی غیر مسلم ہوں گے اب آپ ہی فرمائیے کہ آپ کے اس فارمولا سے مسلمانوں کو کیا فائدہ پہنچا؟ ہم اگر ۶۰ ساٹھ فی صدی رہتے ہوئے بھی کچھ نہیں کر سکتے تو ۴۰ چالیس فی صدی کیا کر سکیں گے؟"

پھر فرماتے ہیں:

"اس موقع پر کہا گیا کہ عیسائی ہمارے ساتھ ہو جائیں گے، علامہ عثمانی نے فرمایا کہ یہ عجیب بات ہے کہ جب پاکستان کا فارمولا سامنے آتا ہے تو عیسائی مسلمانوں سے علیحدہ غیر مسلم بلاک میں شمار کیے جاتے ہیں اور جب جمعیۃ علماء ہند کا مقدس فارمولا پیش کیا جاتا ہے تو وہی عیسائی گویا کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جاتے ہیں، اور مسلمانوں کے سائڈ میں شمار کیے جانے لگتے ہیں، اصل یہ ہے کہ غیر مسلم بہر صورت سب کے سب ایک ہی شمار ہوں گے، (اَلْکُفْرُ مِلَّۃٌ وَّاحِدَۃٌ) اور خالص مسلمانوں کو ان کے مقابل رکھ کر مسئلہ پر غور کرنا چاہیے"

یہ تمام لنترانی اور اظہار غالبیت اسی پر مبنی ہے کہ جمعیۃ کا فارمولا یہ تراشا گیا کہ

چالیس مسلمان، چالیس ہندو اور بیس اقلیتیں ہوں گی، اور یہ کہ غیر مسلم اقلیتیں ہمیشہ سب کی سب ہندوؤں کے ساتھ رہیں گی،

اللہ اللہ! اس جسارت کو ملاحظہ فرمایئے کہ وہ چیز جو کہ جمعیۃ کے کسی ریکارڈ میں موجود نہیں ہے وہ اس پر قصداً تھوپی جاتی ہے، اور اس پر اپنی فتح مندی کی بنیاد رکھی جاتی ہے، ع

چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد

ہم حضرت مرتب صاحب اور حضرت عثمانی صاحب اور ان کے تمام ذریات و معاونین کو ببانگِ دہل چیلنج دیتے ہیں کہ وہ کہیں سے ثابت کریں اور دکھلائیں کہ جمعیۃ کے فارمولا میں یہ اعداد کہاں ہیں؟ اور اگر نہ دکھلا سکیں تو کم از کم دیانت کا تقاضا یہ ہے کہ وعید (فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَنْ تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الآیۃ) کو پیش نظر رکھیں اور اعلان فرمائیں کہ مکالمہ جھوٹا دفتر ہے، اور اس کی بنیاد کسی حقیقی مکالمہ پر نہیں بلکہ اپنی مزعومہ اور اختراعی کذب بیانیوں پر ہے،

باقی امر ثانی یعنی تمام غیر مسلموں کا مسلمانوں کے خلاف ہمیشہ متفق ہو جانا جن میں عیسائی، سکھ، پارسی، اچھوت وغیرہ ہوں گے اگرچہ عقلاً ممکن ہے مگر عادتاً اور واقعاتِ زمانہ کے یقیناً خلاف ہے، خود بنگال اور پنجاب کے واقعات کو جو کہ سالہا سال سے پیش آرہے ہیں ملاحظہ فرمائیں، کہ کس طرح عیسائی اور دوسری اقلیتیں مسلمانوں کے ساتھ ہو کر دوسری جماعتوں بالخصوص کانگریس پارٹی کے خلاف رہا کرتی ہیں،

ہاں اگر آئندہ مسلمان مُردہ ہی ہو جائیں اور سیاسی پارٹیوں کے توڑ جوڑ اور کامیابی کے میدان میں جدوجہد سے بالکل عاجز ہوں تو دوسری بات ہے، لیکن زمانہ ہائے ماضیہ میں تاریخ اس کے برخلاف ہے، سیاسیات کا مدار صرف حکمت اور عقل پر نہیں بلکہ تاریخ پر (جس سے فطرتِ انسانی کا پتہ چلتا ہے) بھی مدار ہے

ہم اس کو اگر مان بھی لیں اور یہ امر خلافِ عادت قابلِ وقوع بلکہ واقع بھی کہدیں تب بھی جمعیۃ کے فارمولے کے مطابق ۵۵ غیر مسلم اور ۴۵ مسلمان کا فرق ہوتا ہے، مگر مکالمہ میں جس امر پر اظہار فتحمندی کیا گیا ہے وہ تو بالکل غلط اور خانہ زاد ہے ایسی لچر اور غیر واقعی بات اگر وقوع میں بھی آتی تو یقیناً جمعیۃ کے ارکان کو ساکت اور لاجواب ہی ہونا چاہیے تھا، کیونکہ "جوابِ جاہلاں باشد خموشی" کی حیثیت سے اس موقع پر لب کشائی ہونی ہی نہ چاہیے، پھر مکالمہ میں دعویٰ کہ "وفد جمعیۃ العلماء نے آخرکار تسلیم کر لیا" افترا پر افترا، اور دروغ بر دروغ نہیں ہے تو اور کیا ہے؟

## ○ دوسرا کھلا ہوا جھوٹ!

اس ایک کھلے ہوئے جھوٹ کے ذکر کرنے کے بعد ہم کو ضروری نہیں تھا کہ اور دوسرا اکاذیب بھی ناظرین کو دکھلائیں، کیونکہ حسبِ قاعدہ ایک ہی دروغ تمام دستاویز کے جعلی اور اکذوبہ ہونے کے لیے کافی ہے، مگر ہم چند ایسے ہی کھلے ہوئے افترارات اور بھی ناظرین کے سامنے پیش کرتے ہیں، تاکہ مصنفِ مکالمہ کی دیانتداری اور سچائی مثل آفتاب روشن ہو جاوے،

مکالمہ میں صفحہ ۹ و ۱۰ پر فرماتے ہیں،

"مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کی طرف سے کہا گیا کہ پاکستان میں مجموعی تعداد مسلمانوں کی چھ کروڑ ہوگی، اور غیر مسلم تین کروڑ ہوں گے، علامہ عثمانی نے فرمایا کہ یہ تعداد غلط ہے، مجموعہ میں مسلمان تقریباً سوا سات کروڑ ہیں، لیکن ہم سات کروڑ تسلیم کیے لیتے ہیں، اور غیر مسلم جو تین کروڑ سے کم ہیں ان کو پورے تین کروڑ تسلیم کر لیا جائے اس تعداد سے سات اور تین کی نسبت مسلم اور غیر مسلم کے درمیان ہوگی، اور مجموعہ آبادی میں آپ کے فرمانے کے مطابق ساٹھ اور چالیس

کی نسبت ہو گی، یعنی مسلمان ساٹھ[۶۰] فی صدی اور غیر مسلم چالیس[۴۰] فیصدی ہوں گے، حالانکہ اس صورت میں مسلمان واقعۃً ستر[۷۰] فی صدی اور غیر مسلم تیس[۳۰] فی صدی ہوتے ہیں"

پھر صفحہ ۱۰ پر زیر عنوان "وفد جمعیۃ العلماء کی لاجوابی" ارشاد ہوتا ہے:

"حالانکہ حقیقی تناسب پاکستانی فارمولا میں ستر[۷۰] فی صدی اور تیس[۳۰] فی صدی کا ہے"

علاوہ ازیں مولانا حفظ الرحمٰن صاحب اور حضرت مولانا عثمانی کے درمیان پاکستان سے متعلق اعداد و شمار کا یہ حوالہ واقعہ کے خلاف اور توڑ مروڑ کر بیان کیا گیا ہے، مصنف مکالمہ کا یہ دعویٰ بھی کہ "پاکستان میں مسلمانوں کی تعداد سوا سات کروڑ ہے اور غیر مسلموں کی تعداد تین کروڑ ہے"، بالکل جھوٹ اور غلط ہے، اور اس قسم کے سیاسی مسائل سے ناواقفیت اور جہالت کی دلیل ہے، اس کے لیے کسی شہادت اور کسی تصدیق کی ضرورت نہیں، بلکہ سنہ ۱۹۴۱ء کی مردم شماری کی تعداد اور تفصیل گورنمنٹ کی طرف سے شائع شدہ موجود ہے، اس کو ملاحظہ فرمائیے، اور مکالمہ کی سچائی یا افترا پردازی کی داد دیجیے، کتاب سینسز آف انڈیا سنہ ۱۹۴۱ء ص ۹۸، ۹۹ حصہ اول جلد اول مرتبہ ایم، ڈبلیو ایم یائٹس، سی، آئی، اے، آئی، سی، ایس سینسز کمشنر آف انڈیا میں حسب ذیل تفصیل ہے:

| صوبہ | مسلم آبادی | غیر مسلم آبادی | مجموعہ آبادی |
|---|---|---|---|
| پنجاب | ۱,۶۲,۱۷,۲۴۲ کروڑ | ۱,۲۲,۰۱,۵۷۷ کروڑ | ۲,۸۴,۱۸,۸۱۹ کروڑ |
| بنگال | ۳,۳۰,۰۵,۴۳۴ " | ۲,۷۳,۰۱,۰۹۱ کروڑ | ۶,۰۳,۰۶,۵۲۵ کروڑ |
| سندھ | ۳۲,۰۸,۳۲۵ لاکھ | ۱۳,۲۶,۶۸۳ لاکھ | ۴۵,۳۵,۰۰۸ لاکھ |
| سرحد | ۲۷,۸۸,۲۹۷ " | ۲,۴۹,۲۷۰ " | ۳۰,۳۸,۰۶۷ " |

| صوبہ | مسلم آبادی | غیر مسلم آبادی | مجموعۂ آبادی |
|---|---|---|---|
| بلوچستان | ۴،۳۸،۹۳۰ لاکھ | ۶۲،۷۰۱ ہزار | ۵،۰۱،۶۳۱ لاکھ |
| آسام | ۳۴،۴۲،۴۷۹ " | ۶۷،۶۲،۲۵۴ لاکھ | ۱،۰۲،۰۴،۷۳۳ کروڑ |
| میزان | ۵،۹۱،۰۱،۲۰۷ کروڑ | ۴،۷۹،۰۳،۵۷۶ کروڑ | ۱۰،۷۰،۰۴،۷۸۳ کروڑ |

یہی اعداد و شمار ڈیلی گیشن مشن نے عالمین اور چودھری رحم علی ہاشمی نے بھی سنہ ۱۹۴۴ء میں شائع کیے ہیں،

اب غور فرمایئے کہ تمام پاکستانی صوبوں کے مسلمانوں کے اعداد چھ کروڑ بھی نہیں ہوتے، مگر مصنفِ مکالمہ سوا سات کروڑ قرار دے کر لوگوں کی آنکھوں میں دھول ڈالتا ہے، مسلمانانِ پاکستان کی چھ صوبوں میں کل تعداد پانچ کروڑ اکیانوے لاکھ ایک ہزار دو سو سات ہوتی ہے، جس کو دروغ گوئی سے مرتبِ مکالمہ سوا سات کروڑ قرار دیتا ہے، نیز غیر مسلموں کی تعداد ان تمام صوبوں میں "چار کروڑ اناسی لاکھ تین ہزار پانچسو چھہتر" ہوتی ہے، مگر مصنفِ مکالمہ تین کروڑ سے بھی کم بتلاتا ہے، فرق ایک دو یا دس بیس، ہزار دو ہزار، لاکھ دو لاکھ کا نہیں بلکہ کروڑوں کا ہے، اتنے عظیم الشان فرق سے نسبتوں میں کس قدر فرق واقع ہوگا ظاہر ہے،

تمام پاکستان میں مسلمان فی صدی ۵۵ اعشاریہ ۵، تقریبًا ہیں، اور غیر مسلم تقریبًا ۴۴ اعشاریہ ۵ ہوتے ہیں، مگر مرتبِ مکالمہ مسلمانوں کا عدد ستر فی صدی اور غیر مسلموں کا تیس فی صدی قرار دیتا ہے ع

ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بہ کجا

اس کھلی ہوئی دروغ بافی اور دجل و فریب یا جہالت و نادانی پر فتحمندی کی بغلیں بجانا اور حضرت علامہ کا مسکت و حقیقت افروز جواب اور وفد جمعیۃ علماء کی لاجوابی

کی سُرخی قائم کر کے مسلمانوں کو دھوکہ دینا اور یہ کہنا کہ "غالباً یہ حضرات یہ سمجھ کر آئے تھے کہ علامہ عثمانی کی سیاسی معلومات کم ہوں گی تو ہم اپنے بیان کردہ واقعات سے علامہ موصوف کی رائے کو متأثر کر دیں گے، شرعی حیثیت سے گفتگو کو تو مولانا حفظ الرحمٰن صاحب پہلے ہی کہہ چکے تھے کہ اس پر ہم آپ سے کیا بحث کرتے، لیکن اس معاملہ پر یہ حقیقت بھی روشن ہو گئی ہو گی کہ علامہ عثمانی کی معلوماتِ شرعیہ جہاں بے پناہ ہیں وہاں سیاسی حذاقت بھی کچھ اس سے کم نہیں، یہ حقیقت ہے کہ علامہ عثمانی نے مسئلۂ پاکستان کو اپنی گفتگو میں اس طرح منقح کیا ہے کہ جو لوگ سیاسی ہیں جب اس مکالمہ کو سنتے ہیں تو وہ خود بھی تنقیح مسئلہ کے اس انداز پر عشعش کرتے ہیں"، انتہائی جسارت اور ڈھٹائی ہے،

اگر مولانا عثمانی کو جمعیۃ کے فارمولے کا علم نہیں ہے، یا علم ہے مگر دیدہ و دانستہ اس میں تحریف کر کے پاکستان کی ترجیحی تقریر فرمائی ہے اور علیٰ ہٰذا القیاس پاکستان کی مسلم اور غیر مسلم آبادی کا علم نہیں ہے، یا اگر ہے تو دیدہ و دانستہ غلط بیانی فرماتے ہیں، ان سے ان کی سیاست دانی، قابلیت اور نیک نیتی پر جو اثر پڑتا ہے وہ اظہر من الشمس ہے، ایسی غلط اور شرمناک کارروائی کے بعد مرتبِ مکالمہ کی فتحمندی کی حقیقت کا پول اس قدر کھل جاتا ہے کہ ادنیٰ ترین عقل والا انسان بھی ان لوگوں کی بددیانتی اور دجل پر (اگر قصداً ہو) اور جہالت و نادانی پر (اگر بلا قصد ہو) افسوس کیے بغیر نہیں رہ سکتا، رسالہ میں بڑا زور پاکستان کی کامیابی کا اسی بحث پر ہے، جس کی حقیقت کالشمس فی رابعۃ النہار ظاہر ہو گئی،

ان امور کے واضح ہو جانے کے بعد تحریر مکالمہ کے قابلِ اعتبار ہونے کا کچا چٹھا کھل جاتا ہے، اور ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ رسالہ اکذوبات کا طومار ہے، اور اس پر اعتماد کرنا سخت غلطی ہے،

برسبیلِ تذکرہ یہ کہہ دینا بھی نامناسب نہیں ہے کہ چونکہ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب اور مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کے درمیان رشتہ استاذی و شاگردی ہے تو بطور خاکساری و تواضع مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کا یہ کہنا کہ وہ مذہبی معاملات میں حضرت مولانا سے کیا گفتگو کریں تعجب خیز نہ تھا، ورنہ اسلامی تاریخ اساتذہ اور تلامذہ کے درمیان مذہبی معرکۃ الآراء مذاکروں سے بھری پڑی ہے، لیکن اس مقام پر یہ جملہ اور مقولہ بھی سر تا سر جھوٹ اور غلط اور خلافِ واقعہ ہے، اور محض فریقِ ثانی کی حق پژوہی کی وقعت کو گھٹانے کے لیے نمایاں کیا گیا ہے، ورنہ ہر ایک عاقل سمجھ سکتا ہے کہ جس محفل میں حضرت العلامہ مفتی کفایت اللہ جیسی عظیم شخصیت موجود ہو وہاں مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کا "ہم" کہہ کر جمع کا صیغہ بولنا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے، اور وہ ایسا کہنے کی جرأت کیسے کر سکتے تھے؟

ہمارے نزدیک اس کے بعد کوئی ضرورت نہ تھی کہ ہم تفصیلات میں جائیں، بالخصوص رسالہ کی تطویل کے خوف سے ہم کو لازم تھا کہ مذکورہ امور ہی پر اکتفاء کریں، تاہم کچھ مختصر روشنی تفصیلات پر بھی ڈالنا ضروری سمجھتے ہیں، کیونکہ بہت سے سیدھے سادھے لوگ دوسرے امور میں بھی اُلجھ رہے ہیں،

صفحہ ۶ پر فرمایا جاتا ہے:

"اس گفت و شنید کا سلسلہ سوا تین گھنٹے مسلسل جاری رہا، اس مکالمہ میں سب سے زیادہ حصہ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب لیتے رہے، اور دوسرے درجہ میں مولانا احمد سعید صاحب ان کے شریک کار رہے، کبھی کبھی اور صاحب بھی کچھ بول پڑتے تھے!!

مولانا المفتی عتیق الرحمٰن صاحب برادر زادہ حضرت مولانا عثمانی کے متعلق مکالمہ صہ ۵ میں مذکور ہے:

"مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے فرمایا کہ اس گفتگو میں میرے ساتھی مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب عثمانی (ناظم ندوۃ المصنفین دہلی برادر زادہ علامہ عثمانی) اور کوئی تیسرے صاحب جو مناسب ہوں شریک ہوں گے"

اور صفحہ ۶ میں مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کی تحریر میں حسب ذیل الفاظ ہیں:

"اب یہ مناسب سمجھا کہ مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب اور میں جمعرات کو شب میں پہنچیں اور جمعہ کے دن گذارشات پیش کریں"

مذکورہ بالا تصریحات سے صاف ظاہر ہے کہ مفتی عتیق الرحمٰن صاحب ہی مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کے شریک کار نہ تھے بلکہ حسب اتفاق ان کو ساتھ لیا گیا تھا، اور واقعہ بھی یہی ہے کہ مولانا عتیق الرحمٰن صاحب نے بحث میں حصہ لیا اور بہت لیا، انھوں نے مولانا عثمانی سے یہ بھی فرمایا کہ آپ تو گوشہ نشین تھے، کسی تحریک میں حصہ نہ لیتے تھے، آپ کو کس چیز نے مجبور کیا کہ آج آپ تحریریں شائع فرماتے ہیں، شہروں میں تقریریں کرنے جاتے ہیں،

مولانا عثمانی نے فرمایا کہ میں پاکستان کو مسلمانوں کے لیے مفید سمجھتا ہوں، انھوں نے فرمایا کہ ان ایام میں بہت سے ضروری اور مفید مسائل مسلمانوں کے متعلق پیش آتے رہے، مگر شدید سے شدید ضرورت میں بھی آپ زاویہ سے باہر نہیں نکلے، آج کونسی شدید ضرورت ایسی پیش آگئی جو کہ آپ کو در بدر لیے پھرتی ہے؟ ابھی قریبی زمانہ میں مجھ کو آپ سے گفتگو کرنے کی نوبت آئی تھی، اور پاکستان کا مسئلہ بھی سامنے آچکا تھا، تو آپ نے مولانا آزاد سبحانی پر عدم اعتماد کا اظہار فرمایا تھا، اور ذکر کیا تھا کہ جو تحریر آپ سے مانگی تھی آپ اس کے دینے پر رضامند نہ ہوئے تھے، مولانا عثمانی نے اس پر سکوت فرمایا، وغیرہ وغیرہ،

بہرحال مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب بہت زیادہ گفتگو فرماتے رہے تو

دوسرا مرتبہ گفتگو میں صرف ان کو دینا چاہیے تھا، مولانا احمد سعید صاحب تو حسب تصریحات بالا مقصود بالمکالمہ نہ تھے، اور نہ خود انھوں نے ابحاث اٹھائیں، نیز حضرت مولانا احمد سعید صاحب کی گفتگو کا بیشتر حصہ باہمی غلط فہمیوں کے ازالہ پر مبنی تھا، اور اس لیے تھا کہ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب کی گفتگو کے آغاز و اختتام کے اکثر حصوں میں بار بار یہ شکوہ ہوتا تھا کہ گفتگو کرنے والی جماعت نے عرصہ سے مجھ کو نظر انداز کر رکھا ہے، پس اگر میں نے کوئی دوسری راہ اختیار کرلی ہے تو آپ مجھے کیوں اپنا سمجھ کر تبادلۂ خیالات کرتے ہیں، میں تو آپ کے لیے اچھوت ہو چکا تھا،

چونکہ یہ گفتگو صاف ظاہر کرتی تھی کہ مولانا کا جدید اقدام غصہ اور جماعت سے ناراضی پر مبنی ہے، اس لیے اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لیے مولانا احمد سعید صاحب کچھ بولے،

غرض مولانا احمد سعید صاحب نے سیاسی امور میں برائے نام حصہ لیا، ورنہ وہ اس غرض کے لیے تشریف ہی نہیں لے گئے تھے، پھر یہ کس قدر غلط کارروائی ہے کہ مفتی عتیق صاحب کا تذکرہ بھی نہیں کیا گیا، اور نہ ان کو دوسرا نمبر دیا گیا، اور ایک دوسرے شخص غیر مقصود کو دوسرا نمبر دیا گیا،

(ب) گفتگو میں جب کہ سب سے زیادہ حصہ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کا تھا تو کتاب کو مکالمۃ الصدرین کہنا کیا دجل اور فریب نہیں ہے؟ خصوصاً جب کہ کہا جاتا ہے کہ کبھی کبھی او صاحب بھی بول پڑتے تھے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اوروں کا بولنا اقل قلیل اور ضمنی تھا،

صفحہ ۶ میں اس عبارت کے بعد فرمایا گیا ہے:

"لیکن حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب نے جو مزاج پرسی کے بعد سکوت فرمایا وہ ختم مجلس تک ختم نہیں ہوا، کسی موقع پر بھی ایک حرف نہیں بولے، علامہ عثمانی کو اس طویل سکوت پر خود حیرت تھی، وہ بحث میں حصہ

تو کیا لبتہ اشارۃً کنایۃً بھی کسی موضوع پر اثباتاً یا نفیاً کسی طرح بھی اظہارِ خیال نہیں فرمایا"

یہ صحیح ہے کہ حضرت مفتی صاحب نے اس گفتگو میں قطعاً حصّہ نہیں لیا، کیوں نہیں لیا؟ وجہ صاف ظاہر ہے، انھوں نے اس لیے حصہ نہیں لیا کہ اولاً وہ اس غرض سے تشریف ہی نہیں لے گئے تھے، ثانیاً جب انھوں نے یہ دیکھا کہ گفتگو کی روح ذاتی شکایات اور دوسرے معاملات سے متعلق ذاتی غم وغصّہ پر مبنی ہے، اور اس وجہ سے بحث میں جگہ جگہ وہی جذبہ اُبھرا ہوا نظر آتا ہے، اور تحقیقِ حق کو غلط طریقوں سے اُلجھایا جارہا ہے تو یقیناً اُن صورتوں میں جو کہ مکالمہ میں مذکور ہیں مفتی صاحب کو بولنا ہی نہیں چاہیے تھا،

جبکہ گفتگو دھاندلی پر مبنی ہو اور غیر صحیح واقعات کو بلا تحقیق مدارِ گفتگو قرار دیکر اس کی رَیح اس قدر کی جائے تو ایک سلیم الطبع بھاری بھر کم انسان کو سکوت ہی سے کام لینا ضروری ہوجاتا ہے،

وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ ۝

دوسری جگہ ہے: وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا ۝

ان پر عمل کرنا سمجھدار کم گو سلیم الطبع انسان کے لیے ضروری ہوجاتا ہے (یہ ہم پہلے عرض کرچکے ہیں کہ مسئلۂ پاکستان پر مکالمۂ مذکور کی تقریر بالکل غلط، خیالی اور افترا پردازی پر مبنی ہے) تاہم مفتی صاحب ۔ سے جب کسی نے اس سلسلہ میں استفسار کیا تو حضرت مفتی صاحب نے جواب میں اپنی بزرگانہ شان کے مناسب مجلس سے پیدا شدہ اپنے تاثرات کو نظر انداز کرکے صرف علالتِ طبع کا عذر ذکر فرمادیا، اور ایک نجی دوستانہ مجلس کے تاثرات کو طشت از بام کرنا مناسب خیال نہ کیا، مگر

بایں ہمہ مکالمہ کی دروغ بافی کے اظہار پر وہ بھی مجبور ہوئے،

حضرت مفتی صاحب مدظلہٗ عرصہ سے علیل ہیں اور بہ تقاضائے عمر اس علالت کا اثر دماغی کمزوری سے بہت زیادہ وابستہ ہے، اس لیے وہ اکثر خاموش رہتے ہیں، اور بہت ہی اہم ضرورت پر کسی مذاکرہ میں حصہ لیتے ہیں، بہرحال حضرت مفتی صاحب ارشاد فرماتے ہیں:

"جناب محترم! دام مجدہم السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ
مکالمہ مطبوعہ پہنچا، میں اس سے پہلے بھی دیکھ چکا ہوں اور ایک مختصر سا نوٹ "انصاری" میں دے چکا ہوں، میں بے بیمار تھا، اس لیے بالکل خاموش رہا، فریقین آپس میں گفتگو کرتے رہے، یہ تقریر مولانا عثمانی صاحب کی مرتب کی ہوئی نہیں ہے، نہ اس وقت لکھی گئی، جلسہ کے بعد نہ معلوم کب مرتب کی گئی، مرتب کرنے والا خود جلسہ میں موجود نہیں تھا، اس نے اپنے خیال کے مطابق مرتب کی ہے، مولانا عثمانی نے اگر دستخط بھی کر دیئے ہوں تاہم وہ قابلِ اعتماد نہیں جب تک دوسرا فریق بھی دستخط نہ کرے، مولانا حفظ الرحمٰن صاحب بھی اس کے متعلق ایک بیان دے چکے ہیں، خلاصہ یہ کہ تقریر اس جلسہ کی صحیح اور مکمل روئداد نہیں ہے، مزید معلومات مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سے معلوم کر سکتے ہیں"

محمد کفایت اللہ

روزنامہ انصاری دہلی مورخہ ۲۱ مئی سنہ ۱۹۴۶ء:

حضرت عثمانی صاحب کو حیرت غالباً اس وجہ سے ہوئی ہو گی کہ خود حضرت عثمانی صاحب نے جبکہ جمعیۃ کے فارمولے پر اطلاع پائی تھی تو اس کی تعریف میں نہایت زوردار کلمات تحریر فرماتے ہوئے لکھا تھا کہ "مسلمانوں کے اطمینان کے لیے اس سے

بڑھ کر اور کوئی عمدہ چیز نہیں" چنانچہ یہ تحریر جمعیۃ کے ریکارڈ میں آج بھی موجود ہے، غالباً جب علامہ صاحب اپنی غلط بیانی پر مفتی صاحب کو ساکت و صامت دیکھتے ہیں تو دل ہی میں شرما کر حیرت کا اظہار کرتے ہیں، اور سمجھ جاتے ہیں کہ ع

خموشی معنی دارد کہ در گفتن نمی آید

اور خیال کرتے ہیں کہ حضرت مفتی صاحب سمجھ گئے ہیں کہ حضرت عثمانی کا جمعیۃ علماء اسلام اور لیگ کی حمایت میں قدم اٹھانا حق پرستی کی وجہ سے نہیں ہے، بلکہ اس پردۂ زنگاری میں کوئی دوسرا ہاتھ کام کر رہا ہے، لہٰذا ان کا سکوت حسب قول شاعر کسی حقیقت کی دریافت کی بنا پر ہے ؎

مصلحت نیست کہ از پردہ بروں افتد راز

ورنہ در مجلسِ رنداں خبرے نیست کہ نیست

اور غالباً یہی وجہ ہے کہ حضرت عثمانی صاحب نے اس مکالمہ کو دوسرے سے مرتب کراتے وقت فریق ثانی کو دکھلایا نہ اس کے دستخط حاصل کیے نہ ہی اس کی اجازت حاصل کی، حتیٰ کہ اس کو مطلع تک نہیں کیا، اور طرفہ یہ کہ نہ خود اس پر اپنے دستخط ثبت فرمائے،

پھر فرمایا جاتا ہے (صفحہ ۶):

"آخر مجلس میں مولانا حسین احمد صاحب مدنی کچھ بولے جو تقریباً دس پندرہ منٹ سے زیادہ نہ تھا"،

صفحہ ۱۴ میں ہے:

"آخر گفتگو میں مولانا حسین احمد صاحب نے اپنی جیب سے دو تین کالم کا ایک مضمون نکال کر تقریباً آٹھ دس منٹ تک پڑھکر سنایا، یہ مضمون ایک انگریز کی تجویز اور رائے پر مشتمل تھا جس میں اس نے

ہندوستان کی سیاسیات پر بحث کرتے ہوئے حکومتِ برطانیہ کو اس کا
حل بتلایا تھا، اس مضمون میں یہ تجویز پیش کی گئی ہے کہ ہندوستان کو
دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے، اور بمبئی کے بجائے کراچی کو تجارت کا مرکز
بنایا جائے، گویا اس مضمون کو سنانے کی غرض یہ تھی کہ مسلم لیگ نے جو
نظریۂ پاکستان پیش کیا ہے وہ اس انگریز کی تجویز پر مبنی ہے اور مسلم لیگ
انگریز کے اشاروں پر چلنے والی جماعت ہے"

مکالمہ میں یہ تو لکھ دیا گیا؛ لیکن اس کا یہ تتمہ چھوڑ دیا گیا کہ جب راقم الحروف نے حضرت عثمانی صاحب سے مخاطب ہو کر یہ مضمون سنایا تو حضرت عثمانی یہ سن کر قطعاً خاموش رہے، اور کوئی جواب مرحمت نہیں فرمایا، آخر اس اہم مضمون کا کوئی جواب تو دینا چاہیے تھا جبکہ وہ پاکستان کی تجویز کو مسلم لیگ کی ایجاد کی بجائے انگریزی حکومت کے کل پرزوں کی ایجاد ظاہر کرتا ہے،

مکالمۃ الصدرین کے نام سے موسوم اس رسالہ کے بر خود غلط جھوٹ اور افترا، کے چند نمونے ظاہر کرنے کے بعد اب ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ان دونوں کالموں کی تحریر کو اولاً ناظرین کے سامنے پیش کر دیں، اور پھر اس پر کچھ تبصرہ کریں،

اخبار مدینہ بجنور ۹ر اگست ۱۹۳۱ء جلد ۲۰ نمبر ۵۶ میں صفحہ ۲ پر ہے:

"ہم کو اسٹیٹسمین پایونیر اور دوسرے خالص اسلامی جرائد نے یہ
بشارتِ کبریٰ سنائی ہے کہ دس کروڑ کے خالص سرمایہ سے ایک
تجارتی کمپنی قائم کی گئی ہے جو ہندوستان کے تجارتی مصالح کو
ترقی دے گی، اس کمپنی کا نام "ایسٹ اینڈ ویسٹ کارپوریشن لمیٹڈ"
ہے، صدر دفتر دہلی میں ہوگا، اسٹیٹسمین اور دیگر اینگلو انڈین اخبارات
اس مسلم کمپنی کا نہایت شاندار الفاظ میں خیر مقدم کر چکے ہیں"

پھر اسی اخبار مدینہ بجنور مورخہ ۲۱ اگست ۱۹۳۱ء جلد نمبر ۲۰ ، ۵۹ صفحہ ۲ پر ہے:

"گذشتہ اخبار میں ہم نے یہ خبر لکھی تھی کہ ہز ہائنس سر آغا خاں ایک کروڑ روپیہ کے سرمایہ سے بدلیشی پارچہ کو فروغ دینے کی غرض سے ایک کمپنی قائم کرنے والے ہیں، اخبار" الامان" سے اب معلوم ہوا ہے کہ نہ صرف ہز ہائنس سر آغا خاں بلکہ ملا سیف الدین طاہر بوہرا قوم کے مقتدا اور اسمبلی اور کونسل آف اسٹیٹ کے اکثر ممبروں نے دس کروڑ روپیہ کے سرمایہ سے ایک کمپنی قائم کی ہے، جس کا صدر دفتر دہلی ہوگا، اس کمپنی کے قیام کا اصلی محرک کون ہے؟ اور اس کے اصلی مقاصد کیا ہیں؟ اس کے صحیح حالات اب تک صیغۂ راز میں ہیں، تاہم اس کے قیام پر اُس خط سے کسی قدر روشنی پڑتی ہے جو مسٹر پلوڈن جج ممالک متحدہ نے کسی مستفسر کے جواب میں لندن بھیجا تھا، اور اتفاقاً سنڈے گرافک کے ہاتھ پڑ جانے سے شائع ہو گیا، اور اسی غرض سے ہم اس خط کا متن ذیل میں درج کرتے ہیں۔"

"مدت سے ہندوستان کی صورتِ حالات قابو سے باہر ہو رہی ہے ہم نیم پارلیمنٹری حکومت کا حتمی وعدہ کر چکے ہیں جو برطانوی افسروں کے بغیر نہیں چل سکتی، برطانوی افسر زیادہ عرصہ تک نہیں رہیں گے، سول سروس کے تمام شعبے یہاں تک ہندوستانیوں سے بھر دیئے گئے ہیں یا بھرے جا رہے ہیں کہ آئندہ چند سال میں ان میں ڈھونڈھے سے بھی انگریز کا نام نہیں ملے گا، میں اِن حالات میں ہندوستان کے مسئلہ کا ایک ہی حل دیکھتا ہوں، کہ اسے ہندو اور مسلمان حصوں میں تقسیم کر دیا جائے، آئرلینڈ میں کیتھولک اور پروٹسٹنٹ کا

تنازعہ ختم کرنے کے لیے ۳۵ سال کی مسلسل پارلیمنٹری جنگ کے بعد ایسا ہی کرنا پڑا تھا، ہندوؤں نے ہمیں ہندوستان کے ساتھ کاروبار کرنے سے روک دیا ہے، اب ہمیں مالیہ معاف کرنا پڑا ہے تاکہ کاشتکار زندہ رہ سکیں، یہ ایک نہایت ہی یاس انگیز صورتِ حالات ہے، اور اس کا ایک ہی علاج ہے، کہ اس تعفن کو پھیلنے سے روکا جائے اور قدرتی تقسیم کے مطابق ملک کے حصے کر دیئے جائیں، اگر ہندو کاروبارِ تجارت نہیں کریں گے تو بمبئی کی جگہ کراچی شہر تجارتی بندرگاہ کا کام دے سکتا ہے، ہم چاہتے ہیں کہ مزید ۲۵ یا ۳۰ سال کے لیے ہندوستان پر ہمارا اثر و اقتدار قائم رہے، اب برطانوی حکومت کے پرانے طریقِ کار کی طرف عود کرنا ناممکن ہے، ہمارے پاس اب کارکن اصحاب موجود نہیں ہیں، اب ہم دورِ ماضی کو قائم نہیں کر سکتے، نیز ہم نے اپنا کام بھی کر لیا ہے، کیونکہ ہندوستان میں ریلیں اور نہریں وغیرہ قائم ہیں اب لسے ایسا طرزِ حکومت دیدو جو اس کے لیے موزوں اور قدرتی ہو لیکن جب تک ہندوستان میں ہمارا اثر و اقتدار قائم ہے ہمیں تحریکِ مقاطعہ کو پورے زور سے روکنا چاہیے، خوں ریزی کو روکنے اور دقیانوسی ہندو سسٹم کا سدِ باب کرنے کے لیے ہمیں کراچی اور دہلی سے کام شروع کرنا چاہیے، جہاں دنیا کی ایک بڑی مسلم طاقت قائم ہو گی، ہم خواہ کچھ کریں یہ ہو کر رہے گا، پھر کیا وجہ ہے کہ ہم اسے جلد از جلد معرضِ عمل میں نہ لائیں، اور اس کے ساتھ سب سے پہلے تاجرانہ تعلقات قائم کیوں نہ کریں، جب بحرِ قزوین اور بحیرۂ روم کی طرف وسیع ملکوں کا خیال آتا ہے تو بڑے بڑے امکانات نظر آتے ہیں۔"

مذکورہ بالا تحریر سے چند امور معلوم ہوتے :-

(الف) اس تجویز "تقسیم ہند" کی باعثِ تحریک مقاطعہ یعنی بدیشی مال کا بائیکاٹ ہے جو سنہ ۱۹۱۹ء میں خلافت اور کانگریس کے مشترکہ اجلاسِ ناگپور میں پاس ہوئی اور مسٹر جینا بلکہ صرف مسٹر جینا نے اس کی مخالفت کی، (جیسا کہ ان کی سوانح عمری میں مذکور ہے) اور جب پر مسٹر اینڈریوز نے ان کی اس جرأت پر کہ تمام ممبرانِ کانگریس و خلافت کے خلاف انھوں نے آواز بلند کی بڑی تعریف کی،

(ب) اسی زمانہ سے ٹوڈی انگریزوں کو مسلمانوں کو توڑنے اور ان کو ملکی تحریکات سے علیحدہ کرنے کی وجہ سے اس قسم کی فکر ہے کہ دو منطقے ہندوؤں اور مسلمانوں کے علیحدہ علیحدہ بنا دیے جائیں، اگرچہ ہر دو قوموں میں تفریق کی اسکیم بہت پہلے سے چلی آتی تھی، مگر یہ تفریق اپنی تجارت کے قائم رکھنے کی اس زمانہ سے شروع ہوتی ہے (یہ بداہتہً معلوم ہے کہ برطانوی قوم تاجر قوم ہے، اور اس کی مصنوعات اور تجارت پر اس کا مدار ہے، جس کے لئے سب سے بڑی منڈی ہندوستان ہے) اور اسی لیے یہاں کے قومی لوگوں نے چرخہ اور کھدر کا استعمال قومی تحریک کا جزء قرار دیا تھا، چونکہ انگلستان کی مصنوعات کی فیصدی ۶۴ ہندوستان میں کھپت ہے، اور اس کا خطرہ پروفیسر سیلے کو پریشان کیے ہوئے تھا، اور جب کہ ہندو اکثریت بدیشی مال کے بائیکاٹ میں نہایت سخت ثابت ہوئی، اس لیے ٹوڈیانِ برطانیہ کو اس سے ناامیدی ہوئی، اور انھوں نے مسلمان رجعت پسندوں پر چھاپہ مارا اور ان کو ہمخیال بنانے کی سعی شروع کی،

(ج) یہ تحریک محض مسٹر ملوڈن کی شخصی نہیں ہے، بلکہ حکومتِ ہند اور حکومتِ برطانیہ کے ذمہ دار اشخاص اس میں شریک اور متحد ہیں، یہ آواز ان کی ترجمان ہے، اس کے خط کے الفاظ پر غور فرمائیے،

(د) یہ آواز ۱۳۱۹ء میں محض آواز ہی تک باقی نہیں رہی تھی بلکہ عملی جامہ بھی پہن چکی تھی، اور اس کا اثر دور دور تک پھیل گیا تھا، اس کے عمال قدامت پسند ٹوری انگریزہ برطانیہ ہیں، جنھوں نے اپنے زیر اثر ہندوستانی رجعت پسند لیڈروں کو اپنے رنگ میں رنگ لیا تھا، مدینہ بجنور مورخہ ۹ ستمبر ۱۹۳۱ء جلد ۲۰ نمبر ۶۹ میں ممبئی کرانیکل کے نامہ نگار مقیم لندن کا مقالہ نقل کرتا ہے:

"ہندوستان کو ہندو ہندوستان اور مسلم ہندوستان میں تقسیم کرنے کی پوری کوشش کی جارہی ہے، تاکہ اس کے بعد ہمیشہ ہندو مسلمانوں میں جھگڑا ہوتا رہے"

اسی تحریک سے متاثر ہوکر ڈاکٹر اقبال مرحوم نے ۱۹۳۰ء میں الٰہ آباد مسلم کانفرنس میں تقسیم ہندوستان کی تجویز پیش کی تھی، اور اس تجویز کے حق میں بھائی پرمانند اور رحمت علی وغیرہ نے مقالات اور تحریریں لکھی تھیں،

(لا) یہ آواز مسٹر لوتھین کی اس زمانہ میں شخصی نہیں رہی تھی اور نہ یہ ابتدائی تجویز تھی، بلکہ ایک متحدہ اور مقررہ ارادہ اور عمل کی ترجمان تھی،

۱۹۳۱ء میں یہ کمیٹی دس کروڑ روپیہ کے سرمایہ سے تجویز کی گئی، جس میں سب سے بڑے حصہ دار ہز ہائنس سر آغا خاں اور ان کے بعد ملا سیف الدین طاہر اور ممبران کونسل آف اسٹیٹ و اسمبلی (جن میں مسٹر جینا بھی شامل ہیں) بنے تھے، اس خط نے تو صرف رازہائے درون پردہ کا افشا کیا تھا، بنا بریں مرتب مکالمہ کا یہ کہنا کہ "یہ مضمون انگریز کی تجویز اور رائے پر مشتمل تھا" محض دروغ اور دجل ہے، جس کا تذکرہ بوقت گفتگو بالکل نہیں آیا، مرتب صاحب نے اپنے ذہن سے خلاف تصریحات کے تراش کرکے لوگوں کو دھوکہ دیا ہے،

پھر یہ کہنا کہ گویا اس مضمون کے سنانے کی غرض یہ تھی کہ مسلم لیگ نے جو

نظریہ پاکستان پیش کیا ہے وہ اس انگریز کی تجویز پر مبنی ہے،، غلط ہے، بلکہ اس سے تو یہ اظہار کرنا ہے کہ یہ پاکستان کا نظریہ ٹوری انگریزوں کا نکالا ہوا ہے، صرف اس انگریز مسٹر بلوڈن کی یہ ابتدائی تجویز نہیں ہے، اور اگر بالفرض اسی کی شخصی رائے بھی ہو اور اسی کو مدبرین برطانیہ اور دیگر خود غرض انگریزوں نے پسند کر کے عملدرآمد کرنا شروع کر دیا، اور لیگی دماغوں میں اتار کر کے اسے عملی جامہ پہنانا چاہا ہو تو کیا تعجب ہے؛

بہرحال یقیناً یہ نظریہ پاکستان انگریزوں کی ایجاد ہے، اور شواہد عدل اس پر قائم ہیں، جن سے انکار نہیں کیا جا سکتا، امریکہ کا اخبار "کامن سنس" مسٹر جینا کے بارے میں کہتا ہے:

"اگر برطانوی ان کے (مسٹر جینا کے) ساتھ کھیل کھیل رہے ہیں تو وہ برطانویوں کے ساتھ کھیل رہے ہیں، اس برطانوی جینا کھیل کا نتیجہ پاکستان کی صورت میں نمودار ہوا ہے،، (مدینہ بجنور مورخہ ۹ر جون ۱۹۴۳ء مترجم آرٹیکل مسٹر جان گنتھر)

موجودہ دور یعنی ستمبر ۱۹۴۶ء میں جبکہ برطانیہ میں لیبر گورنمنٹ حکومت کر رہی ہے اور وزارتی مشن ہندوستان میں ایک یونین کی تجویز پیش کر چکا ہے، برطانیہ کی ٹوری پارٹی کی یہی کوشش ہے کہ یہ اسکیم ناکام ہو، اور عارضی گورنمنٹ میں شرکت سے انکار اور اس کے خلاف ڈائریکٹ ایکشن کی تجویز کے پس پردہ اسی پارٹی کی ساز باز معلوم ہوتی ہے، چنانچہ لندن کی ایک اطلاع اس پس منظر کی نقاب کشائی کرتی ہے، اطلاع حسب ذیل ہے:

"لندن ۱۱ر ستمبر، مسٹر جناح کی اس تجویز کے بارے میں کہ حکومت برطانیہ لندن میں کانفرنس طلب کرے، اور ان کو مساوی حیثیت سے بلائے

ذمہ دار برطانی پارٹی کے حلقوں میں خیال کیا جا رہا ہے کہ مسٹر جناح کی پیشکش کا مقصد صرف یہ ہے کہ ہندوستان کے مسائل پر زیادہ سے زیادہ وقت صرف کیا جائے، اور فیصلہ میں اتنی دیر کی جائے کہ قدامت پسند پارٹی انگلستان میں برسر اقتدار ہو جائے،

انگلستان کے حالات اور بین الاقوامی حالات روزانہ نازک صورت حالات اختیار کر رہے ہیں، بعض لوگوں کا خیال ہے کہ موجودہ حکومت سنہ ۱۹۵۰ء سے قبل ہی استعفیٰ دے دے گی، اور قدامت پسند جماعت تو امید کر رہی ہے کہ آئندہ سال میں ہی عام انتخابات ہو جائیں گے، ان سب حالات کی بنا پر مسٹر جناح نے لندن میں کانفرنس منعقد کرانے کی تجویز کی ہے، تاکہ وقت بھی ٹلے، اور وہ قدامت پسند جماعت سے مشورہ اور تعلقات بھی پیدا کر لیں، قدامت پرست پاکستان کے بہت بڑے حامی ہیں، سنا گیا ہے کہ حکومتِ برطانیہ ہندوستان کے لیے اب کوئی کانفرنس نہیں کرنا چاہتی،، (قومی آواز لکھنؤ، ۱۳ ستمبر سنہ ۱۹۴۶ء $\frac{۲۳۸}{۱۷}$)

پھر یہ مقولہ نقل کر کے فرماتے ہیں:

"اور مسلم لیگ انگریزوں کے اشارہ پر چلنے والی جماعت ہے۔"

مرتبِ مکالمہ کا اس پر انکار کرنا انتہائی تعجب خیز ہے، کیا موصوف کو لیگ کی ابتدائی پیدائش اور زندگی سنہ ۱۹۰۶ء اور اس کے بعد سے اب تک کی پوری تاریخ (جس میں مسٹر جینا کی قیادت بھی شامل ہے) معلوم نہیں؟ اگر معلوم نہ ہو تو "مسلمانوں کا روشن مستقبل" اٹھا کر دیکھیں،

کیا مرتب صاحب کو معلوم نہیں کہ سنہ ۱۹۳۱ء میں ان حضرات نے راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں کیا کیا گیا؟ چنانچہ لیگی اخبار "انقلاب" لاہور مندرجہ ذیل الفاظ لکھتا ہے:

ملاحظہ ہو روزنامہ "انقلاب" مورخہ ۱۰ را پریل ۱۹۳۲ء اقلیتوں کے معاہدہ کے متعلق زیر عنوان "اقلیتوں کے معاہدہ کی مفصل تاریخ" کرنل سر ہنری گڈنی کا طویل بیان لکھتا ہے، جس کا آخری اقتباس حسب ذیل ہے:-

"سر آغا خاں نے ہمیں مطلع کیا کہ وہ ہماری تجاویز کو مسلم پارٹی کے سامنے پیش کر دیں گے، اگلے روز میں نے گول میز کانفرنس کے نمائندوں کے یورپین گروپ سے ملاقات کی، اور اپنی کارروائی سے مطلع کیا، اور ایک معاہدہ کے مسودہ پر سر ہربرٹ کے ساتھ بحث کی، اور اس کے بعد بعض دوسرے لوگوں کے ساتھ مشورہ کیا، مسلمانوں سے ایک جلسہ میں اس معاملہ پر بحث کر کے مجھے اس موضوع پر مفصل یادداشت بھیجنے کے لیے کہا، میں نے ایسا ہی کیا، اور اس کے بعد سر ہربرٹ کار سے گفتگو کی، اب یورپین گروپ، اینگلو انڈین، ہندوستانی عیسائی اور اچھوتوں کے نمائندے متحد ہو چکے تھے، اور مسلمان ہمارے اجتماعی خیالات سننے کے لیے بیتاب تھے، چنانچہ سر ہربرٹ نے رٹز ہوٹل میں ایک جلسہ کا انتظام کیا، کیونکہ اب تمام معاملہ انھوں نے اپنے ہاتھ میں لے لیا تھا، اس طرح کے متعدد جلسوں اور بے حد بحث و تمحیص کے بعد ہم نے ۱۱ر نومبر ۱۹۳۱ء کو اقلیتوں کے معاہدہ پر دستخط کر دیئے، اور ۱۲ر نومبر کو یہ معاہدہ وزیر اعظم کی خدمت میں پیش کر دیا گیا، ۱۳ر نومبر کو ہز ہائنس سر آغا خاں نے اس کو رسمی طور پر مینارٹی سب کمیٹی میں پیش کیا، اور اس پر بحث ہوئی، یہ اس دستاویز کی مختصر تاریخ ہے جو اب اقلیتوں کے معاہدہ کے نام سے مشہور ہے"

اسی اقلیتوں کے معاہدہ اور ان لیگیوں کی کارروائیوں کے متعلق "انقلاب" لاہور مورخہ ۱۷ر فروری ۱۹۳۲ء زیر عنوان "مرکزی دستور کمیٹی کے مسلم ممبروں کے نامہ اعمال"

مندرجہ ذیل الفاظ لکھتا ہے:

"اُن حالات میں اگر ہم یہ کہیں کہ مسلم ممبروں نے قوم کے ساتھ، قوم کے حقوق کے ساتھ، قوم کے مفاد کے ساتھ غداری کی تو یہ لوگ روئیں گے، کہ "انقلاب" بے انصافی کر رہا ہے، لیکن ہمارے لیے اس فعل کو کھلی ہوئی غداری قرار دینے کے سوا چارہ نہیں، اُن کی نیتیں نیک ہیں تو ہوں ملک کو اس نیکی کی بہ جائے کوئی فائدہ نہیں ہو سکتا، البتہ اس فعل کی بدی اور بُرائی سے ہولناک نقصانات کا دروازہ اس کے مُنہ پر کھل گیا ہے، خدا ایسے نیک نیت خادمانِ ملّت کی بلا سے نہیں تو کم از کم ان کی ایسی خدمت کی بلا سے ہر قوم کو محفوظ رکھے۔"

"مدینہ" مورخہ ۲۱ر جنوری سنہ ۱۹۳۲ء کو لکھتا ہے:

"انھوں نے ایک محضرِ غلامی پر جس کو یورپینوں نے تیار کیا تھا اپنے دستخط ثبت کر دیئے، اور اس طرح ان دعاوی کو جن کو دُہراتے ہوئے ہندستان میں اُن کی زبانیں خشک ہو گئی تھیں اور ان کے منحوس گلے خود بیٹھ گئے تھے پامال کر دیا، انھوں نے صوبہ سرحد کو قربان کر دیا، صوبہ سندھ کے گلے پہ چھری پھیر دی، پنجاب و بنگال کی آئینی اکثریت قائم کرنے کے دعوے کو جھٹلا دیا، الغرض بجز جداگانہ انتخاب کے جس کا فائدہ صرف رجعت پسندوں کی ذات کے سوا ملّتِ اسلامیہ کو قطعاً نہیں پہنچ سکتا، کوئی چیز حاصل نہ کی،"

خود ڈاکٹر شفاعت احمد خاں کا بیان ہے کہ ان کی جماعت حصولِ مطالبات میں بالکل ناکام رہی، لیکن اب سوال یہ ہے کہ لندن میں مسلمانوں کے ان خود غرض اور خود پرست نمائندوں نے خود اپنے

دعا دہی کے ساتھ جو غداری کی تھی کیا وہ ہندوستان میں بھی ہماری آنکھوں کے سامنے اسے جاری رکھیں گے"؟

یہی اخبار ۵ ۲ جنوری ۱۹۳۳ء کے پرچہ میں لکھتا ہے:

"مثلاً سب سے اول وہ محضر غلامی ہے جو اقلیتوں کے مطالبات پر مشتمل ہے، اس میں مسلمان ارکان کانفرنس نے ہندو راج کے وہمی خطرہ سے بچنے کے لیے انگریزی غلامی اور یورپینوں کے اقتدار کی حقیقی مصیبت بطیب خاطر قبول کرلی، صوبہ سرحد کو پامال کر دیا، سندھ کی مشروط علیحدگی گوارا کرلی، فیڈرل گورنمنٹ کا گلا گھونٹ دیا، پنجاب و بنگال کی اکثریت فنا کردی، حریت طلبی کے ادعاء کو رسوا کر دیا، مسٹر میکڈانلڈ کے قدموں پر سر رکھ دیا، اور اسلام کے نام پر ملک و ملت دونوں سے غداری کی"

لیگ کی انگریز پرستی کے واقعات ابتداء سے بے شمار واقع ہوتے رہے ہیں، مرتب مکالمہ کہاں تک ان پر پردہ ڈالتا ہوا مسلمانوں آنکھوں میں دھول ڈالنے کی کوشش کرے گا، کیا ان تمام کوششوں میں مسٹر جناح پیش پیش نہیں تھے؟ دور کیوں جائیں، ابھی وزارتی ڈیلی گیشن کی تجاویز پر لیگ کا مُہر قبولیت ثبت کر دینا کیا انگریز پرستی اور اس کے اشاروں پر چلنے کا کھلا ہوا مظاہرہ نہیں ہے؟ کہاں طلب پاکستان کے بلند آواز ہنگامے اور وہ شور اشوری اور وہ کنونشن کانفرنس میں اِنَّ صَلوٰتِیْ وَنُسُکِیْ الآیۃ کے ماتحت عہدنامے، وہ ہلاکو اور چنگیز خاں کے دریائے خون بہا دینے کے آوازے، کہاں یہ ایک بے اختیار یونین کی قبولیت اور بے معنی و بے اختیار تین گروپوں کی قرارداد کا مان لینا، اور یہ کہہ دینا کہ پاکستان کی بنیاد ہم کو حاصل ہو گئی ہے، اس سے بڑھکر بھی انگریز کے اشاروں پر

چلنے اور مسلمانوں کو دھوکہ دینے کی کوئی نظیر ہو سکتی ہے؟ العجب العجب،

اسی بنار پر مولانا حسرت موہانی جو کہ لیگ کے بہت سرگرم کارکن ہیں، اور اسی کے ٹکٹ پر یوپی اسمبلی میں کامیاب ہوئے ہیں لیگ کے پروپیگنڈہ الیکشن میں شہر بشہر پھرتے ہیں عین کونسل کے جلسہ میں اور اس کے بعد دوستوں کی مجلس میں فرمایا:

"ہم نے اسلام کو دھوکہ دیا ہے، ہم نے مسلمانوں کو دھوکہ دیا ہے، ہم نے قرآن کو دھوکہ دیا ہے، ہم نے اپنے نفس اور پروردگار کو دھوکہ دیا ہے، کیا یہی وہ پاکستان ہے جس کا حلف دہلی میں اٹھایا گیا تھا؟"

قومی آواز لکھنؤ مورخہ ۸ ارجون ۱۹۴۶ء زیر عنوان "جب لیگ نے کابینی تجاویز کو منظور کیا حسرت نے کہا ہم نے اسلام کو الخ"

اسی بنار پر ایڈیٹر قومی آواز لکھتا ہے:

"یہ ہے مسلمانوں کی رائے عامہ، اور یہی وجہ ہے کہ اس فیصلہ کا استقبال صرف اُن مسلمانوں نے کیا ہے جو آج تک انگریزی عہدِ حکومت میں خوشامد پرستی کے نقطۂ عروج پر تھے، اور آج کانگریسی حکومتوں کی خوشامد کر کے نفع اندوزی کی اسکیمیں بنا رہے ہیں"

مرتب مکالمہ غور فرمائیں اور اس مصرع کو بار بار پڑھیں ع

وَهَلْ يصلح العطار ما افسد الدهر

۵ من زخوباں چشم نیکی داشتم ؛ خود غلط بود آنچہ من پنداشتم

مرتب مکالمہ اسی صفحہ ۱۴ پر لکھتا ہے کہ "

"مولانا مدنی کا پاکستان کے خلاف ایک استدلال اور علامہ عثمانی کی طرف سے اس کا مسکت جواب"

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جو تحریر حضرت علامہ کو سنائی گئی تھی اس کا

انھوں نے وہ جواب دیا تھا جو کہ صفحہ ۱۵ میں درج ہے،

حالانکہ ہم کو بخوبی یاد ہے کہ اس تحریر کو سن کر مولانا خود دم بخود ہو گئے تھے، اور کچھ جواب نہیں دیا تھا، یہ جواب مولانا موصوف کا یا مرتب مکالمہ کا بعد کا پیدا کیا ہوا ہے لارڈ ڈیول کی کلکتہ کا مرس چیمبر اور لیجسلیچر اور راولپنڈی کی تقریروں کا یقیناً وہاں تذکرہ نہیں آیا، نہ ہی لارڈ لنلتھگو کی ۴۲ء کی تقریر پر گفتگو کی نوبت آئی، اور اگر بالفرض یہ جواب واقع بھی ہوا ہوتا تو یہ ناواقفیت کی کھلی ہوئی دلیل ہے، اس لیے کہ وہ شخص جو کہ برسر حکومت ہے وہ اپنی رائے اور عمل میں آزاد نہیں ہوتا، بلکہ حکومت کی پالیسی کا پابند ہوتا ہے، بالخصوص جب کہ وہ ماتحت ہو، اس لیے کہ وائسرائے ہند تو وزیر ہند اور وزیر اعظم اور کیبنٹ کی پالیسی کے خلاف ایک کلمہ بھی نہیں بول سکتا حکومت کو اپنی پالیسی میں اکثریت کی پاسداری اور ایسے امور کا لحاظ جن سے قلق اور اضطراب کا اندیشہ ہو بہت زیادہ ضروری ہوتا ہے، اسی وجہ سے لیبر حکومت کی پالیسی اور لیبر افراد کی آراء اور ان کے کلمات میں زمین آسمان کا فرق پایا جاتا ہے، مسٹر میکڈانلڈ جب تک برسر حکومت نہیں تھے کتاب اویکننگ آف انڈیا لکھتے اور ہندوستان کے ساتھ انتہائی ہمدردی کا مظاہرہ کرتے ہیں، مگر جب کہ برسر حکومت آتے ہیں تو اور ہی رنگ ہوتا ہے، غرض کہ ایک ذمہ دار حاکم کے مقالہ کو اس کی حقیقی رائے قرار دینا غلط ہے، وہ جب تک برسر حکومت ہی حکومت کی ظاہرہ پالیسی کے موافق کہنے اور کرنے پر مجبور ہے،

کون نہیں جانتا کہ برطانویوں کی ہمیشہ سے ہندوستان میں یہی پالیسی ہی ہے کہ "لڑاؤ اور حکومت کرو" (ڈیوائڈ اینڈ رول) مگر جب بھی کوئی گورنر یا وائسرائے کھڑا ہوتا ہے تو اتحاد کے ہی وعظ کہتا ہے، حتیٰ کہ تعزیرات ہند میں ہندوستانی اقوام اور جماعتوں میں لڑائی کرانا اور ان میں اشتعال پیدا کرنا

جرائم میں سے شمار کیا گیا ہے، اور اس کی وجہ سے نئے دن مقدمات چلائے جاتے ہیں، حالانکہ خود برطانوی حکام ہندوستانیوں، اور بالخصوص ہندو مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنے کے لیے لاکھوں بلکہ کروڑوں روپیہ خرچ کرتے رہتے ہیں، ان کے ذمہ داروں کی ایسی ہدایات طشت از بام ہو چکی ہیں،

دیکھو کارے ٹکس، میجر جنرل کی بی اسمتھ، سر جان مینارڈ، لارڈ انفنسٹن گورنر بمبئی، سر جان میلکم، مسٹر چرچل وغیرہ کی ہدایات،

اسی طرح کون نہیں جانتا کہ برطانیہ کی اغراض ہندوستانیوں کو لوٹنا کھسوٹنا اور اپنی قوم کو نفع پہنچانا ہے، جیسا کہ سر جان ولیم ہیکس ہوم سکریٹری انگلستان کہتا ہے: کہ ہم نے ہندوستان ہندوستانیوں کی بھلائی کے لیے نہیں فتح کیا ہے، اور ہم ہندوستان میں ہندوستانیوں کی بھلائی کے لیے نہیں ہیں " مگر ہر وائسرائے اور ہر گورنر کے لکچر کو دیکھیے کہ کس قدر اہل ہند کی خیر خواہی اور ان کی بھلائی کی خواستگاری سے بھرا ہوا ہوتا ہے،

تعجب ہے مرتب مکالمہ جان بوجھ کر آنکھوں میں دھول ڈالتا ہوا اس جواب کو مسکت قرار دیتا ہے، حالانکہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ مسٹر ملوڈن کی یہ تحریر شخصی رائے نہیں بلکہ وہ اس پالیسی کی ترجمانی ہے جس کو مدبرین برطانیہ مقیمین ہند نے یہاں کے لیے قرار دیا ہے، اور ہم یہ بھی بتلا چکے ہیں کہ ۱۹۳۱ء میں لندن میں اس پر عمل درآمد ہو رہا تھا، جیسا کہ بمبئی کرانیکل کے نامہ نگار مقیم لندن نے صاف طور سے لکھا ہے، اور اس وقت سے آج تک مدبرین برطانیہ کا یہی طرز عمل جاری ہے، جیسا کہ امریکہ کے اخبار "کامن سنس" نے مسٹر جان گنتھر کے آرٹیکل میں ظاہر کیا ہے، یہی نہیں بلکہ امریکہ میں برطانوی سفارت خانہ پاکستان کے متعلق پمفلٹ اور لٹریچر وغیرہ لندن میں چھپوا کر ہوائی جہازوں کے ذریعہ امریکہ میں منگوانا اور مفت تقسیم

کرتا رہتا ہے، اور امریکہ میں لیگ کے پروپیگنڈہ کے لیے آفس قائم کیا ہوا ہے، مسٹر احمد سیتاپوری اس کے ناظم ہیں، ان کو تنخواہ برطانوی سفارت خانہ سے دی جاتی ہے،
(دیکھو روزنامہ ملاپ، جلد ۲۲، ۲۱۴، ۱۶ر جنوری ۱۹۴۵ء)
(بیان مسٹر چمن لال سینئر او جرنلسٹ، جس کی تردید آج تک حکومت نے نہیں کی،)
دور کیوں جائیے، وزارتی ڈیلی گیشن کی تجاویز ہی کو ملاحظہ فرمائیے کہ ہندوستان کو تین گروپوں میں تقسیم کرنا کیا معنی رکھتا ہے؛ فَاعْتَبِرُوا يَا أُولِي الْأَبْصَارِ،
مگر مشکل یہ آپڑی کہ حکومت بین الاقوامی حالات سے مجبور ہو کر کانگریس کو راضی کرنا ضروری سمجھتی ہے، اور اس لیے اپنے مجوزہ پاکستان کو (اپنی طبیعت کے خلاف) دفن کرنے پر مجبور ہو رہی ہے، تاہم گروپنگ کی مصنوعی شکل بنا کر لیگ سے کیے ہوئے وعدوں اور اپنی لڑاؤ والی پالیسی کو بظاہر پورا کرنے کے لیے لیگی لیڈروں کو خوش کرنے کی سعی ناکام ضرور کی ہے، مگر چونکہ فریق ثانی اس حقیقت کو بخوبی سمجھتا ہے اس لیے اس نے مصنوعی شکل کے خلاف طاقت آزمائی شروع کر دی اور مشن کے آخری بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک حد تک کامیاب ہے،
غرض ایک مرکزی یونین کا قیام اور گروپنگ کا اس کے ماتحت رہنا ایک نمائندہ اسمبلی اور مرکز اور عارضی حکومت میں عدم مساوات سب کچھ ختم کر دینے کے باوجود لیگ نے حکومت کے فیصلہ کے سامنے سر تسلیم خم کر کے یہ ثابت کر دیا کہ وہ حکومت برطانیہ کے چشم و ابرو کے رحم و کرم پر زندہ ہے، اور اس کا نصب العین مسلمانوں کے علیحدہ مقام کے مطالبہ کی آڑ میں صرف برٹش حکومت کا استحکام ہے،
مکالمہ کے صفحہ ۶ میں اس کے بعد مولانا حفظ الرحمن صاحب کی ابتدائی تقریر کا خلاصہ درج کیا گیا ہے، جس کو نجی طور پر مولانا موصوف نے مخلصانہ انداز میں علامہ عثمانی کے سامنے مولانا آزاد سبحانی کے متعلق ذکر فرمایا تھا جس میں حسب روایت مکالمہ

انھوں نے یہ بھی کہا کہ یہ اس قدر یقینی ہے کہ اگر آپ اطمینان فرمانا چاہیں تو ہم اطمینان کرا سکتے ہیں، الخ" ظاہر ہے کہ یہ نجی گفتگو ہرگز اس قابل نہ تھی کہ اس کو شائع کر کے طشت از بام کیا جاتا، بلکہ رازہائے سربستہ کی طرح اس کو مخفی رکھا جاتا، اور ذریعہ فتنہ نہ ہونے دیا جاتا، مگر افسوس ہے کہ خلاف احکام شرعیہ اور خلاف اصولِ تہذیب و انسانیت اس کو شائع کر دیا گیا ہے، اسی بنا پر اخبار مدینہ مورخہ ۵ر اپریل ۱۹۴۶ء زیرعنوان "مکالمۃ الصدرین غلط بیانیوں کا مرقع ہے" مولانا حفظ الرحمٰن کا بیان "علامہ عثمانی کے قلعہ معلّٰی میں جمعیۃ علماء ہند کے بزرگوں کی حاضری" لکھتا ہے:

"زیادہ عرصہ نہیں گذرا کہ جمعیۃ علماء ہند کے بزرگوں نے چند نیک مقاصد کی خاطر حضرت علامہ عثمانی دامت برکاتہم کے قلعۂ معلّٰی میں باریابی کی سعادت حاصل کی تھی، مسلم لیگ کے حلقۂ نشر و اشاعت نے اس ملاقات کو صدرین کی ملاقات کا عنوان دیا، اور اس کی تمام تر تفصیلات کو "مکالمۃ الصدرین" کے نام سے شائع کر دیا، علامہ عثمانی نے ملاحظہ فرمایا، کہ اس مطبوعہ رسالہ کی کشادہ پیشانی پر القاب و آداب کی فوجیں قطار اندر قطار کئی میل تک کھڑی ہیں، اور جمعیۃ علماء اسلام کی طرف سے سلامی پیش کر رہی ہیں، قدرتی طور پر حضرت علامہ کی خودی کے بحر ناپیدا کنار میں جوش آ گیا، بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت نے جوش کی سرحدوں کو پار کر کے ایک جلسہ میں فرمایا "مکالمۃ الصدرین" کا ایک ایک حرف صحیح ہے، اگر مولانا مدنی اس سے انکار کریں تو میں ان سے مباہلہ کے لیے تیار ہوں۔"

مولانا حفظ الرحمٰن ناظم جمعیۃ علماء ہند فرماتے ہیں کہ یہ بیان غلط بیانیوں کا مرقع ہے مولانا کی طرف سے جو ہمیں تردید موصول ہوئی ہے وہ درج ذیل ہے، اس سلسلہ میں

چند جملے ہم بھی پیش کرنا چاہتے ہیں :۔

(الف) سب سے پہلی بات یہ ہے کہ مطبوعہ رسالہ کا نام ہی غلط ہے: مولانا مدنی صدر جمعیۃ علماء ہند ہیں، صدر مسلم پارلیمنٹری بورڈ اور صدر اعلیٰ دارالعلوم دیوبند ہیں، یہ اُن کا مکالمہ ہے، ــــــ علامہ شبیر احمد عثمانی سے جو مکالمہ کے وقت کسی جماعت کے صدر نہیں، اس لیے اس کا نام "مکالمۃ الصدرین" رکھنا خودی اور خود پرستی کا پہلا مغالطہ ہے، صدر ہونا مستقل بالذات جوہر ہے، اور صدارت کی آرزو عرض ہے، علماء سمجھ سکتے ہیں، عرض پر جوہر کا اطلاق نہیں ہو سکتا،

(۲) مکالمۃ الصدرین، دیوبند کی اخلاقی تاریخ کا سب سے پہلا مکروہ سانحہ ہے، یہ ایک گناہ ہے جس کے جواب میں کوئی عذرِ گناہ نہیں پیش کیا جا سکتا، اگر آپ شریعت کو مانتے ہیں تو شریعت کی رُو سے، اور اگر آپ اخلاق و شرافت کو مانتے ہیں تو اخلاق و شرافت کی بناء پر ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ مکالمہ کی اشاعت ہر اعتبار سے مکروہ تحریمی کا درجہ رکھتی ہے، گفتگو خواہ ذاتی ہو یا سیاسی فریقین کی منظوری ہی سے شائع ہو سکتی ہے، کتنی گفتگوئیں اور مراسلتیں ہیں جو لارڈ لنلتھگو اور رفقاء اعظم کے درمیان ہوئی ہیں، ان کو یہ دونوں ایک دوسرے کی منظوری کے بغیر شائع نہیں کر سکتے، شرعاً اور بھی ممنوع ہے، کہ ایک تیسرا شخص تجسس کر کے اس کو شائع کرے،

علامہ عثمانی کے علمی ایوان کا دروازہ بہت بلند ہے، ہمیں امید ہے کہ ایک بڑے انسان کی حیثیت سے وہ اپنی غلطی کا اعتراف کر کے اپنے چھوٹوں کے سامنے ایک اعلیٰ نمونہ پیش کریں گے،

(۳) مکالمۃ الصدرین کی اشاعت سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ علامہ عثمانی کے لسانی کے مقابلہ میں جمعیۃ علماء کے بزرگوں کی زبانیں بند ہو گئیں، اول تو یہ کوئی کمال نہیں، دوسرے یہ غلط بھی ہے، کبھی کبھی خموشی کے معنی وہ ہوتے ہیں

جس کو کوئی قلم اور کوئی زبان ادا نہیں کر سکتی، اگر کسی خاندان کا مورثِ اعلیٰ مرجائے تو گھر میں خموشی کا سناٹا ہو جاتا ہے۔ جمعیۃ علماء کے بزرگوں کے لیے کسی نہ کسی درجہ میں یہ ایسا ہی وقت تھا، سب کو معلوم ہے کہ علامہ عثمانی دارالعلوم دیوبند کے صدرِ اعلیٰ تھے، مکالمۃ الصدرین کے مصنف جناب مولانا محمد طاہر صاحب کی سالہا سال کی آرزو کے مطابق دفترِ اہتمام کی تحریک پر مولانا عہدۂ صدارت سے الگ کر دیے گئے، مجلس شوریٰ میں عہدہ تخفیف کی تحریک اور تائید جن بزرگوں نے کی ان میں سے ایک مسلم لیگ کی آل انڈیا کونسل کے رکن تھے اور دوسرے مسلم لیگ دیوبند کے صدر تھے، اخباروں میں نام مولانا مدنی اور کانگریس کا بدنام کیا گیا...
گفتگو کے مرحلہ پر جمعیۃ علماء کے بزرگوں کو معلوم ہوا کہ علامہ عثمانی کا لب ولہجہ شکوہ و شکایت کا ہے، سیاسی نہیں، اور علامہ محترم مولانا محمد طاہر کی جگہ مولانا مدنی سے انتقام لینے کا فیصلہ کر چکے ہیں، تو جمعیۃ علماء ہند کے بزرگوں کے لیے سوائے خموشی کے آخر چارۂ کار کیا تھا؟ ظاہر ہے کہ یہ مکالمہ تھا، ہار جیت کا مناظرہ نہ تھا،

حسنِ اتفاق سے اس مکالمہ کے چند روز بعد حضرت علامہ عثمانی نے مدیر "مدینہ" کو دیوبند میں باریابی کا شرف عطا کیا، مدیر "مدینہ" اپنے دل کا درد پیش کرتا رہا۔ مولانا یکسر خاموش رہے، معاملہ بزرگانہ فرمایا، جواب نا کافی مرحمت فرمائے، اب اگر مدیر "مدینہ" اپنے اخبار کے صفحات پر یہ لکھتا ہے کہ:

"علامہ عثمانی ایک گھنٹہ تک مدیر مدینہ کی مدلل گفتگو کا جواب نہ دے سکے قطعاً خاموش ہو گئے، بمشکل جواب دینا شروع کیا، مگر الزامی جوابات میں اُلجھ گئے، ایک مرتبہ اپنے سوالات کی پیچیدگیوں میں ایسے اُلجھے کہ انھیں یہ بھی یاد نہ رہا کہ مجھے کس سوال کا کیا جواب دینا ہے"

تو میرا یہ کہنا غیر شریفانہ فعل ہوتا، مولانا نے مجھے گفتگو کا موقع دیا، اپنے دل کے

راز میرے سامنے رکھ دیئے، بہت سی کار آمد باتیں میری معلومات کے لیے پیش کیں، مجھے ممنونِ احسان فرمایا، ایسی حالت میں میرا کچھ لکھنا احسان ناشناسی ہوتی ہے، مگر تاہم یہ ضروری نہیں کہ علامہ عثمانی نے الیکشن کی ضرورت کے لیے جس غلطی کا ارتکاب کیا، راقم الحروف بھی اسی کا ارتکاب کرتا،

(۴) علامہ عثمانی اور محمد طاہر صاحب کا اخلاقی فرض یہ تھا کہ مکالمۃ الصدرین کی ایک ایک کاپی جمعیۃ علماء کے شرکاء مکالمہ کو پہنچاتے، مگر خوف تھا تردید کا، اور صداقت کے اظہار کا، اس لیے یہ جرأت بھی نہیں کی گئی،

بہرحال یہ ہے "مکالمۃ الصدرین" کی اشاعت کا پس منظر، مولانا حفظ الرحمٰن نے اپنے بیان میں ایک خاص پہلو سے اس کی تردید کی ہے، مولانا کا بیان ذیل میں درج ہے،

البتہ ذاتی اور سیاسی اختلافات کے اس مرحلہ پر ہم علامہ عثمانی کے علم اور فضل و کمال کا اعتراف ضرور کریں گے، اختلافات ہو سکتے ہیں مگر شخصیتوں کی عظمتوں کو کبھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا،

## مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب کا بیان

گذشتہ ایام میں میری تحریک پر حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی کے بند مکان میں بعض اکابر علماء جمعیت کے درمیان حالاتِ حاضرہ کے متعلق تقریباً دو ڈھائی گھنٹے جو گفتگو ہوئی تھی وہ ایک نجی گفتگو تھی، جس کا اظہار تحریک کے وقت بھی کر دیا گیا تھا، اور گفتگو کے وقت بھی، چنانچہ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب نے اس گفتگو کو بھی یہی حیثیت دی، جیسا کہ انھوں نے ختم گفتگو پر یہی ظاہر فرمایا، اور شام کو جب میں دہلی جاتے ہوئے دوبارہ ملاقات کے لیے گیا تو یہ زریں الفاظ

میں یہ فرمایا کہ بعض میرے رفقاء نے مجھ سے کہا کہ حضرت آپ نے ہم کو اس گفتگو میں کیوں شریک نہیں فرمایا تاکہ ہم آپ کی رفاقت کا فرض انجام دیتے تو میں نے ان سے کہا کہ بھائی یہ گفتگو کوئی حریفانہ انداز میں نہیں تھی، بلکہ تعلقات باہمی کی بنیاد پر نجی .. گفت و شنید تھی، اس لیے آپ کی شرکت کی ضرورت نہیں سمجھی گئی، اور بحمد اللہ گفتگو شروع سے آخر تک بہت ہی خوشگوار طرز میں ہوئی، پس اسلامی حکم اخلاقی فرض دونوں لحاظ سے ایسی گفتگو کا یک طرفہ شائع ہو کر پروپیگنڈہ کی شکل اختیار کر لینا کس قدر بداخلاقی اور اخلاقی پستی اور احساس فرض کے فقدان کی کیسی بدنما تصویر ہے، اور حدیث نبوی (علیہ السلام) اَلْمَجَالِسُ بِالْاَمَانَۃِ کے حکم کی کس درجہ خلاف خلاف ورزی ہے، اس کا اندازہ ہر شخص بآسانی لگا سکتا ہے،

مگر افسوس! کہ اس گفتگو کو مولوی طاہر ابن احمد القاسمی صاحب نے مسلم لیگ کے پروپیگنڈہ کی خاطر ایسی حالت میں شائع کر دیا جبکہ وہ گفتگو میں شریک نہ تھے، اور نہ دوران گفتگو میں کوئی صاحب اس کو قلمبند کر رہے تھے، اور نہ بطور یادداشت اس کے نوٹ لکھ رہے تھے، اور نہ صرف یہ بلکہ نہ اشاعت کی اجازت حاصل کی اور نہ ان کو دکھلا کر اس کی تصدیق فرمائی، اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحب کی تصدیق کے ادعاء کے باوجود ان کی قلمی تصدیق سے بھی قاصر رہے، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ،

اور اگر ان تمام شرعی اور اخلاقی احساسات کو نظر انداز کر کے ایک غیر متعلق ہونے کے باوجود اس مکالمہ کو شائع بھی کیا تھا تو دیانت اور حق شناسی کا تقاضہ تھا کہ مرتبہ تحریر کو کذب بیانی سے محفوظ رکھا جاتا اور لیگ کی بے جا حمایت کی خاطر دروغ بے فروغ کی جرأت نہ کی جاتی، لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ "مکالمۃ الصدرین" بلاشبہ افتراء، کذب بیانی، غلط واقعات اور غیر واقعی الزامات کا ایک ایسا مجموعہ ہے جس کو دیکھ کر حسرت کے ساتھ کہنا پڑتا ہے ع

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی ؟

میں جمعیۃ علماء ہند کے اہم مشاغل کی وجہ سے اس پورے عرصہ مسلسل سفر میں رہا، اور "مکالمۃ الصدرین" کا تذکرہ سننے کے باوجود اس کے مطالعہ سے محروم رہا، (حالانکہ اس رسالہ کا جمعیۃ علماء کے ارکان تک پہنچانا اخلاقی فرض تھا) اب جبکہ ۱۲ر مارچ کو دہلی آیا تو یہ پمفلٹ نظر سے گذرا، مکالمت کی نوعیت کیا تھی، گفتگو کا انداز جارحیت کا تھا یا ایک دوسرے کے نقطۂ نظر کو پوری طرح سمجھنے اور ایک دوسرے سے حتی الامکان قریب ہونے کی کوشش پر مبنی تھا، دلائل و براہین کی نوعیت وہ تھی جو مکالمۃ الصدرین کے مرتب نے قطع و برید کرکے پیش کی ہے یا دوسری تھی ؟ واقعات کس حد تک جھوٹ بول کر پیش کیے گئے ہیں اور کس درجہ غلط بیانی سے کام لیا گیا ہے، اس انکشاف حقیقت کے لیے مجبوراً جمعیۃ علماء ہند کے کسی رکن کو قلم اٹھانا ہی پڑے گا، تاہم اس وقت فوری طور پر ایک ایسے افتراء و بہتان اور کذب بیانی کی تردید ضروری سمجھتا ہوں جس سے عمداً وقصداً مرتب صاحب نے بعض مخلصین کے درمیان معاندانہ افتراق و انشقاق پیدا کرنے اور غلط فہمی میں ڈال کر بغض و عناد کے قریب تر لانے کی سعی ناکام فرمائی ہے، میرا روئے سخن "مکالمۃ الصدرین" کی اس عبارت کی جانب ہے :

> "اس ضمن میں مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے کہا کہ مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغی تحریک کو بھی ابتداءً حکومت کی جانب سے بذریعہ حاجی رشید احمد صاحب کچھ روپیہ ملتا تھا پھر بند ہو گیا"۔
>
> (مکالمۃ الصدرین)

وَکَفٰی بِاللّٰہِ شَہِیْدًا، اس کا ایک ایک حرف بہتان ہے، میں نے ہرگز ہرگز یہ کلمات نہیں کہے، اور نہ مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک کے متعلق یہ بات کہی گئی، سُبْحَانَکَ ھٰذَا بُھْتَانٌ عَظِیْمٌ، بلکہ مرتب صاحب نے اپنی

روانی طبع سے اس کو گھڑ کر ابن ہیے میری جانب منسوب کرنا ضروری سمجھا کہ اس کے ذریعہ سے حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کی تحریک سے والہانہ شغف رکھنے والے ان مخلصین کو بھی جمعیۃ علماء ہند سے برہم اور متنفر کرنے کی ناکام سعی کریں جو جمعیۃ علماء ہند کے اکابر ورفقاء کار کے ساتھ بھی مخلصانہ عقیدت اور تعلق رکھتے ہیں، اب یہ قارئین کرام کا اپنا فرض ہے کہ وہ اس تحریر کو صحیح قرار دیں جس کی بنیاد ذہنی اور اخلاقی احساسات کو نظر انداز کرکے محض جھوٹے پروپیگنڈہ پر قائم کی گئی ہے' یا اس سلسلہ میں میری گذارش اور تردید پر یقین فرمائیں، البتہ میں مرتب کی اس بیجا جرات کے متعلق اس سے زیادہ اور کیا کہہ سکتا ہوں، وَاِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَکٰی وَاللّٰہُ بَصِیْرٌ بِالْعِبَادِ۔"

مولانا حفظ الرحمن صاحب کے بیان مذکورہ بالا کے رد میں حضرت علامہ عثمانی کا ایک مختصر بیان چند سطروں میں لیگی اخباروں میں آیا تھا جس میں مولانا موصوف نے بقیہ اراکینِ وفد سے مولانا حفظ الرحمن صاحب کے بیان اور اس عبارت کے انکار کی تصدیق کا مطالبہ کیا تھا، اور دوسرے اعتراضات کا جواب کوئی نہ تھا،

ہم تعجب کرتے ہیں جبکہ مولانا کو اپنے نسیان کا یہاں تک اقرار ہے کہ مجلسِ مکالمہ ہی میں مضامین اور ترتیب یاد نہیں رہی اور مرتب مکالمہ کو خود اقرار ہے کہ گفتگو سوا تین گھنٹہ جاری رہی، اور مکالمہ میں اس کی تحریر اتنی مقدار میں پیش فرماتے ہیں جو کہ بہت سے بہت آدھ گھنٹہ میں ہو سکتی ہے، اور خود فرماتے ہیں کہ یہ تحریر اس گفتگو کا لبِ لباب ہے، ترتیب کے بدل جانے اور ایک دو جملوں کے محذوف ہونے کا بھی اقرار ہے، اور یہ بھی اقرار ہے مولانا عثمانی صاحب نے جن کا حافظہ مذکور ہوا بعد انقضائے مجلس کئی گھنٹہ یا کئی دن کے بعد املاء فرمایا، اور پھر مرتب صاحب نے کس قدر عبارت حذف کی اور کیا سمجھے؟ کیا مذکورہ بالا امور متعددہ کے

ہوتے ہوئے علامہ عثمانی کا سچائی کا دعویٰ مسموع ہوسکتا ہے؟ حالانکہ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب اپنے انکار کو کفی باللہ شہیداً اور سبحانک ھذا بہتان عظیم وغیرہ کے ساتھ مؤکد فرماتے ہیں،

ہم نے اسی وجہ سے مکالمہ کے چند کھلے کھلے جھوٹ پہلے ہی نقل کر دیئے ہیں، جن میں کسی کو دم مارنے کی جگہ نہیں ہوسکتی۔ ایسے کھلے ہوئے اکاذیب کے بعد اس تمام دفتر کے دفتر کو ہی دروغ بافی کا طومار سمجھنے اور یقین کرنے کے سوا اور کیا چارہ ہے؟

حضرت مولانا عثمانی کو یاد نہیں رہا کہ مولانا حفظ الرحمٰن نے کیا کہا تھا۔ انھوں نے مولانا آزاد سبحانی سے متعلق واقعہ ذکر کرتے ہوئے فرمایا تھا، حضرت آپ تو خود ہی جانتے ہیں کہ حکومت تحریکات کے موقع پر کس طرح دوررس طریقوں سے اپنے مقصد کو پورا کرلیا کرتی ہے، آپ کو یاد ہوگا کہ جب سنہ ۳۰ء میں کانگریس اور جمعیۃ علماء کی سول نافرمانی کی تحریک شروع ہوئی تھی تو حکومت کے اشارہ سے مختلف مقامات پر ترغیب الصلوٰۃ کے نام سے انجمنیں قائم کی گئی تھیں، تاکہ مسلمان تحریک سے ہٹ کر مذہب کے نام پر ادھر متوجہ ہوجائیں، چنانچہ دہلی میں بھی اس انجمن کا زور شور تھا حتی کہ مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی نیک نیتی سے اس کو مذہبی تحریک سمجھ کر اپنے معتقدین کو اس میں حصہ لینے کے لیے حکم فرمایا، ابھی یہ سلسلہ شروع ہی ہوا تھا کہ ایک روز شام کے وقت سٹیزن لیگ (شہری لیگ) کے نام سے ایک جلوس شہر میں نکلا، یہ لیگ علی الاعلان سول نافرمانی کی تحریک کے خلاف، ہندو مسلمان، رائے بہادروں اور خان بہادروں کی جانب سے قائم کی گئی تھی، جس میں خان بہادر حاجی رشید احمد صاحب بھی پیش پیش تھے، جلوس نکلا اور چاندنی چوک پہنچا تو مسلمانوں کو یہ دیکھکر نہ صرف حیرت ہوئی بلکہ ان میں سخت غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی کہ جلوس کی ترتیب میں انجمن ترغیب الصلوٰۃ کی رضاکارانہ کور بھی نمایاں موجود ہے!

اور اونٹ پر آگے آگے برطانیہ کا صلیبی جھنڈا (یونین جیک) لہرا رہا ہے، اور اس کے پیچھے انجمن ترغیب الصلوٰۃ کے رضا کار ایک موٹو (انجمن کا نشان) ہاتھ میں لیے جا رہے ہیں جس پر جلی حروف سے یہ لکھا ہوا ہے ۔

روزِ محشر کہ جاں گداز بود ؎ اوّلیں پرسش نماز بود

ظاہر ہے کہ یہ رضا کارانہ مظاہرہ اسلام اور مسلمانوں کی کس قدر توہین تھی، جس کو کسی مسلمان نے بھی پسند نہیں کیا، اور آخر دو چار روز کے بعد اہلِ شہر کی ایک مجلس میں جب اس واقعہ کا حضرت مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی موجودگی میں ذکر آیا تو مولانا بے حد متأثر ہوئے، اور نظام الدین جا کر انھوں نے سختی کے ساتھ اس رشتۂ اتحاد کو درہم برہم کر کے خود اور اپنی جماعت کو اس سے جدا کر لیا تو حضرت یہ چالیں تو حکومت کے بائیں ہاتھ کا کرشمہ ہیں،

رفتہ رفتہ وہ انجمن ہی نیست و نابود ہو گئی، کیونکہ گاندھی اِروِن معاہدہ نے ضرورت ہی باقی نہ رہنے دی، حضرت مولانا محمد الیاس صاحب مرحوم کی موجودہ تحریک تو اس کے بہت عرصہ بعد منظرِ عام پر آئی ہے، لہٰذا کون بیوقوف اس کا ذکر کر کے صریح دروغ گو بن سکتا ہے ؟

مگر حضرت مولانا عثمانی صاحب کے حافظہ" یا حبک شیًٔ یعمی و یصم" یا مرتبِ مکالمہ کے مقاصدِ مشئومہ نے مذکورہ بالا الفاظ کی جگہ مکالمۃ الصدرین کی پُر افترا گفتگو ایجاد کر کے شائع کر دی، جس کی بناء پر مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کو ان نو ذرا الفاظ سے براءت کرنی پڑی، فَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ،

مذکورہ بالا تحریرات کے بعد ہم کو ضرورت نہیں معلوم ہوتی کہ ہم حضرت مولانا عثمانی کے ہر ہر جملہ کا جواب لکھ کر تحریر کو طویل کریں، ہاں یہ جملہ تعجب خیز ضرور ہے کہ آپ فرماتے ہیں :

"بلکہ دیانۃً" یہ رائے قائم کی ہے کہ مسلمانوں کا ایک مرکز اور ایک پلیٹ فارم ہونا چاہیے، اور علماء ملت کو اس کی پشت پناہی اور اصلاح میں جدّ و جہد کرنی چاہیے۔"

کیا مولانا سے پوچھا جا سکتا ہے کہ یہ رائے آپ نے اِس وقت زمانۂ الیکشن ہی میں کیوں قائم فرمائی؟ تحریکِ خلافت سے لے کر یعنی سنہ ۱۹۲۱ء سے لیکر سنہ ۱۹۴۶ء تک کی اس پوری چوتھائی صدی تک آپ کی دیانت کو جوش کیوں نہیں آیا؟ کیا مسلمانوں کی جماعتیں متفرق اور مختلف نہیں رہیں؟ اور کیا آپ کے موجودہ اعلانِ حق سے بہت قبل ہی لیگ نے پاکستان اور ایک پلیٹ فارم کا اعلان نہیں کر دیا تھا؟ اور آپ اس اعلان سے دو تین سال بعد تک لیگ سے دور بلکہ نفور رہے، اور جمعیۃ علماءِ ہند کے مسلک ہی کے ساتھ وابستہ رہے، حتیٰ کہ جمعیت علماءِ اسلام میں پیغام پہنچنے سے قبل مولانا آزاد سبحانی صاحب نے جب دیوبند آکر بالمشافہہ گفتگو کی تو آپ نے ان تمام اسلامی ضروریات کے موجود ہونے کے باوجود جس سے بے چین ہو کر آپ نے لیگ کی حمایت اب شروع فرمائی ہے مولانا آزاد سبحانی کو ناامید نہ کیا؟ جیسا کہ مولانا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب اور آپ کے درمیان گفتگو سے ظاہر ہے، تو اب نہ معلوم وہ کونسا داعیہ ہے جس نے یک بیک مولانا پر یہ الہام کر دیا جس کا سطور بالا میں ذکر ہے، اور آخر عین الیکشن کے ہنگامہ کے وقت میں یہ حق کس طرح روشن ہو کر سامنے آگیا؟

مولانا آزاد سبحانی کے واقعہ کو حضرت مولانا اشرف علی صاحب مرحوم کے متعلق افواہات پر قیاس کر کے ٹلا دینا بھی تعجب خیز امر ہے، اول تو مقیس اور مقیس علیہ میں زمین آسمان کا فرق ہے،

دوسرے یہ کہ مرتبِ مکالمہ صفحہ ۷ میں نقل کرتا ہے کہ:

"مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے کہا کہ یہ اس قدر یقینی روایت ہے کہ اگر آپ اطمینان فرمانا چاہیں تو ہم اطمینان کرا سکتے ہیں، اور اس سلسلہ میں بعض محفوظ تحریرات دکھا سکتے ہیں، جو سوائے آپ کے عام طریقہ سے نہیں دکھائی جا سکتیں، ان کو دیکھ کر آپ خود اطمینان کر سکتے ہیں"

جبکہ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کے پاس ان کے متعلق ایسے کاغذات یا شواہد موجود ہیں جو کہ ہر طرح موجبِ اطمینان و یقین ہیں، تو ان کو طلب کرنا چاہیے تھا ورنہ کم از کم حضرت مولانا اشرف علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مثال (جس کے لیے کوئی یقین پیدا کرنے والے موجبات تھے ہی نہیں) پیش کر کے ٹلانا تو نہ چاہیے تھا، اس کے بعد صفحہ ۸ میں زیرِ عنوان "گفتگو کا محور" فرماتے ہیں:

(۱) "جو فارمولا جمعیۃ علماءِ ہند نے پاکستان کا نعم البدل ظاہر کر کے ملک کے سامنے پیش کیا، اور جس کا حوالہ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے اپنی تقریر میں بھی دیا ہے اس فارمولا کو آپ حضرات نے کم از کم کانگریس سے منوا لیا ہے یا نہیں؟"

یہ سوال واقع میں پیش ہوا یا نہیں اور یہ ترتیبِ گفتگو واقعی ہے یا نہیں، میں اس سے اس وقت بحث نہیں کرتا، مگر کیا یہ عجیب و غریب فلسفہ نہیں ہے کہ پاکستان کی تحریک اور اس پر غور و خوض اور اس کی تائید و تقویت وغیرہ تو کسی سے منوائے بغیر جاری کی جائے، اور اس کے لیے ہم ہر قسم کی تقریر و تحریر اور جدوجہد عمل میں لائے جائیں، حتیٰ کہ اس کے لیے علامہ عثمانی گوشۂ تنہائی سے نکل کر میدانِ تقریر و تحریر میں جوش و خروش کے ساتھ نبرد آزما بن جائیں، اور مسجد ضرار (جمعیۃ علماءِ اسلام) کی بنیادیں استوار کر کے جمعیۃ علماءِ ہند کے خلاف نیا محاذِ جنگ بنا ڈالیں، مگر

جمعیۃ کے فارمولے پر غور دخوض کرنے اور اس کے نعم البدل کو تسلیم کرنے کے لیے بار بار کانگریس سے منوانے کا سوال کیا جاتا ہے، کیا یہ یک بام دو ہوا کا معاملہ نہیں ہے؟ کیا مولانا کو معلوم نہیں ہے کہ کانگریس سے منوانے کا فائدہ تو جب ہی ہو سکتا تھا جبکہ خود مسلمانوں کی اکثریت اس کو مان لے، ملک کے سامنے پیش کرنے کا تو مقصد ہی یہ ہوتا ہے کہ اہلِ ملک جن کو اس سے تعلق ہے غور کریں کہ یہ فارمولا ان کے لیے بہتر ہے یا پاکستان کا فارمولا بہتر ہے؟ اگر یہ بہتر ہو تو متفقہ آواز سے اس کے لیے آواز اٹھائی جائے، اور منوانے کی صورتیں عمل میں لائی جائیں ورنہ کوئی فائدہ نہ ہوگا، اس لیے یہ سوال بالکل بے موقع اور غلط ہے، اور محض الزامی اور اختراعی سوال ہے،

اس کے بعد ۲ و ۳ میں صفحہ ۸ پر جو عبارت مع ۱ کے ذکر کی گئی ہے یہ یہ سب مرتبِ مکالمہ کا طبع زاد مضمون ہے، جس کو حسبِ دعویٰ لُبِ لباب بتاتے ہوئے پیش کیا گیا ہے، صفحہ ۸ پر جناب مرتب صاحب زیرِ عنوان "ضروری گذارش" فرماتے ہیں:

"لیکن گفتگو کا ملخص اور ضروری لُبِّ لباب جہاں تک ممکن تھا لے لیا گیا ہے"

یہ سب مرتب صاحب اور علامہ عثمانی صاحب کے خیال اور رائے اور حافظہ کے ثمرات ہیں، ہم نہ صرف اس کی تصدیق کرنے سے اپنے آپ کو قاصر پاتے ہیں، بلکہ دروغ صریح بھی قرار دیتے ہیں،

صفحہ ۹ کے آخر میں فرمایا جاتا ہے کہ:

"مولانا عثمانی نے فرمایا کہ اس وقت ہم کو پاکستان کی مرکزی حکومت میں یہ دیکھنا چاہیے کہ مسلم اور غیر مسلم آبادی میں کیا تناسب ہے؟

مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کی طرف سے کہا گیا کہ پاکستان میں مجموعی تعداد مسلمانوں کی چھ کروڑ ہوگی اور غیر مسلم تین کروڑ ہوں گے"

یہ عدد بالکل غلط ہے، وہ پاکستان جس کا مطالبہ لیگ کر رہی ہے وہ چھ صوبوں پنجاب، فرنٹیر، سندھ، بلوچستان، بنگال، آسام سے عبارت ہے، اس کی کل آبادی حسب کاغذات شائع شدہ از گورنمنٹ ۱۹۴۱ء دس کروڑ ۷۰ لاکھ چار ہزار سات سو تراسی ہے، یعنی (۱۰۷۰۰۴۷۸۳) اس میں مسلمانوں کی تعداد پانچ کروڑ اکیانوے لاکھ ایک ہزار دو سو سات (۵۹۱۰۱۲۰۷) اور غیر مسلموں کی تعداد چار کروڑ اناسی لاکھ تین ہزار پانچ سو چھہتر ہے، یعنی (۴۷۹۰۳۵۷۶)، دیکھو صفحہ ۹۸ و ۹۹ کتاب سنسز آف انڈیا ۱۹۴۱ء حصہ اول جلد اول، یہ مجموعی تعداد مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کی طرف منسوب کرنا اولاً تو غلط ہی ہے، جبکہ مجموعہ پاکستان کی کل آبادی دس کروڑ سے زائد ہے، جیسا کہ خود مسٹر جینا نے نمائندۂ ڈیلی نیوز لندن اور نمائندۂ امریکہ کے سامنے فرمایا تھا،

ہم خود اصلی عدد مجموعۂ آبادی کے ابھی ذکر کر چکے ہیں کہ دس کروڑ ستر لاکھ سے زیادہ ہیں، مگر اس عدد پر جو کہ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کی طرف منسوب کیا گیا ہے، کل آبادی نو کروڑ ہوتی ہے، تو نہ کل آبادی صحیح ہوتی ہے نہ عدد تناسب صحیح ہوتا ہے کیونکہ ۶۰ اور ۳۰ کا مجموعہ صرف ۹۰ ہوتا ہے، سو کا عدد پورا نہیں ہوتا،

ثانیاً چند سطروں کے بعد مرتب مکالمہ نے مولانا عثمانی کا مولانا حفظ الرحمٰن صاحب پر الزام مندرجہ ذیل الفاظ میں ذکر فرمایا ہے:

"اور مجموعۂ آبادی میں آپ کے فرمانے کے مطابق ساٹھ اور چالیس کی نسبت ہوگئی، یعنی مسلمان ساٹھ فی صدی اور غیر مسلم چالیس فی صدی ہوں گے"

پھر چند سطر کے بعد اسی صفحہ ۱۰ پر فرماتے ہیں:

"اور مسلم لیگ کے پاکستان میں بقول آپ کے یہی نسبت علی العکس رہ گئی ہم سخت متعجب ہیں کہ اگر مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے یہی عدد ذکر فرمائے تھے تو یہ نسبت آبادی کیونکر ہو سکتی تھی؟ اس صورت میں تو نسبت دو تہائی اور ایک تہائی کی ہوتی ہے یعنی دو تہائی ۶۶ فی صدی مسلمان اور ایک تہائی ۳۳ فی صدی غیر مسلم! کیا اتنا حساب بھی علامہ عثمانی کو نہیں آتا تھا جس کو چھوٹا بچہ بھی سمجھ سکتا ہے۔"

بہرحال یہ عدد مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے ہرگز نہیں فرمایا، اور اگر بالفرض فرمایا تھا تو علامہ عثمانی صاحب کا وہ نتیجہ تناسب کا تو یقیناً غلط ہے،

پھر فرماتے ہیں:

"علامہ عثمانی نے فرمایا کہ یہ تعداد غلط ہے، مجموعہ میں مسلمان تقریباً سوا سات کروڑ ہیں، لیکن ہم سات کروڑ تسلیم کیے لیتے ہیں، اور غیر مسلم جو تین کروڑ سے کم ہیں ان کو پورے تین کروڑ کر لیا جائے"،

(صفحہ ۹ و ۱۰)

ہم پہلے ہی ذکر کر چکے ہیں کہ بالکل خیالی اور افترائی باتوں پر مولانا عثمانی کا مدار جس کو وہ اور مرتبِ مکالمہ سب سے قوی حجت اور آیات بینات سمجھتے ہیں، یہ اعداد بالکل جھوٹ اور دروغ صریح ہیں، اس لیے جو عمارت مولانا عثمانی نے اس پر کھڑی کی ہے وہ بالکل ناپائیدار ہے،

یہ شان علامہ عثمانی کی نہیں ہے، بلکہ یہ کام تو اُن یورپ زدہ مسلم لیگیوں کا ہے جو لوگوں کو ایسی ایسی غلط باتوں سے ہمیشہ دھوکہ دیتے رہتے ہیں، مگر شاید مولانائے عثمانی اور مرتبِ مکالمہ ان کے دھوکوں میں آکر دوسرے لوگوں کو بھی دھوکہ دینے

لگے ہیں، ہم کو خوب یاد ہے کہ اسی بناء پر اسی مجلس میں مولانا عثمانی کو متنبہ کیا گیا تھا کہ یہ اعداد غلط ہیں، تحقیق فرمایئے، مگر چونکہ مقصود لوگوں کو فریب میں مبتلا کرنا ہے اور حق بات کو تلاش کرنا اور اس پر عمل کرنا مقصود نہیں ہے، اس لیے اسی جھوٹے اور غلط عدد پر تمام بنیاد اپنے فخر و مباہات کی کھڑی کر لی گئی، ع

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

خلاصہ یہ ہے کہ مجموعۂ پاکستان میں تمام مسلمان آبادی تقریباً ۵۵٫۳ ہے، اور غیر مسلم آبادی تقریباً ۴۴٫۷ ہے، اور جو نسبت مرتبِ مکالمہ نے قائم کی ہے کہ مسلم اور غیر مسلم آبادی کی نسبت سات اور چار کی ہے وہ محض دھوکہ ہے، فرماتے ہیں:

"حالانکہ اس مجموعہ میں مسلمان واقعۃً ستر فی صدی اور غیر مسلم تیس فیصدی ہوتے ہیں"

ہم ناظرین سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ غور فرمائیں اس دروغ گوئی کا کوئی ٹھکانہ ہے کہ اصلی اعداد و شمار سے بے خبر رہ کر محض سنی سنائی بات پر کروڑوں مسلم و غیر مسلم کے تناسب کو خود فریبی کے حوالہ کر دیا گیا، اور اس پر یہ فخر و ناز ہے کہ ہر جلسہ اور مجمع میں مکالمہ کو بمنزلہ صحیفۂ ملکوتیہ اور آیات منزلہ قرار دیا جاتا ہے، اور لوگوں کو اس کے مطالعہ کی ترغیب دی جاتی ہے، اور لیگی اخبار اور مدیرانِ اخبار اس کو وحیِ آسمانی کی طرح اخباروں میں شائع کر کے اس پر ایمان لانا ضروری قرار دیتے ہیں،

اس کے بعد مرتبِ مکالمہ مندرجہ ذیل سُرخی دیتا ہے:

"حضرت علامہ کا مسکت اور حقیقت افروز جواب اور وفد جمعیۃ العلماء کی لاجوابی"

خرد کا نام جنوں رکھ دیا جنوں کا خرد ؎ جو چاہے آپ کا حُسن کرشمہ ساز کرے

اگر بالفرض (بقول مرتب صاحب کے) وفد جمعیۃ العلماء ہند کا قدم قدم پر سکوت اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کی ہر موقع پر گرج اور حقیقت افروز تقریر کی بنیاد اسی قسم کی لچر پوچ اور ناواقفیت پر مبنی مسائل سے متعلق ہے جس کا اظہار سطور بالا سے ہوا تو یہ سکوت اور خاموشی ہزاروں ایسی حقیقت افروز تقریروں سے بہتر ہے ؎

جوابِ جاہلاں باشد خموشی

آپ اگر اس اختراعی شادمانی پر شاداں ہیں تو بلاشبہ آپ کو مبارک ہو ؎

ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند

صفحہ ۱۰۰ میں مرتب صاحب ارشاد فرماتے ہیں:

"مگر علامہ عثمانی نے اُس وقت اس سے بھی اغماض کر کے اور ان کے ہی بیان کردہ تناسب کو صحیح مان کر اس پر کلام فرمایا، آپ نے کہا کہ اب آپ اپنے فارمولا پر نظر ڈالئے کہ اس میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کا مرکزی حکومت میں کیا تناسب رہتا ہے، آپ کے فارمولے کی رُو سے مرکز میں چالیس مسلمان ہوں گے اور چالیس ہندو اور بیس فی صدی میں دیگر اقلیتیں ہوں گی، اس طرح آپ کے فارمولے لحاظ سے غیر مسلموں کی تعداد ساٹھ فی صدی اور مسلمانوں کی تعداد چالیس فی صدی ہوئی، اور مسلم لیگ کے پاکستان میں بقول آپ کے یہی نسبت علی العکس ہے، یعنی ساٹھ فی صدی مسلمان اور چالیس فی صدی غیر مسلم ہوں گے"

ملاحظہ فرمائیے، دروغ گویم بروئے تو، کا معاملہ ہے کہ جمعیۃ کا فارمولا ۴۵ مسلمان، ۴۵ ہندو اور ۱۰ اقلیتوں کا تھا، اب اس کو اپنی طرف سے بدل کر ۴۰ مسلمان، ۴۰ ہندو، ۲۰ اقلیتیں بنایا گیا، اور پھر یہ الزام تراشا گیا کہ اقلیتوں کے ۲۰ نمائندے چونکہ سب کے سب کافر ہوں گے، اس لیے وہ ہمیشہ ہندوؤں کے ساتھ ہی ملیں گے،

لہٰذا غیر مسلم ممبر مرکز میں ساٹھ ہو جائیں گے، اور مسلمان کل چالیس رہیں گے،

اس تمام الزام کا مدار دو باتوں پر ہے، اول یہ کہ جمعیۃ کا فارمولا چالیس، چالیس، بیس کا ہے، حالانکہ یہ بالکل بہتان ہے، دوم یہ کہ اقلیتوں کے بیس نمائندے جو کہ یورپینوں، اچھوتوں، پارسیوں، سکھوں، عیسائیوں وغیرہ کے ہوں گے وہ سب ہندوؤں سے مل جائیں گے، کبھی مسلمانوں سے متفق نہ ہوں گے،

حالانکہ راؤنڈ ٹیبل کانفرنس سنہ ۱۹۳۱ء میں یہ سب اقلیتیں مسلمانوں کے ساتھ مل کر معاہدہ بھی کر چکی ہیں، اسی معاہدہ کے لیے لیگ اور قائد اعظم نے مسلمانوں کے ساتھ کھل کر غداری کی تھی، اور حسب اقرار مسٹر جینا گاندھی جی نے مسلمانوں کے تمام مطالبات منظور کر لیے تھے، پھر بھی جا کر یورپین گروپ اور دیگر اقلیتوں سے مل کر ہندوستان اور اس کی اقوام کا گلا گھونٹ دیا تھا، اور کمیونل ایوارڈ کی مصیبت تمام ہندوستان پر مسلط کر دی تھی (دیکھو ہمارا رسالہ زعمائے لیگ کی سیاسی غلطیاں) آج بھی بنگال و آسام و سندھ میں یورپین گروپ اور ہندوستانی عیسائی لیگیوں کا برابر ساتھ دے رہے ہیں، اور اگر یہ نہ ہوتا تو ان صوبوں میں لیگ کی حکومت قائم ہی نہ ہو سکتی اور نہ رہتی،

یہی حالت سنہ ۱۹۳۵ء سے آج تک جاری ہے، کیا یہ مرتبِ مکالمہ کا کھلا ہوا واقعات پر پردہ نہیں ہے؟ کیا ایسی صورت میں بیس اقلیتوں کو سیاسی مفادات کی خاطر مسلمان اپنے ساتھ نہیں ملا سکتے، جیسا کہ آئے دن سیاسی گروپوں میں ہوتا رہتا ہے، وہاں الکفر ملۃٌ واحدہ کا مظاہرہ کیوں نہیں ہوتا؟ یونینسٹ پارٹی کرشک پرجا پارٹی میں کیا غیر مسلم افراد بڑی تعداد میں نہیں ہیں؟ جو کہ سالہا سال سے وزارتیں چلا رہے ہیں، سر چھوٹو رام مجیٹھیا وغیرہ کانگریسیوں کے خلاف کیوں مسلمانوں سے مل کر وزارتیں چلاتے رہے، اور خود مسلم لیگ کیوں ہندو اور صرف

اقلیتوں کے ساتھ مل کر وزارت چلاتے رہے؟

بہرحال یہ خیالی فلسفہ مرتّبِ مکالمہ کا واقعات اور تاریخ کے خلاف اور سیاسی نظریات کی (جن کی بناء پر سیاسیات کی گاڑیاں چلتی ہیں) بالکل ضد ہے، اس لیے حدیث شریف "الکفر ملۃ واحدۃ" کی سند لینا خود اپنے قول وعمل کے بالکل خلاف ہے،

پھر مرتّب صاحب کا ارشاد ہے:

"حالانکہ حقیقی تناسب پاکستانی فارمولا میں ستر فی صدی اور تیس فی صدی کا ہوتا ہے، اب آپ ہی انصاف فرمائیے کہ آپ کو اس فارمولا سے کیا فائدہ پہنچا؟ ہم اگر ساٹھ فی صدی رہتے ہوئے بھی کچھ نہیں کرسکتے تو چالیس فی صدی کیا کرسکیں گے؟"

ہمارے مذکورہ بالا بیان سے یہ واضح ہوچکا ہے کہ مرتّبِ مکالمہ نے اپنے خیال اور واہمہ سے یا کسی لیگی کے دھوکہ میں آکر یہ غلط خیال باندھ لیا ہے، کہ پاکستان میں مسلم آبادی ستر فی صدی اور غیر مسلم تیس فی صدی ہے، اور اس پر اپنی تمام مجنونانہ بڑ کی بنیاد رکھتا ہوا لنترانیاں ہانک رہا ہے، حالانکہ یہ بالکل غلط اور بے بنیاد بات ہے جو کہ سرکاری کاغذات کے ازسرتاپا خلاف ہے، صحیح اعداد وشمار وہ ہیں جو کہ ہم نے اوپر ذکر کیے ہیں،

اب ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ مختصر طور پر ہر دو فارمولوں کے درمیان مقابلہ کرکے ہر ایک کے درمیان نفع اور نقصان کو ظاہر کریں، (تفصیلی نقصان وضرر "حریت" اخبار دہلی اور "نئی زندگی" الٰہ آباد اور متعدد پمفلٹوں میں شائع کردیے گئے ہیں، ان کو دیکھیے)

اس لیے عرض ہے:

# پاکستانی فارمولے کے نقائص

(۱) چونکہ پاکستانی صوبہ جات کے علاوہ باقی ماندہ صوبہ جات وغیرہ کے بسنے والے مسلمانوں کی تعداد سنہ ۱۹۴۱ء کی مردم شماری میں تین کروڑ انتیس لاکھ چھپن ہزار آٹھ سو نواسی ہے، یعنی (۳,۲۹,۵۶,۸۸۹) اور ان کے مقابل غیر مسلموں کی تعداد ستائیس کروڑ چھیانوے لاکھ باسٹھ ہزار چالیس ہے، یعنی (۲۷,۹۶,۶۲,۰۴۰)، اس لیے ہندو ہندوستان یعنی اقلیت والے صوبوں اور غیر پاکستانی علاقہ میں... مسلمانوں کا تناسب حسب ذیل ہو جاتا ہے؛ مسلمان ۱۱.۷، غیر مسلم ۸۸.۲، بنا بریں ہندوستان کے اس حصہ کے مسلمان ایک ایسی غیر مسلم اقلیت میں آجاتے ہیں کہ جس کی کوئی آواز باقی نہیں رہتی، اور تقریباً ساڑھے تین کروڑ مسلمان بالکل بے دست و پا اور ہندو ہندوستان میں ہندوؤں کے محض رحم و کرم کے محتاج ہو جاتے ہیں،

پھر حسب تصریحات جنرل سکریٹری لیگ نواب زادہ لیاقت علی خانصاحب

"ہندو بھارت میں مہا بھارت کے زمانہ کی تہذیب و تمدن اور سنسکرت زبان پھیلانا چاہتا ہے"

پھر مقاصد تقسیم ملک پر تقریر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ہندو بھی آزاد ہوں، مسلمان بھی آزاد ہوں، ہندوؤں کی حاکمانہ اور خود مختارانہ حیثیت ہو، ہندو اپنی تمناؤں اور اپنی روایات کے مطابق ترقی کر سکیں، اور مسلمان اپنی روایات اور تمناؤں کے مطابق، دونوں منقسم حصوں میں داخلی طور پر خود مختارانہ آزاد حکومتیں قائم کی جائیں، ان کے خود مختار اور آزاد علیحدہ علیحدہ مرکز ہوں"

(دیکھو خطبۂ صدارت پولیٹیکل کانفرنس شاہجہانپور ہی سنہ ۱۹۴۰ء)
اور اخبار "منشور" مورخہ ۱۲ار نومبر ۱۹۴۵ء قائدِ اعظم کی پاکستانی تقریریں
مندرجہ ذیل الفاظ درج کرتا ہے:

"مسلمانوں کا مقصد صرف یہ ہے کہ جہاں انھیں اکثریت حاصل ہے وہ
وہاں اور جہاں ہندوؤں کو اکثریت حاصل ہے وہ اپنے رنگ
میں اپنی مرضی کے مطابق عمل پیرا رہیں، ہر قوم اپنے فلسفہ، اپنے
اعتقاد اور اپنے کلچر کے مطابق کام کرے، اقلیتوں کو بھی نظر انداز
نہیں کیا جائے گا، خواہ وہ ہندو حلقہ کے مسلمان ہوں یا مسلم حلقوں
کے ہندو ہوں، جو کچھ ہندو صاحبان مسلم حلقوں میں ہندو اقلیتوں
کے لیے طلب کریں گے وہی ان کو اپنے حلقوں کی اقلیتوں کو دینا ہوگا۔"

ان تصریحات کے بعد جبکہ مسلمان ان غیر پاکستانی صوبوں میں ایسی غیر مؤثر اقلیت
رکھتے ہیں، کیا جذب وادغام یا بالفاظ دیگر شدھی وارتداد سے بچ سکیں گے! اور
کیا ہندو ہندوستان میں ہندوؤں کی تمنائیں اور روایات پوری طرح سے
بارآور نہ ہوں گی؟ اور کیا ان کے برلانے کے زیادہ سے زیادہ امکانات ان کو
حاصل نہ ہو جائیں گے؟ ہندو اپنی متعصبانہ روِش اور اپنے قدیمی میلانات
کے لیے پورا آزاد نہ ہوگا؟ خصوصاً حسبِ تصریحات اربابِ لیگ جبکہ "اپنی
تمناؤں، اپنی روایات، اپنے رنگ میں، اپنی مرضی کے مطابق حکومت کرنا" یہ اصول
تسلیم کرلیا گیا، اور یہی تقسیمِ ملک کی بنیادی شرط قرار پائی گئی، مسلم اقلیت
کے برعکس ہندو پاکستانی علاقوں میں اول تو مؤثر عددی اقلیت یعنی ۴۴ فی صدی
سے زائد رکھتا ہے، اور ثانیاً دولت وسرمایہ تجارت وتعلیم وتنظیم وقوت کا ایسا
جامع ہے کہ اس کو تحفظ کی حاجت نہ ہوگی، وہ بغیر تحفظ کے نہ صرف خود کو زندہ

رکھ سکے گا، بلکہ وہ برابر وہاں ترقی بھی کر سکے گا، اور جب چاہے گا حکومت میں ڈیڈلاک اور جمود بھی پیدا کر سکے گا، بخلاف غیر پاکستانی علاقہ کی مسلم اقلیت کے کہ وہ ہر طرح عاجز اور مجبور اور اکثریت سے متاثر بلکہ ان کے رنگ سے رنگین نظر آئے گی، اور یہی وجہ ہے کہ قائد اعظم نے کانپور میں اسٹوڈنٹ فیڈریشن کے جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے حسب ذیل الفاظ فرمائے تھے:

"میں مسلم اکثریت کے ساڑھے سات کروڑ مسلمانوں کی آزادی کی خاطر مسلم اقلیت والے صوبوں کے ڈھائی کروڑ مسلمانوں کو قربان کر کے ان کے مراسم تجہیز و تکفین ادا کرنے کو تیار ہوں"

(مدینہ، ۹ر جولائی سنہ ۱۹۴۴ء)

(نوٹ) ناظرین غور فرمائیں، بلکہ خود قائد اعظم اس بیان میں کس قدر دروغ بافی اور لوگوں کو دھوکہ میں ڈالنے کا کام انجام دے رہے ہیں، پاکستانی مسلمانوں کی تعداد ساڑھے سات کروڑ فرماتے ہیں، اور حالانکہ وہ پانچ کروڑ لاکھ ہیں، اور اقلیت والے صوبوں کے مسلمانوں کی تعداد ڈھائی کروڑ ذکر کرتے ہیں، حالانکہ وہ تقریباً ساڑھے تین کروڑ ہیں ع

این خانہ ہمہ آفتاب است

نیز احمد آباد میں تقریر کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

"اقلیتی والے صوبوں پر جو گذرتی ہے گذر جانے دو، لیکن آؤ ہم اپنے ان بھائیوں کو آزاد کرا دیں جو اکثریت کے صوبوں میں ہیں، تاکہ شریعت اسلامی کے مطابق وہاں آزاد حکومت قائم کر سکیں"

(ایمان لاہور، مورخہ ۲۸ر فروری سنہ ۱۹۴۰ء، پاکستان نمبر)

(نوٹ) ناظرین اس پر بھی غور فرمائیں کہ اہل احمد آباد کو دھوکہ دینے کے لیے

فرماتے ہیں کہ شریعتِ اسلامی کے مطابق پاکستان میں آزاد حکومت قائم کریں گے،
حالانکہ نیوز کرانیکل لندن کے نمائندہ کے سامنے اور دوسرے بہت سے بیانوں میں
قائداعظم اور ان کے جنرل سکریٹری اور دیگر ذمہ دارانِ لیگ شرعی اسلامی حکومت
کا انکار کر چکے ہیں، اور موجودہ ڈیموکریسی کے طرزِ حکومت کا وعدہ بھی کر چکے ہیں، جس پر
ان کے افعال واقوال خوب روشنی ڈالتے ہیں،

غرضیکہ پاکستانی فارمولے میں اقلیت والے صوبوں کی مسلم آبادی کو جو کہ
تقریباً ساڑھے تین کروڑ مسلمانوں پر مشتمل ہے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا، ان کی
جان ومال، مذہب، کلچر، زبان، تجارت، صنعت وغیرہ سب کے سب خطروں میں
ڈال دیئے گئے، اور ببانگِ دہل کہا گیا کہ پاکستانی مسلمانوں کی آزادی کے لیے جو کہ
پانچ کروڑ اکیانوے لاکھ ہیں تین کروڑ انتیس لاکھ مسلمانوں کو جو کہ غیر پاکستانی ہیں
بھینٹ چڑھا دو، ہندوؤں کو اپنے دیرینہ مقاصد اور دلی ارادے پورے کرنے کا
موقع دیدو، یعنی وہ ان مسلمانوں کو اسپینیوں کی طرح مظالم کا شکار کر کے یا ان کو
شدھی کر لیں یا ان کو صفحۂ وجود سے مٹا ڈالیں،

وہ مسلمان جس کو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خانۂ کعبہ سے بھی زیادہ
اللہ تعالیٰ کے ہاں محترم اور قابلِ وقعت بتلاتے ہیں اس کے تین کروڑ انتیس لاکھ
سے زیادہ افراد کو من مانی کارروائی عمل میں لا کر لقمۂ مقاصدِ خبیثہ بنا ڈالیں اور
ارتداد کی تیرہ وتاریک کوٹھڑیوں کی نذر کر دیں، یا ان کی جان ومال، عزت وآبرو،
اہل وعیال کو، جس کی عظمت اور بڑائی جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مندرجہ ذیل
الفاظ میں ارشاد فرماتے ہیں: "لزوال الدنیا اھون علی اللہ من قتل
رجل مسلم" (ترجمہ) تمام دنیا کا نیست ونابود ہو جانا اللہ تعالیٰ کے نزدیک
ایک مسلمان کے قتل سے کم اور ادنیٰ ہے، اور فرماتے ہیں: کُلُّ المُسلِمِ علی

اَلْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهٗ وَمَالُهٗ وَعِرْضُهٗ (ترجمہ) "مسلمان کی ہر چیز خواہ اس کا خون ہو یا مال یا آبرو، دوسرے مسلمان پر حرام ہے"، انتہائی مشکلات میں ڈال کر تباہ و برباد کر دیں،

(۱) مسلم لیگی ہندوؤں کے عزائم کا رونا آئے دن اپنی تقریروں اور تحریروں میں رویا کرتے ہیں، اور ان ہولناکیوں سے ڈرا کر ہی بر خود غلط علاج پاکستان ضروری خیال کرتے ہیں،

اگر پاکستانی فارمولا میں اور کوئی خرابی نہ ہوتی بلکہ صرف یہی خرابی ہوتی تو وہ اس کے رد کرنے کے لیے نہ صرف کافی تھی بلکہ ضروری بھی تھی، چہ جائیکہ اس کے علاوہ اور بھی شدید ترین خرابیاں ہیں جن کو ہم آئندہ ذکر کریں گے،

## اقلیت کے صوبوں میں ہندو جو کریں گے اس کا پاکستانی صوبوں میں جواب دیا جائیگا

یہاں پر یہ سبز باغ کہ ہندو اقلیت والے صوبوں میں جو معاملات مسلمانوں کے ساتھ عمل میں لائیں گے، وہی عمل مسلمان اپنی اکثریت والے صوبوں میں ہندو اقلیت کے ساتھ کریں گے، بالکل دھوکہ ہے، جبکہ پاکستانی صوبوں میں مسلمانوں کی اکثریت صرف پانچ اعشاریہ تین سے ہے، یعنی وہ پچپن اعشاریہ تین ہیں، اور ان کے مقابلہ میں غیر مسلم اقلیت فی صدی صرف پانچ اعشاریہ سات ہے، یعنی وہ ۴۴ اعشاریہ سات ہیں، تو مسلمان اپنی تھوڑی سی زیادتی سے ایسی مؤثر اور نمایاں اقلیت کو ہرگز ہرگز مجبور نہ کر سکیں گے، بالخصوص جبکہ ان صوبوں میں غیر مسلم قومیں مالِ تجارت، تعلیم، صنعت، زمینداری، پروپیگنڈہ پریس وغیرہ کی حیثیت سے نہایت زیادہ بڑھی ہوئی ہیں، ایسی صورتوں میں تو بسا اوقات

اکثریت کو اپنی پگڑی سنبھالنی بھی دشوار ہو جائے گی، اور ہمیشہ خطرہ ہو گا کہ کہیں ہماری اکثریت ہی فنا نہ ہو جائے، ورنہ کم از کم ڈیڈ لاک اور جمود کا بھوت تو ہمیشہ سوار ہی رہے گا، بخلاف مسلم اقلیت والے صوبوں کے کہ وہاں مسلم اقلیت تقریباً گیارہ فی صدی ہو گی، وہ اپنی عددی اقلیت اور دیگر کمزوریوں کی وجہ سے ایوانِ حکومت اور اکثریت کو کسی طرح بھی مجبور نہ کر سکے گی، اور نہ اس کا واک آؤٹ کرنا ڈیڈ لاک پیدا کر سکے گا، اس کی آواز نہایت کمزور ہو گی، علاوہ ازیں یہ کونسا عدل ہو گا کہ مجرم یوپی کا غیر مسلم ہو اور ہم بدلہ پنجاب کے بے قصور غیر مسلم سے لیویں! اس کی اجازت نہ کوئی قانون دیتا ہے نہ کوئی مذہب،

یہاں پر یہ کہنا کہ:

"قلت والے صوبوں میں غیر مسلم اکثریت کو وہی تحفظات دینے ہوں گے جو کہ وہ اپنی اقلیت کے لیے پاکستانی صوبوں میں طلب کریں گے، کیونکہ ان کو اپنی اقلیت کے لیے بھی ویسے ہی خطرات در پیش ہوں گے جو کہ ہم کو غیر مسلم اکثریت والے صوبوں میں مسلم اقلیت کے لیے در پیش ہیں"

سبز باغ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا، کیونکہ پاکستانی صوبوں میں غیر مسلم اپنی مؤثر اقلیت اور مؤثر تموّل اور سرمایہ داری و تعلیم وغیرہ کی بنا پر تحفظ کا محتاج ہی نہ ہو گا، اور اگر ہو گا تو معمولی درجہ کا ہو گا، بخلاف مسلمانوں کے کہ ان کو اپنی اقلیت والے صوبوں میں بہت زیادہ تحفظ کی شدید ضرورت ہو گی، غیر مسلم پاکستانی علاقوں میں بغیر سیف گارڈ آرام سے بسر کر سکے گا، مگر مسلمان غیر پاکستان میں قدم قدم پر سیف گارڈ کا محتاج ہو گا، پھر اپنی حق تلفیوں اور مظلومیتوں کے اثبات میں انتہائی کمزور ہو گا، بخلاف پاکستانی غیر مسلم کے کہ وہ اگر پر کا کبوتر بھی بنانا چاہے گا

تو بخوبی کامیاب ہو سکے گا،

## جمعیۃ کے فارمولا کی رجحانیت دربارۂ امور مذکورۂ بالا،

جمعیۃ کے فارمولا پر چونکہ صوبہ جات میں داخلی امور میں مکمل آزادی تسلیم کی گئی ہے اور غیر مصرحہ اختیارات میں بھی انہی کو دیئے گئے ہیں، اس لئے مسلم اکثریت والے صوبوں میں مسلم اکثریت کو کسی قسم کا اندیشہ اپنے مذہب، اپنے کلچر، اپنی زبان وغیرہ کے متعلق اصل سے ہی نہ ہوگا، وہ اسی طرح قابلِ اطمینان رہیں گے جس طرح پاکستان بننے کی صورت میں ہوں گے،

علیٰ ہٰذا القیاس اقلیت والے صوبوں میں داخلی امور میں مسلمانوں کی تعداد حسب آبادی معتبر ہوگی، یعنی یوپی میں تقریباً ۱۶ فی صدی اور بہار میں ۱۴ یا ۱۵ فیصدی وغیرہ، مگر مرکز میں مسلمان ۲۷ فی صدی ہوں گے، کیونکہ ۱۹۴۱ء میں مسلمانوں کی آبادی کی حیثیت سے یہی تناسب ذکر کیا گیا ہے، نیز مجموعہ ہندوستان کے اس ایک مرکز میں جو کہ تمام ہندوستان کا فیڈرل مرکز ہوگا مسلمان چوتھائی سے زیادہ ہوں گے جو کہ مؤثر اقلیت ہے، کیونکہ حسب تصریحات رپورٹ مردم شماری ۱۹۴۱ء جملہ ہندوستان میں مسلمانوں کی مردم شماری (۲۷) فی صدی تسلیم کی گئی ہے، لہٰذا اگر مرکز میں مسلمانوں کو کسی قسم کی مراعات نہ بھی دی جائیں تب بھی وہ ایسی مؤثر اقلیت میں ہوں گے جس کی وجہ سے مخالفت کے وقت میں ڈیڈلاک پیدا کر سکیں گے، اور اگر ان کو حسبِ قانون موجودہ مرکز میں ایک تہائی سیٹیں دیدی گئیں تب تو وہ تینتیس ۳۳ فی صدی کے مالک ہو کر زیادہ ترقوی ہو جائیں گے، اور اگر جمعیۃ کے فارمولا کے مطابق ان کو مرکز میں ۴۵ + ۴۵ + ۱۰ اسیٹیں دی گئیں تو مسلم سیٹیں نہ صرف بھاری مؤثر اقلیت میں ہوں گی، بلکہ وہ اس کا بھی امکان رکھ سکیں گی کہ جد و جہد کر کے غیر مسلم اکثریت

کو بھی دبا سکیں، یعنی اگر وہ سیاسی جدوجہد کرکے دیگر اقلیتوں میں سے پانچ بھی سیٹیں اپنے ہمخیال بنالیں گے، جیساکہ عیسائیوں، اچھوتوں کے ساتھ مشاہدہ ہے تو وہ صرف اقلیت ہی سے نہ نکلیں گے بلکہ مرکز میں بھی اکثریت حاصل کرسکیں گی، اور سیاسی جدوجہد روزافزوں ترقی پذیر ہوگی،

اور یہ سب کچھ اس صورت میں ہوسکے گا کہ ملک کی تقسیم مذہبی منافرت پر نہ ہو، اور ایک مرکز تسلیم کرنے کے ساتھ ساتھ صوبہ جات خودمختار تسلیم کرلیے جائیں، اور مرکز میں مسلمانوں کی اقلیت کا مداوا ایسا مضبوط تحفظ ہو جو ہر طرح اکثریت کے رحم وکرم سے محفوظ رکھ کر اس کو من مانی ترقی کا موقع نصیب کرے، اور یہی وہ تحفظات ہیں جن کو علی سبیل العدل جمعیۃ علماء کے فارمولا میں ذکر کیا گیا ہے۔

## ایک خطرہ اور اس کا جواب

یہاں پر یہ کہنا صحیح نہیں ہے کہ پاکستانی فارمولا میں مرکز میں مسلمان اگرچہ ۵۴ اعشاریہ ۳ کی ہی اکثریت میں ہوں گے مگر ان کی مجارٹی (اکثریت) بہرحال قطعی اور یقینی ہے، بخلاف جمعیۃ کے فارمولا کے کہ ان کی اکثریت صرف محتمل ہوگی، اور جب ہی متحقق ہوسکے گی جب کہ مسلمان اپنی جدوجہد میں کامیاب ہوکر دوسری اقلیتوں کو توڑ لیں،

تو عرض یہ ہے کہ محترما! پاکستان میں تمام مسلم ممبران کا متفق ہونا بھی یقینی نہیں ہے، غیرمسلم پارٹیاں سیاسیات میں بسااوقات مسلم ممبروں کو جذب کرلینے میں کامیاب ہوجایا کرتی ہیں، چنانچہ کرشک پرجا پارٹی اور یونینسٹ پارٹی وغیرہ کی حالت مشاہد ہے، اس لیے یہ مفروضہ کہ اکثریت کے صوبوں میں تمام مسلمان ایک ہی پارٹی میں کام کریں گے تجربہ کے خلاف ہے، اور اس میں مسلم وغیرمسلم

دونوں ایک ہیں، اس لیے ایسی جمہوری حکومت میں جو کہ یورپین طریقوں پر نشو ونما پائیں گی، اور جن کی پُرزور تائید قائدِ اعظم فرماتے ہیں اور انہی کے قائم کرنے کا اعلان کرتے ہیں ان کا کامیاب ہوجانا اگر یقینی نہیں ہی تو قریب بہ یقین ضرور ہے،

قائدِ اعظم نمائندۂ نیوز کرانیکل لندن کو بیان دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"پاکستان کی حکومت جمہوریت کے طریقہ پر ہوگی، ہندو اور مسلمان اپنی آبادی اور مردم شماری کی حیثیت سے رائے شماری کر کے فیصلہ صادر کریں گے، اور وزارتوں اور لیجسلیچر (قانون سازی) میں سب حصہ دار ہوں گے" (مدینہ بجنور مورخہ ۷ ار نومبر ۱۹۴۵ء بحوالہ ڈان)

اس کی مزید تفصیل ۱۰ ر نومبر ۱۹۴۵ء ایسوسی ایٹڈ پریس آف امریکہ کے نمائندہ کو بیان دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

(۱) پاکستان ایک جمہوریت ہوگا، اور جداگانہ علاقوں (شمال مغرب حصہ پنجاب و سندھ وغیرہ اور شمال و مشرق حصہ بنگال و آسام) پر مشتمل ہوگا اس کی آبادی دس کروڑ مسلمانوں اور غیر مسلموں پر مشتمل ہوگی، صوبے عصرِ حاضر کے فیڈرل دستور کے مطابق خود مختار ہوں گے،

(۲) پاکستان کی بڑی صنعتیں اور کارخانے سوشلزم کے اصول پر قوم (حکومت) کے قبضہ میں دیدیئے جائیں گے،

(۳) پاکستان کے تمام ہندو، مسلم، سکھ، عیسائی ایک قوم کے اصول پر ترقی کریں گے،

(۴) ہندوؤں کے خلاف کسی قسم کی معاشرتی پابندی یا رکاوٹ نہ ہوگی، بلکہ ہندوؤں کے ساتھ انسانی مساوات اور اخوت کے اصول پر کام کیا جائے گا، انھیں مسلمانوں کے برابر حصہ دیا جائے گا، اور مسلمانوں کا

بھائی سمجھا جائے گا،

(۵) پاکستان میں ایک مسلم پارٹی کا تنہا اقتدار اور حکومت نہ ہوگی،

(۶) بلکہ اپوزیشن کی غیر مسلم جماعت ان کی اصلاح کے لیے موجود رہے گی اور مفید ہوگی،

(۷) انھیں یہ محسوس کرا دیا جائے گا کہ حکومت میں اُن کا ہاتھ کام کر رہا ہے، اور ان کی نمائندگی موجود ہے، اور ان کے حقوق محفوظ ہیں"

(مدینہ، ۱۷ر نومبر ۱۹۴۵ء بحوالہ ڈان ۱۰ر نومبر ۱۹۴۵ء)

اور ۲۳ر نومبر ۱۹۴۵ء کو علیگڈھ یونیورسٹی کے طلبہ کے سامنے تقریر کرتے ہوئے جنرل سکریٹری مسلم لیگ نوابزادہ نے فرمایا:

"ہم سے پوچھا جاتا ہے کہ پاکستان کیا ہوگا؟ جواب یہ ہے کہ وہ جمہوریت ہوگی، اس کا دستور اساسی اس کے باشندے خود اپنے دستور ساز دل کے ذریعہ بنائیں گے، اور ان اداروں کی تشکیل وہ خود کریں گے"

(منشور، ۲۶ر ستمبر ۱۹۴۵ء)

اور میاں بشیر احمد صاحب رکن ورکنگ کمیٹی لیگ، لاہور کے جلسۂ عام میں تقریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ہمارے قائدِ اعظم بار بار کہہ چکے ہیں کہ پاکستان میں بلا لحاظ مذہب عوام کی حکومت ہوگی، پاکستان میں ہندوؤں اور سکھوں کو (مسلمانوں کے ساتھ) برابری اور آزادی دی جائے گی۔"

(منشور، ۱۱ر نومبر ۱۹۴۵ء)

مذکورہ بالا تصریحات کے بعد کیا ایک منٹ کے لیے بھی یہ تجویز کیا جا سکتا ہے کہ پاکستانی فارمولا میں مختلف سیاسی پارٹیوں کا بننا لازم نہیں ہے، اور نہ صرف

مسلم پارٹی ہی برسرِ اقتدار ہمیشہ رہ سکتی ہے وہاں صرف اکثریت کی حکومت ہوگی، جو پارٹی بھی اس کو حاصل کرے وہی برسرِ اقتدار رہا کرے گی، خواہ خالص مسلمان ہوں یا مخلوط، ایسی صورت میں ہمیشہ مسلم اکثریت کا ہونا ایک خواب وخیال سے زیادہ نہ ہوگا، ہاں یہ امر البتہ یقینی ہوگا کہ صرف غیر مسلم کبھی اکثریت میں نہ آسکیں گے، اور اگر ہم اس کو فرض کرتے ہوئے تسلیم بھی کرلیں کہ لیگ کے فارمولا میں مسلم اکثریت کا اقتدار یقینی ہے اور جمعیۃ علماء کے فارمولا میں مسلمانوں کی اکثریت مرکز میں یقینی نہیں ہے بلکہ یقین ہے کہ حسبِ قاعدہ اَلْکُفْرُ مِلَّۃٌ وَّاحِدَۃٌ سب کے سب مل جایا ہی کریں گے، حالانکہ یہ مشاہدہ کے خلاف ہے، تو غایۃ ما فی الباب ملنے کے بعد تمام غیر مسلم ممبر حسبِ فارمولا جمعیۃ پچپن فی صدی ہی رہیں گے، اور مسلمان پینتالیس فی صدی رہ جائیں گے، تب بھی وہ مفاسدِ عظیمہ جن کا وقوع پاکستانی فارمولا میں یقینی ہے، ان کے مقابلہ میں جمعیۃ کے فارمولا کا مفسدہ اَھْوَنُ الْبَلِیَّتَیْنِ کا درجہ رکھتا ہے، خصوصاً جب کہ مرکز میں جمعیۃ کے فارمولا میں مذہبی تحفظ بھی مذکور ہے، یعنی وحدتِ مرکز کی صورت میں مسلمان اپنی مجموعی تعداد کی بنا پر جملہ ہندوستان میں اس طرح غیر محفوظ ہرگز نہیں ہوسکتے جس طرح تقسیم ہندوستان کی صورت میں ہوں گے، اور نہ اُن کی آواز اس طرح ضعیف ہوگی جس طرح تقسیم کی صورت میں ہوگی،

ستائیس فی صدی کی حیثیت گیارہ فی صدی کی حیثیت سے نہایت زیادہ قوی ہوگی، جو کہ اکثریت کے لیے ڈیڈ لاک پیدا کرنے کی طاقت بھی رکھتی ہے، نیز وہ عداوت و تنفر نہ ہوسکے گا جو کہ تقسیم کی صورت میں رونما ہورہا ہے، اور تحفظات کی عمدہ سے عمدہ اور قوی سے قوی صورتیں نکالنا اور ان کے لیے جدوجہد ہر ہندوستانی کا فریضہ قرار دیا جائے گا،

نیز وحدتِ ہندوستان کی صورت میں جو قوت مجموعی حیثیت سے تمام ہندوستان

کو حاصل ہو گی، وہ تمام باشندگانِ ہند کے لیے ہو گی جس میں مسلمان بھی اپنے حقوق کے مطابق زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکیں گے، نیز اس کے مقابلہ میں یہ خطرہ کوئی حیثیت نہیں رکھے گا جس کی تفصیل ہم عنقریب پیش کریں گے،

۲۔ پاکستانی فارمولا کی بنا پر چونکہ غیر مسلم اقلیتیں تقسیم کی مخالف ہیں، اس لیے پاکستانی حکومت کو کبھی چین سے حکومت کرنے نہ دیں گی، مغربی پاکستان میں سکھ، جاٹ، ہندو ہمیشہ بدامنی اور اضطراب پھیلاتے رہیں گے، بالخصوص سکھ، جن کی معاندانہ عملی اور قولی تباہ کن کارروائیاں آئے دن ظاہر ہوتی رہتی ہیں، اور جن کی تنظیم اور عزائم آج بھی آپ کے سامنے ہیں، اور جن سے پنجاب آئے دن دوچار ہوتا رہتا ہے، مشرقی پاکستان میں ہندوؤں کی وہ انقلابی پارٹی پاکستانی حکومت کو کب چین لینے دے گی، جس نے تقسیم بنگال کے زمانہ میں کیا کیا نہیں کیا، اور جس کی وجہ سے حکومتِ برطانیہ کو دارالسلطنت کلکتہ سے دہلی منتقل کرنا پڑا، اور پھر ۱۹۱۱ء میں تقسیم بنگال کو منسوخ کرنے کے بعد امن و امان کی نوبت آسکی، مگر جمعیۃ کے فارمولا میں ایسے خطرات کا کوئی اندیشہ نہیں ہے،

۳۔ پاکستانی فارمولا میں پاکستانی مرکز کو ڈیفنس اور فوجی مصارف کا ایسا عظیم الشان بوجھ اٹھانا پڑے گا جس سے پاکستانی باشندے کسی طرح عہدہ برآ نہیں ہو سکیں گے، ہر دو پاکستانی علاقے ان ہندوستانی حدود پر واقع ہیں جن سے ہمیشہ بیرونی قومیں ہندوستان میں داخل ہوتی رہی ہیں، اور آج بھی انھی سے روس و چین وغیرہ کے خطرات وابستہ ہیں، اس لیے ان حدود کا تحفظ، اس کے لیے ہر قسم کی تیاری، زمانہ موجودہ کی تکمیل، افواج کا مکمل اور کافی انتظام، یہ ایسے امور ہیں جن کے مصارف سے آج بڑی سے بڑی حکومتیں لرزہ براندام اور پریشان ہیں، پاکستانی مرکز ایسے بھاری مصارف کا بوجھ اپنے ضعیف کندھوں پر کیسے اٹھا سکے گا؟ بالخصوص جبکہ

پنجاب کا وہ مشرقی علاقہ جس میں غیر مسلم اکثریت میں ہیں، اور اسی طرح بنگال کا وہ مغربی علاقہ جس میں غیر مسلم اکثریت میں ہیں نکال دیا جائے، بخلاف جمعیۃ کے فارمولا کے کہ ڈیفنس کا تمام بار پورے ہندوستان پر ہوگا، نیز بیرونی تعلقات (فارن پالیسی) کے مصارفِ ثقیلہ موجودہ زمانہ میں معمولی نہیں ہیں، ان کے بوجھ کا اٹھانا بھی پاکستان کے کندھوں کے لیے ناممکن ہوگا،

۴۔ پاکستانی فارمولا کی بناء پر ہندوستان تقسیم ہوکر نہایت کمزور مدافعت کا مالک بن سکے گا، کیونکہ اولاً تقسیم ہوکر اصل قوت ہی ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی، ثانیاً پاکستانی علاقہ قلتِ مال اور قلتِ زرخیزی کی بناء پر اتنا سامانِ جنگ اور اتنی افواج مہیا نہیں کر سکے گا جتنی کہ اس کو ضرورت ہوگی، اس کو داخلی امن وامان کے لیے بھی بڑی افواج کی ضرورت ہوگی، اور بیرونی حملوں روس وغیرہ سے بچاؤ کے لیے بہت بڑے تحفظ کی ہر وقت تیاری کرنی ہوگی،

اسی طرح بنگال میں بھوٹانیوں، نیپالیوں کے خطرے ہر زمانہ میں اندر اور چینیوں، جاپانیوں اور امریکنوں کے خطرات باہر موجود رہیں گے، اور جب کہ موجودہ زمانہ میں یورپ کی بڑی سے بڑی آزاد قومیں اور حکومتیں بھی اپنے آپ کو اکیلی سنبھال نہ سکیں، تو پھر ہندوستان ٹکڑے ٹکڑے ہوکر اور پاکستان اس سے علیحدہ ہوکر کیا طاقت پیدا کر سکے گا؟ اور کس طرح اپنی حفاظت کا علمبردار بن سکے گا؟

جمعیۃ کے فارمولا کی بناء پر وحدتِ مرکز کی وجہ سے اس تمام تیاری کا بوجھ پورے ہندوستان پر ہوگا، اور ہندوستان ایک ایسے ڈیفنس کا مالک ہوگا جو کہ یورپین اور ایشیائی اور امریکن ہر طاقت سے مقابلہ کر سکے، کوئی طاقت بھی اس کو ترچھی آنکھوں سے نہیں نہ دیکھ سکے، اور اگر جمعیۃ کے فارمولا میں صرف یہی ایک بہتری ہوتی تب بھی وہ تمام فارمولوں سے بہتر ہوتا چہ جائیکہ اس میں اور بھی بہت سی خوبیاں ہیں،

## ایک شبہہ اور اس کا جواب ؛

اس جگہ پر کہا جاتا ہے کہ پاکستانی مرکز ہندو ہندوستان کے مرکز سے صلح کرلے گا، جیسا کہ روس و امریکہ اور انگلستان میں ہوا، اس میں شک نہیں ایسا ہونے سے بہت سی کمزوریاں دور ہو جائیں گی، مگر کیا لیگی ذہنیتیں اور ان کے آئے دن کے اقوال و اعمال، تحریریں اور تقریریں اس کی امید دلاتی ہیں؟ جبکہ انھوں نے ہمیشہ اس تحریک کو ہندوؤں سے تنفر اور عداوت اور ان کو جیرہ دستیوں اور مظالم اور شکایات پر مبنی کیا ہے، اور جبکہ ہندو اور سکھ بھی اس تحریک کے ردِ عمل میں اسی منافرت اور نبرد آزمائی کا مظاہرہ کرتے نظر آتے ہیں،

یہاں تو بہ نسبت اس کے قریب تر ہے کہ انگریزی حکومت کے دباؤ سے آزاد ہوتے ہی خانہ جنگی کا وہ زہریلا اور تباہ کن آتشیں بگولہ اٹھ پڑے جو کہ ہندوستان کے خرمنِ امن و امان کو صدیوں کے لیے یا سالہا سال کے لیے بھسم کردے، اور دیکھیے کس طرح زہریلے کلمات اور آزردہ جملوں سے بھرے رہتے ہیں،

۵ ۔ پاکستانی فارمولا کی بناء پر مسلمانوں کا دونوں کونوں میں مقید ہو جانا اور جملہ شہری حقوق، رسل و رسائل، اقتصادیات، تجارت اور دیگر معاملات میں ہندوستان سے جدا ہو جانا لازم آتا ہے، جس سے ہزاروں قسم کی مشکلات مسلمانوں اور غیر مسلموں کے لیے پیش آجائیں گے، نیز ہر دو حلقوں (مغربی اور مشرقی پاکستان) کے آپس میں انفصال کی بناء پر جس میں یوپی اور بہار کا دراز تر علاقہ فاضل ہوگا طرح طرح کی دشواریوں کا باعث بن جائے گا، بخلاف جمعیۃ کے فارمولا کے کہ مسلمانوں کے حقوق کے تحفظ کے ساتھ اس قسم کی کوئی مشکل درپیش نہ آئے گی،

۶ ۔ اسلام تبلیغی مذہب ہے، اور اسی بناء پر اس نے تمام ملکوں میں ترقی کی ہے پاکستانی فارمولا اس کو غیر پاکستانی علاقوں میں ترقی سے نہ صرف روک دے گا بلکہ خطرہ

ہو کہ ان علاقوں سے کہیں اس کے وجود ہی کو ختم نہ کر دے، اور ہندو شدھی اور اپنی پرانی تہذیب کے پھیلانے میں پورا کامیاب ہو جائے،

۷۔ پاکستانی فارمولا پر نہایت قوی احتمال بلکہ یقین ہے کہ ہر دو حصے ہندوستان (پاکستان وغیر پاکستان) میں ہمیشہ کے لیے خانہ جنگی قائم ہو جائے، اور یہ بر اعظم ہندوستان آپس میں لڑ کر انتہائی کمزوریوں اور بربادیوں میں مبتلا ہو جائے، جیسا کہ امریکہ کے اخبار کامن سنس میں مسٹر جان گنتھر کا آرٹیکل بتلاتا ہے، اقتباس ذیل ملاحظہ ہو:

"اس برطانوی جناح باہمی کھیل کا نتیجہ پاکستان کی صورت میں نمودار ہوا ہے، اور یہ ہندوستان میں مسلمانوں کی دو علیحدہ خیالی ریاستوں کا نام ہے، جن کے درمیان باقی تمام ہندوستان پولینڈ کے ریڈار (ملانے والے رستہ) کی طرح رہے گا، ابھی تک تو ذمہ دار مسلمانوں نے اس کی مخالفت کی ہے، لیکن اگر اس اسکیم پر عمل کیا گیا تو ہندوستان میں بھی بلقان بن جائے گا، جہاں خانہ جنگیوں کا غیر مختتم سلسلہ شروع ہو جائے گا۔"

(مدینہ بجنور، مورخہ ۹ جون ۱۹۴۳ء)

نیز بمبئی کرانیکل کا خاص نامہ نگار مقیم لندن ۱۹۳۱ء میں لکھتا ہے:

"ہندوستان کو ہندو ہندوستان اور مسلم ہندوستان میں تقسیم کرنے کی پوری کوشش کی جا رہی ہے، تاکہ اس کے بعد ہمیشہ ہندوستان میں جھگڑا ہوتا رہے۔"

ہندو مسلمانوں کی موجودہ ذہنیت اسی کی مؤید اور شاہد ہے، بالخصوص وہ ذہنیت جو لیگ کے اقوال و افعال اور اس کے پریسوں، لڑیچروں اور ہائی کمانڈ نے پیدا کی ہے، اور جس کے رد عمل میں ہندو اور سکھ پریس اور ان کی تحریریں اور تقریریں تقسیم ہندوستان

کے مستقبل کا پتہ دے رہی ہیں، ایسی حالت میں ہندوستان کی تقسیم انتہائی خطرناک اور تباہ کن ہے، اور ہمیشہ کے لیے عداوت اور دشمنی جنگ اور لڑائی کی موجب ہے، بخلاف جمعیتہ کے فارمولے کے کہ وہ اس نجاست سے بالکل پاک وصاف ہے،

۸ - پاکستانی فارمولے کے مطابق جو حکومتیں بنگال اور پنجاب میں بن سکتی ہیں وہ یقیناً اتنی طاقتور نہیں ہوسکتیں کہ بیرونی ساز باز اوران کی دراز دستیوں کا مقابلہ کرسکیں، نہ ہی یہ اپنے تحفظ کا مناسب بندوبست کرسکیں گی اور نہ اتنی قوت پیدا کرسکیں گی کہ بین الاقوامی سیاست میں اپنا وقار قائم رکھ سکیں، اس لیے ظنِ غالب بلکہ یقین ہے کہ غیر ملکی حکومتوں کی ویسی ہی غلامی میں مبتلا ہوجائیں جیسی کہ آج ہمارے سروں پر مسلط ہے، اور اگر ایسا ہوا تو بدترین بدقسمتی ہوگی،

ترکی حکومت کی یورپین تقسیم، رومانیہ، پولینڈ، بلگیریا، مانٹی نگرو، سرویہ، یونان وغیرہ کی اور پھر عربی ممالک مصر، شام، فلسطین، عراق، حجاز، یمن وغیرہ کی تقسیم دیکھیے، اور سبق لیجیے، ہمارا فریضہ تھا کہ ہم معاملات کو محض ہندو دشمنی کی عینک سے نہ دیکھیں بلکہ پاکستان کے سوال پر سنجیدگی سے غور کرکے فیصلہ کریں کہ آیا یہ پاکستانی حکومتیں خود ہمارے لیے باعثِ رحمت ثابت ہوسکیں گی یا نہیں؟ اس مقام پر یہ کہنا کہ ہندو ہندوستان ان خطرات کی بناء پر پاکستانی حکومتوں سے اتحاد کرے گا اور ہمیشہ کے لیے استوار اتحاد دونوں میں قائم ہوجائے گا، واقعاتِ تاریخیہ کے خلاف ہے، ہمارے سامنے نظام حیدرآباد اور مرہٹوں کے واقعات موجود ہیں، انھوں نے کمپنی کے جرنیلوں (لارڈ ویلزلی) وغیرہ کے ساتھ ہوکر اور انگریزوں کی تزویری چالوں میں آکر کس طرح سلطان ٹیپو کی نہایت قوی حکومت کو فنا کر دیا، اور اس خطرہ کی پرواہ نہ کرکے خود کو بھی اور ہندوستان کو بھی برباد کر دیا، اسی طرح نواب اودھ نے لارڈ ہیسٹنگس سے مل کر روہیلہ حکومت کو برباد کرکے کس طرح اپنی فنائیت کا گڑھا کھودا، اور ہندوستان

کو غلامی کے تیرہ و تاریک کنوئیں میں غرق کر دیا،

اس قسم کے ہندوستان کی سابقہ تواریخ میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں، ان سے سبق لینا ضروری ہے، یہاں پر یہ خیال بھی خواب سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا کہ پاکستانی حکومتیں باہر کی مسلم حکومتوں، افغانستان و ایران وغیرہ کی حلیف بنکر مضبوطی حاصل کر لیں گی، کیونکہ معاہدہ سعد آباد کا قریبی واقعہ آنکھیں کھولنے کے لیے کافی ہے، اور ترکوں کے سابقہ معاہدات ایران وغیرہ کے ساتھ کیا نتائج بر آمد کر سکے؟ ان سے بھی روشنی حاصل کیجیے،

بہرحال جس قدر جمعیۃ کے فارمولے میں اطمینان بخش مواد موجود ہیں، پاکستانی فارمولا میں اُن کے مقابلہ میں عشرِ عشیر بھی نہیں بلکہ اس کے برعکس ہے، چنانچہ آج کی دنیا کے پسِ منظر کے مطابق مارننگ نیوز کا یہ بیان بالکل صحیح نظر آتا ہے کہ اب دنیا تقسیم اور علیحدگی کی سہل سیاسی پالیسی کو چھوڑتی جارہی ہے، مسلسل تجربات نے ثابت کر دیا ہے کہ اس جہد للبقاء کی دنیا میں صرف طاقتور زندہ رہ سکتے ہیں کمزور چاہے کتنے ہی حق پرست کیوں نہ ہوں زندہ رہنے کا حق نہیں رکھتے،

۱۰۔ تقسیم ہندوستان پاکستانی فارمولا کی بنا پر ہمیشہ کے لیے یا کم از کم ایسی مدت طویلہ کے لیے جس کی انتہا معلوم نہیں برطانوی غلامی کی رجسٹری ہے، اس کا خود قائد اعظم کو اقرار ہے، جیسا کہ ۲۹ر فروری ۱۹۴۴ء کو نیوز کرانیکل لندن کی دعوت پر پاکستان کے مسئلہ پر بیان دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

"اگر برطانوی حکومت کے دو ٹکڑے کر دے تو تھوڑے عرصہ کے بعد جو تین ماہ سے زیادہ نہ ہوگا ہندو لیڈر خاموش ہو جائیں گے، اور جب تک دونوں ٹکڑے آپس میں امن سے نہ رہیں تب تک برطانوی حکومت کا فوجی اور خارجی کنٹرول ضروری ہے، اس صورت میں مصر کی طرح کم از کم ہم اندرونی

طور پر تو آزاد ہو لگے، آج بھی اصولاً پانچ صوبوں میں پاکستانی حکومتیں
مسلم لیگ کے ماتحت قائم ہیں الخ ،،

قائدِ اعظم دو ٹکڑوں کی آپس کی بدامنی کی صورت میں برطانوی تسلط ضروری سمجھتے ہیں، اور تجربہ اور تاریخ دونوں بتاتے ہیں کہ برطانوی تسلط کی صورت میں بدامنی ہونا لازمی اور لابدی امر ہے، نیز جو ذہنیت لیگ کے قوادنے پیدا کی ہے وہ بھی اس کی شاہد عادل ہے، خلاصہ یہ کہ نتیجہ یہ ہوگا کہ ہمیشہ کے لیے برطانوی غلامی اس طرح قائم ہو جائے گی کہ اس کے دور کرنے کے لیے کوئی طریقہ کامیاب نہ ہو سکے گا، برطانوی اقتدار نے ہمیشہ سے ہندوستان میں اسی کھیل سے کامیابی حاصل کی ہے، اور وہ اسی کھیل کو اب بھی کھیلنا چاہتا ہے، صرف صورت بدلی ہوتی ہے، وہی فتنہ ہے لیکن یاں ذرا سانچہ میں ڈھلتا ہے، لیگی، قائدِ اعظم مصر جیسی اندرونی آزادی پر کفایت کرتا ہے، اور اسی کو اپنا نصب العین بنا کر ہندوستان کو اسی آزادی میں (جو کہ بدترین غلامی ہے) مبتلا رکھنا چاہتا ہے، اسی کو سنکر ڈاکٹر عبداللطیف حیدرآبادی اور دوسرے سمجھداروں کے ماتھے ٹھنکے ہیں، اور انھوں نے بار بار مسلمانوں کو متنبہ کیا ہے کہ تم غور کرو کہ تمھارے قائدِ اعظم تم کو کہاں لے جا رہے ہیں؟ مگر افسوس! کہ مسلمانانِ ہند اس قدر غافل اور حقائق سے ناآشنا، کم سمجھ اور بدنصیب واقع ہوئے ہیں کہ بار بار تجربے کرتے ہیں مگر غفلت اور نادانی دور نہیں ہوتی، وَاِلَی اللّٰہِ الْمُشْتَکیٰ ،

غرض جمعیۃ کا فارمولا مندرجہ بالا خطرات سے بالکل منزہ ہے، پاکستان کے متعلق بہت سے بیان اور رسائل شائع ہو چکے ہیں، اور اس پر پوری روشنی ڈالی جا چکی ہے، ہم اس جگہ نہ اُن کو نقل کر سکتے ہیں اور نہ اُن تفصیلوں میں جانا چاہتے ہیں، خصوصاً جبکہ ڈیلی گیشن کے بیانات آ چکے؛ اور اس کی اسکیم لیگ اور کانگریس اور ہندوستان کی دوسری سیاسی جماعتوں نے مان لی ہے، یقیناً اب اس پر خامہ فرسائی

کرنا بے فائدہ ہے، یہاں پر مختصر طور پر صرف یہ دکھلانا تھا کہ موجودہ احوال اور مستقبلہ ممکنات میں جمعیۃ کا فارمولا بہترین چیز اور اَہْوَنُ الْبَلَایَا ہے، اس لیے اس پر مسلمانانِ ہند کو متفق ہونا اور اس کے لیے کوشش کرنا ضروری اور مفید ہے، اور بلا شبہہ صاحبِ مکالمہ غلط راستہ پر لے جانا چاہتا ہے، خود دھوکہ میں ہے اور دوسروں کو بھی دھوکہ میں ڈالتا ہے،

پھر مرتبِ مکالمہ بطور تنقید نوٹ فرماتے ہیں:

"جمعیۃ علماء کے فارمولا میں یہ بھی مندرج ہے کہ خالص اسلامی مسائل میں دو تہائی مسلمان اگر کسی چیز کے مخالف ہوں گے تو وہ چیز مسلمانوں کے لیے قبول نہیں کی جائے گی، اس شرط سے کسی درجہ میں مضر امور کا تدارک تو ہو سکتا ہے لیکن خاص مسلمانوں کے حق میں جو ضروری یا مفید ہوں ان کے خاطر خواہ حاصل ہونے کی کوئی تدبیر نہیں، کیونکہ مرکز میں مسلم تعداد چالیس اور غیر مسلم تعداد ساٹھ فی صدی ہوگی، ایسی تمام تجاویز غیر مسلم اکثریت کے رحم وکرم پر رہیں گی، اور یہ معاملہ بھی کہ خالص اسلامی کونسا ہے اکثریت ہی طے کرے گی۔"

(الف) مندرجۂ بالا عبارت میں اولاً تو اس غلط بات کا اعادہ ہے جو دانستہ یا نادانستہ جمعیۃ کے فارمولا کے متعلق مسلم وغیر مسلم کے تناسب کے بارے میں اختیار کیا گیا ہے، نیز یا کوتاہ اندیشی سے دو متضاد خیالات کا اظہار پایا جاتا ہے، ایک جانب یہ بھی کہا گیا ہے کہ جمعیۃ علماء کے فارمولا میں جس تحفظ کا ذکر ہے وہ مضر امور کا تدارک کر سکتا ہے، اور دوسری جانب یہ بھی موجود ہے کہ مسلمانوں کے حق میں جو امور ضروری یا مفید ہوں اُن کے خاطر خواہ حاصل ہونے کی تدبیر نہیں، اول تو دفع مضرت ہی خود ایک مستقل فائدہ ہے جو

اہم اور ضروری شے ہے، دوسرے مسلمانوں کے مفید اور ضروری امور کے لیے کونسا امر مانع ہے؟ اس کے اظہار اور تفصیل کی ضرورت تھی تاکہ معلوم ہو سکتا کہ مسلم و غیر مسلم تناسب کا جو ذکر جمعیۃ کے فارمولا میں ہے اس کے پیشِ نظر کس طرح مسلمان غیر مسلموں کے رحم و کرم پر رہیں گے،

(ب) کیونکہ یہ اس فرضی اور خیالی عقیدہ پر مترتب ہے کہ تمام اقلیتیں مسلمانوں کے خلاف متحد ہو جائیں گی، جو کہ واقعات کے خلاف ہے، ہم نے اس پر پوری روشنی ڈال دی ہے،

(ج) اور اگر بالفرض ہو بھی جائے تو وہ صرف ان ہی امور کے متعلق آڑے آسکتے ہیں اور متصادم ہو سکتے ہیں جو اُن کے لیے مضرت رساں ہو، لیکن جو امر مسلمانوں کے لیے مفید اور ان کے لیے مضرت رساں نہ ہو، بنیادی حقوق کے دستوری شرائط کے پیشِ نظر کوئی اکثریت اقلیت کے مفید مسائل میں متصادم نہیں ہو سکتی،

(د) علاوہ ازیں اگر جمعیۃ کے فارمولا پر امورِ اسلامیہ کے متعلق یہ خطرہ موجود ہے تو پاکستانی فارمولا پر بھی (جبکہ ۵۵٫۵ مسلم، ۴۴٫۵ غیر مسلم کا عدد ہو) امورِ اسلامیہ کے متعلق بھی یہی خطرہ ہمیشہ رہے گا، کیونکہ ۴۴٫۵ کی غیر مسلم اقلیت نہایت مؤثر اقلیت ہے، اور بقول آپ ہی کے سرمایہ و تعلیم، زمینداری و تجارت وغیرہ کی فوقیت کی بناء پر مسلم اکثریت پر ہر وقت اثر انداز ہونے کی طاقت رکھتی ہے، اس لیے اولاً معمولی اکثریت سے مؤثر اقلیت کو نظر انداز کر کے کسی کارروائی کو کرنا ہی مشکل تر ہوگا،

ثانیاً اگر مسلمانوں میں ایک پارٹی کی جگہ متعدد پارٹیاں ہو گئیں (جیسا کہ سیاسیات میں عام طور پر ہوتا ہے)، تو مسلم اکثریت ہی باقی رہنی مشکل ہو جائے گی،

ثالثاً اگر مسلم اکثریت پائی بھی گئی تو اتنی بڑی اور مؤثر اقلیت کا متفق ہو کر

ڈیڈلاک پیدا کر دینا اور قدم قدم پر متصادم ہونا اس افادیت کے لیے سخت مضرت رساں ثابت ہوگا، اور حصولِ مقصد دشوار سے دشوار تر ہو جائے گا، بلکہ موجودہ صوبائی اسمبلیوں میں سے بنگال کی اسمبلی کا طریق کار صاف بتا رہا ہے کہ یورپین گروپ کے اقلیت میں ہونے کے باوجود اکثریت کی حکومت برعکس ان کی حمایت و مخالفت کے رحم و کرم پر قائم ہے، کیا آزاد ہندوستان میں کسی اقلیت کا ایسا مؤثر ہونا ناممکن ہے؟ اس لیے حق یہ ہے کہ مرکز میں مسلم اقلیت کے تحفظ کا علاج پاکستان سے بہتر وہی ہے جو جمعیت کے فارمولا میں مذکور ہے،

(ک) جمعیۃ کا فارمولا چونکہ تمام باشندوں کی مرضی سے بروئے کار لایا جائے گا اس لیے ایسے خطرات کے وقوع کا امکان بہت ہی کم یا منعدم ہوگا، مگر پاکستانی فارمولا میں اس بنا پر کہ باشندگانِ ہندوستان کے باہمی تنافر پر اس کی بنیاد رکھی جا رہی ہے اور تنفر اور عداوت کو روزافزوں ترقی کے ساتھ بڑھایا جا رہا ہے بہت زیادہ واقع ہونے کے امکانات ہوں گے، بلکہ یقیناً پیش آئیں گے،

(ل) چونکہ جمعیۃ کے فارمولا میں صوبوں کی داخلی امور میں مکمل آزادی تسلیم کی گئی ہے، اور مرکز کو صرف وہی اختیارات دیئے جائیں گے جس پر سب صوبے متفق ہوں، اور پھر کم سے کم اختیارات دیئے جائیں گے، اس لیے ایسے خالص اسلامی مسائل کو مرکز میں جانے کی نوبت ہی نہیں آئے گی، اور نہ صوبے باختیار خود ان کو مرکز کو دیں گے، مرکز کو تو عام اور مشترک ہی امور دیئے جائیں گے، اور اگر بالفرض کچھ چیزیں اسلام کے خلاف ان کے عام امور میں آ بھی گئیں تو ½ کی اسکیم سے ان کا پورا پورا تحفظ ہو جائے گا، ہاں پاکستانی فارمولا چونکہ ان قیود سے خالی ہے اور چونکہ اس کا جہاد بالسیف کے ذریعہ حاصل شدہ مفتوحہ ملک کی بجائے ڈیموکریسی اور یورپین طرزِ جمہوریت کے اصول کے مطابق آئین اور دستوری طرز میں بروئے کار لایا جائے گا،

اس لیے اس پاکستان میں غیر اہم اور معمولی مسلم اکثریت اور غیر مسلم موثر اقلیت کے باہمی تصادم کی شکل میں یہ خطرہ بہت زیادہ قریب الوقوع ہوگا جس کا حل اس میں کوئی نہیں ہے ؎

قیاس کن زگلستانِ من بہار مرا

اس کے بعد علامہ عثمانی صاحب کا نظریہ اور اعتراض صفحہ ۱۰ کے آخر میں تمام غیر مسلم قوموں کے مسلم آبادی کے خلاف متفق ہو جانے کا ذکر کیا گیا ہے، اور عیسائیوں کا دوسری غیر مسلم جماعتوں کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف متحد ہو جانا دکھلایا گیا ہے، تو ہم نے بھی اس کا جواب اوراقِ سابقہ میں واضح طور پر ذکر کر دیا ہے، جو لائقِ مطالعہ ہے،

پھر اس کے بعد وہ مشہور اعتراض مندرجہ ذیل عنوان کے تحت ذکر کیا گیا ہے جو عام طور پر اس وقت پیش کیا جاتا ہے جب پاکستان کے مفید ہونے کے دلائل کی دیوار شکستہ ہوتی نظر آتی ہے، اور وہ یہ کہ :

”ہندو پاکستان کے خلاف میں کیوں مضطرب ہے؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پاکستان میں مسلمانوں کا فائدہ ہے، ورنہ یہ اضطراب نہ ہوتا،،

چنانچہ فرمایا جاتا ہے :

”اگر پاکستان ہندو کے لیے مفید ہے تو وہ اس کی مخالفت کے لیے اس قدر مضطرب کیوں ہے؟“

یہ اعتراض عام طور پر مختلف عنوانوں سے زبان زد عوام ہے، جس سے یہ نتیجہ یہ نکالا جاتا ہے کہ ”پاکستان اسکیم میں مسلمانوں کا عظیم الشان مفاد اور ہندوؤں کا عظیم الشان نقصان ہے،، مگر غور کیا جائے تو یہ معیار ریت کی دیوار سے بھی زیادہ کمزور ہے، اس لیے

کہ لیگی مسلمان اور ان کے رہنما عام طور پر یہ کہتے نظر آتے ہیں کہ چونکہ ہندو کے پاس تعلیم اور اقتصادی خوش حالی کافی موجود ہے اس لیے اب وہ انگریزی حکومت کی بجائے آزادی کا خواہشمند ہے، تو اس معیار کے مطابق مسلمانوں کے لیے انگریزی اقتدار اور غلامی سرمایۂ رحمت ہونا چاہیے، حالانکہ یہ صریح باطل اور قابلِ نفرت تخیل ہے، بلاشبہہ یہ واقعہ ہے کہ پاکستان ہندوؤں کے لیے بعض وجوہ سے مفید ہے، مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ انگریزوں کے اقتدار اور مطلق العنانی کے لیے بھی از حد مفید اور مؤید ہے، اور اسی لیے لیگ اور مہاسبھا اور قدامت پسند ٹوری انگریز اس کے بہت زیادہ مؤید ہیں، چنانچہ ۱۹۳۳ء یا ۱۹۳۴ء میں بھائی پرمانند وغیرہ مہاسبھائیوں نے اس کی تائید اور تقویت میں بڑے بڑے مضامین اور آرٹیکل لکھے تھے، بلکہ بھائی پرمانند نے تو اپنی ایک تصنیف میں ہندوستان میں ہندو مسلم مسئلہ کا واحد علاج ہی تقسیم ہندوستان بتلایا ہے، اور ۱۹۳۱ء میں لندن میں ٹوری انگریزوں نے بہت زور سے لیگی لیڈروں میں (جو کہ راؤنڈ ٹیبل کانفرنس کے سلسلہ میں اس وقت گئے ہوئے تھے اور جنھوں نے رسوائے عالم اقلیتوں کے معاہدہ پر ملت اور وطن سے غداری کر کے دستخط کر کے کمیونل ایوارڈ کی بناء ڈالی تھی) اس کی نشر و اشاعت اور ترغیبی کارروائیاں کی تھیں بمبئی کرانیکل کے نامہ نگار کی اس زمانہ کی تحریر اور مسٹر ملیہ ڈن جج یوپی کا خط ہم بجنسہٖ نقل کر آئے ہیں، البتہ آزادی خواہ ہندو آزادی پسند مسلمان اور ان کے ہم خیال انگریز اس کے مخالف ہیں، نیز حکومت کے پرزے بننے والے انگریز ظاہری طور سے اس کے مخالف ہیں، کیونکہ حکومت کی پالیسی اور حکمت عملی اس کے خلاف کہنا ضروری سمجھتی ہے،

اگر وہ ایسا نہ کہیں تو ان کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اگرچہ دل میں اس کی تائید کرتے ہیں، بہرحال ہندوستان کی آزادی چاہنے والے ہندو جو کہ سب کے سب کانگریسی ہیں اور تعلیم یافتہ ہندو سیاسی بیداری کی بناء پر تقسیمِ ہند اور پاکستانی

اسکیم کے سخت مخالف ہیں، جس کی وجہ یہ ہے کہ اس میں انگریزی اقتدار کو ہندوستان میں ہمیشہ کے لیے پٹہ پر دیدینا ہے، اور اس سے خانہ جنگی کا وہ نہ ختم ہونے والا دروازہ کھلتا ہے جس سے ہندوستان میں برطانوی اقتدار کے قائم و دائم رہنے پر رجسٹری ہوجاتی ہے، جس کا اقرار خود قائدِ اعظم نیوز کرانیکل کے نمائندہ کے سامنے کرچکے ہیں اور ہندوستان کی مصر جیسی آزادی تسلیم فرماتے ہوئے برطانوی فوجی اور خارجی اقتدار کا غیر معین مدت کے لیے ضروری اور لازم ہونا مان چکے ہیں،

البتہ یہ انگریز کی بدقسمتی ہے کہ آج بین الاقوامی حالات یعنی روس کی بڑھتی ہوئی ترقی امریکہ کی روز افزوں اقتصادی بھوک اور ایسی حالت میں ہندوستان کے اندر خوفناک انقلابی تحریک اور دوسرے سیاسی و اقتصادی حالات نے اس کو مجبور کردیا ہے کہ جس پاکستان کو اس نے برسوں دودھ پلا پلا کر جوان کیا تھا آج خود اپنے ہاتھوں سے اس کا گلا گھونٹنے پر آمادہ ہے، گو دل نہیں چاہتا، مگر ماحول کی چابک زنی اس کے خلاف پر مجبور کررہی ہے، اور کس نے دیکھا ہے کہ ابھی حالات کیا صورت اختیار کرتے ہیں، اور ملک کی آزادی اور انگریز کے شہنشاہانہ اقتدار کی خواہش میں جو اندرونی کشمکش جاری ہے اس کا نتیجہ کیا نکلتا ہے؟ مسلمانوں میں عموماً سیاسی بیداری نہیں ہے، وہ حقائق سے ناآشنا ہیں، اس لیے وہ اغراض کے متوالوں کے دامِ تزویر کا شکار ہیں، مگر کانگریسی ہندو عام طور پر بیدار ہوگیا ہے اور اس لیے وہ سمجھتا ہے کہ تقسیمِ ہندوستان کی صورت میں ہندوستان ایک ایسا منظم اور قومی ملک نہیں بن سکتا، جو یورپین بڑی طاقتوں کا مقابلہ کرسکے، اور ان کے مشتومہ اغراض سے محفوظ رہ سکے، وہ اس صورت میں آپس ہی میں اُلجھ کر رہ جائے گا، اور حسبِ ضرورت ممکن درجہ تک ترقی کرنے کا اس کو موقع ہرگز نہ مل سکے گا، بیرونی تجارت و دستکاری اور سازشوں کا مرکز بنا رہے گا، اور اسکی

آزادی صرف نام کی آزادی ہوگی حقیقی ہرگز نہ ہوگی، مگر مسلمان چونکہ عام طور پر بیدار نہیں ہیں، اس لیے حقیقت کے سمجھنے سے قاصر ہیں، اور خود غرض لیڈروں کے ذاتی مفادات کا شکار رہیں،

لہٰذا ہندو کو اس اضطراب میں ڈالنے والا حقیقۃً خود اس کا اپنا نفع ہے، مگر وہ نفع نہیں جس کو صاحب مکالمہ بتلاتے ہیں، وہ نفع تو لیگ کے خواجہ تاش ہندو مہا سبھا کے پیش نظر ہے جو کہ اکھنڈ ہندوستان کے لیے جد وجہد کرتی ہوئی یونٹی سسٹم چاہتی ہے اور فیڈرل سسٹم کی مخالف ہے، بلکہ وہ نفع بھی جس کا ذکر ہم نے ابھی تفصیل سے کیا، اور جس میں خود مسلمانوں کا نفع بھی مضمر ہے، اس لیے وہ پاکستان کی صورت میں حاصل ہونے والے معمولی فوائد کو نظر انداز کرکے پورے ہندوستان کی وحدت کا خواہشمند ہے جس میں بلاشبہ مسلمانوں کے فوائد ہندوؤں سے بھی زیادہ ہیں،

اس جگہ یہ بھی واضح رہے کہ فیڈرل سسٹم کے تسلیم کرنے والے جب کہ ہر صوبہ میں داخلی مکمل آزادی اور مرکز کو کم سے کم اور باتفاق رائے مشترکہ اختیارات دینے کے قائل ہیں تو وہ اس الزام کے ہرگز مورد نہیں ہو سکتے کہ وہ مسلمانوں کو ڈبل غلامی کا شکار کرنا چاہتے ہیں، یہ الزام سرتاسر دھوکہ اور فریب ہے، البتہ قائد اعظم مسلم لیگ کی تقریر کے پیش نظر مسلم اقلیت کے صوبوں میں مسلمانوں کی ایک تہائی سے زیادہ آبادی ضرور صاف اور صریح طور پر ڈبل غلامی کا شکار ہو جاتی ہے، اور مستزاد یہ کہ مسلم اکثریت کے صوبوں میں بھی ان کو کوئی اہم اکثریت نصیب نہیں ہوتی، اس مقام پر یہ ذکر کرنا کہ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے جواب میں کوئی معقول بات نہیں کہی اور فرمایا کہ "کوئی مصلحت ہوگی" (یعنی ہندوؤں کے پاکستانی اسکیم کی مخالفت و اضطراب میں) اور بار بار اس پہلو سے گریز کیا جاتا رہا، اور پھر چند سطروں کے بعد یہ کہنا کہ "علامہ عثمانی نے کئی بار اس چیز کو ان لوگوں سے پوچھا، مگر ادھر سے کوئی شافی جواب نہ آیا"

محض جھوٹ اور افتراء پردازی ہے، جو کسی عامی کی شان سے بھی بعید ہے، چہ جائیکہ کسی عالم کی جانب سے، ایسی شیخی اور بے سرو پا ڈینگ کسی طرح زیب نہیں دیتی، اس لیے کہ یہ کوئی ایسی بات ہی نہیں تھی کہ جس کا جواب کوئی مشکل امر تھا نہ ہی کوئی اس قسم کی بار بار بحث کرنے اور سوال اٹھانے کی نوبت آئی، اور جس قدر آئی اس کا اسی وقت شافی جواب دیدیا گیا، بلکہ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے تو ایک دوسرے طریقہ سے بھی اس کا شافی وکافی جواب دے دیا تھا، انھوں نے فرمایا کہ ہندوؤں کے اس سلسلہ میں تین گروہ ہیں:

ایک تو عوام کا، وہ پاکستان سے اسی طرح خائف ہیں جس طرح مسلمان ہندو راج سے، اور یہ دونوں ہی حقیقت حال سمجھنے سے قاصر اور "اَلعَوَام کَالاَنعَام" کے مصداق ہیں۔

دوسرا گروہ مہاسبھائی اور بعض کانگریسی ہندوؤں کا ہے، جو یقین رکھتے ہیں کہ پاکستان بن جانے میں ان کا فائدہ ہے کہ ان کو ملک کے ۳/۴ حصہ پر من مانی حکومت کرنے کا موقع ہاتھ آئیگا، اور مسلم اکثریت کے صوبوں میں انکو اس قدر مؤثر اقلیت ہوگی کہ وہ مسلم اکثریت سے قطعاً مرعوب نہ ہوسکے گی،

اور تیسرا گروہ کانگریسی ہندوؤں کی اکثریت کا ہے، وہ اپنے نقطۂ نظر کے مطابق فرض سمجھتے ہیں کہ جب ملک کو زیادہ سے زیادہ قربانی دے کر آزاد کرایا جائے، تو پھر اس کے ٹکڑے کر کے اس قابل نہ بنایا جائے کہ انگریز دوبارہ یا روس یا امریکہ جدا جدا ٹکڑوں پر یکے بعد دیگرے قابض ہو کر ہندو و مسلمانوں کو غلام بنالیں،

مگر مرتب مکالمہ کو چونکہ لوگوں کو دھوکہ دینا اور اپنی اغراض مشئومہ کو حاصل کرنا ہی مقصود ہے، اور جانتا ہے کہ مولانا عثمانی کے تقدس کی آڑ میں جو کچھ کہا جائیگا سب تسلیم کر لیا جائے گا، کوئی چون وچرا نہ کرے گا، اس لیے جو چاہا لکھ مارا، جب اس پر چون وچرا کی گئی اور غلط بیانی اور دروغ گوئی کا الزام رکھا گیا تو وائے صد حسرت! کہ حضرت مولانا عثمانی نے علمی وقار کی بھی پروا نہ کرتے ہوئے افتراء پرداز مرتب کی

حمایت میں اپنی تقریروں کے اندر مباہلہ کا چیلنج دینا شروع کر دیا، اور یہ فرمانے کی زحمت بھی گوارا نہ فرمائی کہ مسلمانوں کی باہم دعوتِ مباہلہ شرعاً کیا حیثیت رکھتی ہے،

لیکن جب علامہ عثمانی کے مباہلہ کے چیلنج کو دہرانا ضروری سمجھا تب ہم نے بھی آخر کار سہارنپور کے بھرے اجلاس میں اس کو قبول کر لیا اور یہ کہہ دیا کہ ہم مباہلہ کے لیے تیار ہیں، مگر یہ قسم کھانی پڑے گی کہ "مکالمۃ الصدرین میں جو کچھ لکھا گیا ہے وہ حرف بحرف بلا کم و کاست صحیح ہے، اور بلا شبہہ وہی کلام ہے جو کہ مجلس میں وفد جمعیۃ کے ساتھ ہوا تھا، اگر اس میں صداقت نہ ہو تو الخ" مگر مولانا عثمانی اس طرح مباہلہ نہیں کر سکتے اور نہ کوئی دوسرا کر سکتا ہے، کیونکہ:

(الف) خود مرتب مکالمہ اقرار کرتا ہے کہ گفتگو سوا تین گھنٹہ رہی، اور مکالمہ کی مندرج باتیں صرف پاؤ گھنٹہ میں بولی جا سکتی ہیں،

(ب) مرتب مکالمہ کو خود یہ اقرار ہے کہ یہ خلاصہ اور لُبِّ لباب ہے اس گفتگو کا جو کہ وفد جمعیۃ اور مولانا عثمانی کے درمیان ہوئی، اس کے بعینہٖ الفاظ حسب ذیل ہیں:

"لیکن گفتگو کا ملخص اور ضروری لُبِّ لباب جہاں تک ممکن تھا لے لیا گیا"

(ج) خود مرتب کو یہ بھی اقرار ہے کہ "کوئی ایک آدھا جزو چھوٹ گیا ہو تو جدا بات ہے، ترتیبِ کلام میں تقدیم و تاخیر بھی ممکن ہے، کیونکہ جس وقت مکالمہ ہو رہا تھا بروقت منضبط نہیں ہوا"

پس جب کہ مرتب صاحب مکالمہ کے وقت موجود نہ تھے، جو کچھ لکھا گیا اس میں تقدیم و تاخیر اور اصل مضمون و کلام کے پوری طرح محفوظ نہ رہنے کا بھی اقرار ہے جس کو لُبِّ لباب لکھ کر چھپایا گیا ہے، تو ایسی صورت میں کیا علامہ عثمانی مباہلہ اسلامی

کے مطابق یہ قسم کھانے کو آمادہ ہو جائیں گے کہ مکالمۃ الصدرین کا مضمون قطعاً صحیح اور گفتگوئے باہمی کے عین مطابق ہے، اور جو اس بارے میں جھوٹا ہو اس پر خدا کی لعنت ہو کہ یہی مباہلہ کا طریقہ ہے،

اگر علامہ عثمانی مکالمۃ الصدرین کی ان دروغ بیانیوں کے باوجود جن کو ہم نے اس رسالہ میں طشت از بام کیا ہے اس پر مباہلہ کے لیے آمادہ ہیں تو بسم اللہ! ہم اس چیلنج کو قبول اعلان سہارنپور کے بھرے اجلاس میں کر چکے ہیں (اگرچہ مولانا مباہلہ اس لیے بھی نہیں کر سکتے کہ مباہلہ کی اولین قسط بیٹے اور بیٹیاں ہیں جو کہ مولانا کے پاس نہیں ہیں، اور ہمارے پاس خدا کے فضل سے وہ بھی ہیں، سہارنپور کے اجلاس میں ہم یہ بھی کہہ چکے ہیں، مگر اس کے بعد سے آج تک ہمیں یہ نہیں پہنچا یا گیا کہ مولانا اب بھی مباہلہ کے لیے تیار ہیں یا نہیں؟ بلکہ جہاں تک معلوم ہوا وہ یہی ہے کہ مولانا اب اپنی تقریروں میں مباہلہ کا تذکرہ نہیں فرماتے،

خلاصہ یہ کہ محض ہوا باندھنے اور مقاصد مشئومہ کو پورا کرنے کے لیے خوف خدا کیے بغیر ایسے شرمناک امور کا ارتکاب کیا جا رہا ہے جو کہ اہلِ علم و تقویٰ کے لیے تو درکنار معمولی سا مسلمان سے بھی بعید ہیں،

کیا اسلامی اخلاق بلکہ عام اخلاقی نقطۂ نظر سے یہ ضروری نہیں تھا کہ اگر مکالمۃ الصدرین کے واقعات قطعی صحیح اور درست تھے تو قبل از طباعت مولانا حفظ الرحمٰن صاحب کو (جو کہ مولانا عثمانی کے شاگرد ہیں) یا مفتی عتیق الرحمٰن صاحب کو (جو کہ مولانا عثمانی کے شاگرد اور بھتیجے بھی ہیں) دکھلا لیا جاتا؟ بلکہ انصاف کا تقاضا تو یہ تھا کہ جب تک تمام حاضرین کے دستخط نہ ہو جاتے اس وقت تک شائع نہ ہوتا، کیونکہ مثل مشہور ہے کہ "سانچ کو آنچ نہیں ہے" لیکن افسوس کہ مرتب صاحب کو اس کی جرأت نہ ہوئی، غالباً اس لیے کہ اس میں جو کچھ ہے من گھڑت اور اکثر خود ساختہ ہے، اور کذب و افترا سے مملو، علیٰ ہٰذا القیاس

اگر اس میں تمام امور مندرجہ واقعی ہی تھے تو مولانا عثمانی نے اپنے دستخط کیوں نہ فرمائے؟

اس کے بعد صفحہ ۱۱ کے آخر میں علامہ عثمانی کا فلسفہ تین کروڑ مسلمانوں کے تحفظ کے متعلق ذکر کیا گیا ہے، الفاظ حسب ذیل ہیں:

"اس کے بعد وفد جمعیۃ علماء ہند کی طرف سے کہا گیا ہے کہ اچھا اگر پاکستان بن جائے تو تین کروڑ کی مسلم اقلیت ہندو صوبوں میں رہے گی اس کی حفاظت کا کیا انتظام ہوگا؟ علامہ عثمانی نے فرمایا کہ ان کے لیے معاہدات ہوں گے، انھیں معاہدات کے ماتحت مسلم اقلیت ان کے یہاں اور ہندو اقلیت ہمارے یہاں رہے گی، اور ہر ایک کا ہاتھ دوسرے کے تلے دبا رہے گا، آخر اکھنڈ ہندوستان میں دس کروڑ مسلمانوں کی حفاظت کس طرح ہوگی"

تعجب ہے کہ معاہدات کو ایک طرف غیر کافی بتلا کر تقسیم ہندوستان کا مطالبہ کیا جاتا ہے، اور دوسری طرف ساڑھے تین کروڑ مسلمانوں کے لیے اسی کی تھپکی دیجاتی ہے، اِنَّ هٰذَا الشَّيْءُ عُجَابٌ،

اس کے بعد علیگڈھ یونیورسٹی پر اتہام کا عنوان پیش کیا گیا، اور جو بد عنوانیاں طلبہ کی جانب سے ہوئی ہیں اُن پر پردہ ڈالنے یا انھیں ہلکا کرنے کے لیے اُن کا تذکرہ اس عنوان کے تحت یہ بتلایا گیا ہے کہ یہ سب امور تہمت ہی تہمت ہیں، اور یا ہوتے ہی رہتے ہیں، ان کی کوئی خاص اہمیت نہیں ہے،

ہم ناظرین کو مولانائے عثمانی کے رسالہ "ترکِ موالات" کے مضامین ہی کی طرف متوجہ کر دینا کافی سمجھتے ہیں (جس میں حضرت موصوف نے اس عنوان پر کہ علماء کے وقار کو کون مٹانا چاہتا ہے، خوب روشنی ڈالی ہے):

اس لیے ہم کو اس وقت قائدِ اعظم کے اس زہر کو یاد دلانے کی ضرورت ہی

نہیں محسوس ہوتی جو انھوں نے کلکتہ میں اور عربک کالج دہلی میں علماء کے خلاف اُگلا تھا، اور اپنی اس فتحمندی پر کہ علماء کا انھوں نے وقار مٹا دیا ڈنکا بجایا تھا،

صفحہ ۱۱ و ۱۲ پر فرماتے ہیں:

" فیروز خاں نون کے متعلق میں بحث نہیں کرتا، لیکن مسٹر جناح کے متعلق کبھی میرا گمان نہیں ہو سکتا کہ وہ سرکاری آدمی ہیں، یا وہ کسی دباؤ یا لالچ میں آ سکتے ہیں یا کسی قیمت پر خریدے جا سکتے ہیں "

اول تو یہ مسئلہ زیر بحث ہی نہیں تھا کہ مسٹر جناح دباؤ یا لالچ سے خریدے جا سکتے ہیں یا نہیں، اور وہ سرکاری آدمی ہیں یا نہیں؟ بلکہ بحث کا رُخ تو یہ تھا کہ مسٹر جناح کی موجودہ پالیسی حکومتِ برطانیہ کے اقتدار کو مضبوط کرنے والی اور آزادیٔ ہند میں رکاوٹ ڈالنے والی اور مسلمانوں کے لیے مضرت رساں اور مہلک ہے، اس لیے ہماری جانب سے اس پر زور دیا گیا، لیکن مولانائے موصوف کو چونکہ جناح صاحب کو خراجِ عقیدت ادا کرنا تھا اس لیے اس بہانہ سے ادا کر دیا، اور یہ بھی فراموش کر دیا کہ جمعیۃ علماءِ ہند کی رکنیت کے زمانہ میں متعدد مرتبہ مولانا نے ارشاد فرمایا ہے کہ میں اگرچہ کانگریس کا مخالف ہوں لیکن مسلم لیگ کے بھی سخت خلاف ہوں، اس لیے کہ میرا یقین ہے کہ مسٹر جناح اور مسلم لیگ مذہب کو برباد کرنے اور عوام کو علماءِ حق سے نفرت دلانے والے ہیں،

پس اگر اس بات کو زیر بحث لانا ہی ہے تو علامہ عثمانی اپنی چند مختصر ملاقاتوں پر مبنی خوش فہمی کے مقابلہ میں ان بیانات کو ملاحظہ فرمائیں جو طویل تجربہ کے بعد مسٹر جناح کے متعلق رائے زنی کرتے ہیں، یا حکومت خود اُن کے متعلق جو توقعات قائم کرتی رہی ہے اور وہ توقعات مسٹر جناح کے ہاتھوں پوری ہوتی رہی ہیں، چنانچہ مندرجہ ذیل ایک خط ہے جو سائمن کمیشن کے زمانہ میں لارڈ برکن ہیڈ

وزیر ہند نے ہزایکسلنسی لارڈ اروِن کو بھیجا تھا، اس میں تحریر ہے:

"میں سائمن کو صلاح دوں گا کہ وہ ہر منزل پر ان تمام لوگوں سے ملاقات کرے جو اس کمیشن کا بائیکاٹ نہیں کرتے خصوصاً مسلمان اور پست اقوام، میں صلاح دوں گا کہ وہ نمائندہ مسلمانوں کے ساتھ اپنی تمام ملاقاتوں کا وسیع پیمانہ پر اشتہار دے (انگریزی حکومت کی) اب یہ تمام پالیسی ظاہر ہے، وہ یہ کہ ہندوؤں کی بہت بڑی آبادی کو خوفزدہ کر دیا کہ کمیشن پر مسلمانوں کا قبضہ ہو رہا ہے، اور ممکن ہے کہ وہ ایسی رپورٹ پیش کرے جو ہندوؤں کی پوزیشن کو بالکل برباد کر دے، گویا اس طرح پر مسلمانوں کی ٹھوس مدد حاصل کی جائے اور مسٹر جینا کو بڑھایا جائے، اور پاک وصاف رکھا جائے"

(حریت دہلی' مورخہ ۱۷ جنوری ۱۹۴۶ء)

نیو اسٹیٹسمین اینڈ نیشن لندن مورخہ ۱۴ دسمبر ۱۹۴۰ء کالم ۳ و ۴ میں طویل مضمون لکھتا ہے جس کا مندرجہ ذیل اقتباس ملاحظہ ہو:

"..... اس کا (مسلم لیگ کا) دعویٰ ہے کہ اب کچھ مہینوں سے اس کے ممبروں کی تعداد بہت زیادہ بڑھ گئی ہے، یہ بالکل صحیح ہو سکتا ہے، کیونکہ وائسرائے کی ممتاز سرپرستی کی وجہ سے کانگریس کے بعد یہ ملک کی سب سے بڑی سیاسی جماعت بن گئی ہے، ہم نے مسٹر جینا کی انتہا پسندانہ روش کو ہندوستان کی مسلمان آبادی کی جس کو ہم تسلیم کرتے ہیں اصلی رائے سمجھنا شروع کر دیا ہے، اور مسٹر جینا اور دوسری ہندوستانی جماعتوں میں جن میں دوسری مسلم جماعتیں بھی شامل ہیں کسی اتحاد و اتفاق کا ہونا ممکن نہیں..... (کالم ۵) اگر ہماری

یہ پیشکش مخلصانہ ہے کہ صلح کے بعد ہندوستان کو درجۂ نوآبادیات عطاء کر دیا جائے گا تو ہمیں اس قسم کا کوئی قدم اٹھانا پڑے گا، لیکن اگر ہم مسٹر جینا کو محض اپنا آلۂ کار بنا رہے ہیں جو ہر وقت بھونڈے اور ناکارہ عہدنامہ کو بھر کر ہمیں اخلاقی ذمہ داری سے سبکدوش کرنے کے لیے تیار ہیں تو ہم ایسا نہیں کریں گے، اگر ہمارے متعلق یہ شبہات بڑھتے رہے اور ہم نے ان کے دور کرنے کی کوشش نہیں کی کہ ہم "تقسیم کرو اور حکومت کرو" کا پرانا کھیل کھیل رہے ہیں تو اس کے معنی یہ ہیں کہ ہم مستقبل قریب میں ہندوستان کو کھو بیٹھنے کا خطرہ مول لے رہے ہیں"

(مدینہ بجنور، مورخہ ۱۴ مارچ ۱۹۴۱ء ص۸ جلد ۳۰)

(۴) مدینہ، بجنور، مورخہ ۲۱ جولائی ۱۹۴۵ء ص۵۴ جلد ۳۴ میں لارڈ ویول اور مسٹر جینا کی خط و کتابت کے شائع ہونے پر مندرجہ ذیل مقالہ لکھتا ہے:

"سابق وائسرائے اور مسٹر جینا کی خفیہ سازباز، قائداعظم کی طرف سے لارڈ ویول کو خفیہ بات چیت کی دعوت"

"شملہ، ۱۹ جولائی، آج ہز ایکسیلنسی لارڈ ویول وائسرائے ہندوستان اور مسٹر جینا کی وہ خط و کتابت شائع ہو گئی جو ان دونوں کے درمیان شملہ کانفرنس کے سلسلہ میں ہوئی تھی، گورنر جنرل کے سکریٹری نے ۲۹ جون کو وائسرائے کی طرف سے مسلم لیگ کو لکھا ہے کہ ایگزیکٹیو کونسل کے لیے اپنے ناموں کی فہرست پیش کریں، اور مناسب سمجھیں تو اپنی پارٹی کے علاوہ بھی نام پیش کریں، اس خط کے جواب میں مسٹر جینا نے وائسرائے کو خفیہ سازباز کی دعوت دی، اور یہ ظاہر کیا کہ سابق وائسرائے اس قسم کے معاملات کو خفیہ گفتگو سے طے کیا کرتے تھے،

مگر لارڈ ڈیول نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا الخ"

(۵) ماڈرن ریویو ماہ ستمبر ۱۹۴۵ء ص ۲۵ میں ایک دلچسپ خط شائع ہوا ہے ہم اس کی عبارت کا ترجمہ بالتمام نقل کر کے حوالۂ ناظرین کرتے ہیں، تاکہ مسئلۂ زیر بحث پر صحیح رائے قائم کی جائے، ایڈیٹر لکھتا ہے:

"گذشتہ ہفتہ ہوائی ڈاک سے ایک دلچسپ خط انگلستان سے آیا ہے اس میں ایک انگریز نے اپنے ایک ہندوستانی دوست کو جو اس کے ساتھ عرصہ تک بنگال میں انڈین سول سروس میں رہا ہے، اور اپنی... قبل از وقت پنشن سے پہلے تک ذمہ دار عہدہ پر سرفراز تھا، اور اب انگلستان میں سوشل اور تعلیمی مشاغل میں منہمک ہے وہ لکھتا ہے:

"میں سمجھتا ہوں کہ ویول کی تجاویز کا گرجانا حقیقتاً ایک سانحہ ہے، تمھاری طرح میرا بھی پختہ خیال ہے کہ ہندو مسلم اختلافات کی اکثر و بیشتر تلخیاں برطانوی پالیسی کی مرہونِ منت ہیں، اگر ہندوستان کے برطانوی نظم و نسق نے ان دونوں جماعتوں کو متحد کرنے کی جدوجہد کی ہوتی تو وہ آج سے پچاس سال پہلے نہایت آسانی سے کر سکتے تھے، اب البتہ یہ بہت مشکل ہو گیا ہے، لیکن اس کے بجائے انھوں نے اُن اختلافات کو ہوا دی اور انھیں بڑھنے دیا، میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ جناح ہندوستان کا ذہین شیطان ہے، اس کے مطالبات احمقانہ ہیں اور زیادہ تر اس غلط فہمی پر مبنی ہیں کہ مفاہمت کے التوا میں وہائٹ ہال اس کی خاموش پشت پناہی کر رہا ہے، میں امید رکھتا ہوں کہ ویول اپنے اس فریب خوردہ کو بلا کر کہیں گے کہ بہت اچھا اگر تم ناموں کی فہرست دینے سے انکار کرتے ہو تو میں اپنی کارروائی کو آگے بڑھاتا ہوں، اور

بغیر تمھارے اس فہرست کو لے کر جو دوسری پارٹیوں نے پیش کی ہے اپنی کونسل بناتا ہوں، میں سمجھتا ہوں کہ اگر وہ (ویول) اپنی رائے میں آزاد ہوتے تو ایسا ہی کرتے، مگر مسٹر چرچل نے مطالبات کی منظوری پر جو طریق کار تجویز کیا تھا وہ یہ تھا کہ اگر ایسی مشکل پیش آئے جیسی کہ حقیقتاً پیش آئی تو فوراً قدیم سسٹم کی طرف لوٹا جائے، یہ بری طرح مشہور رہی کہ چرچل رعایت دینے کے سخت خلاف ہے، اور پرانے سسٹم کو برقرار رکھنے کے لیے جو بھی موقع حاصل ہوتا ہے اس سے اس کو خوشی ہوتی ہے، ہم حقیقۃً متعجب تھے کہ اس نے (چرچل نے) ویول کی تجاویز پر کیسے دستخط کر دیئے غالباً اس نے اس لیے دستخط کر دیئے کہ اسے یقین کامل تھا کہ جینا ہٹ دھرم ثابت ہوگا اور کانفرنس کو ناکام کر دینے کے لیے یہ ہٹ دھرمی ایک بہانہ ہو جائے گی،

جیسا کہ تمھیں علم ہے چرچل فطرتِ انسانی کے کمزور پہلوؤں کا اندازہ لگانے میں بہت ماہر ہے، اور غالباً وہ (چرچل) پوری طرح واقف تھا کہ اگر میں پیشتر سے کوئی اشارہ کروں گا تو جناح کا کیا طرزِ عمل رہے گا، اب صرف ایک امید رہ گئی ہے کہ لیبر گورنمنٹ واپس آجائے!...

جہاں تک شہنشاہیت کا تعلق ہے میں لیبر پالیسی کے بارے میں کچھ اچھا خیال نہیں رکھتا، لیکن کم از کم شاید وہ دوبارہ بات چیت کا دروازہ کھولے اور ویول کو آزادی سے کام کرنے کا موقع دے، آج رینالڈ نیوز میں ایک زبردست مقالہ افتتاحیہ ہے جس میں سارا الزام جناح پر رکھا گیا ہے، اور کھلے بندوں یہ مشورہ دیا گیا ہے کہ بغیر مسٹر جناح کے اشتراک کے کونسل بنائی جائے، یہ اخبار لیبر پارٹی

کے زیادہ روشن خیال لوگوں کا نقطۂ نظر پیش کرتا ہے' یہ ہے وہ مقالہ افتتاحیہ جو رینالڈ نیوز نے لکھا ہے' اور جس میں شملہ کانفرنس کی ناکامی پر تبصرہ کیا گیا ہے، جس کا اشارہ میں نے اپنے خط میں کیا ہے،

اب وقت آگیا ہے کہ ہندوستان کے بارے میں صاف گوئی سے کام لیا جائے، مسلم لیگ کے صدر جینا نے باوجود اس صاف حقیقت کے کہ ہندوستانی مسلمانوں کا ایک بہت، بڑا حصہ کانگریس میں شریک ہے اس مطالبہ پر اَڑ کر کہ مسلم لیگ ہی کو ہندوستانی مسلمانوں کا واحد نمائندہ تسلیم کیا جائے ایک بار پھر دستوری جمود کے حل کو خطرہ میں ڈال دیا ہے، یہ صرف پہلا موقع نہیں ہے کہ جناح نے غیر مصالحانہ رَوِش اختیار کی ہو، ہم کب تک اسے ہر پُر امید اقدام کو ٹھکرانے کا موقع دیتے رہیں گے؟ برطانیہ کا فرض یہ ہے کہ وہ مصالحت کی پوری کوشش کرے، لیکن اگر مصالحت کی جد وجہد ایک پارٹی کے طرزِ عمل سے کھُلے بندوں توڑی جا رہی ہو تو برطانیہ کا یہ فرض ہو جاتا ہے کہ وہ مسلم لیگ سے کہہ دے کہ مجھے تمھارے طرزِ عمل پر افسوس ہے، لیکن ہم اسے ہندوستان کی سیلف گورنمنٹ کے حل میں مسلسل روڑے اٹکانے کی اجازت نہیں دے سکتے، ہم اس سے یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم اُس حل کو لے کر آگے بڑھ رہے ہیں جس کو ہم صحیح سمجھتے ہیں اور جسے ہندوستانی سیاسی تحریک کی سب سے بڑی جماعت نے قبول کر لیا ہے، مسلم لیگ کے لیے جگہ خالی ہے، جب وہ خواہش کرے گی اسے اس کی جگہ دیدی جائے گی، سابقہ تجربات کی بنا پر ہمیں یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب تک برطانیہ اس خاردار درخت کو ہاتھ نہیں لگائے گی اس وقت تک ہمیں سیلف گورنمنٹ کی جانب کسی

حقیقی ترقی کا خیال ترک کر دینا چاہیے"۔

یہ ہے مسٹر جناح قائدِ اعظم مسلم لیگ کا کردار جس سے حکومتِ برطانیہ اور اس کے قریب رہنے والے اچھی طرح واقف ہیں،

مولانا عثمانی اور مرتبِ مکالمہ افسوس ہے کہ عام مسلمانوں کی طرح ان واضح امور سے ناواقف ہیں، یا ان پر غور نہیں فرماتے،

علاوہ ازیں یہ بھی لائقِ توجہ بات ہے کہ یہ تسلیم کر لینے کے باوجود کہ مسٹر جناح سرکاری آدمی نہیں ہیں، قدم قدم پر کس طرح سیاسی ٹھوکریں کھاتے ہیں اور مسلمانوں کو نقصانِ عظیم پہنچاتے رہے ہیں، چنانچہ جناح کی اُن سیاسی کارروائیوں پر بھی غور نہیں فرماتے جو انھوں نے سنہ ۱۹۱۶ء کے پیکٹ میں اور پھر سنہ ۱۹۲۰ء کی ریفارم اسکیم میں مسلم اکثریت کے صوبوں کے متعلق کیں، اور پھر سنہ ۱۹۲۹ء میں کلکتہ کنونشن کانفرنس میں انہی صوبوں اور مخلوط انتخاب کے متعلق فرمائیں، اور پھر سنہ ۱۹۳۱ء میں راؤنڈ ٹیبل کانفرنس میں متعدد غلطیاں اور خیانتیں قوم اور ملک کے متعلق اقلیتوں سے معاہدہ کر کے وقت اور اس سے پہلے عمل میں لائے، جن میں سے متعدد غلطیاں واضح طور پر ہم نے رسالہ "زعمائے لیگ کی سیاسی غلطیاں"[۱] میں بیان کر دی ہیں، اور پھر کمیونل ایوارڈ کے قبول کرنے میں سنہ ۱۹۳۲ء میں پیش آئیں، جن کا خمیازہ آج تک اکثریت والے صوبے بھگت رہے ہیں،

کیا ان واقعات کے بعد بھی مولانا عثمانی اور ان کے ہواخواہوں کی خوش فہمی کسی ادنیٰ درجہ کے سمجھدار منصف مزاج کے نزدیک صحیح ہو سکتی ہے؟

پھر ڈیلی گیشن کی آمد سے پہلے پاکستان کے متعلق کس طرح پروپیگنڈا کیا گیا اور کس طرح مسلمانوں کے جذبات کو برانگیختہ کیا گیا، اور پھر ڈیلی گیشن کے سامنے کس قدر لیل

---

[۱] اس رسالہ کا دوسرا نام "مسلم لیگ کی آٹھ مسلم کش سیاسی غلطیاں" ہے، ملاحظہ فرمایئے فہرست کتب ص ۹۴،

طریقہ پر ہتھیار ڈال دیئے گئے، اور عارضی حکومت میں پیرٹی کے وعدوں پر قناعت کرلی گئی، عام مسلمانوں کو دھوکہ دے کر گروپنگ اور حقِ خود اختیاری کو پاکستان کا پیش خیمہ بتلاکر خاموش کیا گیا، پھر کس طرح کسی نیشنلسٹ مسلمان کے عارضی حکومت میں نامزد ہونے پر ہٹ کی گئی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ غلط ادعاء واحد نمائندگی کی وجہ سے عارضی حکومت ہی ہاتھ سے نکل گئی، ؎

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم ٭ نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

اب بیانات میں برٹش ایمپائر اور اس کے عہدہ داروں کو گالیاں دی جاتی ہیں اور سخت سے سخت مقالات زیب رقم کیے جاتے ہیں، اور سول نافرمانی کی دھمکیاں دی جاتی ہیں، اور عملی اقدام کی تیاریاں ہو رہی ہیں، جو ہنوز شرمندۂ تعبیر نہیں ہوئیں!

فَاعْتَبِرُوْا یَا اُولِی الْاَبْصَارِ ۃ

اس کے بعد ص ۱۲ پر علماء کے اقتدار کو مٹانے اور دین کے تباہ کرنے کی مشکل کو ذکر کرکے اس کے حل کی صورت علامہ عثمانی کی طرف سے ذکر کی گئی ہے، کہ سب کے سب مل کر لیگ میں داخل ہو جائیں، اور ایک دو مہینہ دورہ کرکے تین چار لاکھ آدمی دینی ممبران لیگ بنائیں، جب ہمارے ہم خیال ممبران کی اتنی بھاری تعداد مسلم لیگ میں داخل ہو جائے گی تو پھر ہم عوام کے ذریعہ سے جو مفید صورت مسلمانوں کے لیے ہوگی بآسانی بروئے کار لاسکیں گے،

یہ تدبیر مولانا کی محض خوش خیالی اور عدمِ واقفیت پر مبنی ہے، تین چار لاکھ نہیں اگر دس لاکھ بھی ممبر بنالیے جائیں کوئی کامیابی نہیں ہو سکتی، مولانا تو ابھی خیالی دنیا ہی میں سیر فرما رہے ہیں، مگر ہم نے عملی جدوجہد بھی کرلی ہے اور بخوبی تجربہ کرلیا ہے ؎

اذا ما الناس جربھم لبیب ٭ فانی قد اکلتھم و ذاقا

فلما ازودھم الا اخذا اعنا ؛ ولما زادینھم الا نفاقاً

ہمارا تجربہ یہ ہے کہ یہ امر نہ ممکن ہے اور نہ اس کی کوئی صورت بن سکتی ہے، اس لیے کہ:

(الف) یہ وہاں ہو سکتا ہے جہاں نظام جمہوری واقع ہو، اور جہاں نیچے سے اوپر کو عروج ہوتا ہو، اور جہاں جمہوریت صرف دکھلانے اور کہلانے کے لیے ہو اور اوپر کے عہدہ دار ڈکٹیٹر شپ کے مرہونِ منت ہوں وہاں یہ صورت ناممکن العمل ہے، بدقسمتی سے آج تک یہی کیفیت لیگ کی رہی ہے، اور جہاں کسی نے اس کے خلاف کوئی کارروائی کرنی چاہی اس کو مُنھ کی کھانی پڑی،

(ب) ہائی کمانڈ اور لیگ کونسل میں جن لوگوں کو اقتدار حاصل ہے، وہ سب کے سب جناب قائدِ اعظم کی نظرِ التفات کا تماشہ بنے رہتے ہیں، اور پھر جب کسی نے ذرا بھی حق پرستی اور حق گوئی کا یا اصلاح کا ارادہ یا عمل کیا اس کے ساتھ کیا عمل کیا گیا؟ اس کو جی، ایم سیّد کے دل و جگر سے پوچھیے، اور ان کے بیانات سے روشنی حاصل کیجیے، نیز مسٹر عبد الرحمٰن صدیقی، ڈاکٹر عبد اللطیف صاحب حیدرآبادی مولانا ظفر علی خاں صاحب (زمیندار)، مولانا حسرت موہانی کے واقعات کو زیرِ نظر لائیے، من جرب المجرب حلت بہ الندامۃ،

اگر یہ صورت مولانا کے نزدیک ممکن ہے تو چونکہ مقصد متحد ہے اس لیے مولانا کو لازم ہے کہ وہ اور تمام علماءِ اسلام جن کے مولانا صدر ہیں سب مل کر اس کام کو انجام دیدیں، اور سُرخروئی عند اللہ و عند الناس بیش از بیش حاصل کریں،

(د) جبکہ موجودہ لیگ سے ہم لوگوں اور جملہ آزادی خواہ جماعتوں اور افراد کو نظریات، نصب العین، طریقِ کار اور فکر و عمل میں اختلاف ہے تو کس طرح ممکن ہے کہ سب کے سب مولانا کے ارشاد کے مطابق اس میں یوں ہی داخل ہو جائیں؟

بلکہ اسلامی نقطۂ نظر سے صحیح طریق کار یہ ہے کہ مسلمانوں اور مسلم جماعتوں کے نمایاں اصحاب رائے اور صائب الرائے حضرات مجتمع ہوں، اور موجودہ صورت حال کا جائزہ لے کر کھلے دل و دماغ کے ساتھ یہ سوچیں اور غور کریں کہ ہندوستان میں مسلمانوں کے لیے باعزت مقام کس طریقہ سے مل سکتا ہے، اور اس کے حصول کے لیے کیا طریقۂ کار ہو؟
پس اگر مسلم لیگ اس صورت کے لیے آمادہ ہو تو بسم اللہ! ہم سب حاضر ہیں، ورنہ مسلمانوں کو متحد کرنے کی دعوت بجز ڈھونگ کے رچانے اور مسلمانوں کو دھوکہ دینے کے اور کوئی حیثیت نہیں رکھتی، پس اگر حضرت مولانا لیگ کو اس پر آمادہ کر سکتے ہیں تو "چشم ما روشن دلِ ما شاد" ورنہ کیوں لیگ کی مضرات کی ذمہ داری خواہ مخواہ اپنے سر لیتے ہیں؟ اور "مسجد ضرار" اور لیگ کے آلۂ کار "جمعیۃ علماءِ اسلام" کو کیوں جمعیۃ علماءِ ہند کی تخریب کے لیے عصاءِ پیری بناتے ہیں؟
بہرحال مکالمۃ الصدرین کی حقیقت کے اظہار اور معاملات زیر بحث کی بابت جمعیۃ علماءِ ہند کے خیالات و افکار سے متعلق جو ضروری امور قابلِ تذکرہ تھے، ان کو واضح کر کے ہم اب اس تحریر کو ختم کرتے ہیں، وباللہ التوفیق،

ننگِ اسلاف
حسین احمد غفرلہ

ضمیمے:

(۱)

# حیدر آباد سے حضرت علامہ عثمانی کا وظیفہ

**ابوالحسن حیدری غازی پوری:**

حضرت شیخ الاسلام نے حیدری صاحب کے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرمایا:

''مولانا شبیر احمد صاحب اور ان کے ہم خیال مدرسین و ملازمین اب ڈابھیل ضلع سورت کو ۱۶ر-۱۸ر ربیع الاول کو چلے گئے، نواب چھتاری نے ان کو دو سو روپے ماہوار نہیں دیا، بلکہ کئی سال ہوئے تھے حیدر آباد سے وہاں کے وزیر اعلا جن کے جانشین چھتاری صاحب ہیں۔ انھوں نے دو سو روپیہ پولی ٹیکل ڈیپارٹمنٹ سے مقرر کرادیے تھے، وہ ان کو برابر ملتے رہے۔

یہ وزیر اعلا حیدری صاحب مشہور ومعروف بزرگ تھے، چودھری صاحب کا روپیہ دار العلوم کے توڑنے کے لیے غلط افواہ معلوم ہوتی ہے، البتہ چودھری صاحب اپنا اقتدار اسی طرح وہاں بھی جمانا ضرور چاہتے ہیں، جس طرح علی گڑھ اور لیگ پر ہے اور اسی لیے ہر قسم کی کوششیں ہمیشہ جاری رہتی ہیں میرا بڑا قصور یہی ہے کہ میرے ہوتے ہوئے چودھری صاحب کی دال نہیں گلتی، مجھ کو جدا کیا گیا اور وہاں اپنی دال پکانی چاہی۔ مگر بحمد اللہ کامیابی نہیں ہوئی اور منہ کی کھانی پڑی۔ غضنفر کا واقعہ صحیح ہے تو معلوم کرنا چاہیے کہ وہ آنے والے صاحب کون بزرگ تھے؟ (۱)۔''

**حواشی:**

(۱) یہ عبارت مکتوبات شیخ الاسلام جلد اول ابوالحسن حیدری غازی پوری کے نام خط (نمبر

۸۲) سے ماخوذ ہے اس پر تاریخ درج نہیں۔ لیکن قراین سے اس کی تحریر کا زمانہ متعین کیا جاسکتا ہے۔

(الف) حضرت علامہ عثمانی ۱۳۶۲ھ میں دوبارہ ڈابھیل تشریف لے گئے تھے۔ حضرت شیخ الاسلام کے مکتوب میں ہے کہ وہ اور ان کے ہم خیال مدرسین دملاز مین ۱۶/۔ ۱۸/ربیع الاول کو چلے گئے۔

(ب) یہ تواریخ ۲۳/۔ ۲۵/مارچ ۱۹۴۳ء کے مطابق تھیں۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ خط اواخر مارچ کا ہے۔

(۲) دوسرے پیراگراف میں جو لفظ ''چودھری'' آیا ہے۔ اس سے مراد ''چھتاری'' ہے۔ مسلم لیگ اور علی گڑھ پر انھیں کا اثر تھا اور یوپی (بلندشہر) کے وہی ایک ایسے صاحب ثروت شخص تھے۔ جن کا سرمایہ کسی ادارے یا تحریک کو کامیاب یا ناکام بناتے ہیں صرف ہوسکتا تھا۔ دیوبند سے بھی وہ کسی نہ کسی طرح اپنا تعلق جتاتے رہتے تھے۔

(۳) آخری قید کے زمانے میں جب حضرت شیخ الاسلام نینی سنٹرل جیل میں محبوس تھے، دارالعلوم کی ایک میٹنگ جس میں معاندین کی توقع کے مطابق حضرت شیخ الاسلام کا نکالا جانا طے تھا۔ لیکن عجیب اتفاق کہ ہٹائے حضرت مولانا عثمانی اپنے عہدے سے گئے اور یہ کس کی کوششوں سے ہوا اس کی کچھ تفصیل اگلے صفحات میں ضمیمہ نمبر ے میں ملاحظہ ہو۔

(۴) غضنفر صاحب اور ''بزرگ'' کا اشارہ تو ہمارے لیے بہت مبہم ہے۔

## چند ضروری تصریحات:

(۱) حکومت کی نظر میں تو حضرت علامہ عثمانی ۱۹۱۳ء ہی میں آگئے تھے، جب انھیں مولانا عبیداللہ سندھی کو دارالعلوم دیوبند سے نکلوانے کے لیے استعمال کیا گیا تھا۔ انٹیلی جینس نے اعتراف کیا تھا کہ ''دیوبند سے مولوی عبیداللہ کے اخراج کے ذمہ دار وہی ہیں۔'' حال آں کہ وہ اس نو مسلم سے اچھے مسلمان نہیں تھے اور قوتِ کار، استقامتِ عملی، عزیمتِ دعوت اور ایثار و قربانی میں تو ان دونوں بزرگوں میں کوئی مقابلہ ہی نہ تھا۔

۱۹۱۵ء میں حافظ محمد احمد کو شمس العلماء کے خطاب پر گورنر یوپی سے دیوبند کے چند مولویوں کا جو وفد ملا تھا۔ اس میں یہی ایک نوجوان مولوی تھے، جس سے گورنمنٹ کی انٹیلی جینس مستقبل کی توقعات وابستہ کرسکتی تھی۔

پھر ۱۹۲۷ء میں انھوں نے جس طرح دارالعلوم کے اہتمام کا مقابلہ کیا تھا اور خود اپنے برادرِ بزرگ حضرت مفتی عزیز الرحمٰن، حضرت مولانا انور شاہ کشمیری، مولانا سراج احمد وغیرہم اساتذہ اور کچھ طلبہ کے ساتھ دارالعلوم سے فاتحانہ نکلے تھے اور چند سال قبل (۱۹۱۳ء میں) دارالعلوم ندوۃ العلماء (لکھنؤ) کے طلبہ کے لیے جو چیز (اسٹرایک) ناجائز تھی اور اسلام میں جس کے لیے کوئی گنجایش نہ تھی، ۱۹۲۷ء میں دارالعلوم دیوبند کے طلبہ اور اساتذہ کے لیے یکا یک جائز ہوگئی تھی۔ گورنمنٹ کو اس جنگ میں کسی خاص فریق سے کوئی دل چسپی نہ تھی، اسے صرف جنگ اور دارالعلوم میں اختلاف وخلفشار سے دل چسپی تھی اور اسے اپنے ڈھب کے ایک شخص کی تلاش تھی۔ اس کے لیے مولانا حبیب الرحمٰن عثمانی کے مقابلے میں علامہ شبیر احمد عثمانی زیادہ مفید ثابت ہوسکتے تھے۔ ان کے خیالات میں لچک تھی، موقع کے مطابق بدل جانے کی قابلیت تھی، ان میں جذبات کی فراوانی تھی۔ انھیں آسانی سے استعمال کیا جاسکتا تھا۔ اسی زمانے میں حیدرآباد سے ان کا وظیفہ مقرر ہوا تھا۔

۱۹۳۸ء میں انھوں نے دو عظیم الشان خدمات انجام دیں:

(۱) حیدرآباد میں جو اسٹیٹ کانگریس کا قیام عمل میں آیا تھا۔ سر اکبر حیدری (وزیراعظم) نے اسے خلاف قانون قرار دے کر بند کردیا تھا۔ حکومت کے اس فیصلے کے خلاف تحریک شروع ہوئی۔ حضرت علامہ عثمانی کو جوں ہی اشارہ ملا انھوں نے حیدرآباد کا سفر اختیار کیا اور اپنی تقریروں سے اس آگ پر پانی چھڑکنے کا کام لیا۔ بہ قول علامہ سید سلیمان ندوی:

> ''بہت کچھ مسلمانوں میں سکون پیدا کیا۔ یہاں تک کہ حیدری صاحب نے اپنی ممنونیت ان کی ذات کی نسبت ظاہر کی اور منصب میں ترقی کی۔''
>
> (یادِ رفتگاں، ص ۴۴۸)

یہاں حضرت علامہ عثمانی کے وظیفے میں اضافے کی طرف اشارہ ہے۔ وظیفے کے اجرا کا تعلق ۱۹۲۸ء یا اس کے کچھ بعد سے ہے۔ جس کی طرف حضرت شیخ الاسلام نے اپنے خط میں اشارہ کیا ہے۔

یہ تحریک کچھ ہندوؤں کی مسلمانوں کے خلاف یا آریہ سماجیوں کی اسلامی ریاست کے خلاف نہ تھی۔ بلکہ ریاستی استبداد کے خلاف قومی ردعمل کی تحریک تھی، جس میں مسلمان برابر کے شریک تھے۔ لیکن مسلمانوں کے ایک بڑے طبقے میں اس سے اشتعال بھی پیدا ہوا تھا۔ سید سلیمان ندوی نے اسے ''آریہ سماج کی تحریک'' کہا ہے، مولانا آزاد نے اسے ''سول نافرمانی کی تحریک'' لکھا ہے اور گاندھی حیدری خط و کتابت کے حوالے میں اس کے لیے ''ستیہ گرہ کی تحریک'' کا لفظ استعمال ہوا ہے۔

(۲) ۱۹۳۵ء کے ایکٹ آف انڈیا کے تحت جب ملک میں انتخابات ہوئے اور قومی حکومتوں کا قیام عمل میں آیا اور کانگریس نے اپنے منشور کے مطابق زمین داریوں کی ضبطی اور شراب کی بندش کے لیے نوٹس دیا اور نواب احمد سعید چھتاری ہندو اور مسلمان جاگیرداروں اور زمین داروں کی متحدہ ''زمین دار پارٹی'' کی صدارت اور رہنمائی کے لیے میدان میں آئے تو جن لوگوں نے ان کی اخلاقی اور مذہبی جانب سے مدد کی تھی۔ ان میں حضرت علامہ عثمانی ایک نمایاں شخصیت تھے۔ فتویٰ یہ تھا کہ جو شخص اپنی جان، مال، جاگیر، مفادات وغیرہ کی حفاظت کرتا ہوا مارا جائے گا، وہ شہادت کا مرتبہ پائے گا۔ حال آں کہ ۱۸۵۷ء کے بعد قایم ہونے والی زمین داریاں اور جاگیریں وہی تھیں جو غداری کے صلے میں باقی رہی تھیں یا نئی قایم ہوئی تھیں۔ اس فتوے سے نہ صرف مسلمان زمین داروں کو فایدہ پہنچا تھا، ہندو زمین داروں کو بھی جو مسلمانوں کی نسبت ۳/۴ کی حیثیت رکھتے تھے اور اسی نسبت سے ہندو اور مسلمانوں مزارعوں اور کاشت کاروں کو نقصان پہنچا تھا اور وہ تقریباً دس گیارہ سال مزید ۴۹-۱۹۴۸ء تک زمین داروں اور جاگیرداروں کے مظالم تلے کچلے جاتے رہے۔ کانگریس کی تحریک ضبطی زمین داری کے خلاف ہندو اور مسلمان جاگیرداروں کی کامیابی میں اس فتوے کا بھی بڑا حصہ تھا۔ نواب چھتاری جو اس علاقے — یوپی کے ضلع بلند شہر کے

ایک جاگیردار تھے، حضرت علامہ عثمانی سے بہ خوبی واقف تھے اور اس مدد کے لیے ان کے شکر گذار ہوئے تھے۔

اسی زمانے میں انھوں نے سر اکبر حیدری وزیر اعظم حیدر آباد سے سفارش کی اور انھوں نے وظیفے میں اضافہ کروا دیا۔ حضرت شیخ الاسلام نے اسی طرح اشارہ کیا ہے۔ لیکن یہ وظیفے کے اجرا کا واقعہ نہ تھا۔ بلکہ اس میں اضافے کا اقدام تھا۔

(۳) اس سیاسی وظیفے کے علاوہ ایک اور وظیفہ بھی انھیں ملتا تھا۔ جو اگرچہ ایک علمی وظیفہ تھا لیکن ۱۹۴۵ء کے بعد حضرت علامہ نے لیگ کی خدمت گذاری کی جو روش اختیار فرمائی تھی اور جناح صاحب کو نہ جانتے ہوئے بھی ان کی تقلید اور وفاداری کا جو مسلک اپنایا تھا، اس کے پس پردہ بھی بہ قول مولانا سید سلیمان ندوی ''موصوف کے حیدر آباد دکن اور نظام حیدر آباد سے گوناگوں تعلقات (جو مابین) پیدا ہو گئے تھے۔'' اسی کے اثرات کام کر رہے تھے اور پچھلے سترہ اٹھارہ برس میں حضرت علامہ جتنے آگے بڑھ گئے تھے، وہ اس مقام سے لوٹ نہیں سکتے تھے اور اب وقت آ گیا تھا کہ حکومت ان سے اپنی سرپرستی کی قیمت وصول کرے۔

حضرت سید صاحب نے یہاں جس وظیفے کا ذکر فرمایا ہے، وہ علمی وظیفہ تھا، اس پر کسی بحث کی ضرورت نہیں۔ اس کے بیان کے لیے صرف سید صاحب علیہ الرحمہ کی تحریر کفایت کرتی ہے۔ سید صاحب لکھتے ہیں:

> ''مرحوم کی شرح مسلم جس کا نام ''فتح الملہم'' ہے، لکھنے کا کام تمام عمر جاری رہا۔ اتنے بڑے کام کے لیے ان کو کسی ریاست سے امداد کی فکر تھی۔ چناں چہ اس کے لیے حیدر آباد دکن کا خیال تھا۔ اس کے لیے معروضہ پیش کیا اور آخر بڑے ردو کد کے بعد ریاست نے ان کی سرپرستی منظور کی اور ہر جلد کے لیے کچھ امداد اور مصنف کے لیے ماہانہ وظیفہ منظور ہوا اور مولانا نے جمعیت خاطر کے ساتھ اس کی چند جلدیں لکھ کر شایع کیں۔ اس سلسلے میں یہ امر ذکر کے قابل ہے کہ جب ریاست نے ان کی امداد منظور کی تو مرحوم نے مجھے دوستانہ خط لکھا کہ اہل علم کی طرف سے ریاست کی اس کرم فرمائی کا شکریہ ادا کیا جائے۔

چناں چہ میں نے اس کی تعمیل معارف کے شذرات میں کی۔ افسوس ہے کہ یہ کتاب نامکمل رہی۔'' (یادرفتگان، ص ۴۴۹)

''فتح الملہم'' کی تالیف واشاعت کے لیے کسی ریاست کی امداد کی خواہش سے معلوم ایسا ہوتا ہے کہ شاید حضرت علامہ عثمانی کے ذہن میں یہ بات راسخ تھی کہ دنیا میں تمام بڑے بڑے علمی کام ریاستوں کی امداد وسرپرستی ہی سے انجام پاتے ہیں۔ حال آں کہ سیکڑوں مثالیں ہمارے سامنے ایسی ہیں کہ اہل علم اور اصحاب ذوق نے بڑے بڑے کام اپنی ہمت اور ذاتی ایثار کے بل بوتے پر انجام دیے ہیں۔ یا یہ بات ہو کہ خود حضرت علامہ میں ایثار کرنے اور تنگی برداشت کرنے کی کمی تھی۔ وہ محنت سے گریزاں اور سہل پسند طبیعت رکھتے تھے۔

(۲)

# جمعیت علماے ہند اور علامہ عثمانی

۲۳ر نومبر ۱۹۴۵ء

زم زم لاہور نے روزنامہ عصر جدید۔ کلکتہ مورخہ ۳۰ر اکتوبر ۱۹۴۵ء کے حوالے سے مولانا شبیر احمد عثمانی کا ایک بیان نقل کیا ہے اس میں مولانا عثمانی فرماتے ہیں:

''ہم سب کو معلوم ہے کہ قدیم جمعیت علماے ہند بھی اپنے شایع کردہ مقاصد کے لحاظ سے بُری نہ تھی، وہ اپنی خدمات اور قربانیوں کے لحاظ سے اچھی خاصی تاریخ رکھتی ہے۔ جو کچھ اعتراض کیے جاتے ہیں وہ اس کے آخر کے چند سالہ طرز عمل پر ہیں۔ اب ہم کو یہ دیکھنا چاہیے کہ جدید جمعیت علماے اسلام عملی لحاظ سے تجربے کی کسوٹی پر کتنی عمدہ ثابت ہوتی ہے۔''

(زم زم۔ لاہور، ۲۳ر نومبر ۱۹۴۵ء)

لیکن عجیب بات ہے کہ مولانا اسی سال اپریل ۱۹۴۵ء تک تو جمعیت علماے ہند کی مجلس عاملہ کے رکن رہے تھے۔ اگرچہ اس سال انھوں نے عاملہ کی رکنیت کی تجدید

نہیں کی لیکن جمعیت علما سے کبھی اختلاف کا اظہار بھی نہیں کیا اور نہ جمعیت کی عام ممبر شپ سے انھوں نے اب تک استعفیٰ دیا ہے۔ پھر اگر اخیر کے چند سالوں میں اس طرز عمل پر اعتراض کیے جاتے ہیں تو یہ اعتراضات کس کے ہیں؟ اگر خود ان کے ہیں تو اخیر کے چند سالوں میں انھوں نے یہ اعتراضات کب اور کس موقع پر کیے تھے؟ اور اگر دوسروں کے تھے تو انھوں نے ان کے جواب کیوں نہیں دیے اور اگر درست تھے تو انھوں ان کی اصلاح میں کیا سعی فرمائی؟

(۳)

# کھلی چٹھی بہ نام مولانا ظفر صاحب تھانوی

۳؍نومبر ۱۹۴۵ء

محترمی سلام مسنون! گذارش ہے کہ امور مندرجۂ ذیل کو حل فرمادیں۔ ورنہ عوام راز درون پردہ کو کہیں سے کہیں پہنچادیں گے۔

(۱) نوابوں، تعلقہ داروں، سروں، خان صاحبوں، ملحدوں، دہریوں کے ساتھ کاروں اور سیکنڈ کلاس ڈبوں میں سفر کرنا اور سرمایہ داروں لامذہبوں کی قیادت عظمیٰ میں تنظیم مسلم کے خواب ہائے پریشان دیکھنا کہیں "ضلوا واضلوا" کا تو مصداق نہیں۔

(۲) جو قاید نظام شرعی کو غیر مکمل، ناقص، ضروریات زمانہ کے لیے ناکافی سمجھتا ہو۔ جو جماعت شریعت بل کی مخالفت کرتی ہو۔ قانون برطانیہ کو قانون شریعت پر مقدم سمجھتی ہو۔ جس جماعت کے افراد اکثر ملحد، دہریے، فاسق، معلن ہوں۔ وہ جماعت پاکستان میں نظام شرعی کیسے قایم کرے گی؟ (حال آں کہ نظام نامہ صفحہ ۲۷ میں پاکستان اور اسلامی حکومت کو مترادف بیان فرمایا ہے)۔

(۳) آپ نظام نامہ صفحہ ۳۲ میں کمیونزم کو اسلام کے منافی اور مخالف سمجھتے ہیں۔ لیکن مسلم لیگ جس میں کمیونسٹ داخل ہو چکے ہیں اور ان کے دخول کو کلید کامیابی

سمجھا جا رہا ہے۔ آپ اس کی حمایت کرتے ہیں کیا یہ **كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوا مَالَا تَفْعَلُوْنَ O** کے مصداق نہیں (۱)؟

(۴) آپ نظام نامہ صفحہ ۳۷ میں منہاج سنت کو ضروری سمجھتے ہیں۔ لیکن ساتھ ساتھ ایسی مسلم لیگ کی تائید و حمایت کرتے ہیں جس میں منکر نبوت قادیانی شریک ہیں۔ صرف شریک ہی نہیں بلکہ روح رواں ہیں۔ کیا یہ تعریف دین کے مترادف نہیں؟

(۵) آپ اعلاءِ کلمۃ الحق کو ضروری فرماتے ہیں لیکن شیعوں کی تائید فرما کر (جو کہ طرق تحریف قرآن کے قایل ہیں) اور ان کی اعانت فرما کر خیانت قرآن کے مرتکب نہیں ہوئے؟

(۶) جب کہ آپ کا نام خلفا (مجازین بیعت) کی فہرست سے خارج کر دیا گیا تھا (دیکھو ''اشرف السوانح'') تو پھر خلیفۂ حکیم الامت کہنا شرم ناک بددیانتی نہیں تو اور کیا ہے؟ (۲)

امید ہے کہ ان چیستانوں کو حل فرما کر عوام کو ان سیاسی گورکھ دھندوں سے نجات دیں گے۔

خادم ذوالنون سہارن پوری۔ محلہ مفتی

(زم زم۔ لاہور، ۳ر دسمبر ۱۹۴۵ء)

حواشی:

(۱) سورۂ صف کی تیسری آیت، ترجمہ یہ ہے:

''خدا اس بات سے سخت بے زار ہے کہ تم ایسی بات کہو جو کرو نہیں!''

(۲) اشرف السوانح (حصۂ سوم) میں اس کے مؤلف عزیز الحسن مجذوب نے حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے خلفائے کرام میں ''مجازین بیعت'' کے اسمائے گرامی بہ تعداد چوہتر (۷۴) چھاپے ہیں۔ اس فہرست میں نواں نام ''مولوی ظفر احمد خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون ضلع مظفر نگر'' کا موجود ہے۔ اس فہرست کے ساتھ ہی ایک اور فہرست ''مجازین صحبت'' کی ہے۔ اس میں سینتیس (۳۷) حضرات کے اسمائے گرامی آئے ہیں۔

اس کے ساتھ ایک فہرست سلسلۂ مجازین کے ان حضرات کی ہے جو اشرف السوانح (حصۂ سوم) کی تالیف کے وقت (۱۹۳۵ء) تک وفات پا چکے تھے۔ یہ فہرست چوبیس (۲۴) حضرات کے اسمائے گرامی پر مشتمل ہے۔

اشرف السوانح کے تینوں حصے حضرت تھانوی کی زندگی میں چھپ گئے تھے اور پوری کتاب حضرت کی نظر سے گزر چکی تھی۔ ''خاتمۃ السوانح'' سلسلے کا آخری حصہ ہے جو اگرچہ حضرت کی زندگی سے معرض تالیف میں تھا، لیکن اس کی تالیف کا عمل حضرت کے انتقال کے بعد پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ پہلے حصوں پر حضرت نے جو نظر ثانی فرمائی تھی اور اصلاح و ترمیم کا جو عمل نقش پذیر ہوا تھا، اس میں ایک خاص بات یہ تھی کہ خلفاء کی جو دو قسمیں ''مجازین بیعت'' اور ''مجازین صحبت'' کی فرمائی گئی تھیں۔ اس میں اصل اہمیت مجازین بیعت کی تھی۔ وہ ''بیعت'' اور ''تعلیم و ارشاد'' دونوں کے اہل سمجھے گئے تھے۔ دوسری جماعت گویا کہ ابھی تربیت کے مرحلے میں تھی۔ کتاب کی اشاعت کے بعد حضرت نے بعض مجازین صحبت کو مجازین بیعت کے زمرے میں شامل فرما دیا تھا۔ جب کہ کسی مجاز بیعت کو مجاز صحبت کے زمرے میں تبدیل کر دیا تھا۔

یہ تبدیلی حضرت تھانوی کے ایما و ہدایت یا وصیت کے مطابق ''خاتمۃ السوانح'' ہی میں کر دی گئی تھی (صفحہ ۳۵) اور اسی اصلاح و ترمیم کے مطابق مولانا ظفر احمد عثمانی کا نام مجازین بیعت سے خارج کر دیا گیا تھا اور ''خاتمۃ السوانح'' کی اصلاح کے مطابق منشی عبدالرحمٰن خاں نے اپنی تالیف ''سیرتِ اشرف'' (تالیف ۱۹۵۵ء) میں مجازین بیعت و صحبت کی فہرستیں مرتب کی تھیں (صفحہ ۶۴۸-۶۴۹)۔ انھوں نے ان تبدیلیوں کا سبب بھی حضرت تھانوی کے الفاظ میں بیان کر دیا ہے۔ اس سے یہ قطعی ثابت ہو جاتا ہے کہ حضرت اپنے خواہر زادے مولانا ظفر احمد کے اخلاق و سیرت سے مطمئن نہیں تھے، ان کے منصب خلافت کی ذمہ داریوں میں ان سے اعتماد اٹھ گیا تھا یا کوئی اور سبب پیدا ہو گیا تھا!

صاحب ''سیرتِ اشرف'' لکھتے ہیں:

''دربارِ اشرفیہ کی طرف سے مجازین بیعت اور مجازین صحبت کی جو آخری فہرست شایع ہوئی، اس کا مفصل ذکر خاتمۃ السوانح میں موجود ہے...... اس لیے خاتمۃ السوانح میں شایع شدہ فہرست کو سامنے رکھ کر مندرجہ ذیل فہرست

مجازین بیعت کی مرتب کی گئی ہے...... جو حضرات ممنوع الاجازت قرار دیے گئے تھے۔ وہ اس میں شامل نہیں کیے گئے۔ لہٰذا اس فہرست میں درج شدہ حضرات کے علاوہ اگر کوئی شخص خود کو حضرت کا مجاز ظاہر کرے تو اس کا دعویٰ غلط تصور کیا جاوے۔''

چناں چہ ''خاتمۃ السوانح'' اور ''سیرت اشرف'' دونوں تالیفات میں مجازین بیعت کی فہرستوں سے مولانا ظفر احمد کا نام خارج کر دیا گیا تھا۔ البتہ ''مجازین صحبت'' میں ان کا نام ملتا ہے۔

اس بحث میں مولانا ظفر احمد عثمانی کے سوانح ''تذکرۃ الظفر'' مؤلفہ مولانا عبدالشکور ترمذی مرتبہ (نظر ثانی شدہ) قمر احمد عثمانی بھی پیش نظر رہی ہے۔ اس مسئلے میں انھوں نے بہت صفائی پیش کی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ بات بنائے نہیں بن سکی اور مولانا ظفر احمد عثمانی کا ممنوع الاجازت ہونا ایک حقیقت ہی رہی۔ (اب ش)

(۴)

# جمعیت علمائے اسلام کا قیام
# اور
# حکومت کی امداد

۷رد سمبر ۱۹۴۵ء

کاروان احرار کے مؤلف مرزا جاں باز نے مولوی محمد طاہر قاسمی کی ''مکالمۃ الصدرین'' کی اشاعت پر ایک نوٹ لکھا ہے۔ ہم یہاں یہ نوٹ شامل کر رہے ہیں۔

مرزا جاں باز لکھتے ہیں:

۷رد سمبر ۱۹۴۵ء کو دیو بند میں مولانا شبیر احمد (عثمانی) کے مکان پر مولانا حسین احمد مدنی، مفتی کفایت اللہ، مولانا احمد سعید، مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی، مولانا عبد

الحنان، مولانا عبدالحلیم صدیقی تبادلۂ خیالات کے لیے جمع ہوئے۔ فریقین کے درمیان باہمی اختلاف پر تقریباً تین گھنٹے گفتگو رہی۔ اس رویداد کو مسلم لیگ کے خاص کارکن طاہر (قاسمی) نامی ایک شخص نے ''مکالمۃ الصدرین'' کے عنوان سے شایع کر دیا۔

حال آں کہ یہ گفتگو بند کمرے میں تھی اور متعلقہ شخص اس کمرے میں (گفتگو کے وقت موجود) نہیں تھا۔ مولانا شبیر احمد عثمانی اور مہمانوں کے سوا کسی کو اس بیٹھک میں آنے کی اجازت نہیں تھی اور نہ اس دور میں ٹیپ ریکارڈر موجود تھا۔ اس پر ''مکالمۃ الصدرین'' کے مرتب کا دعویٰ ہے کہ:

''حضرت علامہ عثمانی اور وفد جمعیت علما کے درمیان گفت وشنید کو احقر نے قلم بند کیا اور جہاں وضاحت کی ضرورت سمجھی وہاں قوسین میں عبارت کا اضافہ کر دیا، تاکہ مکالمہ کی اصل عبارت میں امتیاز رہے۔ احقر نے مزید احتیاط یہ کی کہ حضرت علامہ عثانی کو یہ تمام مکالمہ قلم بند کر کے حرفاً حرفاً دکھا دیا اور حضرت ممدوح نے جہاں جہاں ترمیم یا اضافہ کی ضرورت سمجھی وہ فرما دیا اب یہ کہنا درست ہے کہ یہ مکالمہ حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثانی کا مصدقہ ہے۔''

گویا کہ ''مکالمۃ الصدرین'' درست ہے اور علامہ شبیر احمد عثانی کا مصدقہ ہے۔ اب سنیے راقم کے سوال کا جواب۔

اگر مولانا مدنی بہ قول لیگی حضرات کے کانگریس کا پرچار کانگریس کے ایما اور ان کے خرچ پر کرتے ہیں، تو مولانا ظفر احمد تھانوی جو چار ماہ تک مسلم لیگ کے لیے ہندوستان بھر کا دورہ کرتے رہے ہیں، ان کے خرچ اور زادراہ کا ذمہ دار کون ہے؟

مکالمۃ الصدرین کے صفحہ ۷ پر پمفلٹ ہذا کے مصنف طاہر صاحب لکھتے ہیں کہ:

''مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی نے حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی کے سامنے حسب ذیل تقریر کی۔'' خلاصہ یہ تھا:

''حقیقتاً جمعیت علمائے اسلام حکومت کی مالی امداد اور اس کے ایما سے قائم ہوئی ہے۔ مولانا آزاد سبحانی جمعیت علمائے اسلام کے سلسلے میں دہلی

آئے اور حکیم دلبر حسن کے ہاں قیام کیا۔ جن کی نسبت عام طور پر لوگوں کو معلوم ہے کہ وہ سرکاری آدمی ہیں۔ مولانا آزاد سبحانی صاحب اسی قیام کے دوران پولی ٹیکل ڈیپارٹمنٹ گورنمنٹ آف انڈیا کے ایک مسلمان اعلا عہدے دار سے ملے، جن کا نام بھی قدر شبہ کے ساتھ بتایا گیا اور مولانا آزاد سبحانی نے یہ خیال ظاہر کیا کہ ہم جمعیت علماے ہند کے اقتدار کو توڑنے کے لیے ایک علما کی جمعیت قایم کرنا چاہتے ہیں گفتگو کے بعد یہ طے ہوا کہ گورنمنٹ ان کو کافی امداد اس مقصد کے لیے دے گی۔ چناں چہ ایک بیش قدر رقم اس کے لیے منظور کر لی گئی اور اس کی ایک قسط مولانا آزاد سبحانی کے حوالے بھی کر دی گئی۔ اس روپے سے کلکتہ میں کام شروع کیا گیا۔''

''مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے کہا کہ یہ اس قدر یقینی روایت ہے کہ اگر آپ اطمینان فرمانا چاہیں تو ہم اطمینان کرا سکتے ہیں۔''

(مکالمۃ الصدرین بہ انتظام احقر محمد ذکی دیو بندی۔ دارالاشاعت دیو بند۔ ضلع سہارن پور۔ صفحہ ۷)

مندرجۂ بالا تحریر کے بعد سر محمد یامین کی ایک تحریر ملاحظہ ہو:

''میرٹھ کمشنری میں دیو بند کے دو عالم لیگ کے ساتھ ہیں۔ ایک مولانا شبیر احمد عثمانی اور دوسرے مولانا محمد طاہر جو مولانا محمد طیب کے بھائی ہیں، جو مولانا حسین احمد مدنی کے بعد دیو بند کے مدرسہ میں درجہ رکھتے ہیں۔ ان کے علاوہ کانگریسی صوبوں کے مقابلے کے لیے مسلم لیگ نے بھی کئی مولوی ملازم رکھ لیے ہیں، جن کی تنخواہ، سفر خرچ اور قیام کے لیے روزینہ ملتا ہے۔''

(نامۂ اعمال۔ حصہ دوم، صفحہ ۱۰۴۶)

مولانا حسین احمد مدنی ایک خط میں لکھتے ہیں:

''مولانا شبیر احمد عثمانی اور ان کے ہم خیال مدرسین و ملازمین اب ڈابھیل ضلع سورت کو ۱۶ر-۱۸ر ربیع الاول کو چلے گئے ہیں۔ نواب چھتاری نے ان کو دو سو روپیہ ماہ وار نہیں دیا۔ بلکہ کئی سال ہوئے حیدر آباد سے وہاں کے وزیر اعلا، جن کے جانشین چھتاری صاحب ہوئے۔ انھوں دو سو روپیہ ماہ وار پولی

ٹیکل ایجنٹ سے مقرر کرائے تھے، وہ ان کو برابر ملتے رہے۔"

("مکتوبات شیخ الاسلام"۔ جلد اول، ص ۲۴۲)

مندرجۂ بالا حوالوں کے بعد شبہ کی کوئی گنجایش باقی نہیں رہ جاتی کہ جمعیت علماے ہند کے مقابلے میں جمعیت علماے اسلام کا قیام کیوں اور کس طرح ہوا اور ان کو زادِ راہ کن ذرایع سے میسر آتا رہا۔ (کاروانِ احرار (جلد ششم): ص ۱۹-۳۱۶)

(۵)

# جمعیت علماے اسلام کے قیام کا مقصد؟
## (مسلمانوں پر دیوبند کے اثرات کم کرنا!)

جنوری ۱۹۴۶ء

جمعیتِ علماے اسلام کے قیام کا مقصد تھا۔ جمعیت علماے ہند کے اثرات کو مٹانا۔ اس غرض سے کس کو کب اور کیسے استعمال کیا گیا۔ اس پر چودھری خلیق الزمان نے "شاہراہ پاکستان" میں روشنی ڈالی ہے (صفحہ ۹۷۰) وہ لکھتے ہیں:

"جمعیت جنوری ۱۹۴۶ء میں کلکتہ میں بنی جس کے صدر مولانا شبیر احمد عثانی ہوئے۔ اس کے قیام کا سہرا ظفر احمد انصاری کے سر ہے جو کمیٹی آف ایکشن کے سیکریٹری تھے یہ دو برس سے کوشش کر رہے تھے کہ جمعیۃ العلماء ہند کا کوئی جواب پیدا کیا جائے۔ تاکہ دیوبند اور مسلمانوں پر اس کا اثر کسی طرح کم ہو۔ اس سلسلے میں ظفر احمد انصاری نے مولانا طاہر عثانی (قاسمی) سے بارہا گفتگو کی۔ یہاں تک کہ بالآخر مولانا طاہر عثانی (قاسمی) کی امداد سے مولانا شبیر احمد عثانی کو جمعیۃ العلماء اسلام کی صدارت کے لیے راضی کر لیا۔ اور نواب اسماعیل خان صاحب نے بھی اس اقدام کو بہت پسند کیا۔ چناں چہ سید احمد اشرف سیکریٹری مسلم لیگ میرٹھ نے جمعیۃ العلماء اسلام کا ایک اور جلسہ میرٹھ میں منعقد کیا جس میں میں بھی اس کانفرنس میں شرکت کے لیے بلایا گیا۔

مولانا شبیر احمد عثانی صاحب سے میری پہلی ملاقات یہیں نواب اسماعیل خاں صاحب کے گھر پر ہوئی۔"

جمعیت علماے اسلام کے قیام کا پس منظر اور مقصد تو یہی تھا لیکن چودھری صاحب مرحوم سے تاریخ قیام کے بیان میں تسامح ہوا۔

جمعیت علماے اسلام ۱۹۴۵ء میں قایم ہو گئی تھی اور ۲۶/اور ۲۹/اکتوبر ۱۹۴۵ء کو اس کا پہلا عام اجلاس بھی کلکتہ میں منعقد ہو چکا تھا۔ جمعیت کے صدر حضرت مولانا عثانیؒ تھے لیکن وہ خود اس اجلاس میں شریک نہیں ہوئے تھے۔ البتہ "موجود سیاسی کش مکش میں مسلمان کیا کریں؟" کے عنوان سے اپنا پیغام لکھ کر بھیج دیا تھا۔ یہ پیغام "شعبۂ نشر و اشاعت آل انڈیا مسلم لیگ، دہلی" نے جید پریس دہلی سے چھپوا کر بڑے پیمانے پر شایع کیا اور خاطر خواہ اس سے فایدہ اٹھایا۔

جس جلسۂ میرٹھ کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس کا تعلق جمعیت علماے اسلام سے نہ تھا، بلکہ میرٹھ مسلم لیگ کانفرنس کا اجلاس تھا اور ۳۱/دسمبر ۱۹۴۵ء کو منعقد ہوا تھا۔ اس اجلاس میں حضرت عثانی نے بہ نفس نفیس شرکت فرمائی تھی یہ اجلاس حضرت ہی کی صدارت میں ہوا تھا۔ اور حضرت کا خطبۂ صدارت بھی "شعبۂ نشر و اشاعت آل انڈیا مسلم لیگ، دہلی" نے "مسلم لیگ پرنٹنگ پریس، دہلی" سے شایع کیا تھا۔

(۶)

# ایڈیٹر مدینہ کا تبصرہ

# اور

# مولانا حفظ الرحمٰن کا بیان

۵/اپریل ۱۹۴۶ء

مدینہ، بجنور نے اپنی ۵/اپریل کی اشاعت میں "مکالمۃ الصدرین" کی غلط

بیانیوں کی تردید میں ایک مضمون لکھا ہے اور اسی کے ساتھ مولانا حفیظ الرحمٰن سیوہاروی کا تردیدی بیان بھی شایع کیا ہے۔ ایڈیٹر مدینہ لکھتے ہیں:

''زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ جمعیت علماے ہند کے بزرگوں نے چند نیک مقاصد کی خاطر حضرت علامہ عثمانی دامت برکاتہم کے قلعۂ معلیٰ میں باریابی کی سعادت حاصل کی تھی! مسلم لیگ کے حلقۂ نشر و اشاعت نے اس ملاقات کو صدرین کی ملاقات کا عنوان دیا اور اس کی تمام تر تفصیلات کو ''مکالمۃ الصدرین'' کے نام سے شایع کر دیا۔ علامہ عثمانی نے ملاحظہ فرمایا کہ اس مطبوعہ رسالہ کی کشادہ پیشانی پر القاب و آداب کی فوجیں قطار اندر قطار کئی میل تک کھڑی ہیں اور جمعیت علماے اسلام کی طرف سے سلامی پیش کر رہی ہیں! قدرتی طور پر حضرت علامہ کی خودی کے بحر ناپیدا کنار میں جوش آ گیا بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت نے جوش کی سرحدوں کو پار کر کے ایک جلسہ میں فرمایا ''مکالمۃ الصدرین'' کا ایک ایک حرف صحیح ہے، اگر مولانا مدنی اس سے انکار کریں تو میں ان سے مباہلے کے لیے تیار ہوں۔''

مولانا حفظ الرحمٰن ناظم اعلا جمعیت علماے ہند فرماتے ہیں کہ یہ بیان غلط بیانیوں کا مرقع ہے۔ مولانا کی طرف سے ہمیں جو تردید موصول ہوئی ہے وہ درج ذیل ہے۔ اس سلسلے میں چند جملے ہم بھی پیش کرنا چاہتے ہیں!

## نام کی غلطی:

(۱) سب سے پہلی بات یہ ہے کہ مطبوعہ رسالہ کا نام ہی غلط ہے۔ مولانا مدنی صدر جمعیت علماے ہند ہیں، صدر مسلم پارلیمنٹری بورڈ صدر اعلا دار العلوم دیوبند ہیں، یہ ان کا مکالمہ ہے۔ علامہ شبیر احمد عثمانی سے جو مکالمہ کے وقت کسی جماعت کے صدر نہیں، اس لیے اس کا نام مکالمۃ الصدرین رکھنا خودی اور خود پرستی کا پہلا مغالطہ ہے صدر ہونا مستقل بالذات جوہر ہے اور صدارت کی آرزو عرض ہے علما سمجھ سکتے ہیں عرض پر جوہر کا اطلاق نہیں ہو سکتا۔

## دیوبند کی اخلاقی تاریخ کا مکروہ سانحہ:

(۲) مکالمۃ الصدرین، دیوبند کی اخلاقی تاریخ کا سب سے پہلا مکروہ سانحہ ہے۔ یہ ایک گناہ ہے جس کے جواب میں کوئی عذر گناہ نہیں پیش کیا جا سکتا۔ اگر آپ شریعت کو مانتے ہیں تو شریعت کی رو سے، اور اگر آپ اخلاق و شرافت کو مانتے ہیں تو اخلاق و شرافت کی بنا پر ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ مکالمہ کی اشاعت ہر دو اعتبار سے مکروہ تحریمی کا درجہ رکھتی ہے۔ گفتگو خواہ ذاتی ہو یا سیاسی فریقین کی منظوری ہی سے شایع ہو سکتی ہے۔ کتنی گفتگوئیں اور خفیہ مراسلتیں ہیں جو لارڈ لنلتھگو اور قاید اعظم کے درمیان ہوئی ہیں، ان کو یہ دونوں ایک دوسرے کی منظوری کے بغیر شایع نہیں کر سکتے۔ شرعاً اور بھی ممنوع ہے کہ ایک تیسرا شخص تجسس کر کے اس کو شایع کرے۔ علامہ عثمانی کے علمی ایوان کا دروازہ بہت بلند ہے۔ ہمیں امید ہے کہ ایک بڑے انسان کی حیثیت سے وہ اپنی غلطی کا اعتراف کر کے اپنے چھوٹوں کے سامنے ایک اعلا نمونہ پیش کریں گے۔

## رسالے کی اشاعت کا مقصود:

(۳) مکالمۃ الصدرین کی اشاعت سے یہ ثابت کرنا مقصود ہے کہ علامہ عثمانی کی لسّانی کے مقابلے میں جمعیت علما کے بزرگوں کی زبانیں بند ہو گئیں۔ اول تو یہ کوئی کمال نہیں! دوسرے یہ غلط بھی ہے۔ کبھی کبھی خموشی کے معنی وہ ہوتے ہیں جس کو کوئی قلم اور کوئی زبان ادا نہیں کر سکتی اگر کسی خاندان کا مورث اعلا مر جائے تو گھر میں خموشی کا سناٹا ہو جاتا ہے۔ جمعیت علما کے بزرگوں کے لیے کسی نہ کسی درجہ میں یہ ایسا ہی وقت تھا، سب کو معلوم ہے کہ علامہ عثمانی دارالعلوم دیوبند کے صدر اعلا تھے۔

## علامہ عثمانی کے مخالفین:

مکالمۃ الصدرین کے مصنف جناب مولانا محمد طاہر صاحب کی سال ہا سال کی آرزو کے مطابق دفتر اہتمام کی تحریک پر مولانا عہدۂ صدارت سے الگ کیے گئے۔ مجلس شوریٰ میں عہدۂ تخفیف کی تحریک اور تائید جن بزرگوں نے کی ان میں سے ایک

مسلم لیگ کی آل انڈیا کونسل کے رکن تھے اور دوسرے مسلم لیگ دیوبند کے صدر تھے اخباروں میں نام مولانا مدنی اور کانگریس کا بدنام کیا گیا۔ گفتگو کے مرحلہ پر جمعیت علما کے بزرگوں کو معلوم ہوا کہ علامہ عثمانی کا لب ولہجہ شکوہ وشکایت کا ہے، سیاسی نہیں اور علامہ محترم مولانا محمد طاہر کی جگہ مولانا مدنی سے انتقام لینے کا فیصلہ کر چکے ہیں۔ تو جمعیت علمائے ہند کے بزرگوں کے لیے سوائے خموشی کے آخری چارہ کار کیا تھا؟ ظاہر ہے کہ یہ مکالمہ تھا، ہار جیت کا مناظرہ نہ تھا۔

حسن اتفاق سے اس مکالمے کے چند روز بعد حضرت علامہ عثمانی نے مدیر مدینہ کو دیوبند میں باریابی کا شرف عطا کیا، مدیر مدینہ اپنے دل کا درد پیش کرتا رہا۔ مولانا یک سر خاموش رہے، معاملہ بزرگانہ فرمایا۔ جواب ناکافی مرحمت فرمائے اب اگر مدیر مدینہ اپنے اخبار کے صفحات پر یہ لکھتا ہے کہ:

> ''علامہ عثمانی ایک گھنٹہ تک مدیر مدینہ کی مدلل گفتگو کا جواب نہ دے سکے، قطعاً خاموش ہو گئے، بہ مشکل جواب دینا شروع کیا مگر الزامی جوابات میں الجھ گئے، ایک مرتبہ اپنے سوالات کی پیچیدگیوں میں ایسے الجھے کہ انھیں یہ بھی یاد نہ رہا کہ مجھے کس سوال کا کیا جواب دینا ہے۔''

تو میرا یہ کہنا غیر شریفانہ فعل ہوتا؟ مولانا نے مجھے گفتگو کا موقع دیا۔ اپنے دل کے راز میرے سامنے رکھ دیے۔ بہت سی کارآمد باتیں میری معلومات کے لیے پیش کیں مجھے ممنوں احسان فرمایا، ایسی حالت میں میرا کچھ لکھنا احسان ناشناسی ہوتی ہے۔ مگر تاہم یہ ضروری نہیں کہ علامہ عثمانی نے الیکشن کی ضرورت کے لیے جس غلطی کا ارتکاب کیا راقم الحروف بھی اسی کا ارتکاب کرتا۔

## علامہ عثمانی کا اخلاقی فرض:

(۴) علامہ عثمانی اور محمد طاہر صاحب کا اخلاقی فرض یہ تھا کہ مکالمۃ الصدرین کی ایک ایک کاپی جمعیت علما کے شرکائے مکالمہ کو پہنچاتے مگر خوف تھا تردید کا اور صداقت کے اظہار کا اس لیے یہ جرأت بھی نہیں کی گئی۔

بہ ہر حال یہ ہے مکالمۃ الصدرین کی اشاعت کا پس منظر! مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے اپنے بیان میں ایک خاص پہلو سے اس کی تردید کی ہے۔ مولانا کا بیان ذیل میں درج ہے:

## مولانا محمد حفظ الرحمٰن صاحب کا بیان:

''گذشتہ ایام میں میری تحریک پر حضرت علامہ شبیر احمد صاحب عثمانی کے بند مکان میں بعض اکابر علماے جمعیت کے درمیان حالات حاضرہ کے متعلق تقریباً دو ڈھائی گھنٹے جو گفتگو ہوئی تھی وہ ایک نجی گفتگو تھی جس کا اظہار تحریک کے وقت بھی کر دیا گیا تھا اور گفتگو کے وقت بھی۔ چناں چہ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب نے اس گفتگو کو یہی حیثیت دی جیسا کہ انھوں نے ختم گفتگو پر یہی ظاہر فرمایا اور شام کو جب میں دہلی جاتے ہوئے دوبارہ ملاقات کے لیے گیا تو پرزور الفاظ میں یہ فرمایا کہ بعض میرے رفقا نے مجھ سے کہا کہ حضرت آپ نے ہم کو اس گفتگو میں کیوں شریک نہیں فرمایا تا کہ ہم آپ کی رفاقت کا فرض انجام دیتے تو میں نے ان سے کہا کہ بھائی یہ گفتگو کوئی حریفانہ انداز میں نہیں تھی۔ بلکہ تعلقات باہمی کی بنیاد پر نجی گفت و شنید تھی۔ اس لیے آپ کی شرکت کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔ اور بحمد اللہ گفتگو شروع سے آخر تک بہت ہی خوش گوار طرز میں ہوئی۔ پس اسلامی حکم، اخلاقی فرض، دونوں لحاظ سے ایسی گفتگو کا یک طرفہ شایع ہو کر پروپیگنڈے کی شکل اختیار کر لینا کس قدر بد اخلاقی اور اخلاقی پستی اور احساس فرض کے فقدان کی کیسی بدنما تصویر ہے اور حدیث نبوی (علیہ السلام) ''المجالس بالامانۃ'' کے حکم کی کس درجے خلاف ورزی ہے۔ اس کا اندازہ ہر شخص بہ آسانی لگا سکتا ہے۔ مگر افسوس! اس گفتگو کو مولوی طاہر ابن احمد القاسمی صاحب نے مسلم لیگ کے پروپیگنڈے کی خاطر ایسی حالت میں شایع کر دیا، جب کہ وہ گفتگو میں شریک نہ تھے، اور نہ دوران گفتگو میں کوئی صاحب اس کو قلم بند کر رہے تھے اور نہ بہ طور یادداشت اس کے نوٹ لکھ رہے تھے۔ اور نہ صرف یہ بلکہ نہ اشاعت کی اجازت حاصل کی اور نہ ان کو دکھلا کر اس کی تصدیق فرمائی اور حضرت مولانا شبیر احمد صاحب کی

تصدیق کے ادعا کے باوجود ان کی قلبی تصدیق سے بھی قاصر رہے (انا للہ وانا الیہ راجعون) اور اگر ان تمام شرعی اور اخلاقی احساسات کو نظر انداز کر کے ایک غیر متعلق (شخص) ہونے کے باوجود اس مکالمے کو شایع بھی کیا تھا تو دیانت اور حق شناسی کا تقاضہ تھا کہ مرتبہ تحریر کو کذب بیانی سے محفوظ رکھا جاتا اور لیگ کی بے جا حمایت کی خاطر دروغ بے فروغ کی جرأت نہ کی جاتی۔ لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مکالمۃ الصدرین، بلاشبہ افترا و کذب بیانی، غلط واقعات اور غیر واقعی الزامات کا ایک ایسا مجموعہ ہے، جس کو دیکھ کر حسرت کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے۔

چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی

میں جمعیت علمائے ہند کے اہم مشاغل کی وجہ سے اس پورے عرصے مسلسل سفر میں رہا۔ اور مکالمۃ الصدرین کا تذکرہ سننے کے باوجود اس کے مطالعے سے محروم رہا، (حال آں کہ اس رسالے کا جمعیت علما کے ارکان تک پہنچانا اخلاقی فرض تھا) اب جب کہ ۱۲ر مارچ کو دہلی آیا تو یہ پمفلٹ نظر سے گزرا۔ مکالمے کی نوعیت کیا تھی، گفتگو کا انداز ہار جیت کا تھا یا ایک دوسرے کے نقطۂ نظر کو پوری طرح سمجھنے اور ایک دوسرے سے حتی الامکان قریب ہونے کی کوشش پر مبنی تھا، دلایل و براہین کی نوعیت وہ تھی جو مکالمۃ الصدرین کے مرتب نے قطع و برید کر کے پیش کی ہے یا دوسری تھی؟ واقعات کس حد تک جھوٹ بول کر پیش کیے گئے ہیں اور کس درجے غلط بیانی سے کام لیا گیا ہے۔ اس انکشاف حقیقت کے لیے مجبوراً جمعیت علمائے ہند کے کسی رکن کو قلم اٹھانا ہی پڑے گا تاہم اس وقت فوری طور پر ایک ایسے افترا و بہتان اور کذب بیانی کی تردید ضروری سمجھتا ہوں جس سے عمداً و قصداً مرتب صاحب نے بعض مخلصین کے درمیان معاندانہ افتراق و انشقاق پیدا کرنے اور غلط فہمی میں ڈال کر بغض و عناد کے قریب تر لانے کی سعی ناکام فرمائی ہے۔ میرا روئے سخن مکالمۃ الصدرین کی اس عبارت کی جانب ہے۔

''اس مضمون میں مولانا حفظ الرحمٰن صاحب نے کہا کہ مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تبلیغی تحریک کو بھی ابتدا حکومت کی جانب سے بہ ذریعہ

حاجی رشید احمد صاحب کچھ روپیہ ملتا تھا پھر بند ہو گیا۔"

مکالمۃ الصدرین **و کفی باللہ شهیداً** اس کا ایک ایک حرف افترا اور بہتان ہے میں نے ہرگز ہرگز یہ کلمات نہیں کہے۔ اور نہ مولانا الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی تحریک کے متعلق یہ بات کہی گئی! **سبحانک هذا بهتان عظیم** بلکہ مرتب صاحب نے اپنی دانی طبع سے اس کو گھڑ کر اس لیے میری جانب منسوب کرنا ضروری سمجھا کہ اس کے ذریعے سے حضرت مولانا الیاس صاحب کی تحریک سے والہانہ شغف رکھنے والے ان مخلصوں کو بھی جمعیت علماے ہند سے برہم اور متنفر کرنے کی ناکام سعی کریں جو جمعیت علماے ہند کے اکابر و رفقاے کار کے ساتھ بھی مخلصانہ عقیدت اور تعلق رکھتے ہیں، اب یہ قارئین کرام کا اپنا فرض ہے کہ وہ اس تحریر کو صحیح قرار دیں جس کی بنیاد شرعی اور اخلاقی احساسات کو نظر انداز کر کے محض جھوٹے پروپیگنڈے پر قایم کی گئی ہے یا اس سلسلے میں میری گذارش اور تردید پر یقین فرمائیں البتہ میں مرتب کی اس بے جا جسارت کے متعلق اس سے زیادہ اور کیا کہہ سکتا ہوں۔

**والی اللہ المشتکی واللہ بصیر بالعباد.**

(۷)

# حضرت مفتی اعظم کا تردیدی خط

۲۱ رمئی ۱۹۴۶ء

"مکالمۃ الصدرین" کے نام سے مولوی محمد طاہر (قاسمی) نے جو ایک جعلی مکالمہ شایع کیا تھا۔ اس کے بارے میں مفتی محمد کفایت اللہ دہلوی کا ایک خط ہفت روزہ "انصاری"، دہلی میں شایع ہوا ہے۔ مکالمہ میں کہا گیا تھا:

"حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب نے مزاج پرسی کے بعد سکوت اختیار فرمایا، وہ ختم مجلس تک ختم نہیں ہوا۔ کسی موقع پر بھی ایک حرف نہیں بولے۔ علامہ عثمانی کو اس طویل سکوت پر خود حیرت تھی۔ وہ بحث میں حصہ تو کیا لیتے

اشارتاً کنایتاً بھی کسی موضوع پر اثباتاً یا نفیاً کسی طرح بھی اظہار خیال نہیں
فرمایا۔"

اس بیان سے جاعل نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ وہ گویا اپنے رفقائے وفد سے پوری طرح متفق نہ تھے۔ حضرت مفتی صاحب کے خط سے اس تاثر کی نفی ہو جاتی ہے اور معلوم ہو جاتا ہے کہ حضرت مرحوم کی خاموشی علالت کی وجہ سے تھی۔ حضرت مفتی صاحب کا مکتوب گرامی یہ ہے:

"جناب محترم! دام مجدہم، السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ

مکالمہ مطبوعہ پہنچا۔ میں اس سے پہلے بھی دیکھ چکا ہوں اور ایک مختصر سا نوٹ "انصاری" میں دے چکا ہوں۔ میں بیمار تھا، اس لیے بالکل خاموش رہا۔ فریقین آپس میں گفتگو کرتے رہے۔ یہ تقریر (مکالمہ) مولانا عثمانی کی مرتب کی ہوئی نہیں ہے۔ نہ اس وقت لکھی گئی۔ جلسہ کے بعد نہ معلوم کب مرتب ہوئی۔ مرتب کرنے والا خود جلسے میں موجود نہیں تھا۔ اس نے اپنے خیال کے مطابق مرتب کی ہے۔ مولانا عثمانی نے اگر دستخط بھی کر دیے ہوں تاہم وہ قابل اعتماد نہیں، جب تک دوسرا فریق بھی دستخط نہ کرے۔ مولانا حفظ الرحمٰن بھی اس کے متعلق ایک بیان دے چکے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ تقریر اس جلسے کی صحیح اور مکمل روئیداد نہیں ہے۔ معلومات مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سے معلوم کر سکتے ہیں۔

محمد کفایت اللہ

روزنامہ "انصاری" دہلی

مورخہ ۲۱ رمئی ۱۹۴۶ء

# اظہارِ حقیقت

## دارالعلوم (دیوبند) سے حضرت شیخ الاسلامؒ کے تعلق کی تاریخ، پس منظر، اصول وشرایط اور فرایض وحقوق کی تفصیلات کا اہم ماخذ

افادات

شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ

جامع

ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہان پوری

ناشر

مجلسِ یادگارِ شیخ الاسلامؒ۔ پاکستان

کراچی

# اظہارِ حقیقت

# حرفے چند

حضرت شیخ الاسلام نے جس دن قومی اور ملی خدمت کے میدان میں قدم رکھا تھا، اسی دن سے مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ اس کا بھی کوئی ایک محاذ نہ تھا۔ مسلمانوں کی ایک جماعت حضرت کے نظریۂ سیاست کی مستقل مخالف تھی۔ اگر یہ اختلاف اصولی ہوتا تو ہرگز قابل اعتراض نہ تھا کہ ہر شخص کو اپنے عقیدے اور ذوق ورجحان کے مطابق سیاست میں حصہ لینے اور افراد اور جماعتوں کے ساتھ اشتراک وتعاون اور اتحاد وائتلاف یا اختلاف اور انکار کا حق حاصل تھا لیکن ہمارے ہاں بدقسمتی سے کسی خاص نظریے اور دائرۂ فکروعمل کا اختلاف پھیل کر پوری زندگی پر محیط ہو جاتا ہے اور اختلاف کا نہ کوئی خاص دائرہ رہتا ہے اور نہ کسی اصول اور اخلاقیات کی پابندی لازم آتی ہے۔ ایسے اختلاف کی شدت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے جس کا کوئی اصول اور ضابطہ ہی نہ ہو۔ لیکن یہ اختلاف اور مخالفت بیرونی اور خارجی ہوتی ہے۔ البتہ جو مخالفت اپنوں کی جانب سے ہو اور اصول واخلاقیات سے بھی آزاد ہو اس کی مشکلات کا اندازہ لگانا آسان نہیں۔ حضرت شیخ الاسلامؒ کو ان دونوں محاذوں پر اور بہ یک وقت دونوں قسم کی مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا۔

پہلے محاذ پر انگریز پرست اور استعمار دوست، خطاب یافتہ اور مفاد پرست امرا اور جاگیردار تھے اور ان کی تنظیم مسلم لیگ تھی اور دوسرے محاذ پر خود ان کے استاد حضرت شیخ الہندؒ کے تلامذہ اور عقیدت کیش تھے اور اگرچہ سیاسی ذوق وفکر سے محض ناآشنا تھے مگر دینی علوم میں مہارت، درس و تدریس کے کمال اور اصلاح وارشاد کے میدان میں خدمات کی بنا پر مسلمانوں میں ایک خاص مقام رکھتے تھے۔ لیکن اپنی سادہ دلی کی بنا پر ان کے اصاغر سے اکابر تک برٹش استعمار اور مفاد پرست طبقے کے لیے ہمیشہ استعمال بھی ہوتے رہے تھے۔ ان کی (بعض کو چھوڑ کر) مفاد پرستی کی داستان بڑی طویل ہے۔ ان میں سے جو پاکستان آگئے تھے ان کی دنیا پرستی نے ان کی سیرتوں کا بہت جلد پردہ چاک کر دیا تھا، جو مر گئے تھے یا ہندوستان میں رہ گئے تھے ان کی دنیا پرستی بھی راز نہ رہ سکی۔ حضرت شیخ الاسلامؒ کے لیے یہ بہت مشکل تھا کہ اپنے سیاسی فکر اور مسلک کا ان کے اعتراضات سے دفاع بھی کیا جائے اور ان کا پردہ بھی فاش نہ ہو۔

حضرت شیخ الاسلام نے دارالعلوم سے ملازمت کا تعلق قائم کیا تھا تو اس کی ذمہ داریاں،

شرایط اور تنخواہ کا کوئی پہلو غیر واضح نہ تھا۔ درس و تدریس کے اصول و معیار و طریق کی روایت تھی۔ اس کی کبھی خلاف ورزی نہ ہوئی تھی۔ لیکن اعتراضات اٹھائے گئے اور نہ صرف انتظامیہ کے دایرے میں اور شوریٰ کی مجالس میں، بلکہ اخبارات میں! پھر اول تو خود ان معترضین اور نکتہ چینوں کی ناواقفیت اور بدنیتی تھی اور کچھ اخبارات چوں کہ مخالفین کے تھے اس لیے انھوں نے نمک مرچ لگا کر سرخیاں جمائیں اور کچھ ذوق داستان سرائی نے بات کا بتنگڑ بنا دیا۔ حضرت شیخ الاسلامؒ نے سنجیدگی اور متانت کے ساتھ اور دلایل اور ثبوت کے ساتھ اعتراضات کا جواب دیا اور غلط فہمیوں کو دور کیا۔

اس سلسلے میں جو اعتراضات کیے گئے تھے وہ حضرت کے سیاسی عقیدے اور مسلک کی صحت و عدم صحت کے بجائے حضرت کی بے اصولی، غیر ذمہ داری، عدم فرض شناسی کے متعلق تھے اور ان سے بہ راہِ راست حضرت کی دیانت پر حرف آتا تھا۔ اس لیے ضروری تھا کہ ان کا جواب دیا جائے۔ حضرت نے ان اعتراضات کا مفصل جواب دیا۔ اولاً یہ جواب الجمعیۃ دہلی میں اکتوبر نومبر ۱۹۳۵ء میں قسط وار شایع ہوا۔ پھر اسی کو ''اظہار حقیقت'' کے نام سے رسالے کی شکل میں چھاپ دیا گیا تھا۔

یہ نہایت اہم رسالہ ہے۔ اس سے حضرت شیخ الاسلام کی سیرت کے ایک خاص پہلو پر روشنی پڑتی ہے۔ دارالعلوم دیوبند میں حضرت تعلیم و تدریس کے اہم مناصب پر فائز تھے، انتظامیہ پر اثر رکھتے تھے اور دارالعلوم کے معاملات میں عمل دخل تھا، لیکن دارالعلوم سے حضرت کا ملازمت کا تعلق بھی تھا اور یہ تعلق اصول، روایت اور شرایط کا پابند تھا۔ اس رسالے سے حضرت کی اصول پرستی، قواعد و ضوابط کی پابندی، فرض شناسی اور دیانت داری کی تمام باتیں دلایل و شواہد کی روشنی میں سامنے آتی ہیں۔ حضرت کی سیرت کی یہ تمام باتیں حضرت کے سوانح کے معلوم واقعات ہیں اور یہ رسالہ ''اظہارِ حقیقت'' ان کا آئینہ اور سب سے بڑا ماخذ ہے۔ ضروری ہے کہ تاریخ و سوانح کا یہ اہم ماخذ محفوظ کر دیا جائے۔

ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہان پوری

(جون ۱۹۹۹ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# اظہارِ حقیقت

## تمہید

اَحْمَدُہٗ وَاُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

اما بعد!

یہ تحریر آپ کی بارگاہ میں محض اظہارِ حقیقت اور بیان واقعاتِ صلیہ کی غرض سے پیش کی جاتی ہے، اگر یہاں پر متعدد مراکز سے واقعات پر پردہ ڈالنے بلکہ مسخ کرنے کی کوشش اور انتہائی کوشش عمل میں نہ لائی گئی ہوتی تو شاید اس تحریر کی نوبت ہی نہ آتی،

اس سے اپنی ستائش ہرگز مقصود نہیں، اگرچہ آیت وَاَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ اس کی اجازت دے رہی تھی، اور اسی طرح کسی شخص پر حملہ کرنا یا انتقام لینا یا اس کی توہین کرنا یا مجادلہ اور مکابرہ بھی عمل میں لانا مقصود نہیں ہے، اگرچہ آیات وَالَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَهُمُ الْبَغْیُ هُمْ یَنْتَصِرُوْنَ ۔ اور جَزٰٓؤُا سَیِّئَةٍ سَیِّئَةٌ مِّثْلُهَا اور لَا یُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ وغیرہ آیات وحدیث اس کی اباحت یا استحباب کے لیے

بیّن دلیل تھی،

میں ناظرینِ کرام سے پُرزور الفاظ میں اپیل کرتا ہوں کہ وہ بغور واقعاتِ محررہ پر (جن کے دلائل اور براہین تحریری اور اعداد و شمار میں موجود ہیں) نظر ڈالیں، اور پھر خود تصفیہ فرمائیں کہ کس طرح اور کن اغراضِ فاسدہ کے لیے اس قدر دروغ اور تلبیس کی کوششیں کی جا رہی ہیں، اور حقائق پر کس قدر پردہ ڈالا جا رہا ہے، اور دراصل کون کون اور کیسی کیسی قوتیں میدانِ عمل میں اُتری ہوئی ہیں، واللہ ولی التوفیق،

میں ہوں آپ کا نالائق دعا گو
ننگِ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
حامداً و مصلیاً و مسلماً

اما بعد! عرصہ سے چند حضرات اصلاح کے دعوے دار (انما نحن مصلحون) کے مصداق اپنی ناجائز اغراض کے لیے میرے خلاف ناپاک پروپیگنڈا پھیلا رہے ہیں، جس میں صداقت کا نام تک بھی نہیں ہے، باہر کے رہنے والے حضرات متأثر ہوتے ہیں، اور خیال کرتے ہیں کہ یہ امور واقعی اور صحیح ہیں، چنانچہ تقریباً چار برس پہلے جب کہ حاجی داؤد صاحب ان اطراف میں آئے ہوئے تھے، ان کو بھی ایسے ہی غیر واقعی امور سے متأثر کیا گیا، اور انھوں نے رنگون واپس جا کر جملہ ممبروں کے پاس یادداشتیں ارسال کی تھیں، اسی پروپیگنڈے کے ماتحت وہ مفصّل یادداشتیں بھی ہیں جو سالہائے گذشتہ میں حضور نظام دکن خلد اللہ ملکہ کی بارگاہ وغیرہ میں "اتحاد المسلمین" اور نیز گم نام اشخاص کی جانب سے بھیجی گئی تھیں،

نیز وہ مفصل تحریرات بھی ہیں جن کا ذخیرہ حضرت مولانا شبیر احمد صاحب کے پاس ان کو اور ان کے مخلصین کو متأثر کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا، ممبران دارالعلوم کو بھی ان غیر واقعی امور سے مختلف طریقوں سے متأثر بنایا گیا تھا اور اب تک بنایا جا رہا ہے،

اسی پروپیگنڈہ کے ماتحت مختلف مضامین "سیاست" لاہور، "انقلاب" لاہور، "الامان" دہلی، "منادی" وغیرہ میں شائع کیے گئے، مورخہ ۲۰ دسمبر ۱۹۳۴ء مطابق ۱۳ رمضان المبارک ۱۳۵۳ھ کو "انقلاب" نمبر ۱۹۵ جلد ۹ میں بعنوان "حضرت مولانا شیخ الحدیث کی خصوصیاتِ خاصہ" ایک مضمون بالفاظ ذیل شائع کیا گیا، طرزِ عبارت سے

واقف ہونے والے حضرات خود سمجھ لیں گے کہ نامہ نگار صاحب دیوبند کے کون بزرگ ہیں؟ الفاظ یہ ہیں:

"حضرت ننگ اسلاف مولانا حسین احمد صاحب مہاجر مدینہ منورہ اگرچہ دارالعلوم دیوبند میں صدر المدرسین ہیں اور ملازم ہیں، لیکن حضرت ممدوح کے چند امتیازات وخصوصیات خاص طور پر نمایاں ہیں:

(۱) بوقت تقرر حضرت موصوف نے ارکانِ مجلسِ انتظامیہ سے یہ شرط قبول کرالی تھی کہ ہر ماہ میں بارہ روز سیاسی جلسوں اور جلوسوں میں سفر کیا کروں گا، لیکن تنخواہ پورے تیس روز کی لیا کروں گا، اب اسی شرط پر عملدرآمد ہے، چنانچہ حضرت اقدس دینی ضرورت کا خیال فرماکر بجائے بارہ روز کے پندرہ روز ہر ماہ میں کانگریس اور اسمبلی کی ضروریات میں سفر کرتے ہیں، اور جلسوں میں پھرتے ہیں، لیکن مشاہرہ ایک سو پچھتر ۱۷۵ وصول فرماتے ہیں،

(۲) تمام ملازمین، مدرس، بڑے چھوٹے جب کبھی سفر کرتے ہیں جناب مہتمم صاحب سے اجازت تحریری حسب قاعدہ حاصل کرتے ہیں، لیکن حضرت صدر مدرس مولانا ننگِ اسلاف بالکل آزاد ہیں، کبھی کوئی اجازت تحریری، زبانی حاصل فرمانے کی ضرورت نہیں، ہر ماہ میں پندرہ روز اسمبلی کے ووٹروں کی خدمت ونصیحت اور جمعیت و کانگریس وغیرہ کی اعانت میں گزارتے ہیں، لیکن اوقاف وصدقات کی آمدنی سے تنخواہ ہر ماہ دفتر دارالعلوم سے وصول فرماتے ہیں، یہ افواہ بالکل غلط ہے کہ کانگریس سے بھی تنخواہ پاتے ہیں،

(۳) سال ختم شدہ میں حضرت ممدوح کی عدم موجودگی حسب ذیل

تھی، ہر ماہ میں اوسط تیرہ[۱۳] روز، تعطیل کلاں (۶۰ روز) ۸ ار شعبان سے ۱۹ ار
۱۹ ار شوال تک مخصوص حضرت کے واسطے، تمام سال میں یوم جمعہ (۵۰ روز)
سہ ماہی امتحان کے بعد (۸ روز) ششماہی امتحان کے بعد (۸ روز)
اب موجودگی اور تعلیم کے ایام خود اندازہ فرمالیں،

(۴) صحیح بخاری شریف جیسی عظیم الشان کتاب حضرت نے
صرف پچیس یوم میں طلبہ کو تعلیم فرمادی، اور امتحان میں سب کامیاب
ہوگئے، یہ معجزہ نہیں تو کیا ہے؟

(۵) دنیا میں ہر جگہ حضرت کی شہرت اور اعتبار ہے، ہزاروں
مرید، معتقد، شاگرد ہیں، یہ سب لوگ جو کچھ صدقات، زکوٰۃ آپ کے
اسم گرامی سے روانہ فرماتے ہیں آپ اس کو خزانۂ دارالعلوم میں داخل
نہیں فرماتے، بلکہ نہایت احتیاط و امانت و دیانت سے بدستِ خود
طالبینِ علوم کو دیتے ہیں، فقر و احتیاج کے ساتھ ساتھ کھدر پوشی
اور گاندھی کیپ بھی وجہ استحقاق سمجھی جاتی ہے، اور طالب علم جو
حقیقت سے واقف نہیں حضور کا جود و احسان سمجھ کر ممنون رہتے ہیں۔"

اسی قسم کے مختلف پروپیگنڈوں سے سید محی الدین صاحب بہاری پرنسپل
اورنگ آباد کالج کو متاثر بنایا گیا، اور یہی سحر تھا جس سے شیخ رشید احمد صاحب
بہت زیادہ متاثر ہیں، جس کو انھوں نے جلسۂ شوال ۱۳۵۳ھ میں بمقام دارالعلوم
دیوبند ظاہر فرمایا تھا، اور اسی پروپیگنڈے سے جناب حاجی داؤد ہاشم صاحب
رنگونی بھی مسحور رہیں، اور اسی بناء پر انھوں نے یکم اپریل ۱۹۳۵ء کو مولانا شبیر احمد صاحب
عثمانی اور ممبرانِ دارالعلوم کو مندرجہ ذیل الفاظ کے ساتھ متعدد سوالات بھیج
فرما کر ممنون فرمایا:۔

(۱) جس طرح مسئلۂ سرپرستی میں علماءِ محققین کے حصہ لینے کی ضرورت تھی اسی طرح یہ بھی علماءِ محققین کے مشورہ سے طے ہونا بھی ضروری تھا کہ کسی صدر مدرس کو ایک ماہ میں تیرہ روز (یا نو روز) کانگریسی جلسوں اور جلوسوں کی شرکت کی اجازت دینا، اور پورے ایک ماہ کی تنخواہ اوقاف و صدقات سے ادا کرنا ارباب شوریٰ اور ٹرسٹیوں کے حدودِ اختیار میں داخل ہے یا نہیں؟

(۲) حضرت سرپرست صاحب کے صرف اس اختیار پر کہ جانب اقلیت کو بھی ترجیح دے سکتے ہیں شور قیامت برپا ہے، اور طرح طرح کے مکروہ عنوانات "مختار مطلق" اور "ڈکٹیٹر" اختیار کیے جاتے ہیں، لیکن ارباب شوریٰ کی مطلق العنانی پر کسی کی زبان سے ایک حرف نہیں نکلتا کہ خدمت کانگریس و اسمبلی کے ایام کی تنخواہ خزانہ دارالعلوم سے بلا تکلف ... عطاء کرائی جاتی ہے،

(۳) کیا یہ حقیقت واقعہ نہیں ہے کہ سال گذشتہ کے تمام سال میں بخاری شریف کے صرف پانچ پارے کی تعلیم ہوئی؟ اور ماہِ شعبان میں پچیس پارے حضرت صدر مدرس صاحب نے اپنی پُرجوش قرارت سے ختم کر دیئے؟ اور کتاب ختم ہونے سے پہلے طلبہ کا امتحان لے کر سب کو کامیاب کر دیا گیا، لیکن اخبارات کے واویلا اور اعتراض پر کسی قدر طلبہ کو ناکامیاب کر دیا گیا؟

(۴) جس عالم کی وہی تحقیق ہو جو کانگریس اور گاندھی کا مسلک ہے تو اس کو یہ حق کہاں سے حاصل ہے کہ وہ اپنی اس غلط تحقیق کو طالبانِ علومِ اسلامی اور شائقین حدیثِ نبوی علیہ السلام کے ذہن نشین

کرے، اور اپنے اثر و اقتدار فی صدی سنتر طلبہ کو گاندھی کیمپ کی مکروہ ترغیب سے متأثر کرے،

(۵) خزانہ خالی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عام اہلِ اسلام کو یقین ہو گیا ہے کہ دارالعلوم میں کانگریسی مسلک کو رواج دیا جاتا ہے، بلکہ سمجھایا جاتا ہے کہ سب بزرگانِ دارالعلوم کا یہی مسلک تھا۔"

(مرسلہ: داؤد ہاشم یوسف، نمبر ۵۰۷ مرچنٹ اسٹریٹ رنگون)

سی قسم کے بے بنیاد پروپیگنڈے کے ماتحت یہ اشاعت بھی کی گئی کہ:-

"طلبہ دارالعلوم کے متعلق عام طور پر محکمۂ ریلوے کو اس امر کی شکایت ہے کہ طلبۂ دارالعلوم بکثرت بلا کرایہ سفر کرتے ہیں، اور فرسٹ کلاس، سیکنڈ کلاس کے برقی پنکھے و قمقمے خراب کرتے ہیں اور نکال لیتے ہیں، اور سب انسپکٹر پولیس نے اطلاع دی ہے کہ ریلوے کے فرسٹ کلاس کے گدے جو چوری ہو گئے ہیں طلبہ کے حجروں میں موجود ہیں، تلاشی لینے پر ریلوے کا ایک گدا برآمد ہوا، طلبہ سے دریافت کیا گیا تو اُن کے بیانات سے ان کا مرتکب جرم ہونا پوری طرح ثابت ہوا، وغیرہ وغیرہ"

اس اشاعتِ بے اصل کو سچ سمجھ کر حاجی داؤد ہاشم صاحب نے ۸ اپریل کو مندرجہ ذیل سوالات مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی و ممبرانِ مجلسِ شوریٰ کے سامنے پیش کر دیئے:

"(۱) میں نے سُنا ہے کہ اسی ماہِ ذی الحجہ میں دارالعلوم کے چند طلبہ نے بلا ٹکٹ ریل میں سفر کیا ہے، اور ریل کے گدے بھی چُرائے ہیں، جن کو پولیس نے سُراغ لگا کر دارالعلوم کے طلبہ کے پاس سے نکال لیا کیا یہ واقعہ صحیح ہے؟

(۲) اگر صحیح ہے تو کیا ممبرانِ مدرسہ اور علماءِ کرام دیوبند

طلبہ کے اس فعل کو شرعاً جائز سمجھتے ہیں؟ اور کیا کسی مدرس نے ان طلبہ کو مدرسہ میں واپس بلانے کی کوشش کی ہے؟

(۳) اگر جائز نہیں سمجھتے تو مہتمم اور دارالعلوم کے ذمہ داران نے ان طلبہ کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ اور جو مدرس ان طلبہ کے حامی ہیں ان سے کیا بازپرس کی گئی؟

(۴) کیا اس قسم کے واقعات سے عامۃ الناس کے قلوب میں مدرسہ کی طرف سے بدگمانی پیدا ہونے کا اندیشہ نہیں ہے کہ طلبہ کے اخلاق و اعمال کی اصلاح و تربیت نہیں کی جاتی؟

(۵) اگر یہ اندیشہ ہے تو کیا ممبرانِ مدرسہ نے کبھی اس پر بھی غور کیا ہے کہ طلبہ کے ان ناروا افعال کا منشاء کیا ہے؟ والسلام

(مرسلہ؛ داؤد ہاشم، نمبر ۷۰۵ مرچنٹ اسٹریٹ، رنگون)

جناب حاجی داؤد صاحب موصوف نے غلط بیانی میں اس کے بعد ترقی فرمائی، یعنی یکم اپریل کے والانامہ میں تو یہ تحریر تھا کہ کسی صدر مدرس کو ایک ماہ میں ۱۳ روز (یا نو روز) کانگریسی جلسوں اور جلوسوں کی شرکت کی اجازت دینا اور پورے ایک ماہ کی تنخواہ الخ، اور ۱۸ مئی کے والانامہ میں یہ تحریر فرمایا گیا،

"اور صرف مہتمم کی منظوری پر ۹ یا ۱۳ دن کام کر کے مہینہ بھر کی تنخواہ وصول کرنے کا شرعاً کسی مدرس کو کیا حق ہے؟"

پہلے والانامہ میں ۹ یا ۱۳ روز کانگریسی جلسوں اور جلوسوں کے اور باقی دن تعلیم کے قرار دیے گئے تھے (جو کہ شروطِ مقررہ میں تھے اور نہ واقعیت رکھتے تھے بلکہ بالکل دروغ محض تھے) اور اس والانامہ میں ۹ یا ۱۳ دن تعلیم کے قرار دیے گئے اور باقی دن مہینہ بھر کے جلسہ وغیرہ کے ہوئے، ڈیڑھ .... مہینہ کی مقدار میں

ان مفتریوں نے اس قدر ترقی فرمائی، اب آئندہ دیکھیے کہاں تک پہنچتے ہیں؟

حاجی صاحب موصوف کے گہر افشاں الفاظ حسب ذیل ہیں:

"میں نے یکم اپریل کے خط میں حضرت صدر المدرسین کے متعلق جو چند سوالات کیے تھے اُن کے جوابات میں آپ نے چند شرائط کا حوالہ دیا ہے، جو سُنا ہے کہ مولانا اپنی جیب میں ہر وقت رکھتے ہیں، مگر مناسب ہوتا کہ ان شرائط کی نقل بھی مجھے بھیج دی جاتی، نیز یہ بھی بتلا دیا جاتا کہ یہ شرائط ممبرانِ شوریٰ کے سامنے بھی پیش ہوئی ہیں یا نہیں؟ حضرت سرپرست نے بھی ان کو منظور فرمایا ہے یا نہیں؟ اگر ممبرانِ شوریٰ اور سرپرست دارالعلوم کے سامنے یہ شرائط نہیں لائی گئیں اور دارالعلوم کے ریکارڈ میں بھی یہ مسئلہ درج نہیں تو میں نہیں سمجھ سکتا کہ صرف ایسی شرائط منظور کرنے کا کیا حق تھا جو آج تک کسی مدرس کے لیے منظور نہیں کی گئیں، اور صرف مہتمم کی منظوری پر مہینہ میں ۹ یا ۱۳ دن کام کر کے مہینہ بھر کی تنخواہ وصول کرنے کا شرعاً کسی مدرس کو کیا حق ہے! استفت نفسك ولو افتاك المفتون، الخ"

اس تمام جدوجہد کا طرز اور مسلکِ وحیدہ وہ انگریزی مشہور پالیسی ہے کہ "اگر کتے کو بھی مارو تو بدنام کر کے مارو" تاکہ اپنے مقاصد مذمومہ اور اغراض نفسانیہ اور اعمالِ قبیحہ پردہ میں رہیں، اور ناکردہ گناہ سے سب لوگ بیزار ہو کر متنفر ہو جائیں اور جماعت "اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ" کو معصوم اور اولیاء اللہ سمجھتے ہوئے اُن کے اغراض و مقاصد و خیالات میں معین و مددگار بنیں، کہیں شہرت دی جاتی ہے کہ دارالعلوم مسلکِ اسلاف کرام سے ہٹا دیا گیا ہے، کہیں ڈھنڈورا پیٹا جاتا ہے کہ پارٹی بندی کرائی جاتی ہے، کہیں کانگریس اور گاندھی کیمپ کا رونا رویا جاتا ہے

کہیں حرجِ حکام اور قلتِ تدریس کا ڈھونگ بنایا جاتا ہے، کہیں کثرتِ اسفار اور عدمِ پابندیٔ قوانین کا الزام رکھا جاتا ہے، کہیں الیکشن اور رسول نافرمانی کا ڈھول بجایا جاتا ہے، کہیں تذلیل و توہینِ اساتذہ و ملازمین وغیرہ کی افترا بندی کی جاتی ہے، وغیرہ وغیرہ، ان سب الزاموں کا مورد ننگِ اسلاف اور صرف ننگِ اسلاف ہے، افسوس کہ ظاہر بیں حضرات اس پردۂ زنگاری کے ماوراء سے واقف نہیں ہیں، وہ اپنے بھولے پن سے ان عیاروں کے دجالی مکر و جال میں پھنس جاتے ہیں، ہمارا مقصد صرف حقائق کو کھول دینا ہے، تاکہ غیر واقعی الزامات کا پول ظاہر ہو جائے، واللہ الحسیب انشاء اللہ تعالیٰ،

## امورِ مذکورہ پر اجمالی نظر:

یہ امور جو کہ عباراتِ مذکورۂ بالا میں ذکر کیے گئے ہیں اور اسی قسم کے سیکڑوں بیانات جن کو بذریعہ خطوط و مجالسِ خصوصیہ پھیلایا جاتا ہے اگر واقعیت رکھتے ہیں تو:

(الف) کیا وجہ ہے کہ دورۂ حدیث میں طلبہ کی کثرت روز افزوں ہے؟ صوبۂ یو پی، دہلی، گجرات وغیرہ میں سیکڑوں مدارسِ دینیہ بڑے اور چھوٹے موجود ہیں وہاں علمِ حدیث کے پڑھنے اور طلب کرنے والے اس قدر کیوں نہیں آتے؟ مظاہر العلوم سہارنپور، امینیہ دہلی، فتحپوری دہلی، عبدالرب دہلی، جامعہ اسلامیہ ڈابھیل، مدرسہ عالیہ کلکتہ، مدرسہ عربیہ امروہہ وغیرہ بڑے بڑے مدارس ہیں، مگر ان میں دورۂ حدیث پڑھنے والے طلباء زائد سے زائد چالیس پینتالیس تک ہی رہتے ہیں، حالانکہ ان مدارس کے مدرسین علمائے فحول مداومت کرنے والے اور ان تمام عیوب سے پاک ہیں جو کہ ننگِ اسلاف کی طرف نسبت کیے جا رہے ہیں، پھر اگر تعلیمات کا حسن نظام اس ترقی روز افزوں کا سبب نہیں ہے تو اور کیا امر ہے؟

(ب) دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حدیث تقریباً ۷۲ سال سے جاری ہے، مگر دورۂ حدیث میں اس قدر طلبہ زمانہائے گذشتہ میں کبھی نہیں پائے گئے، بلیس سالہ تفصیل ملاحظہ ہو:۔

۱۳۳۳ھ میں ۶۳ طلبہ، ۱۳۳۴ھ میں ۶۱ طلبہ، ۱۳۳۵ھ میں ۵۴ طلبہ، ۱۳۳۶ھ میں ۷۷ طلبہ، ۱۳۳۷ھ میں ۷۲ طلبہ، ۱۳۳۸ھ میں ۵۴ طلبہ، ۱۳۳۹ھ میں ۶۳ طلبہ، ۱۳۴۰ھ میں ۸۰ طلبہ، ۱۳۴۱ھ میں ۶۱ طلبہ، ۱۳۴۲ھ میں ۷۲ طلبہ، ۱۳۴۳ھ میں ۷۷ طلبہ، ۱۳۴۴ھ میں ۹۹ طلبہ، ۱۳۴۵ھ میں ۱۰۴ طلبہ، ۱۳۴۶ھ ۴۶ طلبہ، ۱۳۴۷ھ میں ۶۸ طلبہ، ۱۳۴۹ھ میں ۸۸ طلبہ، ۱۳۵۰ھ میں ۹۱ طلبہ، ۱۳۵۱ھ میں ۱۲۶ طلبہ، ۱۳۵۲ھ میں ۱۵۶ طلبہ، ۱۳۵۳ھ میں ۱۶۵ طلبہ، ۱۳۵۴ھ میں ۱۹۸ طلبہ، شریک رہے،

باوجودیکہ یہاں طلبہ کو دورۂ حدیث دینے میں بہت زیادہ تشدد کیا جاتا ہے، اگر معیارِ امتحان اور معیارِ تحصیل میں کوئی طالب علم ناقص پایا جاتا ہے تو اس کو دورہ میں شرکت کی اجازت نہیں دی جاتی، ان سخت گیریوں کے ہوتے ہوئے بھی دورۂ حدیث کے طلباء کی اتنی تعداد بالفعل موجود ہے جس کی نظیر سالہائے گذشتہ میں کبھی نہ تھی، حالانکہ بوقت داخلہ خواستگارانِ دورۂ حدیث میں سے بارہ طالب علموں کو ناقابل ہونے کی وجہ سے نیچے کی کتابیں دی گئیں، اور سات طالب علم باوجود استحقاق دورہ امداد مالی وغیرہ نہ ہونے کی وجہ سے چلے گئے، اس وقت دورۂ حدیث پڑھنے والے طلبہ نصف کے قریب وہ ہیں جن کو مالی امداد مدرسے سے نہیں دی جاتی، جن میں سے تقریباً چالیس طالب علم ایسے ہیں جو کہ امداد کے زیادہ محتاج ہیں، اور بمشکل گذران کرتے ہوئے اشتغالِ حدیث کر رہے ہیں،

(ج) طالب علم جو کہ اپنی راحت، عزت، وطن، اقرباء وغیرہ سے جُدائی

اختیار کرکے دور دراز ملکوں کا قصد کرتا ہے بخوبی جانتا ہے کہ اس کا گوہرِ مقصود کہاں ہاتھ آرہا ہے، وہ بالکل اندھا نہیں ہے، دورۂ حدیث میں شریک ہونے سے پہلے علوم و فنون میں معتد بہ استعداد حاصل کرچکا ہے، اگر اس کو یہاں سب سے قیمتی اور اعلیٰ درجہ کا ثمرہ حاصل نہ ہوتا اور واقعہ وہی ہوتا جس کو کہ یہ پروپیگنڈہ کرنے والے حضرات ظاہر کر رہے ہیں تو یہ طلبہ کبھی بھول کر بھی دارالعلوم کا مُنہ نہ دیکھتے، بالخصوص جبکہ یہاں امتحانِ داخلہ میں سہ ماہی، ششماہی اور سالانہ امتحانوں میں سب جگہوں سے بہت زیادہ سختی ہے، قوانینِ رہائش و حاضریِ درس وغیرہ بھی بہ نسبت دیگر مدارس بہت سخت ہیں، اور پھر مزید طرہ یہ کہ دوسرے مدارس سے اپنے یہاں کھینچنے کے لیے باقاعدہ ترغیب دی جاتی ہے، ان کے یہاں کے ایجنٹ ہر طرح کی کوشش کرتے رہتے ہیں،

(د) کتبِ حدیث میں مدار تمام کتابوں کا ترمذی اور بخاری پر ہے، انہی دو کتابوں میں تمام تر ابحاث طے کی جاتی ہیں، دوسری کتابوں میں نہایت معمولی ابحاث ہوتی ہیں، اور حوالہ ترمذی و بخاری پر کرتے رہتے ہیں، یہی طریقہ اکابر سے چلا آتا ہے، اور یہی وجہ ہے کہ کتبِ حدیث میں سب سے مشکل یہی دو کتابیں شمار کی جاتی ہیں، اگر واقعہ ایسا ہی ہوتا جیسا کہ پروپیگنڈا کرنے والے ظاہر کر رہے ہیں تو جب کہ یہ دونوں کتابیں میرے ہی ہاں ہوتی ہیں چاہیے یہ تھا کہ کوئی طالب علم دیوبند کا میرے زمانہ میں رُخ نہ کرتا، مگر معاملہ بالکل برعکس ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ ان دونوں کتابوں کی تعلیم خصوصاً اور علم حدیث کی تعلیم عموماً جیسی کہ دارالعلوم دیوبند میں ہوتی ہے تمام ہندوستان میں کہیں نہیں ہوتی، اور واقعہ بھی یہی ہے،

(ہ) بخاری شریف اور ترمذی شریف ڈابھیل میں حضرت شاہ صاحب مرحوم اور مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی دو حضرات پڑھاتے تھے، بعد وفات حضرت شاہ صاحب مرحوم مولانا عبدالرحمٰن صاحب اور مولانا شبیر احمد صاحب پڑھاتے ہیں،

مدرسہ امینیہ میں ہر دو کتابیں کا نصف اول مفتی صاحب (مولانا کفایت اللہ صاحب) اور نصف ثانی مولانا ضیاء الحق صاحب پڑھاتے ہیں، مدرسہ مظاہر العلوم میں مولٰنا عبد اللطیف صاحب، مولانا عبد الرحمٰن صاحب اور مولانا زکریا صاحب تین حضرات پڑھاتے ہیں، مگر یہاں دار العلوم دیوبند میں ہر دو کتابیں میرے ہی ذمہ پر ہیں، اگر یہ پروپیگنڈا واقعی ہے تو کیونکر ہر دو کتابیں میں تنہا پڑھاتا ہوں، اور پھر ختم ہو جاتی ہیں، اگر آپ طلبہ کی لکھی ہوئی تقریریں دیکھیں (حالاں کہ ان کا اثنائے درس میں قلم بند کرنا کوتاہیوں سے خالی نہیں ہو سکتا) یا ان کے امتحانات کے سالانہ پرچے ملاحظہ فرمائیں، یا طلبہ سے علیحدہ پوچھیں گے تو آپ کو پورا پتہ چلے گا کہ جس محنت اور جاں فشانی سے میں کتب حدیث کی خدمت کرتا ہوں کسی مدرسہ میں کوئی مدرس نہیں کرتا، اگرچہ ہر ایک جگہ کا ہر مدرس مجھ سے لائق تر ہے،

## امورِ اعتراضیہ پر تفصیلی نظر؛

دفعہ اول میں تین اعتراض ہیں :

(۱) یہ بات صحیح ہے کہ بوقت تقرر میں نے حضرات مہتممین (مولانا حافظ احمد صاحب مرحوم اور مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مرحوم) سے متعدد شروط کی تھیں، جن کو انھوں نے قبول فرما لیا تھا، یہ شروط ممبروں اور جناب سرپرست صاحب سے نہ تھیں، کیونکہ مجھ کو ملازمت پر مجبور کرنے والے یہ ہی دونوں حضرات تھے، انھوں نے ہی حکماً مجھ کو دوسری جگہوں کی ملازمت کرنے سے جو کہ اس وقت آٹھ نو جگہوں سے آرہی تھی روکا تھا، ان شروط ہی کی بناء پر تقریباً ڈیڑھ ماہ تک گفتگو ہوتی رہی، ان شروط کا تذکرہ ممبروں سے بار بار آیا، اور اُن کو مختلف مجالس میں دکھایا بھی گیا، مگر غالباً اجتماعی حیثیت سے ان کو دکھانے کی نوبت ہی نہیں آئی، ان ہی شروطوں میں سے نویں شرط یہ تھی :-

"(۹) ماہوار ایک ہفتہ تک مجھ کو اجازت ہو کہ قومی تحریکات میں بلا طلب اجازت صرف کرسکوں"

شروطِ ملازمت دارالعلوم کے تمام کارکنوں وغیرہ کو معلوم ہیں، اور مولانا حبیب الرحمن صاحب مرحوم کے بعد مولانا محمد طیب صاحب نے بھی ان کو قبول فرمایا ہے، جس کی تحریر باقاعدہ میرے پاس موجود ہے، بنا بریں مجھ کو حق ہے کہ ہر ماہ میں ایک ہفتہ قومی تحریکات میں خواہ کانگریس ہو یا الیکشن اسمبلی یا کونسل ہو یا جمعیۃ العلماء ہو یا خلافت وغیرہ ہو بغیر استرخاص اور بغیر اجازت صرف کردں، اور میرا یہی عمل حضرات مرحومین کے سامنے برابر جاری رہا ہے، کبھی مرحومین نے کوئی انتقاد اس پر نہیں کیا، باوجود ان شروط اور ان کی قبولیت کے میں نے خود اتنا حرج نہیں کیا، بلکہ ہمیشہ قصد اور کوشش کرتا رہا کہ جمعرات کی شام کو سفر کروں اور شنبہ کی صبح کو واپس آکر خدماتِ تعلیمیہ انجام دوں، ماہ نگار دیوبند کا "انقلاب" (لاہور) میں یہ شائع کرنا کہ:- "ننگِ اسلاف نے ارکانِ مجلسِ انتظامیہ سے یہ شرط قبول کرالی تھی کہ ہر ماہ میں بارہ (۱۲) روز سیاسی جلسوں اور جلوسوں میں سفر کیا کروں گا"

اور اسی طرح اس کا یہ شائع کرنا کہ:

"چنانچہ حضرت اقدس دینی ضرورت کا خیال فرما کر بجائے بارہ (۱۲) روز کے پندرہ (۱۵) روز ہر ماہ میں کانگریس اور اسمبلی کی ضروریات میں سفر کرتے ہیں اور جلسوں میں پھرتے ہیں"

اور اسی طرح حاجی داؤد ہاشم صاحب کا یہ کہنا کہ "کسی صدر مدرس کو ایک ماہ میں تیرہ (۱۳) روز (یا نو روز) کانگریسی جلسوں اور جلوسوں کی اجازت دینا" الخ خلافِ واقعہ ہونے کی وجہ سے باعثِ صد تعجب ہے، "انقلاب" تو مجبور تھا، کیونکہ اس نے اپنا رزق ہی کذب و زور کی اشاعت میں سمجھ لیا ہے، لیکن حیرت حاجی داؤد

ہاشم صاحب سے ہے کہ ان کو اربابِ اغراض کی حمایت میں "تَشْهَدُ عَلَيْهِمْ أَلْسِنَتُهُمْ وَأَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ" کا خوف بھی غیر واقعی امور کے لکھنے سے مانع نہ ہوا، نہ یہ شرط ہوئی اور نہ ایسا واقعہ کسی ماہ میں پیش آیا، دفتر کے رجسٹر موجود ہیں، ان کو دیکھیے، اور خود میری حاضری کا رجسٹر باقاعدہ موجود ہے، جس میں ہر غیر حاضری کی نوعیت اور کیفیت درج ہے، ملاحظہ کیجیے، اور ان جھوٹوں کے درجہ کو پہچانیے،

۲- (الف) :- میرے متعلق دار العلوم میں صرف تدریس ہی کا کام تفویض نہیں کیا گیا ہے، مجھ کو خزانہ کی کنجیاں بھی مجبور کر کے دی گئی ہیں، دفتر کو جب بھی روپیوں کے رکھنے یا نکالنے کی ضرورت پڑتی ہے مجھ کو کنجیاں لے کر حاضر ہونا اور باقاعدہ جانچ پڑتال کر کے رقوم کو نکالنا یا داخل کرنا اپنی ذمہ داری پر پڑتا ہے، جس میں بسا اوقات گھنٹہ گھنٹہ یا زائد صرف ہو جاتا ہے، اور بسا اوقات ہر مہینہ میں کئی کئی مرتبہ ایسے واقعات پیش آجاتے ہیں، جن سے اسباق کے گھنٹوں کا نقصان ہوتا ہے،

(ب) نیز مجھ کو مجلس علمیہ کا صدر منتخب کیا گیا ہے، کسی علمی مسئلہ کی جب ضرورت پڑتی ہے اور اجلاس منعقد ہوتا ہے تو مجھ کو حاضر ہونا پڑتا ہے جس سے وقتِ تعلیم میں نقصان ہوتا ہے، اس صدارت کا خواستگار اُسی طرح نہیں ہوں جیسا کہ خزانہ کی کنجیوں کا، مگر حسبِ احکامِ حضور نظام مجھ کو اس پر مجبور کیا گیا،

(ج) مجھ کو مجلسِ انتظامیہ (ورکنگ کمیٹی) کا بھی رکن مقرر کیا گیا، اس کے اجلاسوں میں حاضر ہونا اور مشاغلِ علمیہ کو ترک کرنا ضروری ہوتا ہے جس سے یقیناً اوقاتِ تعلیم میں نقصان ضرور ہوتا ہے،

(د) مجھ کو مجلسِ شوریٰ کا بھی ممبر بحیثیت عہدہ قرار دیا گیا جس کی

بنا بریں بوقت انعقاد مجلسِ شوریٰ حاضر ہونا اور مشاغلِ تدریسیہ کو ترک کرنا ضروری ہوتا ہے،

(ہ) نظامتِ تعلیم بھی سالِ گذشتہ سے میرے متعلق کر دی گئی، حالانکہ میں نے بہت کوشش استخلاص کے لیے کی، مگر ایک نہ مانی گئی، یقیناً اس کی خدمات بھی کم وبیش تعلیم میں حارج ہوتی ہیں،

(و) غیر معمولی ضرورتیں بھی دارالعلوم میں پیش آتی رہتی ہیں، جن میں مہتمم بالشان امور کے لیے مہتمم صاحب مجھ سے فقط یا بمعیت دیگر اساتذہ مشورہ کرتے رہتے ہیں، جیسے مسئلۂ وقفِ بل، مسئلۂ غایات النسب وغیرہ ان جلسہائے خصوصیہ کی وجہ سے بھی تعلیمات پر کافی اثر پڑتا ہے،

(ز) دارالعلوم میں بسا اوقات ختم آیۂ کریمہ یا ختم بخاری شریف کی ضرورتیں پیش آتی ہیں، قدیم زمانہ سے عملدرآمد چلا آتا ہے کہ خود مدرسہ کی ضروریات یا طلبہ وغیرہ وفات یا کسی چندہ دہندہ کی ضرورت پر ختم کرایا جاتا ہے اس کی وجہ سے اُس دن کی تعلیم پر اثر پڑتا ہے،

(ح) دارالعلوم میں امتحان سہ ماہی اور ششماہی کا قانون رائج ہے، اگرچہ قانوناً ان امتحانوں کے لیے تین تین روز مقرر ہیں مگر جماعتوں کے بڑی بڑی ہونے اور طلبہ کی کثرت کی وجہ سے تقریباً پانچ روز یا اس سے زائد صرف ہو جاتے ہیں، نیز جماعتوں کی بڑائی مجبور کرتی ہے کہ تحریری امتحان لیا جائے اور چونکہ کارہائے انتظامیہ کے انجام دینے کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ جلد از جلد نتائج معلوم ہو جائیں، اس لیے مدرسین کو ہفتہ کے بقیہ ایام پرچوں کو دیکھنے کے لیے دیئے جاتے ہیں، طلبہ بعد از فراغت امتحان اگر قریب کے باشندے ہوتے ہیں اپنے اپنے گھروں کو چلے جاتے ہیں، تاکہ تازہ دم ہو کر

تعلیمی مشاغل انجام دیں، اس مدت کو ممکن ہے کہ طلبہ کے لیے تعطیل شمار کیا جائے، مگر مدرسین کے لیے یہ تعطیل نہیں ہے، بہرحال یہ بھی مدرسہ ہی کی ضروریات میں سے ہے مگر تدریس پر اس کا اثر ضرور پڑتا ہے،

یہ آٹھوں امور ایسے ہیں جن سے اوقاتِ تدریس میں کافی نقصان ہوتا ہے جن کی اوقاتِ خارجیہ میں تلافی کرنی پڑتی ہے، افسوس کہ پروپیگنڈہ پھیلانے والے حضرات قصداً یا بلا قصد ان امور سے چشم پوشی کرتے ہیں اور الزام غیر واقعی کی رَو میں بہہ جاتے ہیں،

(۳) دارالعلوم دیوبند میں طلبہ ہر طرف اور ہر صوبے اور ہر قسم کی استعداد کے آتے رہتے ہیں، بالخصوص دورۂ حدیث پڑھنے کے لیے یہاں کی امتیاز اور خصوصیت کی بناء پر کتبِ درسیہ اور فنون سے فارغ ہو کر دور دور سے قصد کرتے ہیں، خود یہاں کے طلبہ بھی اکثر فنون و علوم سے فارغ ہو کر دورہ میں داخل ہوتے ہیں، بلکہ بعض بعض طلبہ تو دوسری جگہوں میں دورۂ حدیث پڑھنے کے بعد یہاں دورۂ حدیث دوسری مرتبہ پڑھنے آتے ہیں، پھر مجمع دورۂ حدیث میں اس قدر بڑا ہے کہ بعض بعض ان مدارس میں جو کہ بڑے مدارس شمار کیے جاتے ہیں تمام طلبہ کی بھی تعداد اس قدر نہیں ہے، طلبہ کے اس قدر مجمع میں بہت بڑا حصہ ہمیشہ سے اعلیٰ درجہ کی استعداد اور قابلیت والوں کا رہتا ہے، اس لیے مدرس کو مطالعے اور تدریس کے لیے غیر معمولی کوشش کرنی پڑتی ہے، یہی وجہ ہے کہ بعض بعض مسائل کی تحقیق و تنقیح میں کئی کئی دن بلکہ کئی کئی ہفتے لگ جاتے ہیں، سال گذشتہ ترمذی شریف کے باب قراءۃ خلف الامام میں پندرہ دن صرف ہو گئے، باب رفع الیدین فی الرکوع میں گیارہ دن صرف ہو گئے، بابُ التامین خلف الامام میں ایک ہفتہ خرچ ہو گیا، باوجودیکہ کم از کم دو گھنٹے روزانہ ترمذی شریف ہوا کرتی ہے، بلکہ ابتدا

یں تین گھنٹہ ساڑھے تین گھنٹہ روزانہ ایک مجلس میں ہوتی ہے، مگر بسا اوقات ایک باب یا دو باب سے زیادہ نہیں ہوتا، بالخصوص ابتداء میں، ہاں جب کہ طلبہ کو احادیث سے مناسبت پوری طرح حاصل ہو جاتی ہے، اور احادیث مکرر آنے لگتی ہیں، اس وقت کتابوں کا تیز چلانا ضروری اور مناسب معلوم ہوتا ہے، ناواقف حضرات اس امر کو کہاں جانتے ہیں، طلبہ کے اس قدر بڑے مجمع کے شبہات اور شکوک، اعتراضات وغیرہ کا دور کرنا معمولی کام نہیں ہے، اور نہ معمولی وقت کا خواستگار ہے، بالخصوص جب کہ یہ قصد کیا جاوے کہ حتی الوسع سبھوں کو مطمئن کیا جائے، جیسا کہ مسلک حضرت گنگوہی قدس اللہ سرہٗ کا تھا، معرکۃ الآرا ابحاث ترمذی اور بخاری میں ہی آتی ہیں، اور زمانہ قدیم سے یہی طریقہ رہا ہے کہ ان دونوں کتابوں میں تمام مسائل کی پوری تحقیق کی جاتی ہے، بالخصوص مہتم بالشان مسائل کو نہایت زیادہ وضاحت اور بحث کے ساتھ طے کیا جاتا ہے اسی لیے حدیث کی بقیہ کتابوں کے اساتذہ ان ابحاث پر بوقت درس زیادہ تقریر نہیں کرتے، اور ترمذی اور بخاری کی تقریروں کو کافی سمجھ کر انہی دونوں کتابوں پر تحویل فرماتے ہیں، اس لیے اگر ابحاث میں اختصار کیا جاتا ہے تو طلبہ شور مچاتے ہیں،

دارالعلوم کو بالخصوص علم حدیث میں زمانہ موجودہ میں مرکزیت کا شرف حاصل ہے، اس لیے اس کی تعلیم بھی مرکزی شان کی نہ ہو گی تو یقیناً اس کے شایانِ شان نہ ہوگا، نیز حضرت شاہ صاحب مرحوم کے طرزِ تعلیم نے یہ اہمیت بھی پیدا کر دی ہے کہ جس حدیث کا اثناءِ درس میں حوالہ دیا جائے اس کو کتاب میں دکھا کر باب اور صفحہ تک بتا دیا جائے، یہ وہ امور ہیں جن کی وجہ سے طلبہ جوق در جوق دارالعلوم میں تعلیم حدیث کے لیے آتے ہیں، اور ہر قسم

کے مسائل میں خواہ وہ عربیت سے تعلق رکھتے ہوں، خواہ علم کلام سے، خواہ وہ مسائل فرعیہ فقہیہ ہوں یا اصولیہ، خواہ وہ علم تفسیر سے تعلق رکھتے ہوں یا حدیث سے، اخلاق اور سیرت کے مسائل ہوں یا تصوف اور سلوک کے، پوری تشفی حاصل کرتے ہیں ...

دوسری جگہ یہ التزام بالکل نہیں ہے، اس لیے بہت سے طلبہ فاقے پر یا ایک وقتہ کھانے پر بسر کرتے ہیں، مگر دوسری جگہ نہیں جاتے، افسوس ہے کہ انتقاد کرنے والے ...... حضرات بجائے اس کے کہ قدر کرتے ناقدری کرتے ہوئے دل شکنی سے پیش آرہے ہیں، والی اللہ المشتکی،

یقیناً اس طرزِ تعلیم میں کتاب کا حصہ بظاہر کم ہوگا جس کی وجہ سے اخیر سال میں ختم کرنے کے لیے آٹھ آٹھ، نو نو گھنٹے کام کرنا پڑتا ہے، یہی طریقہ پہلے اساتذہ اور اسلاف کا تھا، حضرت شاہ صاحب مرحوم اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے کی تفتیش فرمائیے، بلکہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی تعلیمات میں بھی اس کی نظیریں ملتی ہیں، مگر تاہم میرا طرز ہے کہ آخر میں بھی اگر کوئی ایسی بحث آجاتی ہے کہ وہ پہلے نہیں گزری تو اخیر ایام میں بھی اس پر بضرورت مفصل بحث کرتا ہوں،

## دوسرے اعتراض کا جواب،

اسی اعتراض میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ ننگ اسلاف نے یہ بھی شرط لگائی تھی "کہ ہر ماہ میں بارہ روز سیاسی جلسوں اور جلوسوں میں سفر کیا کروں گا، لیکن تنخواہ پورے تیس روز کی لیا کروں گا"، اب اسی شرط پر عمل درآمد ہے، حاجی داؤد صاحب فرماتے ہیں:

"کانگریسی جلسوں اور جلوسوں کی اجازت دینا اور پورے ایک ماہ کی تنخواہ اوقاف وصدقات سے ادا کرنا ارباب شوریٰ اور

ٹرسٹیوں کے حدودِ اختیار میں داخل ہے یا نہیں؟"

دوسری جگہ فرماتے ہیں:

"لیکن اربابِ شوریٰ کی مطلق العنانی پر کسی زبان سے ایک حرف نہیں نکلتا کہ خدمتِ کانگریس و اسمبلی کے ایام کی تنخواہ خزانہ دارالعلوم سے بلا تکلف ادا کرائی جاتی ہے الخ۔"

جوابِ اول:

جب کہ ہر مزدور اور ملازم کو حق ہے کہ وہ بوقتِ معاہدہ ملازمت شروط لگائے، اور جن شروط پر معاملہ طے ہو جائے ان کو بجا لانا ضروری ہوگا، تو کیا کسی مدرس کو یہ حق نہیں ہے؟ اور کیا حسبِ ضرورت کسی انجینیر یا پروفیسر یا ٹیچر یا کلارک وغیرہ کو بڑے سے بڑے ماہیہ پر رکھا نہیں جاتا اور اوقات کی تعیین نہیں کی جاتی؟ اور کیا یہ عمل تمام محکموں اور تعلیم گاہوں میں جاری نہیں ہے؟ اگر یہ حضرات آنکھیں کھولیں اور کالجوں اور یونیورسٹیوں کے پروفیسروں اور پرنسپلوں کے معاوضات اور تنخواہوں پر نظر ڈالیں تو یقیناً ان کی آنکھوں سے یہ پردہ اُٹھ جائے گا، ان کو معلوم کرنا چاہیے کہ ان بڑی بڑی تعلیم گاہوں میں پرنسپل اور پروفیسر کتنا کام کرتے ہیں اور کتنی ان کو تعطیل دی جاتی ہے، اور کتنی تنخواہیں ملتی ہیں، تعجب ہے کہ مدرسہ کا نام تو دارالعلوم، یونیورسٹی کہا جائے؛ اور روزانہ گھنٹوں خدمت لی جائے (جس کا اوسط روزانہ تقریباً پانچ گھنٹے یا اس سے زائد پڑتا ہے) اور صدارت تدریس کے لیے ایک سو چھہتر روپے کی مقدار پر ایسے اعتراضات کی بوچھار کی جائے، مدرسۂ عالیہ کلکتہ، مدرسۂ عالیہ سلہٹ، مسلم یونیورسٹی ڈھاکہ، اورنٹیل کالج لاہور، مسلم یونیورسٹی علیگڑھ وغیرہ وغیرہ کو دیکھیے اور پھر اس انتقاد اور منتقدین کی عالی حوصلگی کی داد دیجیے،

جواب دوم:

میں نے اپنی کسی شرط میں یہ تصریح نہیں کی تھی کہ اتنے دنوں فلاں فلاں کام میں مصروف رہوں گا اور تنخواہ پورے ماہ کی لیا کروں گا، اگرچہ مجھ کو یہ حق ہے اور تھا، اور کوئی قانون شرعی یا غیر شرعی اس سے مانع نہ تھا، بلکہ میری شروط کی دفعہ (۱۹) کے الفاظ حسب ذیل تھے:

"جو اوقات میری خدماتِ تعلیمیہ کے ہوں ان کی پابندی میں جو کچھ تقصیر ہو اس پر حساب کر کے تنخواہ کاٹی جائے، درصورت عدمِ قطع اور عدمِ حساب دائرۂ اہتمام مسئول اور ذمہ دار ہوگا"۔

نیز میری شروط کی دفعہ (۶) کے الفاظ حسب ذیل تھے:

"مدرسہ میں روزانہ دو یا تین گھنٹے سے زیادہ صرف نہ کرسکوں گا، باقی ماندہ اوقات میں اپنے دوسرے کاروبار انجام دوں گا"۔

بناءً بریں اگر تنخواہ مجھ کو پورے مہینہ کی دی گئی تو اس کی ذمہ داری دائرۂ اہتمام پر ہے نہ کہ مجھ پر۔

دائرۂ اہتمام نے جب دیکھا کہ یہ اپنی شروط کا محاسبہ نہیں کرتا ہے بلکہ مدرسہ کے کاروبار میں تین گھنٹے یومیہ سے زیادہ صرف کرتا رہتا ہے، حتیٰ کہ بعض ایام میں آٹھ آٹھ اور نو نو گھنٹے کام کرتا ہے، خارج کے اوقات یعنی بعد از عصر اور بعد از عشاء اور بعد از فجر بھی مدرسہ کی خدمات میں صرف کرتا ہے، بعض ایام میں داخلی اوقات بھی چار چار اور پانچ پانچ گھنٹے اس کے کام کے ہوتے ہیں، اور پھر جو ایام ناغہ کے ہوتے ہیں وہ بھی اس کی ضروریات کے عموماً نہیں ہوتے، بلکہ تبلیغی اور قومی مصالح میں صرف ہوتے ہیں، اس لیے انھوں نے تنخواہ نہیں کاٹی، البتہ شخصی ضروریات میں جب بھی رخصتیں

زائد از قانون ہوگئیں برابر تنخواہ کاٹی گئی، میں نے آج تک تنخواہ کی مقدار اور اضافہ میں بھی کبھی کوئی گفتگو نہیں کی، (اگرچہ حضرت شیخ الہندؒ نے کلکتہ رخصت کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ خوب ٹھوک بجا کر تنخواہ کا معاملہ طے کرنا، نیز مجھ کو شرعی اور قانونی طور پر حق بھی تھا) میں نے جب کبھی تنخواہ کاٹی بھی گئی کوئی چون وچرا نہیں کی، مگر اس تنگدلی کا کیا علاج جو ان الفاظ سے ٹپک رہی ہے، بایں ہمہ مہتمم صاحب زمانۂ حال کی بارگاہ میں میں نے تنخواہ کاٹنے کے متعلق عرضی ۲ر صفر ۱۳۴۹ھ کو پیش کی تھی جس پر جناب مہتمم صاحب کے حکم نامہ کے الفاظ حسب ذیل ہیں:

> "سابقہ اہتمام کے تمام وہ معاملات ومعاہدات جن کے خلاف کوئی رائے زنی یا کارروائی نہیں کی گئی بغیر کسی تجدید کے بحالہا باقی ہیں، اسی میں حضرت مولانا کا معاہدہ بھی داخل ہے، حسب سابق حضرت موصوف کی اُن غیر حاضریوں کی وضعات نہ ہونی چاہیے، جو بسلسلۂ تبلیغ یا قومی ضروریات میں پیش آویں، البتہ ذاتی رخصتوں میں عام ضابطۂ رخصت پر عمل کیا جائے۔ ۱۹ر صفر ۱۳۴۹ھ"

اس تصریح کے بعد مواخذہ کا کیا حق ہے؟

## تیسرے اعتراض کا جواب:

اسی اعتراض کے اندر یہ بھی تیسری چیز دکھائی گئی ہے کہ بارہ روز بلکہ پندرہ روز ہر ماہ میں کانگریس اور اسمبلی کی ضروریات میں سفر کرتے ہیں اور جلسوں میں پھرتے ہیں، حاجی داؤد صاحب کو کچھ غلطی پر تنبہ ہوا تو فرماتے ہیں:

> "تیرہ روز (یا نو روز) کانگریسی جلسوں اور جلوسوں میں شرکت کی اجازت الخ"

**الجواب:** (الف) جو وقت کسی شخص نے زمانۂ ملازمت سے حسب قرارداد

معترضین بوقت ملازمت شرطیہ طور پر علیحدہ کرلیا ہے، اس کو اختیار ہے کہ خواہ وہ اپنی شخصی ضروریات پر صرف کرے یا کسی اور ملکی یا قومی ضروریات میں، کوئی قانون اس سے مانع نہیں ہو سکتا،

(ب) کانگریس اور اسمبلی کی ضروریات اگر ان معتقدین کے یہاں شرک اور کفر ہیں تو کیا ضرور ہے کہ خدمت کرنے والے بھی ایسا ہی عقیدہ رکھتے ہوں، ایسے ہی ٹوڈیوں کے خوف سے میں نے ابتدا ہی میں شرط کرلی تھی، میری شروط کی دفعہ ۵ یہ تھی:

"(۵) قومی اور ملکی خدمات کی انجام دہی اور سیاسی تحریکات کے اجراء میں کوئی رکاوٹ عمل میں نہ آئے"

خود حاجی داؤد صاحب کو معلوم ہے کہ رنگوں میں جب مجھ کو بلایا گیا تھا تو ان کے اس اصرار پر کہ کسی تحریر میں حکومت کے خلاف کوئی لفظ نہ کہا جائے، میں نے کیا کیا تھا، چھوٹے سے لے کر بڑے تک بخوبی جانتے ہیں اور جانتے تھے کہ میرے معتقدات اور عملنامے کیا ہیں اور کیا تھے؟ پھر مجھ کو جانتے ہوئے اور صریح شرط کرلینے کے ساتھ ساتھ کیوں مقرر کیا گیا؟ اور آج اس پر کیوں شور مچایا جاتا ہے؟ کیا اس وقت جب کہ دارالعلوم ہاتھ سے نکلا جاتا تھا بچانے کے لیے یہ عقیدہ اور عمل روا رکھا جا سکتا تھا؟ اور آج جب کہ اطمینان حاصل ہو گیا تو ان امور کو مورد طعن قرار دیا جاتا ہے،

(ج) میرا عقیدہ ہے کہ کانگریس میں مسلمانوں کو شریک ہونا واجب اور ضروری ہے، ہاں کسی شرعی ناجائز فعل میں (اگر کانگریس اس کو کرتی ہو) مسلمانوں کو ساتھ نہ دینا چاہیے، بلکہ مسلمانوں کو اپنی اکثریت اور اقتدار سے ایسے افعال اور تجاویز کو بند کرا دینا چاہیے، علیٰ ہذا القیاس اسمبلی میں جانا بصورت

موجودہ رکاوٹیں پیدا کرنے کے لیے اور گورنمنٹ کے استبداد اور مظالم کو توڑنے کے لیے واجب ہے، اور اسی لیے، ہم ایسے اشخاص کو بھیجنا چاہتے ہیں جن سے کام ہو سکے، اور جو لوگ ایسا نہیں کر سکتے ان کو اسمبلی کے لیے انتخاب کرنے کو ہم گناہ سمجھتے ہیں، بہر حال منتقدین کو کوئی حق نہیں ہے کہ وہ ہمارے خیالات اور اعمال پر آوازے کسیں،

(د) افسوس کہ اس تمام اعتراض میں انتہائی دروغ سے کام لیا گیا ہے، پندرہ اور تیرہ اور نو کا عدد تو غلط تھا ہی، کانگریس اور اسمبلی کا لفظ غلط ہی غلط ہے، اسمبلی کا الیکشن ماہ جمادی الثانی اور رجب میں ہوا، کانگریس کی تحریک اس سال کے اکثر حصہ میں خلاف قانون تھی، تاہم کانگریس کے کسی اجلاس میں میری شرکت نہیں ہوئی، البتہ مسلم یونٹی بورڈ جمعیۃ علماء کے جلسوں میں جو کہ لکھنؤ اور مرادآباد میں منعقد ہوئے تمام سال میں چھ دن اور الیکشن کے متعلق چار دن صرف ہوئے، خلاصہ یہ ہے کہ سال گذشتہ میں تمام سال کے ایام تعلیمیہ میں ایک دن بھی کانگریس کے کسی جلسہ میں خرچ نہیں ہوا، البتہ مسلم سیاسی جماعتوں اور ان کے متعلق کارروائیوں میں تمام سال کے ایام تعلیم میں صرف دس دن خرچ ہوئے ہیں، رجسٹر موجود ہیں ان کی تفتیش کیجیے،

سیاسی جلسوں کے علاوہ مذہبی اور تبلیغی جلسے بکثرت ملک میں ہو رہے ہیں ان کی شرکت قدیم سے مدرسہ ہی کے فرائض اور ضروریات سے شمار کی جاتی ہے، "آئینۂ دارالعلوم" میں بار بار ایسے جلسوں کو فرائض و کارگذاریِ دارالعلوم میں دکھلایا گیا ہے، اسی طرح مدارسِ اسلامیہ کے سالانہ جلسے بھی دارالعلوم ہی کے فرائض میں سے شمار کیے گئے ہیں، ان جلسوں میں ایامِ تعلیمیہ میں سے (۲۵ یا ۲۶) دن تمام سال میں خرچ ہوئے ہیں، تفصیل حسب ذیل ہے:

## تفصیلِ جلسہ ہائے سیاسیہ و الیکشن؛

جلسہ جمعیۃ العلماء مراد آباد، بماہ ربیع الثانی، ۲ روز
جلسہ مسلم یونٹی بورڈ لکھنؤ، بماہ جمادی الاول، ۲ روز
جلسہ مسلم یونٹی بورڈ مراد آباد، بماہ جمادی الثانی، ۲ روز
سفر امروہہ برائے الیکشن، بماہ جمادی الثانی ایک روز
سفر الیکشن مراد آباد و سنبھل وغیرہ بماہ رجب، ایک روز
سفر الیکشن بجانب بجنور، کرتپور، بماہ رجب، ایک روز
سفر الیکشن بجانب نجیب آباد، بھراؤں و جھالو و چاندپور، بماہ رجب ایک روز

(نوٹ) چونکہ ان اسفار میں جمعہ کا دن بھی شامل ہوتا تھا، اس لیے موٹر یا ریل کے ذریعہ سے تعلیمی حرج میں نہایت کمی رہتی تھی، ہر سفر میں ایام تعلیمیہ کا نقصان صرف ایک ہی دن واقع ہوتا رہا ہے،

## تفصیل جلسہ ہائے تبلیغیہ مذہبیہ و مدارس؛

ایسے ہی مذہبی جلسے ایام تعلیمیہ کے واسطے نقصان رساں سال بھر میں صرف (۲۵ یا ۲۶) دن کے لیے ہوئے ہیں، تفصیل حسب ذیل ہے:

جلسہ سیرت نبویہ، نہٹور، بماہ ذیقعدہ ۵۲ھ، ایک دن
جلسہ سالانہ مدرسہ قاسم العلوم شاہی مسجد مراد آباد، بماہ ذیقعدہ ۵۲ھ ایک دن
جلسہ مدرسہ عربیہ بیناجنگ آسام و جلسہ اصلاح المسلمین در سونارائے ضلع رنگ پور وغیرہ در ماہ ذی الحجہ ۵۲ھ نو دن،
جلسہ جمعیۃ العلماء احناف ملتان بماہ ذی الحجہ ۵۲ھ ایک دن
جلسہ تحفظ ملت لکھنؤ بماہ محرم الحرام ۵۳ھ ایک دن
جلسہ سیرۃ نبویہ پٹیالہ، بماہ ربیع الاول ۵۳ھ ایک دن

جلسہ سیرت انجمن امداد المسلمین، باڑہ ضلع پٹنہ و صلاح المسلمین کانپور وغیرہ
بماہ ربیع الاول ۵۳ھ ۶ دن

جلسہ سالانہ تبلیغیہ خانپور ریاست بہاولپور و جلسہ صلاحیہ جلال پور
ضلع ملتان و جلسہ قادیان احرار پنجاب در ماہ رجب ۵۳ھ ۴ دن

جلسہ سالانہ مدرسہ اشاعت العلوم بریلی بماہ شعبان ۵۳ھ ۱ دن

کُل ۲۵ دن

نوٹ :۔ واضح ہو کہ جلسہ ہائے مدارس و تبلیغیہ بلکہ جلسہ ہائے سیاسیہ اسلامیہ ضروریات دارالعلوم میں سے اس درجہ شمار کیے جاتے تھے کہ حضرات مہتممین مرحومین کے زمانہ میں ان جلسوں کی شرکت نہ صرف کارہائے مدرسہ میں شمار کی جاتی تھی، اور نہ صرف اوقاتِ تعلیم ان میں خرچ ہوتے تھے بلکہ مصارف سفر وغیرہ کا بھی بار دارالعلوم پر ڈالا جاتا تھا، اور بسا اوقات وہ بار نہایت زیادہ مقدار میں ہوتا تھا، جلسہ جمعیۃ العلماء گیا اور جلسہ جمعیۃ العلماء لاہور و سہوارہ و مراد آباد کے مصاریف مالی و زمانی سے چشم پوشی نہ کرنی چاہیے،

خُلاصہ یہ کہ پندرہ روز فی مہینہ یا تیرہ روز فی مہینہ یا نو روز فی مہینہ اور وہ بھی جلسہ ہائے کانگریس و الیکشن میں بالکل جھوٹ اور غلط کہانی ہے، پھر یہ کس قدر غلط بیانی ہے کہ کہا جاتا ہے، "ہر ماہ میں پندرہ روز اسمبلی کے ووٹروں کی خدمت و نصیحت اور جمعیۃ و کانگریس وغیرہ کی اعانت میں گزرتے ہیں"، کیا اسمبلی کا الیکشن ہر ماہ میں ہوتا رہتا ہے؟ کیا یہ معاملہ صرف سال کے آخری زمانہ میں ماہ جمادی الثانی اور رجب ہی میں نہیں واقع ہوا؟ فلعنۃ اللہ علی الکاذبین،

## تیسرے اعتراض کا جواب؛

نامہ نگار انقلاب کہتا ہے :

"لیکن اوقاف وصدقات کی آمدنی سے تنخواہ ہر ماہ دفترِ دارالعلوم سے
وصول فرماتے ہیں"۔

حاجی داؤد صاحب فرماتے ہیں:

"اور پورے ایک ماہ کی تنخواہ اوقاف وصدقات سے ادا کرنا اربابِ
مشورہ اور ٹرسٹیوں کے حدودِ اختیار میں داخل ہے یا نہیں"۔

(الف) شاید ان حضرات کو آج تک علم نہیں کہ مدرسوں کو تنخواہ صدقات سے نہیں دی جاتی، ہر قسم کے صدقات تمام ضروریاتِ طلبہ پر ہی صرف کیے جاتے ہیں،

(ب) جس طرح ناظر اور مہتمم، سکریٹری وغیرہ کو حسبِ قواعد مقررہ اختیار ہے کہ حسب صوابدید ضرورت تنخواہوں اور مزدوریوں میں کمی بیشی کرے، اور رقوم موجودہ کو خواہ عام چندہ ہو یا آمدنی اوقاف وصدقات وغیرہ ہوں خرچ کرے (بشرطیکہ صدقات کے لیے مزدوریوں میں خرچ کرنے کی شرعی صورت موجود ہو) اسی طرح اس کو اختیار ہے کہ اوقاتِ خدمات میں بھی کمی بیشی کرے،

حضرت مولانا شیخ الہند قدس اللہ سرہ العزیز اور حضرت مولانا انور شاہ صاحب مرحوم صرف دو ڈھائی گھنٹے اخیر میں سالہا سال تک پڑھاتے رہے، جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں بھی حضرت شاہ صاحب مرحوم اور مولانا شبیر احمد صاحب کی تعلیمی مقادیر زمانیہ کو کیوں نہیں دیکھا جاتا، یہاں پر حضرت مولانا سید اصغر حسین صاحب کی مقدارِ تعلیم سے کیوں چشم پوشی کی جاتی ہے، یہ ایک بام و دو ہوائے کا معاملہ کیوں ہے؟ اگر اوقاف وصدقات کی گراں گراں قدر مقادیر ننگِ اسلاف سے آدھی، تہائی، چوتھائی بلکہ اس سے بھی کم محنت پر حلال ہو سکتی ہیں اور کسی کو دم مارنے کی اجازت نہیں تو پھر ان حضرات کی ننگی تلوار حسین احمد پر کیوں چلائی جاتی ہے؟ ؏ ببیں "تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا"۔

## دفعہ ثانی اور اس کا جواب:

(۱) اس دفعہ میں نامہ نگار "انقلاب" اور حاجی صاحب موصوف نے پہلی ہی دفعہ کے اعتراضوں کو دُہرایا ہے، اس لیے اس پر روشنی ڈالنے کی ضرورت نہیں صرف یہ جدید اعتراض ہے کہ ننگ اسلاف تحریری یا زبانی اجازت سفر کرتے وقت مثل دیگر مدرسین و ملازمین ضروری نہیں سمجھتا۔

(الف) خدا کرے کہ یہ بیان صحیح ہو کہ ملازمین و مدرسین بغیر اجازت تحریری یا زبانی دارالعلوم سے غائب نہیں ہوتے، مگر ہم کو تو اس کے خلاف خبریں پہنچتی رہتی ہیں، اگر دفتر اہتمام کی اور دفتر حاضری کی تفتیش کی جائے تو ثابت ہوگا کہ ایام تعطیل کے ماسوا میں نے ہر سال میں بہت سی مرتبہ تحریری رخصت لی ہے۔

(ب) ننگ اسلاف نے اپنی شرط ملازمت کی دفعہ ۹ میں جس کا پہلے ذکر آچکا ہے یہ الفاظ رکھے تھے:

"ماہوار ایک ہفتہ تک مجھ کو اجازت ہو کہ قومی تحریکات میں بلا طلب اجازت صرف کرسکوں"۔

پس جب کہ یہ شرط صراحۃً ہے، اور اس پر اس کا عمل درآمد حضرات مہتمین مرحومین کے زمانہ سے چلا آتا ہے، اور مہتمم صاحب حال اس کو مان چکے ہیں، چنانچہ حکم نامہ ۱۷ صفر ۱۳۴۹ھ میں ان کے الفاظ میں نقل کرچکا ہوں تو اس کے بعد اس الزام کا کیا حق ہے؟

## دفعہ ثالث اور اس کا جواب:

اس دفعہ میں نامہ نگار صاحب نے انتہائی دروغ گوئی سے کام لیا ہے، فرماتے ہیں:

"سال ختم شدہ میں حضرت ممدوح کی عدم موجودگی حسب ذیل تھی:

ہر ماہ میں اوسط ۱۳ روز، تعطیل کلاں ۶۰ روز ۱۸ شعبان سے ۱۹ شوال تک مخصوص حضرت کے واسطے، تمام سال میں یوم جمعہ ۵۰ روز، سہ ماہی امتحان کے بعد ۸ روز، ششماہی امتحان کے بعد ۸ روز، اب موجودگی اور تعلیم کے ایام خود اندازہ فرمالیں"۔

حاجی داؤد صاحب بھی اس سے متاثر ہو کر فرماتے ہیں:۔

"کسی صدر مدرس کو ایک ماہ میں ۱۳ روز (یا ۹ روز) کانگریسی جلسوں اور جلوسوں کی اجازت دینا الخ"۔

**الجواب** (۱) ہر ماہ میں اوسط تیرہ روز غیر حاضری کا نکالنا افترا محض ہے، اور اسی طرح پر ہر ماہ میں نو روز کا اوسط بھی غلط محض ہے، رجسٹر حاضری موجود ہے، وہ رجسٹر بھی موجود ہے جس کو کہ دفتر دار العلوم میں محرر تعلیمات ہمیشہ اور ہر مدرس و ملازم کے لیے محفوظ رکھتا اور تیار کرتا ہے، اور وہ رجسٹر بھی موجود ہے جو کہ ہر مدرس کے پاس خانہ پُری حاضری طلبہ کے لیے قانوناً رکھا جاتا ہے، دن کو رات اور رات کو دن کہنے سے بجز استحقاقِ لعنت اور کیا فائدہ ہے؟

(۲) سال ختم شدہ یعنی ۵۲، ۵۳ھ میں حاضری و غیر حاضری تعلیم و عدمِ تعلیم حسب ذیل رہی ہے:

۱۔ **شوال**:۔

حاضری: تعلیم ۳ دن، اجلاس عاملہ و سب کمیٹی ۲ دن، وفات طالب علم ۱ دن، جمعہ ۲ دن،

غیر حاضری: رخصت برائے اسفار زلزلۂ بہار وغیرہ ۸ دن، حاضری بکارِ مدرسہ ۸ دن،

**نوٹ**: ہمیشہ سے عادت تھی کہ مدرسہ اگرچہ ۱۰ شوال سے کھل جاتا تھا،

مگر طلبۂ جدید کا داخلہ، امتحان، ترتیبِ اسباق، تقسیمِ کتب، رفعِ تعارض وغیرہ میں اتنی دیر لگ جاتی تھی کہ عموماً اسباق اخیر شوال یا ابتداءِ ذیقعدہ میں شروع ہوتے تھے، یہی طریقہ زمانۂ قدیم سے چلا آتا تھا، امسال یعنی ۵۲ھ میں مہتمم صاحب نے یہ جدت فرمائی کہ رمضان المبارک میں طے فرما کر مدرسوں کو اطلاع دیدی کہ امسال اسباق نصف شوال سے شروع ہوجائیں گے، اور داخلہ بھی ہوتا رہے گا، چونکہ میری شرطیں دفعہ (۱۰) کا مقتضیٰ یہ تھا کہ وقت شروعِ اسباق تک ماہ شوال میں حاضر ہوجاؤں، اس لیے جب مجھ کو اطلاع ملی کہ ۱۵ شوال سے اسباق شروع ہوں گے تو میں نے بدیں سبب کہ میں صوبۂ آسام میں تھا، اور ضروریات تقاضہ کرتی تھیں کہ زلزلہ کے متعلق معلومات حاصل کی جائیں اور ملک کو متوجہ کیا جائے، اور راستہ میں مختلف مقامات میں ٹھہرنے کا وعدہ کرچکا تھا آٹھ دن کی رخصت لے لی،

**نوٹ**:- رجسٹر مدرسہ میں حاضری ۱۶ دن، جمعہ ۲ دن، رخصت مع جمعہ ۹ دن ہے،

(۲) ذیقعدہ:-

حاضری: تعلیم ۲۰ دن، وفات طالب علم ۱ دن، مشورہ وقف بل ۱ دن،

غیر حاضری: جلسۂ سیرت نہٹور ۱ دن، جلسہ سالانہ شاہی مسجد مرادآباد ۱ دن

حاضری بکار مدرسہ ۲۷ دن،

**نوٹ**:- رجسٹر مدرسہ میں حاضری ۲۵ دن، جمعہ ۵ دن، رخصت ۲ دن، جلسہ ۲ دن، سفر ایک دن دکھلایا گیا ہے،

(۳) ذی الحجہ:-

حاضری: تعلیم ۹ دن، مشورہ وقف بل ۱ دن، جمعہ ۴ دن، تعطیل ۶ دن،

غیر حاضری: جلسہ بنیاچنگ برائے مدرسہ عربیہ و جلسہ سالانہ انجمن

اصلاح المسلمین وغازی وغیرہ ۹ دن، جلسہ جمعیۃ علماء احناف ملتان ۱ دن، حاضری بکارِ مدرسہ ۲۰ دن،

نوٹ:- رجسٹر مدرسہ میں حاضری ۱۰ ½ دن، تعطیل ۶ دن، جمعہ ۴ دن سفر نیاچنگ وسونارای ۸ ½ دن، سفر ملتان ۱ دن درج ہے، حاضری بکار مدرسہ ۲۰ دن،

(۴) مُحرّم ۵۳ھ:-

حاضری: تعلیم ۱۹ دن، مشورہ وقف بِل تھانہ بھون و دیوبند و نگینہ ۳ دن، جمعہ ۴ دن، امتحان سہ ماہی ۳ دن،

غیر حاضری: جلسہ تحفظِ ملّت ۱ دن،

نوٹ:- رجسٹر مدرسہ میں حاضری ۱۸ دن، جلسہ بکارِ مدرسہ ۲ دن، امتحان ۳ دن، جمعہ ۴ دن، جلسۂ لکھنؤ ۱ دن،

(۵) صفر ۵۳ھ:-

حاضری: تعلیم ۱۹ دن، امتحان سہ ماہی ۳ دن، جمعہ ۴ دن،

غیر حاضری: سفر فیض آباد برائے ضروریات شخصیہ ۴ دن دکھلایا گیا ہے، کار مدرسہ ۲۵ دن،

نوٹ:- رجسٹر مدرسہ میں حاضری ۱۹ دن، امتحان ۲ دن، جمعہ ۴ دن سفر فیض آباد ۴ دن دکھلایا گیا ہے، کار مدرسہ ۲۵ دن،

(۶) ربیع الاول ۵۳ھ:-

حاضری: تعلیم ۱۶ دن، جلسہ مجلس علمی ۱ دن، جمعہ ۵ دن

غیر حاضری: جلسۂ سیرت پٹیالہ ۱ دن، جلسہ سیرت انجمن امداد المسلمین باڑہ ضلع پٹنہ وانجمن اصلاح المسلمین کانپور ۶ دن، سفر گنگوہ شریف ۱ دن، کارِ مدرسہ ۲۲ دن،

نوٹ :۔ رجسٹر مدرسہ میں حاضری ۱۶½ دن، سفر بکار مدرسہ ۳½ دن، رخصت ۳ دن، سفر ۲ دن، جمعہ ۵ دن دکھلایا گیا ہے، اور چونکہ پٹیالہ وغیرہ جانا بحکم مدرسہ ہوا تھا، اس لیے اس کو کارِ مدرسہ میں شمار کیا گیا ہے،

(۷) ربیع الثانی ۵۳ھ :۔

حاضری: تعلیم ۱۹ دن، امتحان ششماہی ۲ دن، جلسۂ شوریٰ ۲ دن، جلسۂ مدرسہ بوجہ ضروریات ۱ دن، جمعہ ۴ دن،

غیر حاضری: جلسۂ جمعیۃ العلماء مرادآباد ۲ دن، کارہائے مدرسہ ۲۸ دن،

نوٹ :۔ رجسٹر مدرسہ میں حاضری ۲۱ دن، امتحان ۲ دن، جمعہ ۴ دن، سفر ۳ دن دکھلایا گیا ہے،

(۸) جمادی الاول ۵۳ھ :۔

حاضری: تعلیم ۳ دن، جمعہ ۴ دن،

غیر حاضری: سفر تھانہ بھون برائے رسالہ الحیلۃ الناجزہ ۱ دن، جلسہ یونٹی بورڈ ۲ دن،

نوٹ :۔ رجسٹر مدرسہ میں حاضری ۲۲ دن، رخصت ۲½ دن، سفر ۱½ دن، جمعہ ۴ دن دکھلایا گیا ہے،

(۹) جمادی الثانی ۵۳ھ :۔

حاضری: تعلیم ۲۲ دن، جمعہ ۴ دن،

غیر حاضری: سفر امروہہ شخصی ۱ دن، جلسہ یونٹی بورڈ مرادآباد ۲ دن، کار مدرسہ ۲ دن،

نوٹ :۔ رجسٹر مدرسہ میں حاضری ۲۲ دن، جمعہ ۴ دن، سفر ۳ دن دکھایا گیا ہے، کارہائے مدرسہ ۲۶ دن،

(۱۰) رجب ۵۳ھ :-

حاضری: تعلیم ۱۷ دن، جمعہ ۵ دن،

غیر حاضری: سفر خانپور ریاست بہاولپور برائے جلسہ سالانہ تبلیغیہ و سفر جلال پور ضلع ملتان برائے جلسہ تبلیغیہ و سفر قادیان برائے جلسہ احرار ۴ دن سفر مراد آباد و سنبھل وغیرہ برائے الیکشن ۱ دن، سفر بجنور و کرتپور برائے الیکشن ۱ دن بیماری ۱ دن، سفر نجیب آباد و جھالو وغیرہ برائے الیکشن ۱ دن، کارِ مدرسہ ۲۲ دن،

نوٹ :- رجسٹر مدرسہ میں حاضری ۱۸ دن، جمعہ ۵ دن، سفر ۷ دن دکھایا گیا ہے،

(۱۱) شعبان ۵۳ھ :-

حاضری: تعلیم ۲۰ دن، جمعہ ۳ دن،

غیر حاضری: سفر برائے مدرسہ بریلی ۱ دن، تعطیل ۵ دن، کارِ مدرسہ ۲۹ دن،

نوٹ :- اس مہینہ میں امتحان کی وجہ سے مدرسین کا رجسٹر حاضری معطل ہوتا ہے، اس لیے صرف رجسٹر مدرسہ پر اعتماد کیا گیا ہے، اور چونکہ ان ایام میں اختتام سال کی بنا پر بعض جمعوں کو داخلِ تعطیل کر لیا گیا ہے، اس لیے صرف ۳ جمعے دکھائے گئے ہیں،

اس تمام مدت میں یعنی نصف شوال ۵۲ھ سے اخیر شعبان ۵۳ھ تک ساڑھے دس مہینے میں جملہ تعداد حاضری و تعطیل، تعلیم وغیرہ کی حسب رجسٹر تدریس حسب ذیل ہے:

حاضری: تعلیم ۱۸۷ دن، حاضری بکارِ مدرسہ ۲۰ دن، جمعہ ۴۳ دن، تعطیل ۱۱ دن = ۲۶۱ دن،

غیر حاضری: جلسہائے دینیہ ۲۵ دن، جلسہ ہائے جمعیۃ علماء ۲ دن، جلسہ ہائے مسلم یونیٹی بورڈ ۴ دن، سفر برائے الیکشن ۲ دن، بیماری ۱ دن، سفر برائے

ضروریاتِ شخصیہ و رخصت ۴۰ دن، سفر تھانہ بھون برائے حیلۂ ناجزہ ۱ دن = ۵۱ دن،

رجسٹر مدرسہ میں چونکہ ایام غیر حاضری کی تعطیل نہیں دی جاتی، نیز بسا اوقات سفر شام یا دوپہر کو بعد از فراغت درس واقع ہوتا ہے، آدھے دن کی غیر حاضری درج ہوتی ہے، اس لیے تذکرے اختلاف واقع ہوا ہے، تعطیل رجسٹر مدرسہ حسب ذیل ہے:۔

حاضری: ۱۱۳ دن، بکار مدرسہ ½ ۱۳ دن، جمعہ تعطیل ۲۳، ۱۱ دن = ½ ۲۶۰ دن،

رخصت: ½ ۱۶ دن، اسفار ۳۵ دن = ½ ۵۱ دن،

تفاصیل مذکورہ بالا سے بخوبی واضح ہے کہ ساڑھے دس ماہ جن کے سال مذکور میں (۳۱۲) دن ہوتے ہیں، ان میں ۲۶۱ دن حاضری کے ہیں، کیونکہ جمعہ اور تعطیل عید الاضحیٰ وغیرہ کے ایام حاضری ہی کے ایام شمار کیے جاتے ہیں، اور چونکہ حسب عادت ہائے قدیمہ و نیز ضروریاتِ دینیہ جیسا کہ پرانی روئداد دن اور آئینۂ دار العلوم نمبر ۱، ۲، ۳ میں ظاہر کیا گیا ہے، مذہبی جلسے اور مدرسوں کے سالانہ جلسے فرائض دار العلوم اور واجبات مدرسین ہی میں سے شمار کیے جاتے تھے، بنا بریں ۲۵ دن، جلسہ ہائے دینیہ کے بھی دار العلوم ہی کے حاضری کے ایام شمار کیے جانے چاہئیں، نیز جلسہ ہائے جمعیۃ علماء جب سے جمعیۃ قائم ہوئی ہے تا زمانہ وفات حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مرحوم مدرسہ ہی کے لوازم سے اس کی شرکت شمار کی جاتی رہی، مرحوم نے جلسہ ہائے عمومیہ جمعیۃ العلماء گیا اور لاہور و سیوہارہ وغیرہ میں نہ صرف خود شرکت فرمائی بلکہ مع اپنے جم غفیر علماء و ملازمین کے مصاریف بھی دار العلوم کے خزانہ سے دیتے رہے،

علاوہ ازیں حسب اقتضاء رکنیت و عہدہ ہائے جمعیۃ اجلاس ہائے خصوصیہ و

انتظامیہ جمعیۃ العلماء دہلی وغیرہ میں مع مدرسین شرکت فرماتے رہے، اس لیے دو دن جمعیۃ کے بھی ایام حاضری مدرسہ میں سے شمار ہونے چاہییں، جلسہ ہائے مسلم یونیورسٹی بورڈ (انجمن اتحاد المسلمین) بھی مسلمانوں ہی کی مختلف جماعتوں کے اتحاد کے لیے ضروریات اسلامیہ کی بناء پر قائم ہوئی تھی، اس لیے اس کے اجلاسوں کو ضروریاتِ مدرسہ سے علیحدہ شمار کرنا غلط ہوگا، سفر تھانہ بھون بھی ایک مذہبی ضرورت یعنی رسالۃ الحیلۃ الناجزۃ کے متعلق چند غلط فہمیوں کے ازالہ کی غرض سے ضرورتاً واقع ہوا تھا، نیز بیماری کے ایام میں صرف ایک دن یہاں دیوبند میں رہ کر شمار کیا گیا ہے، یقیناً حسبِ تعامل یہ دونوں دن بھی ایامِ حاضری سے علیحدہ نہیں کیے جا سکتے، ضروریاتِ شخصیہ کے ایام میں وہ ایام بھی شامل ہیں جن میں سفر بہار کے معائنۂ زلزلہ اور سفر اجودھیا برائے معائنۂ ہدم مسجد شہنشاہ بابر شاہ مرحوم واقع ہوا تھا جس میں ضرورت تھی کہ ملک اور قوم اور حکومت کو صحیح واقعہ سے اطلاع دی جائے، اور حسبِ ضرورت اپیل کی جائے ان دونوں امور کا ضروریاتِ دینیہ سے ہونا کوئی مخفی امر نہیں ہے،

بہرحال ضروری تو یہ ہے کہ ان ایام کو دارالعلوم کی خدمات میں ہی شمار کیا جائے، اور اگر بالفرض نہ بھی شمار کریں تو تمام سال میں ایامِ غیر حاضری صرف ۵۱ دن ہوتے ہیں، جو کہ ماہوار پانچ دن بھی نہیں پڑتے، حالانکہ میری شرط ہر ماہ میں ایک ہفتہ کی تھی، سفر و شرکت جلسہ ہائے کانگریس جو کہ داؤد صاحب بیٹ میں قرار پیدا کیے ہوئے ہے حُسنِ اتفاق سے اس سال میں ایک دفعہ بھی پیش نہیں آیا، یقیناً میں کانگریسی ہوں اور تحریکِ آزادیٔ ہندوستان میں (علی رغم کل جاہل غوی) کانگریسی ہونے کو ضروری اور لازم سمجھتا ہوں، مگر یہ اتفاقی امر پیش آیا کہ اس تمام سال میں کسی کانگریسی جلسہ میں شرکت کی نوبت نہیں آئی، ہاں الیکشن میں چار دن ضرور صرف ہوئے، جس کو پر کا کبوتر اور ذرہ کا پہاڑ بنایا گیا ہے، حالانکہ میونسپلٹی دیوبند کے الیکشنوں میں حضرات مہتممین

مرحومین اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ اور تمام مدرسین و ملازمین دارالعلوم کا اجتماعی اور انفرادی طریقہ پر جد و جہد بلیغ کرنے کا واقعہ مختلف سنینِ سابقہ میں طشت از بام ہے۔ نیز مسٹر مانٹیگو وزیر ہند کی آمد پر حضرات مرحومین کی اور دیگر اکابر و ملازمین دارالعلوم کا سفر کرنا اور دہلی میں ایڈریس وغیرہ پیش کرنا اور رہوم رول وغیرہ کے لیے سعی کرنا اور مصارف کا بار خزانۂ دارالعلوم پر ڈالنا کون نہیں جانتا، ہم نہیں سمجھ سکتے کہ کیا میونسپل بورڈ کا الیکشن تو عبادت سمجھا جا سکتا ہے اور اسمبلی کا الیکشن گناہ اور کفر سمجھا جائے گا، نامہ نگار صاحب نے "انقلاب" میں چھپا دیا کہ ("چنانچہ حضرت اقدس دینی ضرورت کا خیال فرما کر بجائے بارہ روز کے پندرہ روز ہر ماہ میں کانگریس اور اسمبلی کی ضروریات میں سفر کرتے ہیں") اور نمبر ۲ میں ان الفاظ سے گہر افشانی فرمائی ("ہر ماہ میں پندرہ روز اسمبلی کے ووٹروں کی خدمت و نصیحت اور جمعیۃ و کانگریس وغیرہ کی اعانت میں گذارتے ہیں")، ادھر جناب حاجی داؤد صاحب گل افشانی فرمانے لگے ("ایک ماہ میں تیرہ روز یا نو روز کانگریسی جلسوں اور جلوسوں کی شرکت کی اجازت دینا") اور پھر آخر میں افترا پردازی کی حاجی صاحب موصوف نے کوئی حد ہی نہیں رکھی، فرماتے ہیں (اور حضرت مہتمم صاحب کی منظوری پر مہینہ میں نو دن یا تیرہ دن کام کر کے" الخ) ان مصلحین کے جھوٹ اور افترا کا اندازہ فرمائیے، حسبہم اللہ،

یہ کیفیت تو حاضری اور خدمات دارالعلوم کی تھی، اب روزانہ مشاغلِ تدریسیہ کے اوقات کی مقدار بھی ملاحظہ فرمائیے، تاکہ اندازہ ہو سکے کہ اس ننگِ اسلاف نے کس درجہ تک خدمات دینیہ کی ہیں۔ اور کیا آج کسی یونیورسٹی اور کسی کالج کا بڑے سے بڑا پروفیسر یا کسی مذہبی مدرسہ کا مدرس اتنی خدمات انجام دیتا ہے یا نہیں؟

بعض غیر ممتند طلبہ نے نقشہ مندرجہ ذیل روزانہ منٹوں اور گھنٹوں کے لحاظ سے ہر روز لکھ کر مرتب کیا تھا، جیسا کہ ۵۲، ۵۱ھ کے لیے ہر روز کی پڑھائی کے اعتبار سے

دوسرے شرکاءِ دورہ نے لکھا تھا، جس کا سبب اصلی یہی تھا کہ بعض افراد اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ کے زہریلے پروپیگنڈوں کو جو کہ ننگِ اسلاف کے خلاف تھے دفع کیا جائے،

## دفعہ رابعہ اور اس کا جواب:

نامہ نگار صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ "صحیح بخاری شریف جیسی عظیم الشان کتاب حضرت نے صرف ۲۵ یوم میں طلباء کو تعلیم فرمادی اور امتحان میں سب کامیاب ہوگئے، یہ معجزہ نہیں تو کیا ہے"۔ جناب حاجی داؤد صاحب تحریر فرماتے ہیں: "کیا یہ حقیقت واقعہ نہیں ہے کہ سال گذشتہ میں تمام سال میں بخاری شریف کے صرف پانچ پاروں کی تعلیم ہوئی، اور ماہ شعبان میں پچیس پارے حضرت صدر المدرسین صاحب نے اپنی پُر جوش قرأت سے ختم کردیئے، اور کتاب ختم ہونے سے پہلے طلبہ کا امتحان لے کر سب کو کامیاب کردیا، لیکن اخبارات کے واویلا اور اعتراض پر کسی قدر طلبہ کو ناکامیاب کردیا گیا"۔

## الجواب:

اس اعتراض کے دو حصے ہیں، اول بخاری شریف کی مقدارِ تعلیم کے متعلق، دوسرا امتحان اور کامیابی طلبہ کے متعلق، ہم ہر ایک پر پوری روشنی ڈالنا چاہتے ہیں؛

(۱) امر اول میں نامہ نگار صاحب نے جو کچھ صداقت کی داد دی ہے اس کا حال اظہر من الشمس ہے، صرف پچیس دن میں تمام بخاری تعلیم کردینا، اس کے معنی یہ ہیں کہ بخاری شریف شعبان کی یکم کو شروع ہوئی ہو اور پچیس کو ختم ہوگئی ہو، اس سے بڑھ کر جھوٹ کیا ہوگا، بخاری شریف جلد اول ابتداء ماہ محرم الحرام ۵۲ھ سے چند دن پہلے شروع ہوئی، اور جلد ثانی ابتداءِ صفر ۵۳ھ سے شروع ہوئی، دونوں جلدیں یکم شعبان سے پہلے سات ماہ اور چھ ماہ علی الترتیب پڑھی گئیں، پھر اس پر

اس افتراء پردازی کی کیا حد ہوگی کہ کہا جاتا ہے کہ صرف پچیس دن میں کتاب ختم کرادی گئی، آٹھ ماہ تک جلد اول اور سات ماہ تک جلد ثانی پڑھائی جائے، اور حاضری تعلیم کی مقدار وہ ہو جو کہ پہلے گذر چکی، اور پھر اعلان تشہیر یہ ہو تو بجز شکایت الی اللہ اور بد دعائے لعنت اور کیا کیا جائے؟

حاجی داؤد صاحب نے اس جھوٹ اور افتراء کو کچھ سمجھا ہے تو آپ فرماتے ہیں کہ "تمام سال میں بخاری شریف کے صرف پانچ پارے کی تعلیم ہوئی"، بہرحال اتنا تو اقرار فرمایا کہ تمام سال میں کچھ پڑھایا تو گیا! نامہ نگار صاحب نے تو اتنا بھی تسلیم نہ کیا تھا، افسوس! کہ حاجی صاحب بھی قریب نامہ نگار صاحب کے ہی جھوٹ اور دروغ بیانی میں پہنچ گئے۔ ان کو یہ خبر نہیں کہ بخاری شریف کی جلد ثانی بھی تو صفر سے شروع ہوئی تھی، نفس کتاب میں تو وہ بھی داخل ہے، اس کی مقدار کا بھی کوئی اعتبار ہے یا نہیں؟ تفصیل حسب ذیل ہے:

جلد ثانی میں کتاب المغازی و کتاب التفسیر ختم ہوئیں، ۲۸ رجمادی الثانی ۵۳ھ ۵ پارے کتاب النکاح سے شروع ہوئی، ۲ ررجب ۵۳ھ ½۵ پارے، کتاب الطلاق شروع ہوئی ۹ ررجب ۵۳ھ ۶ پارے،

جلد اول اوائل شعبان تک ساڑھے پانچ پارے سے کچھ زیادہ ہوئی تھی، اور جلد ثانی ۱۹ ررجب تک ۶ پارے ہو چکی تھی، دونوں کا مجموعہ یکم شعبان تک بارہ پاروں سے زیادہ ہوا تھا، جن میں عموماً مشکل مقامات ختم ہو چکے تھے، نیز احادیث مکررہ آرہی تھیں، ابحاث گذر چکی تھیں، طلباء کو مناسبت تامہ حاصل ہو چکی تھیں، پھر اگر باقی ماندہ پارے چوبیس شعبان تک ختم ہوئے تو کیا قیامت لازم آئے گی؟ مگر ان مفتریوں کی دیدہ دلیری ملاحظہ فرمائیے، اتنی مقدار یکم شعبان تک ختم ہو جانے پر بھی جلد ثانی کی پڑھائی کو ذکر میں لایا ہی نہیں جاتا، اور عام لوگوں کو جھوٹ بول کر

دھوکہ دیا جاتا ہے،

امر ثانی کے متعلق عرض یہ ہے کہ کتاب ختم ہونے سے پہلے امتحان کا ہو جانا کوئی نیا امر نہیں ہے، اس سے پہلے بھی ایسا ہوا ہے، اور ڈابھیل میں تو امتحان اور انعام اور دستار بندی بھی حضرت شاہ صاحب مرحوم کے زمانہ میں ہوا کی ہے، غالبًا حاجی صاحب کو معلوم نہیں کہ اکثر کتبہائے عربیہ میں نصاب مقادیر معین ہیں جو کہ کتاب ختم ہونے سے بہت پہلے آجاتے ہیں، اور وہیں تک ان کا امتحان ہوتا ہے، طلباء کا امتحان میں ان کی پڑھی ہوئی مقدار میں ہوا کرتا ہے، بخاری شریف کا امتحان ۱۹ یا ۲۰ شعبان کو ہوا، جب کہ اس کا باقی ماندہ بہت بڑا حصہ پڑھایا جا چکا تھا، پڑھی ہوئی جگہوں سے سوالات آئے، اس میں انھوں نے اپنی معرفت اور حفظ کے موافق جوابات لکھے، بخاری شریف کی پڑھائی کی کیفیت سے غیر تجربہ والا آدمی واقف نہیں ہو سکتا، نامہ نگار کی دیدہ دلیری ملاحظہ فرمائیے کہ کہتا ہے کہ "تمام طلباء بخاری شریف کامیاب ہو گئے"، اس جھوٹ کا کوئی ٹھکانا نہیں، بخاری شریف کے پرچے ننگ اسلاف نے نہیں دیکھے، بلکہ مولانا اعزاز علی صاحب نے دیکھے، (جو کہ نہایت دیانتدار اور امتحان میں نہایت غیر جانبدار مشہور رہیں)، مولانا موصوف نے پرچے ۲۲ رمضان المبارک کو دفتر مدرسہ میں داخل کیے، اس سے پہلے وہ پرچوں کے دیکھنے میں مشغول تھے، جس کی تاریخ دفتر مدرسہ میں محفوظ اور محرر ہے، اور پھر نامہ نگار صاحب کو وحی آتی ہے، ۱۳ رمضان المبارک کے پرچہ انقلاب میں یہ مضمون شائع ہو جاتا ہے، اس سے بڑھ کر جھوٹ بولنے کی دلیل کیا ہو سکتی ہے، حضرت مولانا اعزاز علی صاحب خود فرماتے ہیں کہ ۱۲ رمضان المبارک کے پرچہ میں جب میں نے یہ مضمون دیکھا تو میرے تعجب کی کوئی انتہا نہ رہی کہ بخاری شریف کے پرچوں کے گڈے میرے پاس بغیر دیکھے ہوئے

رکھے ہوئے ہیں، اور یہ مضمون شائع کر دیا گیا،

مجسمۂ صداقت جناب حاجی داؤد صاحب فرماتے ہیں کہ "کتاب ختم ہونے سے پہلے سب کو کامیاب کر دیا گیا، لیکن اخبارات کے واویلا اور اعتراض پر کسی قدر طلبہ کو ناکامیاب کر دیا گیا"

حاجی داؤد صاحب باوجود ناواقف ہونے کے جھوٹ بولنے اور اس کی اشاعت سے بالکل نہیں شرماتے، واقعہ یہ ہے کہ میں اس تمام زمانہ میں دیوبند میں نہ تھا، ۲۴ر شعبان کو پرچے مولانا اعزاز علی صاحب زید مجدکم کو دے کر آسام کو روانہ ہو گیا، مولانا نے پرچے دیکھے اور نہایت دیانتداری سے نمبر تجویز فرمائے، تمام کاغذات دفتر مدرسہ میں موجود ہیں، نمبروں کی ترتیب و نشست وغیرہ دیکھی جائے، اور اندازہ کیا جائے کہ آیا اس میں کسی قسم کی تبدیلی کی گئی ہے یا نہیں، کتب دورہ کے نمبروں کی تفصیل حسب ذیل ہے:-

| نام مدرس | نام کتاب | تعداد طلبہ شریک امتحان | تعداد طلبہ کامیاب | تعداد طلبہ ناکام | ممتحن جس نے پرچے دیکھے |
|---|---|---|---|---|---|
| مولانا رسول خانصاحب | طحاوی شریف | ۱۵۵ | ۱۵۵ | ۰ | مولانا رسول خانصاحب |
| " " " | ابن ماجہ | ۱۵۵ | ۱۵۴ | ۱ | " " " |
| مولانا محمد شفیع صاحب | مؤطا امام مالکؒ | ۱۵۳ | ۱۵۱ | ۲ | مولانا محمد شفیع صاحب |
| مولانا اصغر حسین صاحب | ابو داؤد | ۱۵۶ | ۱۵۳ | ۳ | مولانا اصغر حسین صاحب |
| مولانا ریاض الدین صاحب | مؤطا امام محمدؒ | ۱۵۷ | ۱۴۹ | ۸ | مولانا ریاض الدین صاحب |
| مولانا اعزاز علی صاحب | شمائل ترمذی | ۱۵۵ | ۱۴۶ | ۹ | مولانا اعزاز علی صاحب |
| ننگ اسلاف حسین احمد | ترمذی شریف | ۱۵۸ | ۱۴۶ | ۱۲ | " " " |
| " " " | بخاری شریف | ۱۵۷ | ۱۳۲ | ۲۵ | " " " |
| مولانا اعزاز علی صاحب | نسائی شریف | ۱۵۶ | ۱۲۷ | ۲۹ | " " " |
| مولانا محمد ابراہیم صاحب | مسلم شریف | ۱۵۶ | ۱۱۴ | ۴۲ | مولانا محمد ابراہیم صاحب |

نقشہ مذکورۂ بالا سے بخوبی واضح ہو جائے کہ بخاری شریف میں فیل ہونے والوں کی تعداد معمولی نہیں ہے، ۲۵ طالب علم فیل ہوئے، اور کسی قسم کی خیانت یا بد دیانتی اس میں روا نہیں رکھی گئی، مگر دوسرے تو دیانتدار ہیں، اگرچہ ان کی کتابوں میں ایک بھی طالب علم فیل نہ ہوا ہو، یا بہت کم فیل ہوئے ہوں، اور ننگ اکابر بد دیانت ہے، جس کے یہاں ۲۵ طالب علم فیل ہیں، اور خود پرچے بھی نہیں دیکھے، تمام کاغذات دفتر میں موجود ہیں، نہ معلوم جناب حاجی صاحب نے کہاں سے گھڑ کر اپنی عاقبت سیاہ فرمائی، اور اگر ایسا ہے تو انشاء اللہ ایسی حالت میں کسی کی دیانت پر بھی اعتماد نہ رہ سکے گا،

## دفعہ خامسہ اور اس کا جواب:

نامہ نگار صاحب تحریر فرماتے ہیں: "دنیا میں ہر جگہ حضرت کی شہرت ہے، ہزاروں مرید و معتقد شاگرد ہیں، یہ سب لوگ جو کچھ صدقات و زکوٰۃ آپ کے اسم گرامی سے روانہ فرماتے ہیں آپ اس کو خزانہ دارالعلوم میں داخل نہیں فرماتے بلکہ نہایت احتیاط و امانت و دیانت سے بدستِ خود طالبین علوم کو دیتے ہیں الخ"

**الجواب**: اس دفعہ کے متعلق جناب حاجی صاحب نے کچھ نور افشانی نہیں فرمائی، نامہ نگار صاحب نے اس دفعہ میں بالخصوص نہایت عجیب طریقہ پر زہر اگلے ہیں، اس کے جواب میں میں صرف یہ کہنا چاہتا ہوں کہ جو اموال و نقود مدرسہ کے لیے میرے پاس آتے ہیں اس کو میں خزانہ دارالعلوم ہی میں داخل کرتا ہوں، یہ محض افترا پردازی ہے، چنانچہ صرف ۱۳۵۳ھ میں خزانہ دارالعلوم میں میرے ذریعہ سے نقود وغیرہ للعہ سالعہ ۱۵ پائی کے پہنچے، افسوس ہے کہ یہ مفتری حضرات رجسٹروں کو نہیں دیکھتے، البتہ جن نقود و اموال کے متعلق بھیجنے والوں کی تاکید ہوتی ہے کہ تو بدستِ خود اس کو مناسب مقامات پر صرف کرو وہاں مجھ کو کس طرح

جائز ہو سکتا ہے کہ میں خزانۂ دار العلوم میں داخل کر دوں، اس کے بعد کھدر پوشی اور گاندھی کیپ کا طعنہ دیا گیا، میں اس کو باعثِ طعنہ نہیں سمجھتا بلکہ جو لوگ اس کے اس کے خلاف ہیں ان کو موردِ طعن سمجھتا ہوں، اس کے بعد طلبہ کی غلط فہمی کا رونا رویا گیا ہے جو کہ انتہائی رذالت پر مبنی ہے،

## دفعہ سادسہ اور اس کا جواب:

جناب حاجی داؤد صاحب نے یکم اپریل کے مراسلہ میں مذکورہ بالا جواہر ریزوں کے ساتھ ایک اعتراض یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ: "حضرت سرپرست صاحب کے صرف اس اعتبار پر کہ جانبِ اقلیت کو بھی ترجیح دے سکتے ہیں شور قیامت برپا ہے اور طرح طرح کے مکروہ عنوانات "مختار مطلق" اور "ڈکٹیٹر" اختیار کیے جاتے ہیں، لیکن اربابِ مشورہ کی مطلق العنانی پر کسی کی زبان سے ایک حرف نہیں نکلتا کہ خدمت کانگریس و اسمبلی کے ایام کی تنخواہ خزانۂ دار العلوم سے بلا تکلف عطا کرائی جاتی ہے،

الجواب: چونکہ میں بھی بحیثیت عہدہ ایک ممبر ہوں، اس لیے ذمہ داری کا کچھ حصہ میری طرف بھی عائد ہوتا ہے، بنا بریں کچھ عرض کرنا ضروری ہے، جناب حاجی صاحب یا تو جان بوجھ کر انجان بنتے ہیں، یا ان کو خبر ہی نہیں، اجی حضرت صرف اقلیت کی ترجیح پر یہ عنوانات نہیں اختیار کیے جاتے اور نہ شورِ قیامت برپا کیا جاتا ہے بلکہ سازشی و ناجائز اجلاس تھانہ بھون منعقدہ ۱۱ر شوال ۱۳۵۳ھ کی تجویز کی بناء پر یہ شور برپا ہے، اس میں صرف ترجیح جانب اقلیت ہی نہیں پاس کی گئی تھی بلکہ ایسے امور پاس کیے گئے تھے جن کی بناء پر مجلسِ شوریٰ بالکل بیکار اور تمام اصول و قوانینِ سابقہ لغو ہوئے جاتے ہیں، شخصیتِ محضہ کا دور دورہ ہو جاتا ہے، اور اصحابِ اغراض کے لیے مستحکم

قلعہ بن جاتا ہے، خود حضرت سرپرست صاحب کے فتاویٰ سابقہ ردی کی ٹوکری کی نذر ہو جاتے ہیں، ملاحظہ ہوں الفاظ تجویز مع مالہٗ وما علیہ،

کارروائی جلسۂ شوریٰ منعقدہ ۱۱ رشوال ۱۳۵۳ھ بشمول حضرت معظم مولانا محمد اشرف علی صاحب مدفیوضہم و حضرت مولانا محمد سہول صاحب و خواجہ فیروزالدین صاحب و نواب عبدالباسط خاں صاحب و مہتمم صاحب و شیخ رشید احمد صاحب و مولانا محمود صاحب،

مہتمم صاحب نے تحریک کی کہ شرعی حیثیت سے اس ثابت شدہ اصول کی روشنی میں حلقۂ شوراتیہ میں بلحاظ افرادِ شوریٰ کی آراء تنقیحِ مسئلہ کے لیے ہیں اور اس حلقہ کے مرجع الامر کی آخری رائے مختتم فیصلہ کے لیے ہے، اور اس حقیقت کے پیش نظر کہ حضرت معظم مولانا محمد اشرف علی صاحب مدفیوضہم سرپرست دارالعلوم کی شخصیت ہم سب کے لیے بالاتفاق معتمد علیہ ہے یہ تحریک پیش کرتا ہوں کہ حضرت ممدوح کو مجلسِ شوریٰ کا مرجع الامر اس شرعی حیثیت میں تسلیم کیا جائے اور حضرت کی خدمت میں اس کے قبول کرنے کی استدعا پیش کی جائے، جس کی تفصیل یہ ہے:

۱؎ مسائل پیش شدہ مجلس شوریٰ جو اختلاف آراء سے طے ہوں اس میں حضرت سرپرست صاحب کی رائے جس جانب ہو وہ فیصلہ مختتم سمجھا جائے،

۲؎ مصالحِ دارالعلوم کی بناء پر اگر حضرت سرپرست صاحب کسی مصلحت دارالعلوم کی بناء پر مہتمم صاحب کو کوئی حکم ارشاد فرمائیں گے تو وہ واجب العمل ہوگا، اور اس پر مہتمم صاحب کو اختیار ہوگا کہ گشتی رائے ممبران شوریٰ سے طلب کرے یا آئندہ جلسۂ شوریٰ میں پیش کرے، ہر دو حالت میں استصواب رائے کے بعد طریقۂ مذکور ۱؎ پر عمل درآمد ہوگا،

۳؎ کسی مسئلہ کے مجلس شوریٰ میں متفق علیہ ہونے کے بعد حضرت سرپرست صاحب

کی رائے میں اگر وہ مناسب نہ ہوگا تو حضرت سرپرست کی رائے کے مطابق عملدرآمد ہوگا، اور بموجب ع۲ دوبارہ ممبران شوریٰ کے پاس برائے استصواب رائے بھیج دیا جائے گا، درصورت اختلاف ممبران اس کا فیصلہ بموجب ع۱ ہوگا، اور درصورت اتفاق رائے جب کہ رائے حضرت سرپرست صاحب کی خلاف پر دوبارہ حضرت سرپرست صاحب کی خدمت میں ارسال ہوگا، اور بالآخر حضرت سرپرست صاحب کی رائے قابل عمل ہوگی،

محرک محمد طیب غفرلہٗ ۱۱-۱۰-۵۳ھ

فیروزالدین ، رشید احمد، بندہ محمود عفی عنہ

عبدالباسط جاں،

اپنی رائے محفوظ رکھتا ہوں، محمد سہول عفی عنہ ۱۷ر شوال ۵۳ھ

اب حاجی صاحب ذرا آنکھیں کھولیں کہ آیا شورِ قیامت اور یہ عنوانات (جن پر ان کو غصہ آرہا ہے) کیا صحیح اور واقعی نہیں ہیں؟ اور کیا صرف اقلیت کے ترجیح دینے کو اس میں حضرت سرپرست صاحب کے اختیار میں دیا گیا ہے یا کہ متفق علیہ مسائل کو بھی توڑ دینے اور رَد کر دینے کا بھی اختیار دیا گیا ہے؟ اور اس سے زائد از سرِنو احکام جاری کر دینے اور اس کے واجب العمل ہو جانے کا مختار حضرت کو بنا دیا گیا ہے؟ ان تمام صورتوں میں صرف حضرت کا ہی حکم مانا جائے گا، ممبران کی کوئی بات بھی نہ چلے گی اور نہ سُنی جائے گی، وہ مجبور ہیں، یا تو حضرت کی موافقت کریں یا کاغذی گھوڑے بنے ہوئے دیکھا کریں، پھر مختار مطلق اور ڈکٹیٹر کس کو کہتے ہیں؟ کیا استبداد کسی دوسری چیز کا نام ہے؟ اس کے بعد مجلس شوریٰ کا وجود و عدم کیا دونوں مساوی نہیں؟ خود حضرت سرپرست صاحب امداد الفتاویٰ جلد ۳ صفحہ ۴۵ پر تصریح فرما رہے ہیں کہ ممبر اور مہتمم چندہ دینے والوں کے وکیل ہیں، مگر آج جملہ وکلاء

اپنی وکالتوں سے بغیر عزل مؤکلین معزول ہوگئے؟ آج ان کے فرائض صرف یہی باقی رہ گئے کہ حضرت سرپرست صاحب کے سامنے مسائل کی وضاحت کر دیا کریں، اور اگر حاضری کی نوبت سے پہلے کوئی حکم سرپرست صاحب کا پہنچے تو کان دبا کر سُن لیا کریں، ان کو کسی قسم کا اختیار چندہ کے صرف وغیرہ میں ہرگز نہ ہوگا؟ پھر اس پر طرہ یہ کہ حضرت سرپرست صاحب میلوں دور دارالعلوم سے بیٹھ کر بغیر معائنہ اور بغیر تحقیق و تفتیشِ واقعات اور بدون سماعِ اقوال مدعی و مدعا علیہ چند اپنے معتمد علیہم کے بیانات پر (جن کا خود غرضیوں، غلط فہمیوں وغیرہ سے منزّہ ہونا کسی طرح قابلِ یقین نہیں ہے) احکام صادر کر دیا کریں گے، اور اس پر دارالعلوم جیسے عظیم الشان ادارۂ اسلامیہ کی زیست و ممات، ترقی اور تنزّل وغیرہ کا سوال مبنی ہو جائے گا، ماشاء اللہ! کیا ایسی ڈکٹیٹری دنیا میں اپنی نظیر کہیں بھی رکھتی ہے؟ چند ممبروں (جن میں علماء کا وجود برائے نام تھا) کی ایسی دراز عقل و دراز تجربہ اور دور از تدین کارروائی پر اگر کچھ نکتہ چینی کی جاتی ہے تو حاجی صاحب اور ان کے ہم خیال حضرات چراغ پا ہو جاتے ہیں، دارالعلوم کے قدیمی اصول کو جن پر اس کا سنگِ بنیاد رکھا ہوا تھا، اور جن کی بناء پر ترقی کرتا ہوا اس درجہ پر پہنچا تھا آج ان کو دفن کر دیا جاتا ہے، اور اجازت نہیں ہے کہ کوئی شخص ان کے خلاف آواز اٹھائے،

حاجی صاحب کا اعتراض کہ "لیکن اربابِ مشورہ کی مطلق العنانی پر کسی کی زبان سے ایک حرف نہیں نکلتا الخ" عجیب حیثیت رکھتا ہے، جبکہ اربابِ مشورہ وکلاءِ چندہ دہندگان ہیں وہ اختیار رکھتے ہیں کہ مفاد دارالعلوم کو ملحوظ رکھتے ہوئے جن شروط پر چاہیں اور جس کو چاہیں ملازم رکھیں، اور حسبِ ضرورت و مصلحت اس کو تنخواہ دیں، کسی کو اس میں تعرض کرنے کا حق نہ ہوگا،

## دفعہ سابعہ اور اس کا جواب:

جناب حاجی داؤد صاحب بالقابہ فرماتے ہیں کہ:

"جس عالم کی وہی تحقیق ہو جو کانگریس اور گاندھی کا مسلک ہے تو اس کو یہ حق کہاں سے حاصل ہے کہ وہ اپنی اس غلط تحقیق کو طالبانِ علومِ اسلامی اور شائقینِ حدیث نبوی علیہ السلام کے ذہن نشین کرے، اور اپنے اثر و اقتدار سے فی صدی ستر طلبا کو گاندھی کیپ کی مکروہ ترغیب سے متأثر کرے"

تعجب ہے کہ حاجی صاحب کو یہ بھی معلوم نہیں کہ جس عالم کی کوئی تحقیق ہوگی وہ اس کو غلط اور مکروہ کب سمجھے گا؟ وہ تو اسی کو عبادت اور فرض یا واجب یا مستحب وغیرہ سمجھے گا، اور اس کا فریضہ ہوگا کہ تمام دنیا سے اسی کی درخواست کرے کہ وہ اس کی ہدایت اور تعلیم پر عمل پیرا ہوں، مخالف کی رائے پر اس کو عمل کرنا جائز نہ ہوگا، اگر کسی عالم کے نزدیک محقق ہو گیا ہو کہ کانگریس اور گاندھی کا کہنا حکمۃ ضالۃ (گم شدہ) مؤمن ہے، ایمان والوں کو بلا چون و چرا جہاں سے ملے لے لینا چاہیے، تو اس کو لازم ہے کہ اس کے لیے سبھوں کو دعوت دے، علیٰ ہٰذا القیاس اگر کسی عالم کے نزدیک گاندھی کیپ کا استعمال مستحب یا واجب یا فرض ہو تو اس کا فریضہ یقینی یہی ہے کہ وہ کوشش کرے کہ فی صدی ایک طالب علم بھی بغیر گاندھی کیپ کے باقی نہ رہے، یہ اشیاء غلط اور مکروہ اگر کسی کے نزدیک ہوں تو ہوا کریں، وہ عالم اس کا مکلف نہیں ہو سکتا،

## دفعہ ثامنہ اور اس کا جواب:

جناب حاجی صاحب فرماتے ہیں کہ:

"خزانہ خالی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عام اہلِ اسلام کو یقین ہو گیا ہے

کہ دارالعلوم میں کانگریسی مسلک کو رواج دیا جاتا ہے بلکہ سمجھا یا جاتا ہے.
کہ سب بزرگانِ دارالعلوم کا یہی مسلک تھا"،

۱۔ اس کا جواب ترکی بہ ترکی تو یہ ہے کہ خزانہ خالی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عام اہلِ اسلام کو یقین ہو گیا کہ دارالعلوم کی جماعت منتظمہ، ادارۂ اہتمام، ادارۂ افتاء اور بہت سے مدرسین وملازمین انگریز پرست اور گورنمنٹی اغراض ومقاصد کے غلام ہیں، ان میں اسلامی آزادی اور مذہبی غیرت نہیں ہے، اسی کو رواج دیا جاتا ہے اور سمجھا جاتا ہے کہ بزرگانِ دارالعلوم کا یہی مسلک تھا، بنابریں لوگوں کو دارالعلوم سے مایوسی اور نفرت ہوتی جاتی ہے،

۲۔ مگر ہم اس جواب کو حاجی صاحب کے خفا ہو جانے کے خوف سے پیش نہیں کرتے، فقط اتنا عرض کرتے ہیں کہ دارالعلوم میں چندہ دینے والے بہت زیادہ غریب اور پیشہ ور اشخاص ہیں، رسالہ "غایات النسب" کی اشاعت سے عام پیشہ ور قوموں کو سخت صدمہ پہنچا ہے، اور ان کے زخمی دلوں کے لیے کوئی مرہم منتظمین کی طرف سے تیار نہیں کیا گیا، بلکہ مرہم بنانے والوں کو سخت وسست کہا گیا، اور ان کو زجر وملامت کا نشانہ بنایا گیا، یہ میرا قول تخمینی نہیں یا خیالی نہیں ہے بلکہ واقعہ ہے، جو کہ مختلف مقامات میں آج تک پیش آرہا ہے،

۳۔ ایک وجہ خزانہ خالی ہونے کی یہ بھی ہو رہی ہے کہ موجودہ طرزِ عمل بتلا رہا ہے کہ دارالعلوم میں شخصی نظام دیا جارہا ہے اور جمہوری نظام جو کہ بانیانِ دارالعلوم کا مقرر کردہ شدہ تھا، اور اس پر عام مسلمانوں کو اعتماد تھا اب اس کو فنا کیا جارہا ہے، لہٰذا اب اس پر اعتماد باقی نہیں رہا، لوگ مایوس ہوتے جاتے ہیں، اور اعتماد کی روح نکلتی جاتی ہے،

۴۔ دوسری وجہ خزانہ کے خالی ہونے کی جناب مہتمم صاحب کی مطلق العنانی

اور غفلت شعاری ہے، وہ چندہ کی زیادتی کے لیے کوئی مؤثر کوشش اس طرح نہیں کرتے جس طرح امورِ انتظامیہ دارالعلوم کے لیے تیقّظ اور بیداری سے کام کرتے ہیں، اُن کی تمام تر ہمت مسئلۂ اختیارات سرپرستی اور اپنی خودمختاری کی طرف منعطف ہے، اس طرح کے پراگندہ خیالات ان کو فرصت نہیں دیتے،

جناب حاجی صاحب نے کچھ غلط پروپیگنڈے طلباء اور ریلوے کے متعلق بھی کیے، مگر وہ بالکل ہی بے سروپا ہیں، جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں، اس لیے ہم اُن کی طرف توجہ کرنا وقت ضائع کرنا سمجھتے ہیں، وہ چند خود غرض افراد نے اغراضِ فاسدہ کا مظاہرہ کیا، مگر حاجی صاحب نے اس کو وحیِ آسمانی سمجھ لیا اور آئیں بائیں شائیں لکھنے لگے،

## دفعہ تاسعہ اور اُس کا جواب،

۱۶ رمئی کے والانامہ اور اعلان میں تو جناب حاجی صاحب نے آسمان کے تارے توڑ لیے ہیں، زمین آسمان کے قلابے ملا ڈالے، مگر ہم کو ان کی ہرزہ گوئیوں سے بحث نہیں، صرف یہ عرض کرنا ہے کہ آپ کا ارشاد:

> "میں نے یکم اپریل کے خط میں حضرت صدر المدرسین کے متعلق جو چند سوالات کیے تھے ان کے جواب میں آپ نے چند شرائط کا حوالہ دیا ہے جو سُنا ہے کہ مولانا اپنی جیب میں ہر وقت رکھتے ہیں، مگر مناسب ہوتا کہ ان شرائط کی نقل کبھی مجھے بھیج دی جاتی الخ"،

کیا کسی تحریر کا اپنی جیب میں ہر وقت رکھنا بھی عیب یا منقبت کی بات ہے؟ آخر اس طعنہ سے کیا فائدہ، خواہ کوئی اپنے شرائط کو جیب میں رکھے یا صندوق میں یا کاغذات میں یا طاق میں، اور خواہ ایک ہی جگہ میں ہر وقت رکھے یا تبدیلِ مکانات کرتا رہے، اس میں بُرائی کیا ہے؟ پھر اس پر مزید مطالبہ یہ کہ وہ آپ کو کیوں نہ بھیج دی گئیں، یہ بھی عجیب مطالبہ ہے، جب کہ آپ کوئی ذمہ دار عہدہ دار نہیں ہیں تو آپ کو

اس مطالعہ کا کیا حق ہے، ایک ذمہ دار ممبر دارالعلوم کہتا ہے کہ فلاں شخص کے اعمال
چند خاص شروط کے تحت ہو رہے ہیں، آپ اس پر یہ آوازہ کستے ہیں کہ مجھ کو کیوں نہ
بھیجی گئیں، جب کہ مہتمم صاحب اور ممبر اہلِ چندہ کے وکلا ہیں، تو ان کو حق ہو گا کہ وہ اپنے
صوابدید کے مطابق شروط لگائیں اور ان کا مطالبہ کرائیں کہ دلیل کی وکالت تسلیم
کر لینے کے بعد ایسے لایعنی اعتراض کا حق کہاں تک رہتا ہے، غور کیجیے دفتر دارالعلوم کی
تحریرات میں حضرت گنگوہی قدس سرہ العزیز کی وہ تحریر آج تک محفوظ ہے جو کہ مولانا
محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق تحریر فرمائی تھی، اس کو دیکھیں اور ان اعتراضات
کی حقیقت کو پہچانیں، اس وقت سے ہی خاص خاص مدرسین کے ساتھ ہر زمانہ
میں حسب ضرورت رعایات جاری رہیں، اور آج تک جاری رہیں، اور علی رؤس
الاشہاد جاری ہیں، کسی کو ان میں کلام نہیں، مولانا سید اصغر حسین صاحب صرف
ایک گھنٹہ روزانہ اور تمام سال میں صرف ایک کتاب پڑھاتے ہیں، اور معشاہرہ ماہوار
ان دوسرے مدرسوں کے برابر لیتے ہیں جو کہ پانچ پانچ اور چھ چھ گھنٹے روزانہ اسی درجہ
کی کتابیں پڑھاتے ہیں، مگر وہاں حاجی صاحب کی رگِ حقانیت کو جوش نہیں آتا،
حالانکہ جناب سید صاحب موصوف کی کوئی شرط معروف اور غیر معروف موجود نہیں
نہ ریکارڈ مدرسہ میں ہے نہ مہتمم وقت سے ہے اور نہ مہتمم سابق سے ہے، نہ ممبروں اور
سرپرست پر پیش کی گئی ہے، حضرت شاہ صاحب مرحوم، حضرت شیخ الہند مرحوم
حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب مرحوم کے متعلق بھی ایسی خصوصی صورتیں پیش
آئی تھیں، مگر یہ دگرگوں معاملہ ملاحظہ ہو کہ ننگِ اسلاف شرط بھی کرے اور وہ مشروط
زبان زدِ عوام بھی ہو جائیں، مہتمم بھی ان کا اقراری ہو، ممبر بھی ان کے اقراری ہوں، مگر
پھر بھی ننگِ اسلاف قابلِ گردن زدنی ہی رہے، ان ھذہ القسمۃ ضیزیٰ،
ممبروں اور حضرت سرپرست پر پیش کرنا اگر مستدل بغنہ ہو سکتا ہے تو ان ہستیوں سے

ہوسکتا ہے جنھوں نے ننگِ اسلاف کو ملازم رکھا تھا، دوسروں سے اس کے سوال کا کوئی موقع نہیں، اسی بنا پر ننگِ اسلاف نے تجددِ اہتمام پر ان شروط کے متعلق حضرت سرپرست صاحب سے بالمشافہ گفتگو کرنے کے بعد مہتمم صاحب موجودہ سے تحریری گفتگو (بھی کرلی تھی) جس کا جواب تحریری اوراق سابقہ میں نقل کیا جاچکا ہے، کیا ذمہ دار ممبر کا حوالہ دینا اس کی شہادت نہیں ہے کہ ممبرانِ شوریٰ پر یہ پیش کی گئیں، اور ان کو معلوم ہیں، پھر یہ سوال کہ یہ شرائط ممبرانِ شوریٰ کے سامنے بھی پیش ہوئیں یا نہیں کس قدر لغو ہے، حضرت سرپرست صاحب کے سامنے پیش ہونے کا سوال (قندِ دیوبند) سے کیجیے، اور پھر لب بند ہو جائیے،

اس کے بعد جناب حاجی صاحب جمعیۃ علماء کے پروگرام سابق اور لاحق پر رائے زنی اور تنقید فرماتے ہیں، اور بہت سے غیر واقعی امور پیش کرتے ہیں، اگر موصوف ایسا دماغ رکھتے ہوتے جو کہ امورِ عالیہ تک پہنچ سکے تو ہم بھی دو دو باتیں حاجی صاحب سے کرتے، مگر ہم ان کو معذور خیال کرتے ہیں، اور ان امور کے متعلق خاموشی ہی کو جواب سمجھتے ہوئے عرض رساں ہیں ۔ ؎

بدم گفتی و خرسندم عفاک اللہ نکو گفتی
جوابِ تلخ می زیبد لبِ لعلِ شکر خارا

اگر حاجی صاحب ننگِ اسلاف سے اس تنگ دلی اور تکلف کا بدلہ لے رہے ہیں جو کہ بوقت سفرِ رنگون اُس طرزِ عمل سے جو کہ خلاف گورنمنٹ کر رہا تھا پیش آئی تو جناب مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی شیخ الحدیث مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور دام مجدہ' بیچارے کا کیا قصور ہے کہ آپ ان کو بھی ننگِ اسلاف کے ساتھ بے دین اور غیر مہذب بنا رہے ہیں اور فرماتے ہیں:

"اگر یہ ہر دو شیخ الحدیث روحانیت اور دیانت سے کورے ہو گئے تھے تو کیا تہذیب سے بھی ان کا دُور کا واسطہ نہ رہا تھا"،

شاید حاجی صاحب موصوف کو معلوم نہیں کہ جناب حاجی محمد یوسف صاحب موصوف عربی درسیات کی اکثر بلکہ تقریباً تمام کتابیں پڑھنے کے بعد انگریزی درسیات بھی ختم کر چکے ہیں، اور ایک عرصہ تک بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہ چکے ہیں، ان کو تحریر و تقریر میں کسی قسم کی اعانت کی ضرورت نہیں ہے،

اب ہم اپنی اس مختصر تحریر کو ختم کرنا ضروری سمجھتے ہیں، اور ناظرین سے خواستگار ہیں کہ اس حقیقت پر مطلع ہو جانے کے بعد وہ اپنے قلب و دماغ پر ان کدورتوں کا غبار جو کہ ایسے باطل پروپیگنڈوں سے پیدا ہوتا ہے بالکل نہ باقی رکھیں، اور ننگِ اسلاف کے لیے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی مرضیات کی توفیق عطا فرمائے، اور ان جماعتوں کو جو کہ ایسے باطل پروپیگنڈوں پر اُتری ہوئی ہیں ہدایت فرمائے۔

واللہ ولی التوفیق

ننگِ اسلاف حسین احمد غفرلہٗ

# قاضی ایکٹ

## ضرورت و مقاصد اور اہمیت

نیز

## تدوین واصلاح ونفاذ

جمعیت علمائے ہند کے مساعی حسنہ

حضرت شیخ الاسلامؒ کی قلمی سیاسی ڈائری کا ایک باب

تدوین وتبویب

ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہان پوری

ناشر

مجلسِ یادگارِ شیخ الاسلامؒ۔ پاکستان

کراچی

# قاضی ایکٹ

# پیش لفظ

یہ پورا مضمون پہلے ماہنامہ "نقیب" پھلواری شریف (پٹنہ) میں چھپا تھا، بعدہٗ اسے سہ روزہ "مدینہ" بجنور نے اپنے صفحات میں جگہ دی، حضرت شیخ الاسلام نے اسے "مدینہ" سے اخذ فرمایا تھا،

"مدینہ" میں اسے چار قسطوں میں شائع کیا گیا تھا، یہ چاروں قسطیں الگ الگ مباحث پر مشتمل تھیں، یہاں انھیں مستقل باب بنا دیا گیا ہے،

یہ تحریرات حضرتؒ کے قلم کی یادگار نہیں، لیکن اُن کے نقل و اقتباس اور ڈائری میں جگہ دینے سے شرعی قانون کی تدوین سے حضرتؒ کے ذوق کا پتا چلتا ہے؛ نیز ہندوستان کی مختلف و متضاد عناصر سے مرکب مخصوص سوسائٹی میں اسلامی کے تحفظ اور مسلم پرسنل لاء کے نفاذ مسئلہ سے حضرتؒ کو کتنی دلچسپی تھی، اس پر بھی روشنی پڑتی ہے،

مسلم پرسنل لاء کی تالیف اور دستور ساز اسمبلی کے ذریعہ ان کا نفاذ محمد احمد کاظمی مرحوم کا خاص موضوع تھا، مرحوم کو اپنے کاموں میں جمعیۃ علمائے ہند کی پشت پناہی حاصل رہی تھی، اس لیے اُن کے یہ مساعیٔ حسنہ جمعیت کی تاریخ خدماتِ دینی کا حصہ بھی ہیں، جمعیت اور اس کے اکابر نے کاظمی مرحوم کے ساتھ ان کے مساعی میں صرف تعاون ہی نہیں کیا، بلکہ اصول اور فقہ کی باریکیوں اور مسائل کی تشریح و توضیح اور دفعاتِ قانون کی زبان اور ان کی ترتیب و تدوین میں آں مرحوم کے تسامحات کی اصلاح اور رہنمائی بھی کی، اور اس سے بڑھکر یہ کہ جمعیت کے

اہلِ قلم اور اس کے مقرروں اور خطیبوں نے شرعی قوانین کے نفاذ کی تحریک کو منظم کیا، عام مسلمانوں کے شعور کو بیدار کیا، شرعی قوانین کی اہمیت کو اجاگر کیا، اور دستور ساز اسمبلی کے ارکان کو اسلامی شرعی بلوں کی حمایت پر آمادہ کیا، اور مخالفانہ کوششوں کے انسداد و تدارک کے مسائل پر توجہ دی،

اس سلسلہ میں ہمیں اعتراف کرنا چاہیے کہ جمعیت علمائے ہند کے علاوہ اگر کسی دینی تنظیم اور اس کے اکابر نے کاظمی مرحوم کی ہمت افزائی کی تھی، اور ان کے کاموں کو سراہا تھا تو وہ آمارتِ شرعیہ بہار" کی تنظیم، اس کے رہنما اور اس کا علمی و فکری ترجمان "نقیب" تھا،

میرے علم کے مطابق یہ سلسلۂ مضمون کتابی شکل میں پہلی بار شائع ہو رہا ہے، اُمید ہے کہ حضرت شیخ الاسلامؒ کے ذوق وسعیِ جمیل کا یہ نقش اور جمعیت علمائے ہند کی تاریخ خدماتِ دینی کا یہ ورق اسلامی ہند کی تاریخ سیاسیات کا ذوق رکھنے والوں اور حضرت شیخ الاسلامؒ کے محترم عقیدت مندوں میں اسے پسند کیا جائے گا۔

# تمہید

مولانا محمد احمد کاظمی ایم، ایل اے (مرکزی) نے جو اس سے قبل قانونِ طلاق و خُلع کو پیش کرنے کی وجہ سے کافی شہرت و عزت حاصل کر چکے ہیں اب "قاضی ایکٹ" کے نام سے ایک مسودۂ قانون مرکزی اسمبلی میں پیش کیا ہے، جو اگر منظور ہو گیا تو مسلمانوں کے تمام شرعی معاملات شرعی قاضیوں کے ذریعہ شرعی اصول وضوابط کے مطابق طے ہوا کریں گے، ذیل میں اس قانون کی ضرورت اور اس کے مقاصد درج کیے جاتے ہیں، اصل مسودۂ قانون آئندہ اشاعت میں پیش کیا جائے گا،

## باب اول

# قاضی ایکٹ ــــ ضرورت و مقاصد

مسودۂ انفساخِ نکاحِ مسلم میں ابتداءً راقم الحروف نے دفعہ ۶ اس مضمون کی رکھی تھی، کہ مقدماتِ انفساخِ نکاح کی سماعت مسلم حاکم کرے گا، اور اس کے فیصلہ کی سماعت ایک مسلم جج ہائی کورٹ کرے گا، دفعہ مذکور کی گورنمنٹ نے نہایت سختی سے مخالفت کی تھی، اس کا سب سے بڑا اعتراض یہ تھا کہ موجودہ عدالتوں میں مذہبی بنا پر تفریق کرنے کے لیے وہ اس لیے تیار نہیں ہیں کہ اس اصول کو تسلیم کرنے کے لیے ان کا تمام عدالتی نظام درہم برہم ہو جائے گا، اس سلسلہ میں راقم الحروف نے اپنی تقریر میں اس امر کی وضاحت کر دی تھی کہ دراصل مسلم حاکم رکھنے سے بھی مسلمانوں کی اصل شرعی ضرورت پوری نہیں ہوتی، اس مسودہ میں مسلم حاکم کی شرط محض اس غرض

سے رکھی گئی تھی کہ مسلمانوں کی شرعی ضرورت کم از کم برائے نام پوری ہو جائے، اور گورنمنٹ پر کسی مزید خرچہ کا بار نہ پڑے، لیکن مسلمانوں کی اصل ضرورت تو محض قاضیوں کے تقرر سے ہی پوری ہو سکتی ہے، اور اس کے لیے میں جداگانہ بل بعد میں پیش کروں گا، اور واقعہ یہ ہے کہ شرعاً جو شرائط قاضی کے تقرر کے لیے ضروری ہیں وہ موجودہ زمانہ کے حکام کے تقرر پر منطبق نہیں ہوتیں، مثلاً قاضی کے لیے ضروری ہے کہ وہ علاوہ علوم دینی کے ماہر ہونے کے نیک چلن بھی ہو، اور نجی معاملات میں بھی اگر وہ خیانت یا بد چلنی کا مرتکب ہو تو وہ اس عہدے کے قابل نہیں رہتا، لیکن نیک چلنی کی شرط موجودہ حکام کے لیے ضروری نہیں ہے، محض پبلک فرائض کی انجام دہی اس کے لیے کافی ہے، مثلاً اگر کوئی حاکم شراب پیتا ہو تو اس کا یہ فعل اس کی علیحدگی کے لیے کوئی وجہ نہیں ہو سکتی، برعکس اس کے اگر قاضی ایسے فعل کا مرتکب ہو تو وہ عہدۂ قضاء کے فرائض کے انجام دہی کے لیے مقرر نہیں کیا جا سکتا، یہ اسلامی شرع ہی ہے کہ جس نے عدل کرنے کی قابلیت کو تبحرِ علمی کے ساتھ نیک چلنی پر مشروط کیا ہے، اس اصول کی خوبی ایسی واضح ہے کہ اس کے متعلق کسی مزید دلیل کی ضرورت نہیں، غرضیکہ مسلمانوں کی اصل ضرورت نہ موجودہ حکام سے پوری ہو سکتی ہے اور نہ گورنمنٹ ہی اس کے لیے تیار ہے، اس وجہ سے اس کے لیے جداگانہ بل مرتب کیا گیا ہے،

موجودہ حکومت سے یہ توقع نہیں ہے کہ وہ جداگانہ محکمۂ قضاء قائم کر کے اس کے مصارف کو برداشت کرنے کے لیے تیار ہو، یا اس سلسلے میں مسلمانوں سے کوئی جداگانہ ٹیکس وصول کر کے ایسا محکمہ قائم کرے، اس لیے کہ کسی ایسے ٹیکس کی نوعیت اور اس کے طریقِ وصول کا تعین کرنا مشکل ہے، اور اس مسودہ کے "وجوہ و مقاصد" پڑھنے سے بھی یہ معلوم ہوگا کہ پہلے زمانہ میں بھی قاضیوں کے

اخراجات کی کفالت زیادہ تر نکاح پڑھانے کی فیس سے ہوتی تھی، اس لیے موجودہ مسودہ میں بھی محض فیس پر اکتفاء کیا گیا ہے، اس مسودہ کی رُو سے قاضیوں کے سپرد دو کام کیے گئے ہیں، ایک نکاح پڑھانا اور اس کا باقاعدہ ریکارڈ رکھنا اور دوسرے طلاق و خلع وغیرہ کے مقدمات فیصل کرنا، یہ ظاہر ہے کہ نکاح پڑھانیوالے قاضیوں کی جس تعداد میں ضرورت ہے اتنی تعداد کی مقدمات فیصل کرنے والے قاضیوں کی ضرورت نہیں، اسی طرح مقدمات فیصل کرنے والے قاضیوں کے لیے جس علمیت و قابلیت کی ضرورت ہے اس کی نکاح پڑھانے والے قاضیوں کے لیے ضرورت نہیں، اس وجہ سے مقدمات طے کرنے والے قاضیوں کے لیے مستند عربی مدارس کی سندِ علمی کا حصول ضروری رکھا گیا ہے، اور اس قانون کے آخر میں اُن مدارس کی تفصیل ہو گی جن کی سَنَدات اس کے لیے ضروری قرار دی جائیں گی،

علاوہ ازیں قاضی کے ساتھ ایک عالمِ دین اور ایک وکیل کو بھی فیصلہ مقدمات کرنے کے لیے قاضی کا شریک رکھا گیا ہے، تاکہ فیصلہ کی صحت پر پبلک کا پورا اعتماد ہو جائے،

مسودۂ بل جو ہمرشتہ درج کیا جاتا ہے وہ لفظاً لفظاً اس مسودہ کا ترجمہ نہیں ہے، جس کا نوٹس دیا گیا ہے، بلکہ اس کو عام فہم بنانے کے لیے تمام اصول بل کی دفعات کی شکل میں رکھ دیئے گئے ہیں، اگرچہ بل میں بھی دفعات کے نمبر قریب قریب یہی ہیں، اظہارِ رائے عامہ کے بعد اصل بل میں ضروری ترمیم کی جا سکتی ہے، بل کا نوٹس ۱۳ رجون ۳۹ سنہ ع کو دیدیا گیا ہے، اور امید ہے کہ ستمبر کے اسمبلی کے اجلاس میں اس کے پیش کرنے کی نوبت آجائے گی،

شرعِ اسلامی کی رُو سے بعض مذہبی و نیم مذہبی معاملات کے تصفیہ کے لیے

بادشاہِ وقت کے باضابطہ مقرر کردہ قاضی کے حکم کی ضرورت ہوتی ہے، مثلاً انفساخِ نکاح کی ڈگری قاضی ہی دے سکتا ہے، اس کے علاوہ بعض مذہبی ارکان کی ادائیگی کے لیے بھی قاضی کی ضرورت ہوتی ہے، مثلاً جمعہ اور عیدین کی نمازوں کی امامت اور نکاحوں کے پڑھانے کے لیے قاضیوں کی ضرورت ہوتی ہے، ہندوستان میں مسلمانوں کے آباد ہو جانے کے بعد سے بادشاہِ وقت کی جانب سے قاضی شہروں، قصبوں اور مختلف پرگنوں میں شرعِ اسلامی کے مطابق فرائض کی انجام دہی کے لیے مقرر کیے جاتے تھے، سلطنت انگریزی نے بھی ابتدائی دور میں قاضیوں کے تقررات کو تسلیم کیا، اس سلسلہ میں ریگولیشن نمبر ۳۹ سنہ ۱۷۹۳ء میں سب سے پہلا قانون بنایا گیا، اس قانون کا مقصد عہدۂ قاضی اور قاضی القضاۃ کو تسلیم کرنا اور ان کے تقررات کا انتظام کرنا تھا، اس قانون کی دفعہ ابتدائی حسب ذیل ہے:

"پٹنہ، ڈھاکہ، مرشد آباد اور بڑے بڑے قصبوں اور پرگنوں میں قاضی اس غرض سے مقرر کیے جاتے ہیں کہ وہ دستاویزاتِ انتقال اور دوسرے قانونی دستاویز کو مرتب کریں، اور تصدیق کریں، نکاح پڑھائیں اور دوسرے مذہبی رسوم کی ادائیگی مطابق شرع اسلامی کریں، جیسا کہ وہ ابتک برٹش گورنمنٹ کے تحت کرتے رہے ہیں، نیز حسب ریگولیشن، نمبر ۷ اور ۲۲ سنہ ۱۷۹۳ء کے اُن کے سپرد یہ کام بھی ہے کہ وہ جائیداد مقروضہ کے نیلام کی ..... نگرانی کریں، اور خیراتی اور دوسری قسم کی پنشنیں اور الاؤنس لوگوں میں تقسیم کریں، فرائض مذکورہ بالا کی نوعیت کے اعتبار سے ضروری ہے کہ ان عہدوں پر ایسے لوگ مقرر کیے جائیں، جو اچھے چال چلن کے ہوں اور قانون کی مناسب واقفیت رکھتے ہوں، اوران فرائض کو محنت و ایمان داری سے کرنے کے لئے ان کی ہمت افزائی

کے واسطے ضرورت یہ ہے کہ وہ اپنے عہدوں سے اس وقت تک نہ ہٹائے جائیں جب تک گورنر جنرل کا یہ اطمینان نہ ہو جائے کہ وہ ناقابل ہیں، یا کسی بدچلنی کے مرتکب ہوئے ہیں، اس لیے حسب ذیل قوانین نافذ کیے جاتے ہیں"

"ایسٹ انڈیا کمپنی کی سلطنت کا رقبہ بڑھانے کے ساتھ ساتھ اسی نوعیت کے ریگولیشن اور قوانین دوسرے صوبوں میں بھی نافذ کیے گئے ہیں لیکن اُس زمانہ میں قاضیوں کے علاوہ ہندو اور مسلمان افسران قانونی عدالتوں میں اس غرض سے مقرر کیے جاتے تھے کہ وہ دھرم شاستر اور شرعِ اسلامی کے مقدمات کے تصفیہ میں ججوں کی امداد کریں، اُس زمانہ میں جو جج مقرر کیے جاتے تھے ان کو شرعِ اسلامی اور دھرم شاستر سے کوئی واقفیت نہ ہوتی تھی، اس کا سبب یہ تھا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کا مقصد یہ تھا کہ وہ رفتہ رفتہ عدالتی کام ہندوستانیوں کے ہاتھ سے نکال کر انگریز ججوں کے سپرد کر دے، اور اُن ججوں کی امداد کے لیے یہ افسر مقرر کیے جاتے تھے، اس وجہ سے اس محکمہ کی حیثیت دوامی نہ تھی، معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۶۴ء میں گورنمنٹ نے یہ سمجھا کہ ہندو اور مسلم قانونی افسران کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی، اس لیے کہ وہ رفتہ رفتہ انگریز ججوں کو دھرم شاستر اور شرع اسلامی کافی طور پر سکھلا چکے تھے، اور انگریزی میں ان قوانین کے متعلق کتابیں لکھی جا چکی تھیں، اور اُن شعبہ جات کے متعلق قانونی نظائر کی بھی اتنی کافی تعداد ہو چکی تھی کہ وہ آئندہ کے لیے عدالتوں کی رہنمائی کے واسطے کافی تھیں، چنانچہ اب ان کی کوئی ضرورت باقی نہ رہی تھی، اور اس لیے اُن کو ایکٹ نمبر ۱۱ کی رُو سے

علیحدہ کر دیا گیا، لیکن ہندو اور مسلم افسران کی علیحدگی کے ساتھ ساتھ وہ رگولیشن اور قوانین بھی منسوخ کر دیئے گئے جو قاضیوں کے متعلق تھے حالانکہ محکمۂ قضاء کی وجہ سے سلطنت پر کوئی زیادہ بار نہ تھا، اور نہ قاضیوں کی حیثیت و ضرورت ہندو مسلم قانونی افسران کی طرح پر عارضی تھی، آنریری مسٹر اے اے رابرٹ نے مسودۂ قانون ایکٹ نمبر ۱۱ ۱۸۶۴ء کے پیش کرنے کی اجازت کے سلسلہ میں جو تقریر کی اس میں اولاً ہندو مسلم قانونی افسران کی علیحدگی کے وجوہات بیان کیے اور اس کے بعد قاضی القضاۃ اور قاضی کے متعلق حسب ذیل الفاظ کہے:

## قاضی القضاۃ:

"اس مسودۂ قانون کا یہ بھی مقصد ہے کہ گورنمنٹ اپنا تعلق قاضی القضاۃ یعنی صوبہ کے بڑے قاضی اور شہر و قصبہ اور پرگنہ کے قاضیوں کے عہدوں سے قطع تعلق کرلے، ان عہدوں کا نہ ہم پر مدار تھا نہ وہ برطانوی سلطنت کے کسی قانون کے پیداوار تھے، یہ سلطنت اسلامی اور مسلمانوں کی سوسائٹی کے قائم کردہ تھے، جب ہماری سلطنت شروع ہوئی تو ہم نے دیکھا کہ ہر شہر اور قصبہ و پرگنہ میں قاضی موجود ہے، اور ہمارے شروع زمانہ کے قانون بنانے والوں نے صرف یہ کیا کہ ان قاضیوں کے فرائض کی تفصیل بیان کردی اور اس بات کا انتظام کردیا کہ ان عہدوں پر اچھے چال چلن کے اور تعلیم کے لحاظ سے قابل لوگ مقرر کیے جائیں"

"اس کے بعد مسٹر رابرٹس نے یہ بتلایا کہ رفتہ رفتہ کس طرح پر دستاویزات انتقال اور دیگر قانونی دستاویزات کی تیاری اور

ان کی تصدیق کا کام اور نوٹری پبلک (NOTAR YPABLIC) کا کام باضابطہ محکمہ جات کے قائم ہو جانے کی وجہ سے قاضیوں کے ہاتھ سے نکل گیا، اگرچہ اس زمانہ میں بھی قاضی دستاویزات کی تصدیق کیا کرتے تھے، اور عدالت ان کو مانتی بھی تھی، لیکن یہ کام اُن کے ہاتھ سے بڑی حد تک نکل چکا تھا، مسٹر رابرٹس نے یہ بھی دکھلایا ہے کہ جائیداد اور مال کی کچی قرقی اور نیلام کرنے کا کام بھی رفتہ رفتہ قاضیوں کے ہاتھ سے نکل گیا، خیراتی اور دوسری قسم کی پنشنوں کا کام بھی ان سے لیا جا چکا ہے، قاضیوں کی تنخواہ کی وجہ سے سلطنت پر جو بار تھا اس کے متعلق مسٹر رابرٹس نے حسب ذیل الفاظ کہے: "ممکن ہے کہ قاضیوں کو کچھ چھوٹی چھوٹی تنخواہیں سلطنت سے ملتی ہوں، اور مدراس اور بمبئی میں کچھ اوقاف بھی ایسے تھے جن سے ان کو گذارہ ملتا تھا، لیکن زیادہ تر قاضیوں کی ان خدمات کا معاوضہ جو وہ سلطنت کی کرتے تھے عید کے تہوار کے موقع پر خلعت و نذرانہ یعنی روپیہ و شان کی شکل میں دیا جاتا تھا، پبلک کی خدمات اور نکاحوں وغیرہ کے پڑھانے کا معاوضہ وہی لوگ ادا کرتے تھے جو ان سے کام لیتے تھے "

آخر میں مسٹر رابرٹس نے مجوزہ قانون کے پاس ہونے کا اثر حسبِ ذیل الفاظ میں بیان کیا:

"خواہ وہ قاضی جن کو گورنمنٹ ابتک مقرر کرتی رہی ہے یا وہ قاضی جنھوں نے اپنی قوم میں اپنی قوت سے اپنے آپ کو قاضی تسلیم کرا لیا ہے، وہ اپنے تمام ایسے فرائض کی انجام دہی میں جو شرعِ اسلامی کے مطابق تھے، اور جن کو وہ ابتک انجام دیتے رہے تھے، آئندہ انجام دینے کے لیے وہ بالکل آزاد

ہوں گے، اس مسودۂ قانون کا مقصد صرف اس قدر ہے کہ ان قوانین کو منسوخ کر دیا جائے جو قاضیوں کے تقرر کے متعلق تھے، اور اس بات کا اعلان کر دیا جائے کہ آئندہ سے گورنمنٹ ان عہدوں پر کسی کا تقرر نہ کرے گی۔"

جس وقت کہ یہ بل کونسل میں پیش کیا گیا تو کونسل کے واحد مسلمان ممبر نواب یوسف علی خاں والیِ رامپور جو شاید اسی غرض کے لیے کونسل کے ممبر کیے گئے تھے، اس لیے کہ انھوں نے اسی دن حلف لیا تھا، انھوں نے قاضیوں کی علیحدگی کے بارے میں جو دفعات تھیں اس کی مخالفت کی، لیکن بل پاس ہو گیا، اس بل کے پاس ہونے سے جو نتائج پیدا ہوئے وہ اُن توقعات کے بالکل خلاف تھے جن کی طرف محرک نے بل پیش کرتے وقت اشارہ کیا تھا، محرک کو یہ توقع تھی کہ گورنمنٹ کے قاضیوں کے تقرر سے دست کشی کر لینے کے باوجود قاضی مسلمانوں میں بدستور کام کرتے رہیں گے، لیکن ایسا نہ ہوا، اس کی وجہ دو تھیں؛ اولاً یہ کہ شرع اسلامی کی رُو سے اس امر کی ضرورت ہے کہ قاضی بادشاہِ وقت کا مقرر کردہ ہو، دوسرے یہ کہ ۱۸۶۴ء کے قانون کے پاس ہونے کے بعد بمبئی اور مدراس کے ہائی کورٹوں نے بھی یہ فیصلے کیے کہ قاضی وہی ہو سکتا ہے جو سلطنت کا مقرر کردہ ہو۔"

غرض کہ باضابطہ مقرر کردہ قاضی کے نہ رہنے کی وجہ سے مسلم قوم کو سخت مشکلات پیش آئیں، جس کی بابت گورنمنٹ کو بار بار توجہ دلائی گئی، بالآخر سر سید احمد خاں مرحوم نے ۱۸۸۰ء میں لیجسلیٹو کونسل میں ایک مسودۂ قانون پیش کیا جس کا نام "قاضی ایکٹ" تھا، جو ایکٹ نمبر ۱۲ ۱۸۸۰ء کی حیثیت سے

سے پاس ہوا، اس قانون کی وجہ سے لوکل گورنمنٹ کو یہ اختیار دیا گیا کہ کسی مقام کے مسلمانوں کی خواہش پر اس مقام یا رقبہ کے لیے قاضی کا تقرر کر دیں، لیکن اس قاضی کو کسی قسم کے اختیارات نہیں دیئے گئے، اور گورنمنٹ کے تقرر سے اگر قاضی کی کوئی حیثیت بھی قائم ہوئی تھی تو اس کو قانون کی دفعہ ۴ نے بالکل ہی ختم کر دیا، دفعہ ۴ کا مضمون یہ ہے:

"اس قانون کے کسی لفظ سے یا اس قانون کی رُو سے کسی قاضی کے تقرر ہو جانے کی وجہ سے یہ نہ سمجھا جائے کہ:

(الف) کسی قسم کے عدالتی یا انتظامی اختیارات کسی قاضی کو ہوں جو بروئے قانونِ ہٰذا مقرر کیا گیا ہے،

(ب) قاضی یا نائب قاضی کی موجودگی کسی نکاح کے پڑھانے یا کسی دوسری رسم کی ادائیگی کے لیے ضروری ہے،

(ج) کوئی شخص قاضی کے فرائض کی انجام دہی کرنے سے ممنوع نہیں کیا گیا،

بالفاظِ دیگر قاضی کو باوجود مقرر کیے جانے کے کسی دوسرے شخص پر ترجیح نہ تھی، اور نہ اس کو کوئی اختیارات تھے، ایسے قاضی کے تقرر سے کوئی فائدہ نہ تھا، کسی ایسے قاضی سے جس کے مقابلہ میں ہر وہ شخص جس کا جی چاہے کھڑا ہو کر یہ کام کر سکتا ہو اس سے یہ کیسے توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ اپنے شہر یا اپنے پرگنہ کے کُل نکاحوں کا مکمل ریکارڈ رکھ سکے گا، ایسا قاضی نکاحوں کی منسوخی کے لیے بھی کچھ کارآمد نہیں ہو سکتا، اس لیے کہ اس کو عدالتی اختیارات حاصل نہ تھے، اس قانون کا یہ نقص اس قدر صریح تھا کہ جب یہ بل کونسل میں منظوری کے لیے پیش ہوا تو اس زمانہ کے وائسرائے لارڈ ریپن کو اس عجیب بل کی اس عجیب خصوصیت

کو دیکھ کر تعجب ہوا، اور اس دن کی روئیداد میں لارڈ رپن نے جو گفتگو کی اس کے متعلق حسب ذیل اندراج ہیں:

"بل کی دفعہ ۴ کے ضمن الف کا مقصد یہ ہے کہ اس قانون کی رُو سے کسی قسم کا عدالتی یا کوئی دوسرا اختیار قاضی یا نائب قاضی مقرر کردہ کو نہ دیا جائے گا، ان کی رائے میں یہ ایک عجیب بات تھی کہ ایسا قانون بنایا جائے کہ ایسے شخص کو جس کو قانونی طور پر مقرر کیا جاتا ہے، کسی قسم کا اختیار نہ ہوگا،،

وائسرائے صاحب کا یہ ریمارک نہایت باموقع تھا، اور مستقبل نے ثابت کر دیا کہ میدانِ قانون سازی کا یہ نیا تجربہ بالکل ناکامیاب رہا، اس بل کی تائید میں جس کے متعلق اس وقت یہ خیال تھا کہ مسلم قوم کی مشکلات رفع کرنے میں ایک حد تک مدد دے گا، بمبئی کے آنریبل مسٹر گبسن نے حسبِ ذیل الفاظ کہے:

"اس بل کے متعلق وہ کہہ سکتے ہیں کہ قاضیوں کے نہ ہونے کی تکلیف بمبئی کی طرف بہت ہے، پہلے زمانہ میں جب تک کہ ایکٹ نمبر ۱۲ سنہ ۱۸۶۴ء پاس نہیں ہوا تھا اس زمانہ میں تمام بڑے مقامات اور اور بمبئی میں گورنمنٹ کے مقرر کردہ قاضی ہوتے تھے، اور وہ چھوٹے تنازعات طے کرنے میں بہت مفید ثابت ہوئے تھے، اگر ایسے تنازعات وہ طے نہ کرتے تو مجسٹریٹوں اور عدالتوں کے لیے باعثِ تکلیف ثابت ہوتے، انھوں نے یہ کہا کہ ان کی سمجھ میں یہ کبھی نہیں آیا کہ قانون سنہ ۱۸۶۴ء کی رُو سے ملک کے تمام قاضیوں کیوں صاف کر دیئے گئے، لیکن اس سے ایک نقصان یہ پہونچا کہ مسلمان قوم ایک قسم کے سردار سے محروم ہو گئی جن سے وہ اپنے چھوٹے خانگی مشکلات حل کرا سکتے تھے، انھیں اس کمی کا بہت احساس ہے، بعض دفعہ تو اس کمی کا یہ نتیجہ ہوتا ہے

کہ لوگ قانون اپنے ہاتھ میں لے لیتے ہیں، اور قانون شکنی کرتے ہیں، اس لیے
انھوں نے کہا کہ وہ خوش ہیں کہ قاضیوں کی تقرری کا بل پیش کردیا گیا ہے؛
لیکن اس قانون میں نقص ایسا تھا کہ اس سے مسلم قوم کو متوقع فائدہ نہ پہنچ سکا، اور
اس کا کوئی نتیجہ نہ نکلا، اور آج وہ ایک محض بے اثر قانون ہے،

## مسلمانوں کی موجودہ ضرورت:

اس طرح پر مسلمانوں کی ایک پرانی اور مسلّمہ ضرورت کو پورا کرنے کے لیے یہ
مسودہ قانون پیش کیا جاتا ہے، لیکن اس بل کے حدود بہت مختصر ہیں، اس لیے
کہ اس کی رُو سے جو اختیارات قاضی کو دیے گئے ہیں وہ ان اختیارات سے بہت ہی
کم ہیں جو اُن کو شرعِ اسلامی کی رُو سے ملتے ہیں، اور یہی نہیں بلکہ اور اختیارات
ان اختیارات سے بھی کم ہیں جو اس زمانۂ ابتدائی میں خود برطانوی گورنمنٹ کے
قانون سے ان کو دیے جاتے تھے، اس قانون کی رُو سے خاص طور پر دو ضرورتوں کو
پورا کرنا مقصود ہے، ایک یہ کہ نکاحوں کا باقاعدہ اندراج کیا جائے اور اس کا ریکارڈ قاضی
رکھے، دوسرے یہ کہ طلاق، انفساخِ نکاح وغیرہ کے مقدمات کے فیصلہ کے لیے
ایک پنچایت مقرر کی جائے، جس کے ممبر قاضی، عالم اور ایک وکیل ہو، چونکہ شرعِ
اسلامی اس معاملہ میں بہت سخت ہے، اس وجہ سے جج ضلع اور ہائی کورٹ میں
اپیل کرنے کی صورت یہ رکھی گئی ہے کہ قاضی عدالتہائے مذکورہ سے حسبِ ضرورت
استصواب کرکے معاملہ کو فیصل کرے، اس طریقہ سے برطانوی عدالتوں کے
ضابطۂ کارروائی میں کوئی بڑی تبدیلی نہ ہوگی، شرعِ اسلامی کی ضروریات پوری
ہوجائیں گی، اور توقع یہ ہے کہ مسلم قوم کی ایک بڑی ضرورت اس بل سے پوری
ہوجائے گی، (مدینہ، نمبر ۵۲، جلد ۲۸، مورخہ ۲۱ جولائی ۳۹ء ص ۲ ج ۱۰)

## باب دوم

# قاضیوں کا قانون یا شرعی خود مختاری

دفعہ ۱ ۔ ہر ضلع میں لوکل گورنمنٹ نکاح خوانی و دیگر مذہبی امور کی ادائیگی کے لیے قاضی معترر کرے گی اور مقدماتِ نکاح و طلاق و خلع وغیرہ کے تصفیہ کے لیے ایک یا ایک سے زیادہ پنچایت مقرر کرے گی، اور قاضیوں اور پنچایت کے ممبران کی نامزدگی اور ان کے کاموں کی نگرانی کے لیے ہر ضلع میں ایک کمیٹی مقرر کرے گی جو ضلع کمیٹی کے نام سے نامزد کی جائے گی،

دفعہ ۲ ۔ (الف) ضلع کمیٹی حسب ذیل اصحاب پر مشتمل ہو گی: جج ضلع کمیٹی کا صدر ہو گا، کلکٹر ضلع جو اس کمیٹی کا کنوینر (داعی) ہو گا، ایک مسلم وکیل جس کا انتخاب طبقۂ وکلاء سے مسلمان وکلاءِ ضلع کریں گے، ایک مسلم ممبر میونسپل بورڈ ہائے ضلع جس کا انتخاب مسلمان ممبران میونسپل بورڈ ہائے ضلع کریں گے، ایک مسلم ممبرِ ڈسٹرکٹ بورڈ جس کا انتخاب مسلمان ممبران ڈسٹرکٹ بورڈ کریں گے،
دو علماء جن کو سند یافتہ علماء طبقۂ علماء ہی سے منتخب کریں گے، و جملہ ممبران لیجسلیٹو اسمبلی،

(ب) ممبرانِ کمیٹی کا انتخاب پانچ سال کے لیے ہو گا، اور اگر اس دوران میں کسی ممبر کی وفات، علیحدگی، استعفیٰ کی وجہ سے جگہ خالی ہو جائے تو جس جماعت کا منتخب کردہ وہ ممبر تھا وہ جماعت دوسرا ممبر بقیہ مدت کے لیے منتخب کرے گی،

دفعہ ۳ ۔ ضلع کمیٹی کے فرائض حسب ذیل ہوں گے،

(الف) ضلع میں قاضیوں کے حدودِ عمل اور تعداد قاضیوں کی لوکل گورنمنٹ کو اس کی سفارش کرنا،

(ج) حسبِ قواعد مندرجۂ قانون ہٰذا مختلف مقاماتِ ضلع کے لیے قاضیوں اور ممبرانِ پنچایت کی نامزدگی کرکے ان کی لوکل گورنمنٹ کو سفارش کرنا،

(د) قاضیوں اور پنچایت یا پنچائتوں کے کام کی نگرانی کرنا، اور اطمینان کر لینے کے بعد ان کی وقتاً فوقتاً گورنمنٹ کو رپورٹ کرنا،

## عہدۂ قاضی؛

دفعہ ۴، عہدۂ قاضی پر تقرر کیے جانے کے لیے حسبِ ذیل صفات کی ضرورت ہوگی،

ا۔ یہ کہ وہ دیانتدار اور پرہیزگار ہو، تعلیم یافتہ اور مسائلِ نکاح سے بخوبی واقف ہو، اور جو قاضی تصفیۂ مقدماتِ نکاح کے لیے مقرر کیا جائے اس کے لیے مزید شرطیہ ہوگی کہ وہ مستند مدارسِ اسلامیہ سے جن کی فہرست درجِ ضمیمہ کی جاتی ہے کسی مدرسہ کا سند یافتہ ہو، و نیز ہدآیہ، عالمگیری کی کتابُ النکاح و حیلۂ ناجزہ میں امتحان دیگر مخصوص سند مدارس مذکورہ میں سے کسی مدرسہ کی حاصل کر چکا ہو،

مگر شرطیہ ہے کہ صفات مذکورۂ بالا کے ساتھ اس شخص کو ترجیح دی جائے گی جو اس شہر، قصبہ یا پرگنہ کے مسلمانوں پر جس میں کہ وہ قاضی مقرر کیا جائے خاندانی اعزاز کی وجہ سے خاص اثر رکھتا ہو، نیز شرطیہ ہے کہ ہر وہ شخص بھی قابلِ ترجیح ہوگا جو صفاتِ مذکورہ کا حامل ہونے کے ساتھ ایسے خاندان کا فرد ہو جس میں عہدۂ قضا، نسلاً بعد نسلٍ چلا آرہا ہو،

## اختیارات فرائضِ قاضی؛

دفعہ ۵۔ قاضی کو حسبِ ضرورت ایک سے زیادہ نائبوں کے تقرر کا

اختیار ہوگا، البتہ ضلع کمیٹی کی منظوری اس بارہ میں حاصل کرنا ہوگی، نائبوں کو مسائلِ نکاح سے بخوبی واقف ہونا اور نیک چلن ہونا ضروری ہوگا، قاضی کو ان کی علیحدگی کا اختیار ہوگا،

دفعہ ۶ ۔ (الف) قاضی خود اور اپنے نائبین کے ذریعہ اپنے حدودِ عمل میں منعقدہ نکاحوں کا باضابطہ ریکارڈ رکھے گا، جس میں فریقین نکاح کے یا ان کے ولی یا ولیوں کے (اگر کوئی ہوں) گواہانِ نکاح، وکیل نکاح (اگر کوئی ہوں) و نکاح خواں کے نام و پتہ و دستخط ثبت کیے جائیں گے، فریقین کی عمر، نکاح کا اول یا ثانی ہونا، تعداد زرِ مہر معہ تفصیل معجل و غیر معجل کا اندراج کیا جائے گا،

(ب) اُن قاضیوں کو جن کے سپرد طلاق، خلع وغیرہ کے مقدمات کا تصفیہ کرنا ہو ان کو ایسے مقدمات کا باضابطہ ریکارڈ رکھنا ہوگا،

(ج) جو نکاح قاضی یا نائب خود نہ پڑھائے اور بعد میں اس کا اندراج کرایا جائے تو تمام اندراجاتِ متذکرہ ضمن (الف) کیے جائیں گے، لیکن دستخط یا نشاناتِ انگوٹھا صرف فریقین نکاح یا اُن کے ولیوں یا ولی کے مقدم ہوں گے، مگر اندراج سے قبل قاضی کو اطمینان کر لینا کافی ہوگا، کہ فی الواقع نکاح ہوا ہے یا نہیں ؟ اور اس کی بابت اندراج رجسٹر میں کرنا ہوگا، اور اس غرض کے لیے قاضی ایسے گواہان کے دستخط بھی رجسٹر میں کرا سکے گا جو نکاح میں شریک تھے،

## فیس نکاح :

دفعہ ۷ ۔ (الف) فیس ہر نکاح کی سوا روپیہ ہوگی، جو لڑکے والے کے ذمہ ہوگی، البتہ نکاح پڑھوانے والے کو اختیار ہوگا کہ وہ اپنی رضامندی سے

اس سے زیادہ فیس قاضی یا نائب قاضی نکاح کو دے،

(ب) اگر باوجود بلانے کے کسی وجہ سے قاضی یا نائب قاضی نکاح میں شرکت کرنے سے معذور رہوں اور نکاح ان کی عدم موجودگی میں کیا جائے تو پندرہ روز کے اندر بلا فیس اس کا اندراج رجسٹر قاضی میں کرایا جا سکے گا، لیکن اگر اندراج پندرہ روز کے بعد کرایا جائے گا تو فیس مبلغ ایک روپیہ چار آنہ ادا کرنا ہوگی لیکن یوم نکاح سے ۳۰ یوم گذر جانے کے بعد اندراج نکاح نہ کیا جائے گا،

(ج) اگر کوئی شخص بدون اطلاع قاضی یا نائب قاضی کسی اور شخص سے نکاح پڑھوالے تو اس کا اندراج پندرہ یوم کے اندر دو روپیہ آٹھ آنہ فیس دے کر قاضی کے یہاں، کرایا جا سکے گا، اور اگر پندرہ روز کے بعد کرایا جائے گا تو فیس مبلغ پانچ روپے ہوگی، لیکن اندراج ۳۰ یوم کے بعد نہ کیا جائے گا،

(د) اس قانون کے نفاذ کے بعد اگر کسی عدالت میں کسی ایسے نکاح کی بابت شہادت دی جائے یا اس پر استدلال کیا جائے جس کا اندراج قاضی کے رجسٹر میں کرایا گیا ہے، تو قبل شہادت و استدلال مبلغ ۱۵ روپے بطور تاوان ادا کرنا لازمی ہوگا،

## علیحدگی قاضی،

دفعہ ۸- (الف) قاضی کا تقرر ضلع کمیٹی کی سفارش پر صوبجاتی گورنمنٹ خود کرے گی، قاضی اس عہدہ سے باستثنا اس صورت کے علیحدہ نہ کیا جائے گا کہ وہ اپنے فرائض کی انجام دہی کے ناقابل ہے، یا اس کے خلاف کوئی خیانت یا بدعملی اپنے عہدہ کے فرائض کی انجام دہی میں ثابت ہو، یا وہ نجی طور پر کسی بدچلنی کا مرتکب ہوا ہو،

(ب) ضلع کمیٹی کو جب کسی ایسے فعل کی اطلاع ملے جس کا ذکر ضمن (الف)

میں ہولے ہے تو وہ اس کی بابت اطمینان کر کے لوکل گورنمنٹ کو اطلاع دے گی،
اور لوکل گورنمنٹ حسب صوابدید خود یا بعد تحقیقات یا بلا تحقیقات قاضی کو
علیحدہ کرنے کی مجاز ہو گی،

## پنچائت؛

دفعہ ۹۔ (الف) پنچائت جو تصفیۂ مقدمات نکاح و طلاق اور فسخ نکاح کے
لیے مقرر کی جائے گی اس کے ممبران حسب ذیل ہوں گے، ضلع کمیٹی اس کی
نامزدگی کرے گی اور لوکل گورنمنٹ نامزدگی مذکور پر ان کا تقرر حسب صوابدید
خود کرے گی، ایک قاضی منجملہ قاضیہائے ضلع کے دو وکلار طبقۂ علمار و کلائے ضلع میں سے،
دو عالم طبقۂ سند یافتہ علمار میں سے،

(ب) پنچائت جملہ مقدمات نکاح و طلاق و خلع و فسخ نکاح جو ان کے دائرۂ
اختیار سماعت میں ہوں، ان کی سماعت کرے گی، پنچائت کی کارروائی کا
کورم تین کا ہوگا، اور جو تین ممبران مقدمہ کی سماعت شروع کریں گے اُن کی
موجودگی تا اختتام سماعت ہر حالت میں ضروری ہو گی،

(ج) فیصلہ مقدمات کثرت رائے ممبران پنچائت سے ہوگا، اور اگر آرار کی تعداد
برابر ہو تو قاضی کو ایک رائے مزید دینے کا حق ہوگا، اور اس رائے سے مقدمہ
فیصل ہوگا،

(د) ممبران جن کی اکثریت ہو وہ فیصلہ قابلِ نفاذ تحریر کریں گے، اور اس پر
اپنے دستخط کریں گے، لیکن آخری حکم پر صرف ایک ممبر کے دستخط ہوں گے،

دفعہ ۱۰۔ (الف) ہر شخص جو انفساخ نکاح کا مدعی ہو وہ قاضی یا پنچائت کے
مقرر کردہ شخص کے سامنے درخواست پیش کرے گا، اس درخواست کی سماعت
پنچائت بطور مقدمہ کرے گی،

(ب) ہر درخواست کے ساتھ مبلغ ۱۵ روپے نقد اخراجاتِ پنچایت داخل کرنا ہوگا،

(ج) طلبی فریقِ ثانی و گواہان وغیرہ معرفت عدالت دیوانی کیے جائیں گے، اور اس کے قواعد کے مطابق طلبانہ و خوراک دی جائے گی،

دفعہ ۱۱۔ پنچایت کے ممبران آنریری طور پر کام کریں گے، اور ان کا تقرر پانچ سال کے لیے ہوگا، البتہ اختتامِ میعاد کے بعد وہ پھر بھی نامزد کیے جا سکتے ہیں، بشرطیکہ اگر دورانِ سماعت مقدمہ میں پنچایت کے ممبران کی میعاد گذر جائے، تب بھی ان کو مقدمہ کی سماعت کا حق تا اختتامِ مقدمہ ہوگا،

دفعہ ۱۲۔ دَین مہر یا دیگر معاملات کے متعلق پنچایت کو کسی فیصلہ دینے کا حق نہ ہوگا،

دفعہ ۱۳۔ پنچایت کے ممبران اپنے عہدہ سے استعفاء دے کر علیحدہ ہو سکتے ہیں، اور کسی ممبر کی وفات یا علیحدگی سے جگہ خالی ہونے پر لوکل گورنمنٹ اس کی جگہ اسی طبقہ سے کسی دوسرے شخص کو نامزد کرے گی، بشرطیکہ؛

"جب تک کہ ان ممبرانِ پنچایت کی تعداد تین سے کم نہ ہو ان کی کوئی کارروائی محض اس وجہ سے ناجائز نہ قرار دی جائے گی کہ کسی وقت پنچوں کی تعداد پوری پانچ نہ تھی"؛

دفعہ ۱۴۔ (الف) اگر پنچایت کے صادر کردہ فیصلہ سے کوئی فریق ناخوش ہو تو وہ قاضی کے یہاں مسل کو جج ضلع کے پاس رائے کے حصول کی غرض سے بھیجنے کی درخواست پیش کرے گا،

(ب) ایسی درخواست گذرنے پر قاضی کل مسل مع فیصلہ کے حصولِ رائے کی غرض سے ڈسٹرکٹ جج کے پاس روانہ کرے گا،

(ج) مسل مذکور بر جج ضلع بعد اطلاع و سماعت فریقین حسب قواعد مندرجہ ضابطۂ دیوانی اپنی رائے تحریر کر کے قاضی کے پاس روانہ کرے گا، اور قاضی کو لازم ہوگا کہ وہ اس فیصلہ کو صادر کر دے، مگر شرط یہ ہے کہ :-

"جج ضلع کو اختیار ہوگا کہ وہ مسل کو واسطے رائے کسی اپنے ماتحت سول جج کے سپرد کر دے جو اپیل ہائے دیوانی کی سماعت کے مجاز ہوں، عدالتِ مذکورہ کی رائے مثل رائے جج کے ہوگی،

دفعہ ۱۵۔ (الف) اگر کوئی فریق جج صاحب بہادر کی رائے سے مطمئن نہ ہوگا تو اس کو اختیار ہوگا کہ وہ قاضی کے یہاں درخواست پیش کرے کہ وہ عدالت العالیہ ہائی کورٹ سے اس مسل کے متعلق استصواب رائے کرے،

(ب) ایسی درخواست گذرنے پر قاضی اپنے اور جج کے فیصلہ کی مسل کو عدالت العالیہ ہائی کورٹ برائے حصول رائے ارسال کرے گا،

(ج) ۔ عدالت العالیہ ہائی کورٹ حسبِ صوابدید خود محض ان معاملات مسل کے متعلق رائے دے گی، جن کی کہ وہ حسبِ دفعہ .. اضابطہ دیوانی اپیل دوئم میں سماعت کرنے کی مجاز ہے،

(د) ۔ عدالت العالیہ کے فیصلہ کے مطابق قاضی کو ڈگری دینی ہوگی،

دفعہ ۱۶ ۔ جملہ کارروائی حسبِ قواعد ضابطہ دیوانی ہوگی، اور پنچائت کارروائی سماعتِ مقدمہ کے لیے عدالت متصور ہوگی،

---

مدینہ بجنور، مورخہ ۲۵ر جولائی ۱۹۳۹ء نمبر ۵۳ جلد ۲۸ صفحہ ۴،

## باب سوم

# قاضیوں کا قانون ـــــ ایک تنقیدی نظر

انگریزوں نے ہندوستان پر اپنی گرفت کو مضبوط کرنے کے بعد جس طرح مسلمانوں کو اقتصادی و تعلیمی حیثیت سے پستی کی طرف پہنچایا ہے، اسی طرح ان کو مذہب سے بیگانہ بنانے اور مذہب سے دور کرنے کی بھی تمام راہیں کھول دیں، جس سے تباہی و بربادی کے جتنے دروازے تھے وہ برابر کھلتے چلے گئے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ احساس کے باوجود اُن کا انسداد سخت دشوار ہوگیا ہے،

مسلمانوں کے لیے اُن کے باہمی معاملات کا شرعی اصول پر انفصال اُن کی حیاتِ اسلامی کا جزو لازم ہے، لیکن یہاں اس کا فقدان ہے،

ان غیر اسلامی قوانین کی ترمیم و تبدیل کے جو ذرائع و وسائل ہیں، اُن میں ایسے لوگوں کا دخل ہے جو اسلامی احکام و قوانین سے ناواقف اور اس کی مصلحتوں کو سمجھنے سے قاصر ہیں، مذہبی تعلیم کے فقدان کا نتیجہ یہ ہے کہ اسلامی احکام اور ان کی مصلحتیں سمجھانے بجھانے کے بعد بھی ان کی سمجھ میں نہیں آتیں، مولوی محمد احمد صاحب کاظمی، ایم، ایل، اے (مرکزی) مذہبی خیال رکھنے والے مسلمان ہیں جنھوں نے انفساخِ نکاح کا بل امارتِ شرعیہ اور جمعیۃ علماء ہند کے مشورہ سے پیش کیا تھا، لیکن افسوس وصد ہزار افسوس کہ جب یہ مسودہ سلیکٹ کمیٹی میں گیا تو جو دفعہ اس تمام قانون کی روح و مغز تھی اسی کو خارج کر دیا گیا، یعنی اصل مسودہ میں انفساخِ نکاح کے معاملات کی سماعت و فیصلہ کے لیے مسلم حاکم کا ہونا لازمی قرار دیا گیا تھا، کیونکہ انفساخِ نکاح کا فیصلہ مسلم حاکم کے سوا کسی دوسرے کا نافذ ہی نہیں ہو سکتا

اور غیر مسلم حاکم کے ذریعہ اس قسم کے معاملات کا جو فیصلہ ہوگا وہ شرعاً باطل ہوگا، اور اس فیصلہ میں نہ عورت کا نکاح فسخ ہوگا، نہ دوسرے مرد سے اس کا نکاح ہی جائز ہوگا، اور ایسی عورت سے نکاح کرنے والا ہمیشہ بدکاری کی معصیت میں مبتلا رہے گا، لیکن افسوس کہ ان تمام شرعی نقائص کے باوجود انفساخِ نکاح کے فیصلوں کو مسلم حاکم کے زیر سماعت رکھنے والی دفعہ منظور نہ ہو سکی، اس کے علاوہ اس قانون میں بعض اور شرعی نقائص بھی ہیں جنہوں نے بہت سے مفاسد کا دروازہ کھول دیا ہے، یہ سب کچھ مذہبی احکام سے ناواقفیت کا نتیجہ تھا کہ سلیکٹ کمیٹی میں کسی مسلمان ممبر نے اس اہم اور ضروری دفعہ کے اخراج پر اعتراض نہیں کیا، اور یہ قانون اسمبلی میں اسی طرح منظور ہو کر مسلمانوں کے دین و دنیا کو تباہ کرنے کے لیے نافذ کر دیا گیا،

اب پھر مولوی محمد احمد صاحب کاظمی ایم ایل اے نے "قاضی بل" کے نام سے ایک مسودہ قانون پیش کیا ہے جس کا منشاء یہ بتایا ہے کہ نکاح وطلاق کے معاملات کا فیصلہ قاضی کرے گا، اور انفساخِ نکاح کے منظور شدہ قانون میں جو نقص ہے وہ اس قانون سے دفع ہو جائے گا،

کاظمی صاحب نے قاضی بل کی جو ضرورت بیان کی ہے اس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا، قاضی بل کی ضرورت مسلّم ہے، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ یہ قاضی بل مسلمانوں کے مرض کی دوا بھی ہو سکتا ہے یا نہیں، اور مسلمانوں کو اس سے فائدہ پہنچے گا یا نقصان؟

ہم نے اس بل کی دفعات کو غور سے پڑھا اور پڑھنے کے بعد ہماری جو رائے قائم ہوئی اس کو اختصار سے عرض کرتے ہیں:

ہمارے خیال میں یہ "قاضی بل" سخت ناقص اور مسلمانوں کے لیے غیر مفید ہی

نہیں بلکہ سخت مُضر ہے، اس قانون سے مسلمان یہ محسوس کریں گے کہ انگریزی حکومت میں ان کا پرسنل لار محفوظ ہے، درانحالیکہ ایسا نہیں ہوگا، کیونکہ قاضیوں کے اس مسودۂ قانون کے مطابق قاضی نام ہوگا اس شخص کا جس کو نکاح خوانی اور مقدمات نکاح وطلاق کے لیے حکومت مقرر کرے گی،

اس قانون کی ایک دفعہ یہ ہے کہ" ہر ضلع میں لوکل گورنمنٹ نکاح خوانی ودیگر امور مذہبی کی ادائیگی کے لیے قاضی مقرر کرے گی، اور مقدماتِ نکاح وطلاق، خلع وغیرہ کے تصفیہ کے لیے ایک یا ایک سے زیادہ پنچایت مقرر کرے گی"،

اس بل میں قاضی کا فریضہ نکاح خوانی بیان کیا گیا ہے، حالانکہ نکاح خوانی کرنے والے کو شریعتِ اسلامیہ قاضی نہیں کہتی، بلکہ وہ "وکیل بالنکاح" کہلاتا ہے، نکاح پڑھانے والے کا لقب قاسی قطعی غلط ہے، شریعتِ اسلامیہ کے نزدیک قاضی وہ ہے جو احکامِ اسلامی کے مطابق نزاعات کا فیصلہ کرے، اور اس بل میں فیصلۂ نزاعات کو قاضی کے فرائض میں داخل نہیں کیا گیا ہے، یہ چیز پنچایت کے فرائض میں رکھی گئی ہے، لیکن پنچایت کے قیام سے مقصدِ قضاء حاصل نہیں ہوتا،

کاظمی صاحب نے اس بل میں نکاح کی رجسٹری کو بھی ضروری قرار دیا ہے، غالباً کاظمی صاحب کو معلوم ہوگا کہ آج سے تین سال پہلے حکومت نے ایک تحقیقاتی کمیٹی مقرر کی تھی، جس کے سامنے شیخ الہند، حضرت مولانا حسین احمد صاحب مدنی، حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب اور دوسرے علماءِ کرام نے شہادتیں دی تھیں، اور نکاح کی رجسٹری کو غیر ضروری بتایا تھا، اسی وجہ سے حکومت نے نکاح کی رجسٹری کا کوئی قانون نہیں بنایا، مگر تعجب ہے کہ علماءِ کرام کی اُن شہادتوں کے باوجود کاظمی صاحب نے اپنے بل میں رجسٹریشن کو کیوں ضروری قرار دیا؟ یہ پابندی تو ایک بالکل غیر ضروری پابندی ہے، جس کو ہرگز نہ ہونا چاہیے، پھر دفعہ ۴ میں ہے:

"عہدۂ قاضی پر تقرر کیے جانے کے لیے حسب ذیل صفات کی ضرورت ہوگی، (۱) یہ کہ وہ دیانتدار اور پرہیز گار ہو، تعلیم یافتہ اور مسائل نکاح سے بخوبی واقف ہو، اور جو قاضی مقدماتِ نکاح وغیرہ کے لیے مقرر کیا جائے اس کے لیے مزید شرط یہ ہوگی کہ وہ مستند مدارسِ اسلامیہ میں سے کسی مدرسہ کا سند یافتہ ہو"۔

دفعہ (۱) میں قاضی کے فرائض صرف نکاح خوانی بیان کیے گئے ہیں، اور تصفیۂ مقدمات پنچائت کے فرائض میں رکھا گیا ہے، لیکن دفعہ ۴ میں کہا گیا ہے کہ:
"جو قاضی تصفیۂ مقدماتِ نکاح وغیرہ کے لیے مقرر کیا جائے"۔ جس سے یہ گمان ہوتا ہے کہ شاید قاضی کو مقدمات فیصل کرنے کا اختیار بھی ہوگا، حالانکہ دفعہ (۱) یا کسی اور دفعہ کی رُو سے قاضی کو تصفیۂ مقدمات کا اختیار نہیں دیا گیا، ہاں! دفعہ (۹) میں پنچایت کی جو تشکیل کی گئی ہے اس میں یہ قاضی (جسے دراصل وکیل بالنکاح کہنا چاہیے) ایک ممبر بنایا گیا ہے، اس دفعہ (۹) کی رُو سے پنچائت کی تشکیل حسب ذیل ہے:

"ایک قاضی منجملہ قاضیہائے ضلع کے دو وکلاء طبقۂ مسلم وکلاءِ ضلع میں سے اور دو عالم سند یافتہ طبقۂ علماء میں سے،
(ب) پنچائت جملہ مقدماتِ نکاح وطلاق وخلع و فسخ نکاح جو اُن کے دائرۂ اختیارِ سماعت میں ہوں ان کی سماعت کرے گی، پنچائت کی کارروائی کا کورم تین کا ہوگا،
(ج) فیصلۂ مقدمات کثرتِ رائے ممبرانِ پنچائت سے ہوگا، اور اگر آراء کی تعداد برابر ہو تو قاضی کو ایک رائے مزید دینے کا اختیار ہوگا اور اس کی رائے سے مقدمہ فیصل ہوگا"۔

جب مسودۂ قانون میں پانچ کی پنچائت میں دو وکلا بھی لازمی طور سے رہتے ہیں جن کے لیے مسائلِ شرعیہ سے واقفیت کی ضرورت ہے اور نہ کسی صفاتِ حسنہ کے لزوم کی شرط ہے تو بیچارے قاضی "وکیل بالنکاح" کے لیے اُن صفات کے لزوم کی کیا ضرورت؟ کیونکہ مسائلِ شرعیہ سے واقفیت و دیانتداری و پرہیزگاری وغیرہ صفاتِ حسنہ کی لازمی ضرورت تو خاص کر ان لوگوں کے لیے ہونی چاہیے جو تنازعات کے فیصلہ کے لیے مقرر کیے جائیں تاکہ وہ خلافِ دیانت کوئی کام نہ کریں، اس کے علاوہ پنچایت کا کورم تین ہے، ان تین میں اگر ایک قاضی صاحب رہے اور دو وکلا رہے اور ان وکلا نے جن کے لیے مسائلِ شرعیہ سے واقفیت شرط نہیں اور جو "حیلہ ناجزہ" کے امتحان کے پابند بھی نہیں، اگر انھوں نے اپنی کثرتِ رائے سے ایک مقدمہ کا غیر شرعی فیصلہ کر دیا تب کیا ہوگا؟

اِس بل میں اپیل اور اس کے فیصلہ کا جو طریقہ رکھا گیا ہے وہ بھی سخت مضحکہ خیز اور مسلم حاکم کے فیصلہ کے لزوم کو ختم کر کے اس قاضی بل کے مقصد کو ختم کر دیتا ہے، اپیل کا طریقہ یہ بتایا گیا ہے کہ اگر کسی فریق کو یہ فیصلہ پسند نہ ہو تو قاضی کے یہاں درخواست کرے گا کہ مسل کو رائے کے حصول کے لیے ڈسٹرکٹ جج کے پاس بھیج دیگا اب یہ نکاح پڑھانے والا قاضی اس مسل (کو) جج ضلع کے یہاں بھیج دے گا، اور اب جج صاحب اس بل کی دفعہ ۱۴ (ج) کی رُو سے جو کچھ فیصلہ کریں گے وہ اس قانون کی رُو سے حسب ذیل ہے:

> "مسل مذکور پر جج ضلع بعد اطلاع و سماعت فریقین حسبِ قواعد مندرجہ ضابطہ دیوانی اپنی رائے تحریر کر کے قاضی کے پاس روانہ کرے گا، اور قاضی کو لازم ہوگا کہ وہ اس فیصلہ کو صادر کر دے۔"

پھر اگر کوئی شخص اس فیصلہ پر بھی راضی نہ ہو تو پھر قاضی صاحب کے پاس درخواست

دے گا کہ آپ ہائی کورٹ سے اس کے متعلق رائے طلب کیجیے، قاضی صاحب اس درخواست گذرنے پر مسل ہائی کورٹ بھیج دیں گے، اس کے بعد قاضی صاحب کا فریضہ ہوگا کہ دفعہ ۱۵(د) عدالت العالیہ کے فیصلہ کے مطابق قاضی کو ڈگری دینا ہوگا۔

**خلاصہ :-** مختصراً اس قاضی بل کا خلاصہ یہ ہوا ؛

(۱) حکومت صوبہ ہر ضلع کی ایک کمیٹی کے مشورہ سے جس کا صدر دسکریٹری اکثر غیر مسلم ہی ہوں گے (جج وکلکٹر وغیرہ) ایک شخص کو نکاح پڑھانے کے لیے مقرر کرے گی، جس کا لقب قاضی ہوگا، اور جس کے فرائض میں نکاح کی رجسٹری کرنا ہوگی، حالانکہ نکاح کی رجسٹری کوئی شرعی امر نہیں، بلکہ مسلمانوں پر ایک غلط پابندی ہوگی،

(۲) پھر یہ نکاح پڑھانے والے قاضی صاحب پنچایت کے ممبر ہوں گے، اور جب یہ اور دو وکلاء کسی مقدمہ کی سماعت کریں گے تو فیصلہ ان وکلاء کا نافذ ہوگا، کیونکہ وہ دو ہوں گے یہ تنہا، اور اکثریت کا فیصلہ نافذ ہوتا ہے،

(۳) اگر کوئی فریق پنچایت کے فیصلہ سے ناراض ہو تو وہ اپیل ڈسٹرکٹ جج کے یہاں کرے گا، جس کا مسلم ہونا ضروری نہیں، اور یہ غیر مسلم جج جو رائے لکھے گا اس کو یہ قاضی صاحب اپنے قلم سے لکھکر فریقین کو سنا دیں گے،

(۴) اگر کوئی فریق اس فیصلہ سے بھی راضی نہ ہو تو وہ ہائی کورٹ میں اپیل کرے گا، اور ہائی کورٹ کے جج صاحب جن کا مسلمان ہونا ضروری نہیں وہ اپنا حکم لکھکر بھیج دیں گے، اور پھر یہ قاضی صاحب اپنے قلم سے لکھکر نافذ کر دیں گے،

گویا قاضی صاحب کے فرائض میں یہ ہوگا کہ اگر پنچایت میں ان کی اکثریت ہو جائے تو اس کا فیصلہ لکھیں اور پھر اپیل میں ڈسٹرکٹ جج کی طرف سے ایک فیصلہ قلمبند کریں، پھر ہائی کورٹ کی اپیل میں ہائی کورٹ کے جج کی طرف سے ایک فیصلہ صادر کریں، اگرچہ یہ تینوں فیصلے متضاد ہوں، لیکن یہ قاضی صاحب کے فرائض میں سے

ہوگا، اور وہ مجبور ہوں گے کہ وہ اپنے قلم سے متضاد فیصلہ لکھا کریں، جو اکثر ان کی دیانت کے خلاف بھی ہوگا، بالفاظ دیگر اس کا یہ مطلب ہوا کہ اگرچہ اسی قانون میں قاضی کے لیے دیانتدار ہونے کی شرط ہے، لیکن با ایں ہمہ اس کو خلافِ دیانت فیصلہ لکھنے پر مجبور کیا جائے گا، مذہبی تعلیم سے ناواقفیت سب سے بڑی مصیبت ہے، بابِ قضا کا ایک مسئلہ یہ ہے کہ اگر قاضی کم لکھا پڑھا ہو تو کسی عالم سے اُس معاملہ کے متعلق مشورہ و استصواب کرکے اپنی بصیرت کے مطابق فیصلہ کر سکتا ہے، جناب کاظمی صاحب کو اس مسئلہ سے یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ قاضی صاحب سے جو شخص بھی مسلمان یا کافر اپنی رائے کے مطابق فیصلہ لکھوائے وہ قابلِ نفاذ ہو جائیگا، حالانکہ قاضی دوسروں خصوصاً غیر مسلم کی رائے کے مطابق فیصلہ لکھنے سے بددیانت اور مستحقِ برطرفی ہوگا، بہرحال اپنی موجودہ صورت میں یہ پورا بل غیر ضروری، لغو، خلافِ شریعت اور مسلمانوں کے لیے مُضر ہے، اگر کاظمی صاحب اس "قاضی بل" پر دماغ سوزی کے بجائے انفساخِ نکاح کے قانون میں صرف یہ ترمیم پیش کر دیتے تو شاید ان کے قاضی بل کا مقصد پورا ہو جاتا، اور نکاح، طلاق وغیرہ کے متعلق جو حاکم فیصلہ لکھنے لگے تو اپنے قلم سے نہ لکھے بلکہ کسی مسلمان محرر کو بُلا کر اُس سے فیصلہ لکھوا دے، اور اس کو اس پر دستخط کرنے کی اجازت دیدے،

کاظمی صاحب کے قاضی بل اور اس قسم کی ترمیم دونوں کا حاصل ایک ہی ہے، کیونکہ اس بل کے مطابق بھی ڈسٹرکٹ جج اور ہائی کورٹ کے جج اپنا فیصلہ ان قاضی صاحب سے لکھوائیں،

کاظمی صاحب کو چاہیے کہ وہ اپنے اس قاضی بل کو واپس لے لیں، ... اور جمعیۃ العلماء ہند کے مشورہ سے دوسرا مسودہ تیار کرکے پیش کریں، جو مسلمانوں کے لیے مفید اور درد دُکھ کی دوا ہو، مذکورہ بالا نقائص کے علاوہ بھی اس بل

میں بہت سے نقائص ہیں، وہ قابلِ تنقید و تبصرہ ہیں، لیکن طوالت کی وجہ سے ان کو ہم ترک کر رہے ہیں ؛

مدینہ بجنور، ۱۷ اگست سنہ ۱۹۳۹ء نمبر ۵۹ جلد ۲۸، ص ۴

---

## باب چہارم

# قاضیوں کا قانون" پر تنقید کا جواب

### از محمد حسن کاظمی

اخبار مدینہ مورخہ ۱۷ اگست ۳۹ء میں قاضی بل پر نقیب کی تنقید کو میں نے غور سے پڑھا، بل کے شائع کرنے کا مقصد ہی یہ تھا کہ اس کے متعلق ہر طبقہ بالخصوص علمائے کرام کی رائے معلوم ہو جائے، اور اس لیے اخبار "نقیب" اس مفصل تبصرہ کے لیے میرے شکریہ کا مستحق ہے، اور امید ہے کہ دوسرے اہلِ علم حضرات اور اکابرین بھی اس کے متعلق اظہار رائے کر کے ضروری ترمیمات کا موقع دیں گے،

اگرچہ "قاضی ایکٹ کی ضرورت" بیان کرتے وقت پہلے مضمون میں میں نے اس مسودہ کو پیش کرنے کی وجوہ مختصراً پیش کر دی تھیں، لیکن اخبار "نقیب" کے تنقید کے سلسلہ میں ضروری معلوم ہوتا ہے کہ میں کچھ تفصیل سے یہ بتا دوں کہ یہ بل کس طرح مرتب کیا گیا، اور اس کی دفعات کس مصلحت سے رکھی گئی ہیں، تاکہ آخری فیصلہ کرنے میں سہولت ہو،

ابتداءً فروری ۳۹ء میں قانونِ انفساخ نکاح کا بل اسمبلی میں پیش ہوا تھا، اس پر دورانِ بحث سلیکٹ کمیٹی ہی میں یہ معلوم ہو چکا تھا کہ گورنمنٹ مسلم حاکم کی دفعہ ماننے کے لیے کسی طرح تیار نہیں ہے، اور اس وقت میں نے تہیہ کر لیا تھا کہ ایک دوسرا بل مسلم عدالت کے قیام کے لیے پیش کروں گا، اور اس کا تذکرہ اپنی تقریر میں بھی کر دیا تھا، چنانچہ تمام ماہ فروری اس بل کی تیاری

میں صرف کیا، جمعیۃ العلماء کا جلسہ شروع مارچ میں دہلی میں ہونے والا تھا، اور میری خواہش تھی کہ اگر اُس وقت تک مسودہ تیار ہو جائے[۱]

مدینہ، مورخہ ۹ ستمبر ۱۹۳۹ء نمبر ۶۵ جلد ۲۸، ص ۴

---

[۱] افسوس! کہ کاظمی صاحب کے مضمون (رسالہ نقیب کی تنقید کا جواب) حضرت شیخ الاسلامؒ کی ڈائری میں اسی مقام پر ختم ہو گیا، کاظمی صاحب جمعیۃ علمائے ہند کے جلسۂ دہلی مورخہ ۳ تا ۱۰ مارچ سنہ ۱۹۳۹ء کے انعقاد تک مسودہ تیار نہیں کر سکے تھے، اسی لیے اس پر بحث ونظر کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوا، البتہ جمعیت کے سامنے یہ مسئلہ اپنی پوری اہمیت کے ساتھ ہمیشہ واضح رہا، اور وہ اس اہم علمی فریضہ سے کبھی غافل نہیں ہوئی، اور مسلمانوں کی اجتماعی اسلامی زندگی کے قیام کے لیے ہمیشہ ساعی رہی، جیسا کہ ضمیمہ سے اور حضرت مولانا سید محمد میاں کے رسالے "قانونِ انفساخِ نکاح اور قاضی بل کی سرگذشت ..." کے مطالعہ جمعیۃ کے سنہ ۱۹۴۵ء تک کے مساعی پر روشنی پڑتی ہے،

# ضمیمہ

مرتب: ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہانپوری

اس مقام پر حضرت شیخ الاسلامؒ کے زیر نظر رسالہ کے تکملہ کے طور پر ۱۹۳۹ء تا ۱۹۴۲ء جمعیۃ کے مختلف اجلاسوں میں پاس شدہ تجاویز مرتب کردی جاتی ہیں، ان سے جمعیۃ علمائے ہند کے مساعیِ حسنہ کا اندازہ ہوتا ہے۔

۱۔ جمعیۃ علمائے ہند کا گیارہواں سالانہ اجلاس حضرت مولانا عبدالحق مدنی نوراللہ مرقدہٗ کی صدارت میں ۳ تا ۶ مارچ سنہ ۱۹۳۹ء بمقام دہلی منعقد ہوا، اس اجلاس میں بہت سی مفید اور اہم تجاویز پاس ہوئیں، ان میں پانچویں اہم تجویز "مسلمانوں کی تہذیبی خود مختاری (کلچرل اٹانمی) کے بارے میں تھی، اس کے الفاظ یہ ہیں:

"چونکہ مسلمانانِ ہند کا پرسنل لا مخصوص و ممتاز پرسنل لا ہے اور ملتِ اسلامیہ ایک مستقل ملت ہے، اس ملت کی اسلامی زندگی اور تہذیب کے بقاء کے لیے از بس ضروری ہے کہ ایک با اختیار نظام قائم ہو، حکومتِ برطانیہ نے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ سنہ ۱۹۳۵ء میں پرسنل لا اور کسی ایسے نظام کے لیے کوئی چیز نہیں رکھی، چونکہ انڈین نیشنل کانگریس نے بھی مسلمانوں کو ایک ملت تسلیم کیا ہے، اور ان کے پرسنل لا کے تحفظ و آزادی کا وعدہ کیا ہے، اور صوبجات میں صوبجاتی

حکومتیں بھی قائم ہوگئی ہیں، اس لیے جمعیۃ علمائے ہند کا یہ اجلاس طے کرتا ہے کہ بحالاتِ موجودہ ایک مسودۂ قانون کلچرل اٹانمی کے اصول پر مرتب کیا جائے، اور اس کو صوبجاتی مجالسِ قانون ساز میں پیش کر کے پاس کرانے کی سعی کی جائے، جس کے ذریعہ مسلمانوں کی ملی اور معاشرتی ضروریات پوری ہو سکیں، مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب کا مرتب کردہ مسودہ بھی پیش نظر رکھا جائے، ایسا مسودہ مرتب کرنے کے لیے ذیل کی سب کمیٹی معین کی جاتی ہے، یہ سب کمیٹی آئندہ مئی ۱۹۳۹ء تک اپنی رپورٹ مجلسِ عاملہ جمعیۃ علمائے ہند کے سامنے پیش کر دے، اس کمیٹی کو اضافۂ ارکان کا حق ہوگا، اور اس کے داعی مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد صاحب ہوں گے،

ارکان : مولانا سید سلیمان صاحب ندوی، مولانا امین احسن اصلاحی
محرک : مولانا مفتی محمد نعیم صاحب ، مؤید : مولانا بشیر احمد صاحب
تائید مزید : مولانا حفظ الرحمٰن صاحب سیوہاروی،،

۲۔ جمعیت علمائے ہند کے اسی اجلاس (دہلی، ۱۹۳۹ء) میں ایک اور تجویز "قانون فسخ نکاح" پر تنقید میں پاس ہوئی، اس میں کہا گیا تھا :

"مسلمان عورتوں کی دردناک مصیبتوں کا قانونی تدارک کرنے کے لیے جو قانون فسخ نکاح اسمبلی میں پیش کیا تھا اس کی دفعہ ۵ قانون کی روحِ رواں تھی، کیونکہ اسلامی قانون کا مسئلہ ہے کہ فسخ نکاح کا فیصلہ مسلمان حاکم ہی کر سکتا ہے، مگر افسوس ہے کہ اس دفعہ کے خلاف حکومت اور بہت سے منتخب ارکانِ اسمبلی نے رائے دے کر اس کو قانون سے خارج کرا دیا، اس دفعہ کے نکل جانے سے قانون کی اسلامی

رزح نکل گئی، اور وہ ایک غیر اسلامی ایکٹ ہو گیا، جو مضرت کہ قانون نہ ہونے کی صورت میں تھی وہ قانون کے اس شکل میں پاس ہونے سے کم نہیں ہوئی، بلکہ اسلامی نقطۂ نظر سے مفاسد بہت زیادہ ہو گئے، جمعیۃ علماء کے نزدیک موجودہ شکل میں یہ قانون ہرگز منظوری کے قابل نہیں، سعی کی جائے کہ اس کو وائسرائے کی منظوری حاصل نہ ہو، نیز اس کے ساتھ دارالقضاء اور نظارۃ شرعیہ کے قیام کی سعی کو تیزی اور سرعت کے ساتھ عمل میں لانا چاہیے، کہ اس قسم کی ضرورتوں کے پورا ہونے کا وہی باقاعدہ اور صحیح علاج ہے،

محرک: حضرت علامہ مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحبؒ

مؤید: مولانا ابوالمحاسن سید محمد سجاد صاحب بہاری ؒ"

۳- جمعیۃ علمائے ہند کا بارہواں سالانہ اجلاس ۷، تا ۹، جون ۱۹۴۰ء کو جونپور میں حضرت شیخ الاسلام مولانا سید حسین احمد مدنی کی صدارت میں ہوا، اس میں ایک تجویز پاس کی گئی، جس کے الفاظ یہ ہیں:

"جمعیۃ علمائے ہند کا یہ اجلاس اس امر پر اظہارِ افسوس کرتا ہے کہ ایکٹ نمبر ۸ سنہ ۱۹۳۹ء جو قانون طلاق یا کاظمی ایکٹ کے نام سے مشہور ہے جس صورت میں پاس ہو کر شائع اور نافذ ہوا ہے اس میں بعض دفعات اسلامی پرسنل لا کے خلاف ہو گئی ہیں، جن کی ترمیم کرانی ضروری ہے، جمعیۃ کا یہ اجلاس حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب سے یہ درخواست کرتا ہے کہ وہ ترمیمی مسودہ تیار کر کے جمعیۃ کے سامنے پیش کریں، اور جمعیۃ تمام

مسلم ارکانِ اسمبلی کو اس کی ضرورت اور اہمیت بتا کر اس کو مرکزی اسمبلی میں پیش کرانے اور منظور کرانے کی سعی کرے۔"

۴۔ جمعیۃ علمائے ہند کی مجلسِ عاملہ کا ایک اجلاس ۲۹ ستمبر تا ۲ اکتوبر ۱۹۴۰ء کو دہلی میں حضرت شیخ الاسلام کی صدارت میں ہوا،

"اس اجلاس میں اراکینِ عاملہ کے علاوہ مولوی محمد احمد کاظمی ایم، ایل، اے نے بھی خصوصی دعوت پر شرکت فرمائی، اور قاضی بل پر اراکینِ مجلسِ عاملہ سے تبادلہ خیالات فرمایا، جلسہ کی صدارت بعض نشستوں میں مولانا فخر الدین صاحب نائب صدر نے اور بعض نشستوں میں مولانا احمد سعید صاحب نائب صدر نے اور بعض نشستوں کی صدارت حضرت مولانا سید حسین احمد صاحب صدر جمعیۃ علماءِ ہند نے فرمائی،

حسب تجویز سالانہ اجلاس جمعیۃ علمائے ہند منعقدہ جون پور حضرت مولانا مفتی محمد کفایت اللہ صاحب کا مرتب کردہ مسودہ پیش ہوا، جو پوری بحث و تمحیص کے بعد منظور کیا گیا، اور طے پایا کہ یہ ترمیمی مسودہ مرکزی اسمبلی کے کسی مسلم ممبر کے حوالے کیا جائے جو ایکٹ مذکورہ کے ترمیمی بل کا باقاعدہ مسودہ تیار کر کے اسمبلی میں پیش کریں، اور دوسرے مسلمان ممبرانِ اسمبلی کو بھی اس کی حمایت کے لیے آمادہ کیا جائے،

ترمیم شدہ دفعات اس رپورٹ میں درج ہیں۔"

اس تجویز میں جس ترمیمی مسودے کا ذکر آیا ہے یہ وہی مسودہ ہے جس کے تیار کرنے کی درخواست جمعیۃ علمائے ہند کے بارہویں سالانہ اجلاس جونپور میں حضرت مفتی صاحب سے کی گئی تھی، اور قانونِ طلاق یا کاظمی ایکٹ کی بعض دفعات میں

جو ترامیم تجویز کی گئی تھیں وہ ایک الگ تجویز کی صورت میں مجلسِ عاملہ کے اسی اجلاس میں منظور کی گئیں، ان کی تفصیل یہ ہے:

"ایکٹ نمبر ۸ سنہ ۳۹ء مسلم انفساخِ نکاح کی دفعات مصرحہ ذیل میں حسب ذیل ترمیم ہونی چاہیے، اور دفعہ ۷ کا اضافہ بھی نہایت ضروری ہے،

دفعہ (۲) میں "کوئی عورت جس کی شادی شریعتِ اسلامی کے مطابق ہوئی ہو" کی بجائے "کوئی عورت جو شریعتِ اسلامیہ کے بموجب کسی شخص کے عقدِ نکاح میں ہو" (تاکہ غیر مسلم زوجین اگر معاً مسلمان ہو جائیں تو اس عورت کو بھی الفاظِ قانون شامل رہیں)۔

دفعہ (۲) ضمن ۷ میں کہ "بیوی نے جس کو اس کے باپ یا کسی دوسرے ولی نے نکاح میں دیا تھا، اٹھارہ سال کی عمر کو پہنچنے سے پہلے نکاح مذکور کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا" کی بجائے "بیوی نے جس کو باپ یا دادا کے سوا کسی دوسرے ولی نے نکاح میں دیا تھا بالغ ہونے کے وقت نکاحِ مذکور کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا تھا" "شرط یہ ہے کہ" فقرہ بالکل حذف کر دیا جائے،

متعلق (ج) میں لفظ "عدالت کو لازم ہوگا" کے بعد عبارت یوں ہو: "کہ شوہر کی نامردی کی صورت میں ایک حکم"

دفعہ (۴) میں لفظ "بذاتِ خود" کے آگے "اس کے لیے فسخِ نکاح کی ڈگری حاصل کرنے کی قانونی وجہ قرار نہیں دیا جائے گا" اور فقرہ "شرط مزید یہ کہ" حذف کر دیا جائے،

(دفعہ) ۷ اس ایکٹ کے ماتحت دائر شدہ مقدمات کی سماعت مسلم جج کی عدالت میں ہوگی، اس دفعہ کی عبارت وہی ہونی چاہیے جو کاظمی بل کی دفعہ (۶) میں درج تھی "۔

(۵) جمعیۃ علمائے ہند کا تیرھواں سالانہ اجلاس زیر صدارت حضرت شیخ الاسلام ۲۰ر تا ۲۳ر مارچ سنہ ۱۹۴۲ء لاہور میں منعقد ہوا، اس کی آٹھویں تجویز قاضی بل کے بارے میں ہے، اس میں کہا گیا ہے :

"جمعیۃ علماء ہند کا یہ اجلاس کاظمی ایکٹ نمبر ۸ سنہ ۱۹۳۹ء کے متعلق اس حقیقت کا اظہار کرنا ضروری سمجھتا ہے کہ اس میں سے اُس دفعہ کو حذف کر کے جس میں اس قسم کے مقدمات کے لیے مسلم جج کی عدالت میں پیش ہونا ضروری قرار دیا گیا تھا نہ صرف ایکٹ کی مذہبی افادی حیثیت کو باطل کر دیا گیا، بلکہ اس طرح اس کو مسلمانوں کے لیے سخت مضر اور خطرناک بنا دیا گیا ہے، جمعیۃ علماء یہ واضح کر دینا ضروری سمجھتی ہے کہ غیر مسلم جج کے فسخ کرانے سے شرعاً نکاح فسخ نہیں ہوتا، اور عورت بدستور شوہر اول کے نکاح میں رہنے کے باوجود قانونی زد سے محفوظ ہو کر دوسرا نکاح کر لیتی ہے، اور حرام میں مبتلا ہو جاتی ہے،

جمعیۃ علماء مسلم ارکان اسمبلی سے پرزور استدعا کرتی ہے کہ وہ اس ایکٹ نمبر ۸ میں یہ ضروری ترمیم کرانے کے لیے متفق ہو کر سعی کریں،

محرک : مولانا احمد سعید صاحب

مؤید : مولانا محمد یونس صاحب لائل پور"

(۶) جمعیت علمائے ہند کی مجلس عاملہ کا ایک اجلاس دہلی میں ۶ر جولائی ۱۹۴۲ء کو جمعیۃ علماء کے نائب صدر مولانا احمد سعید دہلوی کی صدارت میں منعقد ہوا حضرت

شیخ الاسلام اس زمانہ میں گرفتار ہو چکے تھے، اس اجلاس میں تیسری قرارداد "قانون انفساخِ نکاحِ مسلم" محمد احمد کاظمی کے ترمیمی بل کے بارے میں تھی، قرارداد کے الفاظ یہ ہیں:

"قانونِ انفساخِ نکاحِ مسلم کے سلسلہ میں مجلسِ عاملہ نے کاظمی صاحب کے ترمیمی بل کو دیکھا، مجلس کی رائے میں یہ ترمیمات بجائے خود صحیح اور ضروری ہیں، مجلس ان ترمیمات کی پُرزور تائید کرتی ہے، مجلس یہ بھی مناسب سمجھتی ہے کہ دفعہ ۲ ضمن ۷ میں دادا کے کیے ہوئے نکاح میں صغیرہ کو جو خیارِ بلوغ نہیں دیا گیا ہے تو اس کے مضرت رساں پہلو کی مضرت کو دفع کرنے کے لیے ایک دفعہ کا اضافہ کیا جائے، جس کے الفاظ یہ ہوں گے:

دفعہ: اگر باپ دادا کا کیا ہوا نکاح ہو تو اس میں صغیرہ کو خیارِ بلوغ تو نہیں ہے لیکن اگر باپ دادا کے متعلق یہ ثابت ہو چکا کہ وہ لالچ یا سفاہت کی وجہ سے یا فاسق متہتک یعنی بے غیرت و بیباک ہونے کی وجہ سے اپنی اولاد کے نکاح میں مصلحت و شفقت کو مدنظر نہیں رکھتا، ایسی حالت میں غیر کفو کے ساتھ یا غبن فاحش پر نکاح کیا ہوا باطل ہے۔"

(۷) مجلسِ عاملہ کے اسی اجلاس میں (دہلی ۱۱ر جولائی ۱۹۴۲ء) میں قرارداد نمبر ۴ شریعت ایکٹ میں سید محمد احمد کاظمی صاحب کی ترمیم کے بارے میں ہی، قرارداد کے الفاظ یہ ہیں:

"شریعت ایکٹ کے مسودہ ترمیم پیش کردہ سید محمد احمد کاظمی پر مجلس نے غور کیا، مجلس کی رائے میں یہ ترمیمات صحیح ہیں، اور جمعیہ عاملہ اس کی پوری تائید کرتی ہے۔"